یورپ کے نوپید مسائل کے شرعی حل کا عظیم شاہکار

فتاویٰ یورپ

تصنیف مفتی عبدالواجد قادری

مبسملاً وحامداً ومصلیاً ومسلماً

قال تعالیٰ ارشادِ خداوندی ہے

فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

(اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو)

فتاویٰ یورپ

جزء من اجزاء فتاویٰ واجدی

از قلم

مفتی عبدالواجد صاحب قادری

امین شریعت ادارۂ شرعیہ بہار الہند ـ مفتی اعظم ہالینڈ

شبیر برادرز زبیدہ سنٹر۴۰ مسلم ماڈل ہائی سکول بم. اردو بازار لاہور

فون: 042-7246006

"صاحبِ فتاویٰ یورپ" حضرت مفتی صاحب قبلہ ادام اللہ ظلہ نے اپنے فتاؤں میں مندرجہ ذیل مہروں کو استعمال فرمایا ہے (مرتب)
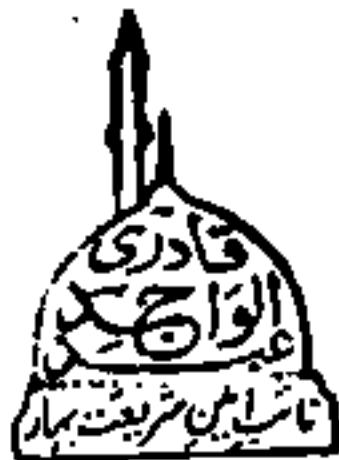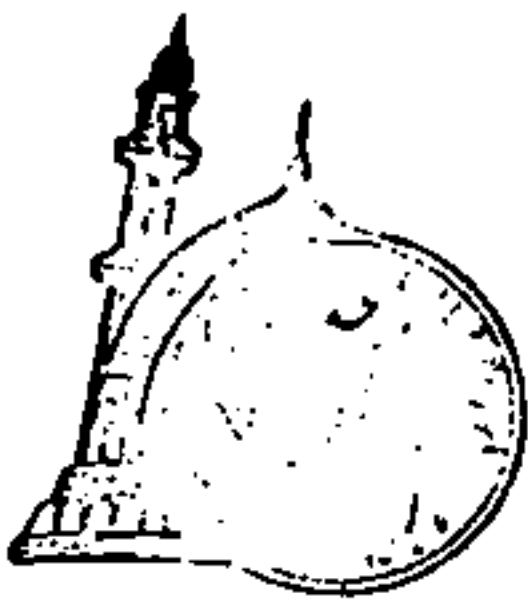
نام کتاب .... فتاویٰ یورپ

از رشحاتِ قلم .... مفتی عبدالواجد قادری (مفتی اعظم ہالینڈ)

مرتب و مدون .... مولانا الحاج محمد سلطان رضا قادری

(خطیب الفردوس لیلی ستادنیدرلینڈ)

تکمیل آرزو .... مولوی فیضان الرحمٰن سبحانی سلمہٗ

(شریعت کالج مرکز الثقافۃ السنیہ کیرلہ الہند)

پیش کش .... مجلس علماء نیدرلینڈ

اشاعت .... فروری ۲۰۰۶ء

تفصیلی مسائل کی تعداد .... تین سو نو (۳۰۹)

اجمالی وضمنی مسائل .... چھ سو اٹھاسی (۶۸۸)

کتابت .... محمد شفیق فیضی

قیمت .... روپے

ملنے کا پتہ

شبیر برادرز

۴۰- اُردو بازار لاہور فون: 7246006

دُعاء

اے ہمارے رب! سب حمد و ثنا، ساری ستائش و تعریف، تمام خوبی و کمال تیری ذات بے ہمتا کے لئے ثابت ہے، اور تیری ہی قدرت و اختیار سے جہانِ رنگ و بو کی ساری رنگینیاں اور رعنائیاں روپذیر ہیں..... تو تمام صفات کمالیہ و جمالیہ کا جامع اور ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے۔

اے ہمارے مالک و مولیٰ!! تو ہر اس شئے پر قادر ہے جو تیری شان قدوسیت و کبریائی کے لائق ہے اور ہر اس شئے سے پاک و منزّہ ہے جو تیرے دامنِ عظمت و قدرت تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں

اے ہمارے رحمٰن و رحیم تو اپنی رحمت بے پایاں کے ساتھ اپنے بندوں کے گمان سے قریب ہے، ہم تجھ سے تیری خوشنودی اور رضا چاہتے ہیں، تجھ بے نیاز مالک!!! سے تیری رحمت کے طلبگار ہیں اور اپنی قساوتِ قلبی اور خواہشاتِ نفسی سے بیزار ہیں۔ تو اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے اپنے رحم و کرم کی بھیک عطا فرما دے۔

اے کائنات کے خالق و مالک!!!! ہمارا دامن اعمالِ صالحہ اور افعالِ حسنہ سے خالی ہے لیکن تیری مہربانیوں سے ہماری گردنوں میں بطریق حضور امام اعظم و حضور غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تیرے محبوب و مطلوب سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کی شریعت و طریقت کی غلامی کا زرّیں پٹہ ہے۔ اسی زرّیں پٹہ کے طفیل ہمیں راہِ شریعت و طریقت پر استقامت و عزیمت عطا فرما۔

اے بندہ نواز وکارساز مولیٰ !!!!! فتاویٰ یورپ کی شکل میں جو دینی خدمت
پیش ہے اسے اپنے فضل سے شرفِ قبول عطا فرما۔ اس میں جو
بھی بھول چوک اور خطا، ونسیان واقع ہوئے ہوں وہ میری
جہالت وشرارت نفس سے واقع ہوئے اسے اپنی رحمت کے
پانی سے دھو دے۔ اور اپنے مخلص بندوں کے ذریعہ اس کی
اصلاح فرما، اور اس میں جو صحیح و راجح دینی واسلامی مسائل ہیں
انہیں مسلمانوں کے لئے مشعلِ حیات اور ہمارے لئے ذریعۂ
نجات بنادے۔ آمین آمین ثم آمین۔

یَا مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّیْنَ وَالسَّائِلِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ
الرَّاحِمِیْنَ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ
مَظْہَرِ لُطْفِہٖ سَیِّدِ الْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

سائلِ بے نوا،
عبدالواجد قادری غفرلہٗ ولوالدیہ

انتساب

اُن مخلص اساتذہ کرام، مربیانِ عظام
اور بزرگوں کے نام جن کی نگہِ التفات نے پژمردہ کلیوں
کو تازگی اور خوابیدہ اذہان وافکار میں رمقِ زندگی نیز
ذوقِ عمل کا جوہر بخشا۔ جن کی تاثیرِ دعا نے ذرۂ پامال
کو ہمدوشِ ثریا کیا۔ اور جنہوں نے دو روزہ ناپائیدار
حیاتِ مستعار میں کچھ کر جانے کا سلیقہ عطا فرمایا۔
فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی خَيْرَ الْجَزَاءِ

اُمیدوارِ کرم
عبدالواحد قادری غفرلہ

مفتی عبدالواحد رضا صاحب قادری اور خدمتِ افتاء

ازقلم :- مولانا سلطان رضا صاحب قادری

فتویٰ نویسی کا ذوق دورِ طالب علمی سے تھا چنانچہ بنارس کے دورِ قیام آپنے درجنوں فتوے لکھے لیکن باضابطہ اس کی ابتداء ۱۳۷۶ھ میں حضور سیدنا مفتی اعظم ہند اور حضور مفسر اعظم ہند رحمہا اللہ تعالیٰ کی اجازتوں سے ہوئی۔ آپکے نام کی پہلی مہر افتاء ۱۳۷۶ھ میں بریلی شریف کے اندر تیار ہوئی جس کو حضور سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان نے ملاحظہ فرما کر آپ کے حوالہ کی۔ پھر سیدی و مرشدی سرکار مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے مہر مذکور کو دیکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے تاکیداً ارشاد فرمایا کہ اکثر و بیشتر حضور مفتی اعظم کی خدمتِ عالیہ میں بیٹھا کرو۔ اُن سے افتاء نویسی کے گُر سیکھو اور اپنے لکھے ہوئے فتوؤں کے نوک و پلک کی اصلاح لیتے رہو..... چنانچہ مسلسل گیارہ مہینے تک حضور سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمتِ بابرکت میں رہ کر اپنے تحریری جوابات پر اصلاح حاصل کرتے رہے اس درمیان حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی شفقت و مہربانی کی موسلادھار بارش آپ پر ہوتی رہی۔ اسی سال بریلی شریف میں ایسا فرقہ وارانہ فساد ہوا کہ لوگوں کا گھروں سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا، اشیاء خورد و نوش کا ملنا مشکل ہو گیا۔ حضرت مفتی صاحب موصوف کا قیام خانقاہِ رضویہ کے بالائی حصہ (کتب خانہ حامدی) میں تھا۔ اکثر و بیشتر سرکار مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ بنفس نفیس خود کھانا، ناشتہ لیجا کر حضرت مفتی صاحب کو کھلایا کرتے اور فسادات کے درمیان ہمت کے ساتھ ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے فسادات کے درمیان (تقریباً ایک ہفتہ تک) مسجد رضا میں صرف تین افراد (حضور مفتی اعظم ہند، حضرت ساجد میاں اور مفتی صاحب موصوف) پر مشتمل پنج وقتی جماعتیں ہوتی رہیں۔ اس بیچ میں مفتی صاحب موصوف کو حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ سے بہت کچھ استفادہ کا وافر موقع ہاتھ آیا۔

شوال المکرم ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۷ء میں جب آپ مدرسہ رحمانیہ حامدیہ پوکھریرا ضلع سیتامڑھی (سابق مظفرپور) کے صدرالمدرسین کے منصب پر فائز ہوئے تو خدمتِ افتاء بھی آپ کے سپرد کی گئی۔

اس کے بعد جس مدرسہ یا جامعہ میں آپ مدرس ہوئے ہر جگہ افتاء کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالا، بلکہ اگرچند مہینوں کے لئے بھی کسی جامع مسجد کے امام وخطیب ہوئے مثلاً جامع مسجد بالوترا باڑھمیر، راجستھان، جامع مسجد کشمیری کاٹھمنڈو، تو وہاں بھی اُمورِ افتاء کو انجام دیتے رہے۔ لیکن افسوس کہ ان فتاوٗں کی نقلیں محفوظ نہیں رکھی جاسکیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض فتاوٰوں پر حضور مفتی اعظم ہند اور ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین صاحب فاضل بہاری کے تائیدی و توثیقی دستخط بھی ثبت تھے۔

علم المیراث کے بعض جوابات کی تائید و توثیق اس علم کے عظیم ماہر استاذ حضرت مولانا شاہ عظیم الدین صاحب مکنپوری ثم پوکھریروی نے فرمائی یہ وہ وقت تھا کہ پورے علاقہ میں گورنمنٹ کی طرف سے سروے ہو رہا تھا اور آپ تیرہ تیرہ چودہ چودہ بطنوں کا مناسخہ نکالا کرتے تھے۔

۱۳۹۲ھ میں جب آپ دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ کے نائب صدر مدرس ہوئے تو وہاں کا دارالافتاء مستقل طور پر آپ کے زیر نگرانی آگیا اور وہاں آپ کے اکثر فتاوٗوں کی نقلیں بھی رکھی جانے لگیں۔

ادارۂ شرعیہ بہار کی "انسدادِ فسادات کانفرنس" کی شرکت کے بعد جب حضور مجاہدِ ملت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب رئیس التارکین اڑیسہ، اور رئیس المناظرین حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب مفتیٔ اعظم کانپور اور حضرت مولانا صوفی سید الزماں صاحب حمدوی دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ تشریف لائے تو نقولِ فتاوٰی کے رجسٹروں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے خاص کر حضرت مفتیٔ اعظم کانپور نے افتاء سے متعلق ضروری اور مفید ہدایتیں دیں اور دربھنگہ کمشنری کا

باضابطہ آپ کو قاضیٔ شرع بھی مقرر فرمایا اور تاکید کی کہ مرکزی دارالقضاء، ادارۂ شرعیہ بہار سے مسلسل رابطہ قائم رکھیں۔

۱۳۹۵ھ/۱۹۷۶ء میں ادارۂ شرعیہ کے عظیم محرک وبانی حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ (رئیس التحریر) اور ادارۂ شرعیہ کے مہتمم علامہ سید رکن الدین صاحب اصدق جب دربھنگہ کے بعض پروگرام میں تشریف لائے تو دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ میں بھی رونق افروز ہوئے اور آپ کے کارِ افتاء کا جائزہ لیا۔ پھر ان دونوں حضرات نے حالات کا واسطہ دیتے ہوئے مفتی صاحب موصوف کو ادارۂ شرعیہ بہار کے مرکزی دفتر واقع سلطان گنج پٹنہ آنے کی دعوت دی۔ آپ ان دنوں دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ کے انتظامی و تدریسی حالات سے بہت بدظن ہو چکے تھے آپ نے انتظامیہ کی توجہ کو اس جانب مبذول بھی کرایا لیکن انتظامیہ کے افراد علوم شرعیہ سے خود ہی دور تھے تو اس کی اصلاح کیونکر ممکن ہوتی۔ ادھر دارالعلوم حمیدیہ کی تدریسی و تعلیمی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی اور آپ کو یہاں سے نکلنے کا اچھا موقع مل گیا۔ حالانکہ اس مدرسہ کا شمار بہار مدرسہ بورڈ کے ملحقہ مدارس کے صفِ اول میں ہوتا ہے جہاں کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے بورڈ کے فارغ شدگان ہزاروں ہزار رقم خرچ کرتے اور پاپڑ بیلتے ہیں لیکن صاحب تذکرہ نے وہاں کے ماحول سے نکل جانے کو غنیمت جانا چنانچہ سال بھر سے زیادہ کا مشاہرہ چھوڑ کر آپ دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ سے بہار کے مرکزی دارالافتاء میں آگئے۔ جہاں ادارۂ شرعیہ بہار کے ارباب حل وعقد نے علامہ الحاج مفتی ارشد القادری صاحب جمشید پوری اور حضور امین شریعت اول علامہ الحاج شاہ مفتی رفاقت حسین صاحب علیہما الرحمہ والرضوان کی رہنمائی وسربراہی میں آپ کو مرکزی دفتر ادارۂ شرعیہ بہار کے مرکزی دارالافتاء کے صدر الصدور کا منصب دیا۔

جہاں آپ جہد پیہم اور یکسوئی کے ساتھ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۲ء کے اخیر تک مسلسل پانچ سال صدر مفتی کی حیثیت سے افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے۔

یہاں آپ کے فتاوے نہ صرف مسلم عوام و خواص میں مقبول ہوئے بلکہ کورٹ و کچہری میں بھی آپ کے فتاوے پر مسلم نزاعات کے فیصلے ہوئے۔ جن فتاووں کی نقلیں ادارہ میں محفوظ رکھی گئیں۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں جو کئی جلدوں کے اندر بنام "فتاویٰ شرعیہ" موجود ہیں۔

۱۹۸۵ء کے شروع میں مفکر ملت ریحانِ رضویت حضرت علامہ الحاج ریحان رضا خاں صاحب عرف رحمانی میاں قبلہ کے اصرار پر آپ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف کے دار الافتاء میں آگئے جہاں جنوری ۸۵ء تا اکتوبر بحیثیت مفتی خدمتِ افتاء انجام دیتے رہے۔

اسی درمیان ہانگ کانگ اور ہالینڈ سے ایک عالم دین کا شدید مطالبہ ہوا۔ چونکہ ریحانِ ملت نے ان دنوں امریکہ، یورپ اور جنوبی امریکہ کا تبلیغی و اشاعتی دورہ فرمایا تھا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ اگر آپ چاہیں تو کچھ دنوں کے لئے ہالینڈ تشریف لے جائیں۔

چنانچہ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں آپ "نیدرلینڈ اسلامک سوسائیٹی" کے ذریعہ ہالینڈ آگئے۔ یہاں تبلیغ و اشاعت اور امامت و خطابت کے علاوہ افتاء کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

۱۹۸۶ء/۱۴۰۶ھ میں قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ کی تحریک پر جانشین مفتی اعظم تاج الاسلام حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب عرف ازہری میاں قبلہ کی قیادت اور عراق و ترکی نیز مغرب کے سفرا، اور ہالینڈ کی تنظیموں کی موجودگی میں علماء ملک و ملت نے آپ کے سر دستار افتاء باندھ کر جامعہ کے کار افتاء کی ذمہ داری و جوابدہی آپ کے سپرد کی اور آپ کا دار الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ قرار دیا۔

چونکہ آپ کا مستقل قیام ایمسٹرڈم میں تھا جہاں سے روزانہ جامعہ آنا جانا متعذر تھا لہٰذا علامہ موصوف علیہ الرحمہ نے یہ ذمہ داری الحاج عبد السبحان مرحوم

عرف حاجی جہام کے سپرد کی کہ ہفتہ میں دو دنوں مفتی صاحب کو جامعہ میں لائیں اور پہنچائیں، جو سلسلہ بہت دنوں تک چلتا رہا، پھر یہ بات طے پائی کہ تحریری سوالات آمسٹرڈم ہی بھیج دیئے جائیں۔ چنانچہ ابتک یہی طریقہ جاری ہے۔

۱۹۹۹ء میں اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ (تنظیم القرآن) اور مجلس علماء نیدرلینڈ کے قیام و رجسٹریشن کے بعد ان دونوں تنظیموں کے دارالافتاؤں اور دارالقضاؤں کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سر آگئی۔

اس طرح تقریباً پچاس سالہ خدمتِ افتاء کا سہرا آپکے سر بندھتا ہے۔ اگر ادارۂ شرعیہ بہار اور دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ سے جاری شدہ فتاوؤں کی اشاعت ہو جائے تو فتاووں کی دنیا میں ایک مفید اضافہ ہو جائے گا لیکن وہ کئی ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں اس لئے قریبی دنوں میں اس کی اشاعت کا امکان نظر نہیں آتا ہے کیونکہ اس کی اشاعت پر کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔

ہالینڈ میں انیس ۱۹ سالہ قیام کے دوران کئی ہزار تحریری فتاوے جاری ہوئے (حالانکہ یہاں تحریری سوال وجواب کا ذوق کم ہے زیادہ تر ٹیلی فون، بذریعہ انٹرنیٹ یا زبانی سوالات وجوابات ہوئے ہیں۔) ان میں سے محفوظ شدہ تمام فتاووں کی اشاعت بھی دو تین ضخیم جلدوں کی متقاضی ہے۔ اور اکثر فتاوے چونکہ نکاح وطلاق سے متعلق ہیں اس لئے اس کے مکررات اور عامۃ المسلمین کے لئے غیر مفید فتاوؤں کو علیحدہ کرنا پڑا، تاکہ ایک ہی جلد میں ضروری فتاووں کی گنجائش ہو سکے۔ فتاویٰ یورپ کی فہرست کی ترتیب میں بھی خاصی کاوش و محنت کی گئی ہے تاکہ اسے مفید سے مفید تر بنایا جاسکے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

ناچیز

سلطان رضا قادری

مرتب فتاویٰ یورپ

باذوق اہلِ علم سے گذارش ہے کہ وہ فتاویٰ یورپ کے مطالعہ سے پہلے صاحبِ فتاویٰ کے ایک مختصر مگر نہایت جامع ومفید رسالہ" الاصل الفقہی من افادات الرضوی ۲۰۰۲ء" المعروف فتویٰ نویسی کے رہنما اصول مطبوعہ دہلی کا ضرور مطالعہ فرمائیں جو مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل بہت ہی نافع رسالہ ہے۔

(۱) مفتی کیسا ہونا چاہئے؟ (۲) مفتی کی جامع تعریف (۳) موجودہ دور اور کارِ افتا، (۴) فقیہ یا راسخ العلم (۵) فقہ کی تعریف (۶) فقیہ اور راسخ العلم میں فرق (۷) فقہ کی کچھ اور تعریف (۸) مفتی اور فقیہ کی خصوصیت (۹) مفتی کے لئے ضروری امور (۱۰) واجب الحفظ (۱۱) مفتی اپنے مذہب سے کب عدول کر سکتا ہے؟ (۱۲) مفتی اور عرف وعادت (۱۳) عرف وعادت کی تعریف (۱۴) عرف کی قسمیں (۱۵) عرف کی اہمیت (۱۶) عدول عن المذہب کی شرطیں (۱۷) اسباب ستہ (۱۸) ضرورت کی تعریف (۱۹) ضرورت کی وجہ سے آسانی کی راہیں (۲۰) ضروری تنبیہ (۲۱) ضرورت وحاجت کی مزید توضیح (۲۲) رخصت کی تعریف وتحدید (۲۳) رخصت کی مثالیں (۲۴) بعض اصولِ کلّیہ مع مثالیں (۲۵) طبقات مسائل (۲۶) طبقات کی ضروری وضاحت (۲۷) بعض قواعدِ فقہیہ کی نشاندہی (۲۸) بعض مصادر اصول (۲۹) فتاویٰ رضویہ کے بعض اصولِ فقہیہ (۳۰) کتب احادیث کی ترتیب (۳۱) ضروری معلومات (۳۲) التمییز فی الافتا، (۳۳) فوائد فقہیہ (۳۴) افادات الفقہا، (۳۵) ظن علم امر شرعی (۳۶) فتویٰ، قول، واجب وسنت ، اسات، ترتیب منکر، کفر۔ (۳۷) حاکم شرعی قاضی مفتی (۳۸) اصول متفرقہ (۳۹) فوائد متعددہ وغیرہم

معلن:۔ مجلس علماء نیدر لینڈ۔

تقدیم

فتویٰ کا اصطلاحی معنیٰ شرعی فیصلہ ہے۔ اور ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں شرعی فیصلہ صادر کرنے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔ اس لفظِ فتویٰ کے مادّہ (ف، ت، و) سے قرآن پاک میں تقریباً اکیس مقامات پر مشتق الفاظ آئے ہیں، گویا اس کی اصلاحیں بہت قدیم ہیں۔ احادیث کریمہ اور آثارِ صحابہ میں بھی بے شمار فتاوے نظر آتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ و شام، اور مصر و یمن وغیرہ میں درجنوں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم منصب افتاء پر فائز تھے جو فتاوے صادر فرماتے تھے۔ اور جن حضرات صحابۂ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اجتہادی بصیرت نہیں ہوتی وہ مجتہدین صحابۂ عظام کی طرف سے صادر شدہ احکامِ شرع کو بغیر کسی بحث وتحیص کے قبول فرماکر ان پر عمل پیرا ہو جاتے تھے۔

پہلی صدی ہجری کے بعد افتاء نویسی نے باضابطہ ایک اہم دینی فن کی شکل اختیار کرلی اور پھر اس کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا۔ جو اسلامیانِ عالم کے لئے خصوصاً نعمت عظمٰی اور دیگر اقوام و ملل کے لئے عموماً سنگِ میل ثابت ہوا۔

اگر سلسلہ وار ہر ایک صدی کے فقہاء کرام اور مفتیان عظام کی فہرست اکٹھی کی جائے تو کم از کم چودہ ضخیم جلدوں کی حاجت ہوگی۔ لیکن میرا مقصود ان حامیانِ دین اور مفتیانِ شرع متین کی فہرست مرتب کرنی نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ کتب فتاویٰ کی باضابطہ تاریخ نے عہد صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے شروع ہو کر ہر اُس ملک میں اپنا سکہ بٹھالیا اور اپنی جڑوں کو مضبوط کرلیا جہاں جہاں فتوحاتِ اسلامیہ کا اثر ہوا۔

اس وقت میری نظر برصغیر (متحدہ ہندوستان) پر ہے جہاں بسلسلۂ تجارت عہد فاروقی میں مسلمان پہنچ چکے تھے۔ پھر محمد بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی فاتحانہ پیشقدمی نے سندھ، مکرانہ اور کیرالا وغیرہ کے جنوبی سواحل پر انقلاب برپا کر دیا تھا۔ یہ فاتح سندھ حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے پر پوتے تھے (یعنی محمد بن قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اُن کی پاکیزہ جواں سالی اور انصاف پروری نے غیر مسلموں کو بہت زیادہ متاثر کیا چنانچہ جب انھوں نے عرب واپسی کا ارادہ فرمایا تو غیر مسلم سربراہوں نے بہر نوع آپ کو روکنے کی کوشش کی مگر آپ نہ رکے البتہ یہ نصیحت فرمائی کہ جن مسلمانوں کو میں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ سب میرے بھائی ہیں اُن کی تعظیم و تکریم میری تعظیم و تکریم ہے۔ ان کی مدد میری مدد ہے۔ حضرت محمد بن قاسم کے واپس ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے مفتوحہ علاقوں میں مستقل طرح سکونت ڈالی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ جگہ مساجد و مدارس اور حسب ضرورت عدلیہ کا قیام عمل میں آیا جس کے لئے دارالافتا، ناگزیر تھا۔ مگر اس زمانے کے فتاوے محفوظ نہیں کئے گئے۔

اس کے بعد مسلم سلاطین اور مسلم امراء کا دور شروع ہوا جن میں سے بیشتر سلاطین و امراء کو فقہ اسلامی یا فتاویٰ اسلامیہ سے دلچسپی تھی چنانچہ سلطان محمود غزنوی جو تخت و تاج کے علاوہ علوم اسلامیہ کا اسکالر اور فقہ اسلامی کا مستند عالم تھا اس نے فقہ اسلامی میں "التفرید فی الفروع" لکھا جو اُس کے دیار غزنی میں مرجع و معتمد مانا جاتا تھا۔

سلطان ظہیر الدین بابر جس کو آج متعصب دنیا تعصب کی عینک سے دیکھ رہی ہے جس نے متحدہ ہندوستان میں اپنی حکمرانی کے دوران عدل گستری، رعایا پروری اور مظلوموں کی دادرسی کا ریکارڈ قائم کیا وہ نہ صرف تخت شاہی کا مالک تھا بلکہ مذاہب اربعہ کے اصولوں پر ایک کتاب بھی ترتیب دی جس کا تذکرہ سید نوشہ علی نے اپنی مشہور تاریخ میں کی ہے۔

بادشاہ ہمایوں کے حکم پر جناب اخوند میر نے "قانون ہمایوں" کے نام سے

علم فقہ میں ایک کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ متحدہ ہندوستان میں دیگر بادشاہوں اور امیروں کے ایما، پر متعدد فقہی نوادرات کا وجود عمل میں آیا مثلاً فتاوی فیروز شاہی فتاوی ابراھیم شاہی۔ فتاوی اکبر شاہی، فتاوی تاتارخانی، فتاوی عادل شاہی۔ اور فتاوی عالمگیری وغیرہا۔

ان کے علاوہ بھی فقہ و فتاوی پر مشتمل بعض کتابیں متحدہ ہندوستان میں ترتیب و تدوین کے مرحلے سے گزریں۔ جیسے فتاوی سراجیہ، فتاوی الحمادیہ، فتاوی جامع البرکات، فتاوی الھدایہ، فتاوی النقشبندیہ اور فتاوی مختصر شافعی وغیرہا۔

اس کے علاوہ علاقائی زبانوں میں بھی بعض فتاوے ترتیب دیئے گئے مثلاً ملیالم، بنگالی، گجراتی اور سندھی زبانوں میں۔

میں یہاں ان مختلف ہندوستانی زبانوں کے فتاؤں کی بھی فہرست اکٹھی کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف اردو زبان کے بعض کتب فتاوی اور بعض مفتیان کرام کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا تاکہ یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ دنیا کی مشہور ترین زبانوں کی طرح اُردو زبان میں بھی ہمارا عظیم الشان دینی سرمایہ فقہ اسلامی کی صورت میں موجود ہے جو ہماری دینی زندگی و توانائی کی ضمانت ہے۔

بعض کتبِ فتاوی بزبان اردو

(۱) فتاوی رضویہ (پچیس ۲۵ جدید ضخیم جلدوں میں) (۲) فتاوی نوریہ مصطفویہ (دو جلدوں میں) (۳) فتاوی نوریہ (تین جلدوں میں) (۴) فتاوی امجدیہ (دو جلدوں میں) (۵) فتاوی نعیمیہ (۶) فتاوی محبوبیہ (۷) فتاوی ارشادیہ (۸) افضل الفتاوی (۹) فتاوی منظر اسلام (۱۰) فتاوی مرکزیہ (۱۱) فتاوی اشرفیہ (۱۲) فتاوی شرعیہ (۱۳) فتاوی پاسبان (۱۴) فتاوی صدارت العالیہ (۱۵) فتاوی نظامیہ (۱۶) مجموعۃ الفتاوی (۱۷) فتاوی آستانہ (۱۸) امداد الاحکام (۱۹) فتاوی قیام الملۃ والدین۔

(۲۰) مجموعۂ فتاویٰ (۲۱) فتاویٰ علماء اہل السنۃ والجماعۃ (۲۲) فتاویٰ السنۃ (۲۳) فتاویٰ واحدی (۲۴) فتاویٰ مسعودی (۲۵) فتاویٰ مظہری (۲۶) فتاویٰ عزیزیہ (۲۷) مجموعۂ فتاویٰ (۲۸) فتاویٰ نظامیہ (۲۹) فتاویٰ غوثیہ (۳۰) فتاویٰ سعدیہ (۳۱) فتاویٰ عثمانیہ (۳۲) فتاویٰ نثاریہ (۳۳) فتاویٰ فیض الرسول (دو جلدوں میں) (۳۴) فتاویٰ رضانیہ (۳۵) فتاویٰ البرکات (۳۶) وقار الفتاویٰ (۳۷) اجمل الفتاوی (۳۸) فتاویٰ فقیہہ ملت وغیرہما

اردو زبان میں یہ اُن فتاوٗوں کی اجمالی فہرست ہے جنہیں کتب فتاویٰ کی فہرست ترتیب دینے والے حضرات نے عمدًا یا حسدًا ترک کر دیا ہے۔

صاحبانِ فتاویٰ

مذکورہ بالا کتب فتاویٰ علی الترتیب مندرجہ ذیل مفتیانِ اسلام، علماء کرام کا مرہونِ منت ہیں ان میں سے اکثر فتاوے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر فیض بخش خاص و عام ہوئے۔ اور بعض کتب فتاویٰ اب تک طباعت پذیر نہیں ہو سکیں۔ بلکہ مخصوص کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

(۱) مجددِ دین و ملت اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی (۲) مفتیٔ اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی (۳) فقیہِ اعظم پاکستان مفتی محمد نور اللہ صاحب (۴) صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی شاہ صاحب اعظمی (۵) حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خانصاحب نعیمی (۶) مفتی احمد حسین خانصاحب (۷) استاذ العلماء مفتی ارشاد حسین صاحب رامپوری (۸) بحر العلوم مفتی سید افضل حسین صاحب مونگیری صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی (۹) مفتی تقدس علی خانصاحب، مفتی ابراہیم رضا عرف جیلانی میاں مفسر اعظم ہند مفتی افضل حسین صاحب، مفتی محمد احمد المعروف بجہانگیر صاحب، مفتی محمد فاروق صاحب اور مفتی محمد ریحان رضا خانصاحب عرف رحمانی میاں وغیرہم (۱۰) تاج الاسلام مفتی اختر رضا خاں صاحب، مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب بستوی اور دیگر

مفتیانِ کرام (۱۱) حافظ ملت مفتی عبدالعزیز صاحب محدث مبارکپور، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی، اور مفتی محمد نظام الدین صاحب وغیرہم (۱۲) قاضی شریعت مفتی محمد فضل کریم صاحب مفتی عبدالواجد قادری صاحب فتاویٰ یورپ، علامہ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر، اور مفتی محمد حسن رضا نوری وغیرہم (۱۳) شمس العلماء مفتی محمد نظام الدین صاحب الٰہ آبادی، (۱۴) مفتی رحیم الدین صاحب حیدر آبادی (۱۵) مفتی رکن الدین صاحب حیدر آبادی، (۱۶) مفتی عبدالحیٰ صاحب لکھنوی (۱۷) مفتی زاہد القادری صاحب (۱۸) مفتی ظفر احمد صاحب (۱۹) مفتی عبدالباری صاحب فرنگی محلی لکھنؤ (۲۰) مفتی میر عبدالرحمٰن صاحب (۲۱) مفتی عبدالرزاق صاحب مکی حیدر آبادی (۲۲) مفتی عبدالواحد لاہوری (۲۳) مفتی محمد مسعود شاہ صاحب دہلوی (۲۴) مفتی محمد مظہر اللہ صاحب مفتیٔ اعظم دہلی (۲۵) مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (۲۶) حضرت مفتی سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، (۲۷) مفتی نظام الدین حنفی لاہوری (۲۸) مفتی غلام غوث صاحب (۲۹) مفتی سعد الدین صاحب (۳۰) مختلف مفتیانِ کرام دولت عثمانیہ حیدر آباد (۳۱) مفتی نثار احمد کانپوری (۳۲) مفتی جلال الدین امجدی، مفتی بدرالدین، مفتی نعیم الدین وغیرہم (۳۳) مفتی محمد رمضان صاحب (۳۴) مفتی محمد حبیش برکاتی صاحب (۳۵) مفتی وقار الدین صاحب (۳۶) حضرت مفتی محمد اجمل شاہ صاحب (۳۷) مفتی جلال الدین صاحب

جن مفتیانِ کرام کے فتاوے جمع نہیں ہوسکے

ان کے علاوہ ہند و پاک کے ہزاروں علماء کرام نے بیشمار فتاوے اردو زبان میں دیئے جو یا تو جمع نہیں کئے جاسکے یا ہمارے بساطِ علم سے باہر ہیں۔ جن کے فتاوے مدوّن نہیں ہوسکے ان بزرگ مفتیانِ کرام میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت[1] علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں صاحب حجۃ الاسلام (۲) حضرت علامہ مفتی سید نعیم الدین صاحب (صدر الافاضل)،

[1] آپ کا فتاویٰ، فتاویٰ حامدیہ، کے نام سے شائع ہوچکا ہے

۳ حضرت علامہ مفتی برہان الحق صاحب (مفتی اعظم سی پی) ۴ شمس العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب (مفتی اعظم تربت)
۵ حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب (مفتی اعظم کانپور) ۶ حضرت علامہ مفتی حشمت علی خاں صاحب (شیر بیشۂ اہلسنت)
۷ حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظ صاحب حقانی (مفتی آگرہ) ۸ استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی ولی الرحمٰن صاحب (پوکھریری)
۹ شیخ العلماء حضرت مولانا مفتی غلام جیلانی صاحب میرٹھی ۱۰ شمس العلماء مولانا مفتی شمس الدین صاحب جونپوری صاحب قانون شریعت
۱۱ شیخ المعقولات حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری ۱۲ حضرت مولانا مفتی عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی
۱۳ حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز خانصاحب فتحپوری ۱۴ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب ناگپوری
۱۵ حضرت مولانا مفتی محبوب علی خانصاحب بمبئی ۱۶ حضرت مولانا مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی[1]
۱۷ حضرت مولانا مفتی تحسین رضا خانصاحب بریلی شریف ۱۸ حضرت مولانا مفتی احمد حسین صاحب سنبھلی
۱۹ حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد صاحب کراچی ۲۰ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مظفر پوری جودھپور
۲۱ حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی کراچی ۲۲ حضرت علامہ مفتی صاحب داد صاحب کراچی
۲۳ حضرت مولانا مفتی مرشد علی صاحب کراچی ۲۴ حضرت علامہ مفتی سید شجاعت علی صاحب کراچی
۲۵ حضرت مولانا مفتی مسعود علی صاحب ملتان ۲۶ حضرت علامہ مفتی ابوالبرکات سید احمد صاحب لاہور
۲۷ حضرت علامہ مفتی محمود حسن صاحب کوئٹہ ۲۸ حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد صاحب دہلوی
۲۹ حضرت علامہ مفتی عاشق الرحمٰن صاحب حبیبی الہ آباد ۳۰ حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب گھوسی
۳۱ حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب بریلی شریف ۳۲ حضرت مولانا مفتی محمد میاں صاحب ثمر دہلوی
۳۳ حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحب شریفی الہ آباد ۳۴ حضرت مولانا مفتی محمد رضوان الرحمٰن صاحب اندور
۳۵ حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظ صاحب دربھنگوی ۳۶ حضرت مولانا مفتی محمد ایوب صاحب بھاگلپوری
۳۷ حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب ناگپوری ۳۸ حضرت مولانا مفتی غلام مجتبیٰ صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ رضویہ
۳۹ حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم صاحب ناگپور ۴۰ مفتی محمد قاسم صاحب ابراہیمی سابق مفتی انوار العلوم مظفرپور

(معذرت خواہ ہوں کہ اسماء گرامی کی ترتیب کو قائم نہیں رکھ سکا اور نہ ہی اپنے تمام بزرگ مفتیانِ کرام کے ناموں کو لکھ سکا۔ طالب دعا

عبدالواجد قادری غفرلہ

---

[1] آپ کے فتاوٰوں کا مجموعہ بھی شائع ہوچکا ہے۔

جن علماء کرام کے سوالات اس فتاویٰ میں شامل ہیں

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی صاحب قادری

مولانا مجیب الرحمٰن صاحب بلجیم
مولانا عبدالواحد صاحب الکمار
مولانا نور احمد صاحب ہزاری باغ
مولانا سید عبدالمنان صاحب جامی روٹرڈم
مولانا محمد الیاس صاحب انجم، علیم آباد، انڈیا
مولانا عبدالغفار صاحب نورانی ، دی ہیگ
حافظ و قاری غلام مصطفیٰ صاحب ربانی، انڈیا
مولانا امتیاز احمد صاحب ، ہالینڈ
مولانا علی اکبر صاحب ، "
مولانا نور محمد صاحب حقانی نیس فرانس
حافظ فیروز احمد صاحب امام غوثیہ آمسٹرڈم
مولانا عبدالقیوم صاحب نورانی ہالینڈ
مولانا اسرار الحق صاحب اشرفی، دی ہیگ
مولانا مطیع الرحمٰن صاحب اشرفی، بارسلونہ
مولانا رستم القادری صاحب غیاث پوری
مولانا محمد فیروز خوصلدار، دی ہیگ

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی، مانچسٹر
مولانا محمد سلطان رضا صاحب قادری لیلی ستاد
مولانا محمد فارس مقیم صاحب مسجد المدینہ، دی ہیگ
مولانا ہمایوں کبیر صاحب اینڈہوفن
مولانا فیصل مقیم صاحب ، دی ہیگ
مولانا حافظ محمد صدیق صاحب نعیمی، " "
مولانا عاشق مشتاق صاحب، اوسلو ناروے
مولوی عبدالجلیل امام پاک مسجد، بارسلونہ سپین
مولوی محمد شبیر دل محمد صاحب بارلیم
مولوی فیضان الرحمٰن سبحانی شریعت کالج کیرلا
مولانا حافظ عبدالرشید نورانی روٹرڈم
مولانا قاری محمد حنیف نقشبندی فرینکفورٹ جرمنی
مولانا زین العابدین صاحب پرتگال
مولانا سید افتخار حسین شاہ صاحب روٹرڈم
مولانا سجاد صاحب برکاتی غوثیہ آمسٹرڈم
مولانا زعیم القادری دی ہیگ

وغیرہم

جن اسلامی و تبلیغی انجمنوں کے سوالات اس فتاوی میں شامل ہیں

نیدرلینڈ اسلامک سوسائیٹی
القادری اسلامک سینٹر، دی ہیگ
اسلامک فونڈیشن، نیدرلینڈ
مرکز الثقافۃ السنیہ، کیرل
مجلس علما نیدرلینڈ
ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ
رضوی تبلیغی سوسائیٹی ہالینڈ
انجمن خدام ملت دربھنگہ
مؤسسہ الحلال الطیب دی ہیگ
اشاعت الاسلام، پرتگال
منظر اسلام، لیلی ستاد
ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ

فرید الاسلام (سنی حنفی) آمسٹرڈم
فیض الاسلام، دی ہیگ
غوثیہ رضویہ اسلامک کلچر دی ہیگ
مصباح الاسلام، زولہ
رضا ستیختینگ، آمسٹرڈم
اسلامک سوسائیٹی ہالینڈ
بزم رضا الکمار نیدرلینڈ
بزم رضا آمسٹرڈم
حلقۂ اشرفیہ روٹرڈم
شان اسلام
سنی حنفی رضوی سوسائیٹی آلمیرہ
اشاعت الاسلام دی ہیگ

وہ مسجدیں جس کے امام و خطیب یا مہتمم کے سوالات اس فتاوی میں ہیں

نوری مسجد آمسٹرڈم
رضوی مسجد آمسٹرڈم
غوثیہ رضویہ مسجد دی ہیگ
انوار مدینہ مسجد ایندہوفن
پاک محمدی مسجد، فرینکفورٹ جرمنی
مسجد نور نیس فرانس
مسجد گلزار مدینہ ژولہ ہالینڈ

نوری مسجد الکمار ہالینڈ
رضوی مسجد زولہ
المدینہ مسجد دی ہیگ
پاک جامع مسجد بارسلونہ سپین
مسجد عابدین آمسٹرڈم ہالینڈ
مسجد قادری دی ہیگ ہالینڈ
مسجد الفردوس لیلی ستاد

مسجد نور الاسلام دی ہیگ

فہرست مسائل (فتاویٰ یورپ)

کتاب العقائد
(ایمان و عقیدہ کا بیان)

کتاب الطہارۃ
(پاکی کا بیان)

کتاب الذبائح

(ذبیحہ کا بیان)

کتاب الحلال والحرام

(حلال و حرام کا بیان) ۴۸۲

كتاب الحظر والاباحة

كتاب الميراث

فہرست ضمنی مسائل

کتاب الطہارۃ

(پاکی کا بیان)

کتاب الصلوٰۃ

(نماز کا بیان)

كتاب الصّوم
(روزے کا بیان)

کتاب الحج والزیارۃ
حج وزیارت کا بیان

کتاب الاضحیّہ
(قربانی کا بیان)

کتاب النکاح والطلاق
نکاح وطلاق کا بیان

كتاب الذبائح

(ذبیحہ کا بیان) ۴۶۷

کتاب الحظر والاباحۃ

(متفرق مسائل کا بیان)

کتاب المیراث

خُطبَۃُ الکِتَاب

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی عَافَانِی فِی عَینِ البَلَاءِ ، وَاَکرَمَنِی فِی نَفسِ الجَفَاءِ ، وَاَحسَنَ بِی فِی حَالَۃِ العَنَاءِ ، وَوَفَّقَنِی عَلَی الشُّکرِ فِی السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ ، وَجَعَلَنِی مِن مُّتَابِعِی سَیِّدِ الاَنبِیَاءِ ، وَھَدَانِی اِلٰی نَھجِ الشَّرِیعَۃِ البَیضَاءِ ، وَمِن مُقتَضِی اٰثَارِ الاَولِیَاءِ ، وَمُحِبِّی العُلَمَاءِ وَالصُّلَحَاءِ ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ السَّادَاتِ دَافِعِ البَلِیَّاتِ وَالاٰفَاتِ ، دَاعِی الخَیرَاتِ وَالحَسَنَاتِ وَالبَرَکَاتِ ، سَیِّدِ العٰلَمِینَ شَفِیعِ المُذنِبِینَ اِمَامِ المُرسَلِینَ ، سَیِّدِنَا وَحَبِیبِنَا وَطَبِیبِنَا وَطَبِیبِ قُلُوبِنَا وَشِفَائِنَا وَشِفَاءِ صُدُورِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَولٰینَا مُحَمَّدٍ حَبِیبِ رَبِّ العٰلَمِینَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَتَمُّھَا ، وَتَسلِیمَاتُہٗ اَکمَلُھَا وَتَحِیَّاتُہٗ اَجمَلُھَا وَبَرَکَاتُہٗ اَدوَمُھَا وَاَحسَنُھَا عَلَیہِ وَعَلَیھِم وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ

اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

وَعَلٰۤی اَئِمَّۃِ اُمَّتِہٖ وَمُجۡتَہِدِیۡ مِلَّتِہٖ لَاسِیَّمَا اِمَامِ الۡاَئِمَّۃِ. کَاشِفِ الۡغُمَّۃِ، سِرَاجِ الۡاُمَّۃِ سَیِّدِنَا اَبِیۡ حَنِیۡفَۃَ النُّعۡمَانَ رَضِیَ عَنۡہُ الرَّحۡمٰنُ، وَعَلٰی اِبۡنِہِ الۡاَکۡرَمِ سَیِّدِنَا مُحۡیِ الدِّیۡنِ عَبۡدِ الۡقَادِرِ الۡجِیۡلَانِیِّ الۡغَوۡثِ الۡاَعۡظَمِ، وَعَلٰی عُلَمَاءِ شَرِیۡعَتِہٖ وَفُقَہَاءِ مِلَّتِہٖ خُصُوۡصًا سَیِّدِ الۡعُلَمَاءِ سَنَدِ الۡاَتۡقِیَاءِ نُوۡرِ الۡاَصۡفِیَاءِ اِمَامُ اَحۡمَدُ رَضَا عَطَّرَ اللہُ تَعَالٰی مَرۡقَدَہُ الشَّرِیۡفُ بِعِطۡرِ الرِّضَا وَعَلٰی مَنۡ تَبِعَہُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡجَزَاءِ. وَعَلَیۡنَا مَعَہُمۡ وَبِہِمۡ وَلَہُمۡ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ اٰمِیۡنَ اٰمِیۡنَ بِرَحۡمَتِکَ یَا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ

(نوٹ) صاحب فتاویٰ یورپ استاذی محترم حضرت مفتی صاحب قبلہ دام اقبالہٗ نے بہت پہلے یہ خطبہ مبارکہ املا کرایا تھا جس کو حصولِ برکت کے لئے بطور خطبۃ الکتاب "فتاویٰ یورپ" کا سرنامہ بنانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں

(مرتّب)

کتاب العقائد

ایمان کا بیان

انبیاء علیہم السلام کا ذکر الفاظِ ذمیمہ کے ساتھ

مسئلہ ۷۸۶ (شمس الضحیٰ خاں کیئرآف امام مسجد عابدین بلجیم) ۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء ۱۲-۱۲-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قرآن پاک میں بعض منہیات کی نسبت بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ کی طرف ہے مثلاً ذنب، عصیٰ، ظلم، ضل وغیرہا۔ تو کیا آیاتِ قرآنیہ کو سند بنا کر ان الفاظ ذمیمہ کیساتھ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ امید کہ مدلل جواب دیکر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب ۷۸۶ هو المجیب الوهاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْعَطَایَا۔ وَفَضَّلَ الْاَنْبِیَاءَ عَلَی الْبَرَایَا۔ وَاَعْصَمَهُمْ عَنِ الْمَعَاصِیْ وَالْخَطَایَا۔ اَمَّا بَعْدُ!

[آیا]تِ مقدسہ یا احادیث کریمہ میں جہاں جہاں الفاظِ مذکورہ وغیرہا حضرات انبیاء کرام [علی]ہم الصلوٰۃ والسلام کی معصوم شخصیتوں سے متعلق ہیں بس اُن کو وہیں تک محدود [رکھن]ا واجب ہے۔ یعنی غیر تلاوتِ قرآن واحادیث خوانی میں کسی بھی نبی ورسول علیہم [الس]لام کی طرف ذنب وعصیٰ ظلم وضل وغیرہا الفاظِ ذم کی نسبت حرام وگناہ اور [مستوجب] تعزیر وسزا ہے بلکہ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے اسے کفر بتایا۔ [خ]لافِ علماء سے بچنے کے لئے اس کے قائل پر تجدید ایمان ونکاح اگر بیوی

رکھتا ہو) کا حکم لگایا جائے گا۔ ابن الحاج امام ابو عبداللہ محمد المدخل ۲/۵ میں فرماتے ہیں کہ۔

قَدْ قَالَ عُلَمَائُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ قَالَ نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ وَعَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِیْ غَیْرِ التِّلَاوَةِ وَالْحَدِیْثِ اَنَّهٗ عَصٰی اَوْ خَالَفَ فَقَدْ كَفَرَ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تلاوت یا حدیث کے علاوہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی کا ذکر خیر ان کی لغزش یا نافرمانی کے ساتھ کرنا کفر ہے جس نے ایسا کیا اس نے کفر کیا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۱۲/۱۲/۱۹۸۵ء

نام نہاد تبلیغیوں کا چلہ اور درس

مسئلہ ۸۶ دانیال وشاکر بخش ٹیلی فون 06-2367591 یکم ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ "ہندوستانی تبلیغی جماعت" کے حقائق وعقائد کیا ہیں؟ ان کے ساتھ تبلیغی دورہ کے لئے چلہ کے نام پر نکلنا یا ان کے درس میں حصہ لینا کیسا ہے؟ جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب ۸۶/۹۲ هو الهادی الی الصواب

ہندی تبلیغی جماعت وہابیہ دیوبندیہ کی معاون شاخ ہے جس کا محرک تھانہ بھون کا گرو اور بانی اس کا چیلہ مولوی الیاس کاندھلوی تھا، اس نام نہاد جماعت کا مقصد نماز، روزے کی آڑ میں وہابیت ودیوبندیت کا پرچار ہے۔ ان کے عقائد عقائد باطلہ ہیں۔ اسلامی عقائد کے بہت سے اجزاء میں وہ مخالف ہیں۔

اگر تفصیلی معلومات چاہیئے تو علامہ ارشد القادری زید مجدہٗ کی مشہور تصنیف "تبلیغی جماعت" کا مطالعہ کیجئے، مذکورہ تبلیغی جماعت کے درس اور چلے سے بچنا لازم

ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبــــــــــــــہ عبدالواجد قادری ۹ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ
اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

نوٹ: اس جواب کی تصدیق محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ اعظمی نے فرمائی (مرتب)

سنّی کی تعریف

مسئلہ ۷۸۸ حاجی محمد ابراھیم عبدل صدر فیض الاسلام، دی ہیگ ۱۹۹۳-۰۵-۰۱

کیا فرماتے ہیں علمائے ربانی ومفتیانِ حقانی اس بارے میں کہ موجودہ زمانہ میں سنّی سے کیا مراد ہے؟ اور سنّی کی صحیح تعریف کیا ہے؟ کیونکہ مختلف فرقے اپنی اپنی سنّیت کے دعویدار ہیں عوام کو یہ باور کرانا مشکل ہے کہ اصل سنّی کون ہے لہٰذا تفصیلی جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں تاکہ آپ کے جواب کو ہم مختلف زبانوں میں شائع کرسکیں۔

الجواب ـــــــــ ھوالمجیب الوھاب

لفظِ "سنّی" اہلسنّت وجماعت کا مخفف ہے جب مذہب کے تعلق سے یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد اہلسنّت وجماعت ہی ہوتا ہے۔ اور اہلسنّت و جماعت اُسے کہتے ہیں جو "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کا مصداق ہو۔ زمان ومکان اور حالات کے اختلاف سے سنّی کی تعریف مختلف ہوتی رہی ہے چنانچہ جب سبائیوں نے شیعہ فرقہ کو جنم دیا تو شیعہ مدعیِ اسلام ہونے کے باوجود اسلام کے فرائض وارکان میں اختلافات کرنے لگے۔ ان کے بعض معتقدات ونظریات بھی یکسر بدل گئے۔ حضرت سیدنا شیرِ خدا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرات شیخین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دینے لگے۔ بلکہ ان حضرات کی شانِ اقدس میں تبرا بازی کرنے پر اتر آئے، تو اس زمانۂ خیر القرون سے ملحق خیر ازمنہ میں سنّیوں کے لئے صرف "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ"

ہی کا مصداق ہونا کافی نہ ہوا۔ بلکہ ائمہ ومجتہدین خصوصًا امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہم نے "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کے ساتھ "تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ عَلَی الْخَتَنَیْنِ" یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت سیدنا عثمان غنی اور حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل وبرتر ماننا بھی اہلسنت وجماعت کی پہچان اور شعار قرار دیا.....

شیعوں کے بعد نئے فرقے جنم لیتے رہے مثلاً رافضی، ناصبی، خارجی، زیدی اور معتزلی وغیرہم تو ان کے نظریات ومعتقدات سے سنیوں کو ممتاز کرنے کے لئے سنی کی تعریف میں بھی حسب ضرورت وامتیاز تبدیلی ہوتی رہی، آخر الذکر فرقہ (معتزلی) نے تو انتہا ہی کردی کہ شاید باید ہی اشاعرہ وماتریدیہ کا کوئی ایسا عقیدہ ونظریہ ہو جس سے اس نے اختلاف نہ کیا ہو۔ لیکن علما متکلمین نے انھیں ایسا سبق سکھایا کہ آج سطح زمین پر معتزلی نام کا کوئی مدعیٔ اسلام فرقہ موجود نہیں ہے ہاں اس کے بعض نظریات کو اب تک بعض فرقِ باطلہ پروان چڑھانے کی سعی لاحاصل کر رہے ہیں۔ مثلاً معتزلیوں کا یہ نظریہ تھا کہ زندوں کی دعائیں اور ان کی طرف سے صدقہ وخیرات مُردوں کے لئے کچھ بھی نفع بخش نہیں تو ان کے مقابلے میں حضرات ائمہ ومجتہدین رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہم نے ایصالِ ثواب کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اسے سنیوں کا طریقہ وشعار بتایا۔ امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور ومعروف کتاب "فقہ اکبر" کی شرح عقائد میں ہے۔

اِنَّ دُعَاءَ الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتُھُمْ عَنْھُمْ نَفْعٌ لَھُمْ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَۃِ۔ وَالْاَصْلُ فِیْ ذٰلِکَ عِنْدَ اَھْلِ السُّنَّۃِ اِنَّ الْاِنْسَانَ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ	زندوں کی دعائیں اور ان کی طرف سے صدقہ وخیرات مردوں کے لئے نفع بخش ہیں۔ اس امر میں معتزلہ خلاف ہیں اور اہلسنت کے نزدیک دراصل بات یہ ہے کہ انسانوں کے اعمالِ صالحہ مثلاً نماز، روزہ، حج وصدقات وغیرہا کا ثواب

عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلوٰةً اَوْصَوْمًا	دوسرے اہلِ ایمان کو پہنچانا مشروع ہے
اَوْحَجًّا اَوْصَدَقَةً اَوْغَيْرِهَا	امام الائمہ سیدنا ابوحنیفہ اپنے اصحاب رضی اللہ
وَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَصْحَابِهٖ	تعالیٰ عنہم کے ساتھ ایصالِ ثواب کے جواز
يَجُوْزُ ذٰلِكَ ثَوَابَهٗ اِلَى الْمَيِّتِ ٥ اھ	کے قائل ہیں۔ اھ

اسی طرح تیرہویں صدی ہجری کے اخیر میں اور چودھویں صدی ہجری کے شروع میں باطل فرقوں نے نئے نئے معتقدات کے ساتھ سر اٹھایا تو برّصغیر کے علماء کے علاوہ حرمین محترمین اور حج کے مبارک موقع سے آئے ہوئے اکنافِ عالم کے اعاظم علماء کرام و مفتیانِ عظام کی تلواریں اُن کے حلقوم کا ہار بن گئیں۔ اور اب سُنّی کی تعریف "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" کا مصداق ہونا، تفضیل شیخین کا معتقد ہونا یا ایصالِ ثواب کا قائل ہونا ہی نہ رہی، بلکہ ان سب باتوں کے ساتھ اس امر کا بھی اضافہ ہوگیا کہ ان باطل فرقوں کے اقوالِ کفریہ خبیثہ پر اطلاع ہو جانے کے بعد انہیں کافر اور دینِ اسلام سے خارج جاننا، ان کے ساتھ اسلامی اخوت و مراعات کو یکسر ختم کر دینا سنّی ہونے کے لئے ضروری ہے، چنانچہ "حُسَامُ الْحَرَمَيْنِ عَلٰى مَنْحَرِ الْكُفْرِ وَالْمَيْنِ" کے ص۱۲ میں ہے۔

اِنَّ غُلَامَ اَحْمَدَ الْقَادِيَانِيْ وَرَشِيْدَ	کہ غلام احمد قادیانی، رشید احمد (گنگوہی)، اور
اَحْمَدَ وَمَنْ تَبِعَهٗ كَخَلِيْلِ الْاَنْبِيْتِهِيْ	جو بھی ان کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھوی
وَاَشْرَفْ عَلِيْ وَغَيْرِهِمْ لَا شُبْهَةَ	اور اشرف علی تھانوی وغیرہم ان کے کفر میں
فِيْ كُفْرِهِمْ بِلَا مَجَالٍ بَلْ لَا	کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال۔ بلکہ جو اُن کے
شُبْهَةَ فِيْ شَكٍّ بَلْ فِيْ مَنْ	احوال کو جان کر ان کے کفر میں شک کرے
تَوَقَّفَ فِيْ كُفْرِهِمْ بِحَالٍ مِّنَ	بلکہ انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے
الْاَحْوَالِ	کفر میں شبہ نہیں۔ اھ

اور اب ہمارے زمانے میں کچھ لوگوں نے تبلیغ دین کے نام بدعقیدگی کا پرچار شروع کیا ہے اور کچھ لوگوں نے اصلاحِ امّت اور اتحادِ ملت کے نام پر باطل فرقہ

کے لیڈروں کو اتحاد کی دعوت دی ہے اور اس صلح کلّیت پر گٹھ جوڑ کرنے چلے ہیں کہ اب ہم ایک دوسرے پر تکفیر و تفسیق کے فتوے نہیں لگائیں گے۔ نیز ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

یہ فرقہائے متنوعۂ جدیدہ جیسے جدید وہابیت، الیاسیت، طاہریت یا صلح کلّیت وغیرہا کا نام دیا جا سکتا ہے مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک اور مہلکِ ایمان ہے ایسے لوگوں کے لئے قرآن پاک فرما چکا "وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُمْ مِنْهُمْ" کہ تم میں سے جن لوگوں نے مخالفین کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ انھیں میں سے ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر وضاحت کی روشنی میں آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہوا..... کہ سُنّی مسلمان وہ ہے جو "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" کا مصداق ہو۔ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضلیت کا حسبِ ترتیبِ خلافت معتقد و قائل ہو، صحابۂ کرام کا ذکر بھلائی کے سوا نہ کرتا ہو۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد ہو۔ باطل مذاہب والوں اور بدعقیدوں کے ساتھ دینی راہ و رسم نہ رکھتا ہو۔ حسام الحرمین کی تشریحات کے مطابق گمراہ فرقوں کے لیڈروں کو کافر جہنمی اور دائرۂ اسلام سے خارج جانتا ہو اور اپنے اسلاف کے مسلک کا پیروکار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۷ مئی ۱۹۹۳ء
خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام، دی ہیگ

شرک و کفر کے فتویٰ میں تعجیل نہیں چاہیئے

مسئلہ ۸۹ احلاق احمد MERDTON ST-29-1056-A-DAM
۱۵ ماہ رجب ۱۴۱۳ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ آستانۂ غوثیہ ضلع جہلم پاکستان نے ایک وظیفہ نامہ بنام "فیضانِ قلندر" شائع کیا جس پر مفتی محمود حسین صاحب شائق قریشی نے شرعی فتویٰ جاری کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فیضانِ قلندر کو ترتیب دینے

والے نے صریح اور جلی شرک کا ارتکاب کیا ہے ــــ مفتی صاحب موصوف کے اس شرعی حکم کے بعد اشتہارِ مذکور "فیضانِ قلندر" کے مرتب پیر محمد ظہور بادشاہ آستانۂ غوثیہ گلشنِ بغداد تحصیل سوہا ضلع جہلم نے اپنی یہ تحریر شائع کی اور لوگوں کے سامنے زبانی بھی ان باتوں کا اظہار کیا کہ ــــ "طریقۂ خواجگان کے اندر جو عبارت قلم بند کی گئی ہے اور تصوف کی روشنی میں یہ وظیفہ ترتیب دیا گیا ہے اس کا تعلق اہلِ تصوف کے ساتھ ہے۔ اسلئے اُسے قرآنِ کریم میں تحریف نہ سمجھا جائے۔ نیز اشتہار مذکور میں کچھ الفاظ مثلاً بحق یا واسطے "سہواً رہ گئے ہیں اور کچھ علامتیں کاتب کی نذر ہوگئی ہیں جنہیں سامنے رکھتے ہوئے تعلیماتِ تصوف کی روشنی میں دیکھا جائے۔ جبکہ میں بفضل اللہ تعالیٰ اس کے تمام صفات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور تمام ضروریاتِ دین پر مکمل اعتقاد و ایمان رکھتا ہوں۔ نیز اس تمام کتابت کے سہو پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتا ہوں ــــ فیضانِ قلندر کی ایک کاپی اور حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ حاضر خدمت ہے ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے حکم شرع سے آگاہ کیا جائے، نیز یہ بتایا جائے کہ مفتی صاحب کا فتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

۷۸۶ الجواب ــــ بعونِ المجیب الوهاب

کتاب و خطاب اور تحریر و تقریر میں فوقیت و اہمیت خطاب و تقریر کو ہوتی ہے۔ ویسے کتاب و تحریر بھی عند الحاکم حکماً خطاب و تقریر کی طرح ہے جس کی تصریحات کتب فقہیہ میں موجود ہے مثلاً اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ، وَالْکِتَابُ کَالْخِطَابِ، بشرطیکہ بوقتِ ضرورت اس سے متعلق کاتب کا اقرار یا شہادت کافی موجود ہو۔ اور جن امور میں اقرار یا شہادت درکار ہے انہیں پایۂ تحقیق تک پہنچنے سے پہلے اُن پر حکم شرع کا صدور و نفاذ منصبِ قضاء اور وقارِ عدالت کے خلاف ہے۔ ہاں منصبِ افتاء اس قید سے یکگونہ بالاتر ہے کہ تفتیش حال اور واقعہ کے مآل تک پہنچنے کی ذمہ داری مفتی یا ناقل پر نہیں بلکہ وہ نفس سوال کا جوابدہ ہوتا

ہے۔ پھر بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ جواب سے پہلے سوالنامہ کو مختلف پہلوؤں سے سمجھنے کی کوشش کرے۔ بلکہ اگر مفتی و ناقل ضرورت محسوس کرے تو سائل اور ممکن ہو تو مسئول لہ، سے بھی سوالنامہ سے متعلق وضاحت طلب کرے اور جب تک سوال پوری طرح سمجھ میں نہ آجائے اِیَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ (مستدرک للحاکم) کے مطابق جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لے۔ خاص کر جب سوال کا تعلق کسی مسلمان کی تکفیر و تفسیق سے ہو۔ کیونکہ اس میں ذرا سی غفلت کی وجہ سے حکم کا نشانہ برعکس بھی لگ سکتا ہے۔

تکفیر و تفسیق سے متعلق اگر کلام مؤوّل ہے تو حتی الامکان اس کی تاویل کرے (ہاں کلام صریح میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی) اگر ایک کلام میں درجنوں بلکہ سیکڑوں شقیں تکفیر و تفسیق کی نکلتی ہوں اور اس کی صرف ایک شق اسلام کی طرف جاتی ہو تو "ظَنُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا" کے تحت اُس ایک شق کا اعتبار کرتے ہوئے اُس مسلمان کو کفر و شرک اور ضلال (گمراہی) کی کھائیوں میں گرنے سے بچائیں گے اور اس پر اسلام کا حکم دیں گے۔ "اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى"

ردّ المحتار وغیرہ کتب فتاویٰ میں ہے اِنَّ فِي مَسْئَلَةٍ اِذَا كَانَ وُجُوْهٌ تُوْجِبُ التَّكْفِيْرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ فَعَلَى الْمُفْتِيْ اَنْ يَّمِيْلَ اِلَى الَّذِيْ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ تَحْسِيْنًا لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ۔ پھر یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہر زبان کا اپنا اپنا اندازِ تحریر اور اس کے رموز و اوقاف ہوتے ہیں کہ اگر پڑھنے میں اس کی رعایت نہیں کی گئی تو مفہوم کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ قوی ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی محرر و متکلم کی منشا کے خلاف و برعکس مطلب نکل آتا ہے.... مثلاً قرآن پاک میں "وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ، اس آیت کریمہ میں اگر اسم جلالت (اللّٰہُ) اور وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کے درمیان وقف لازم کا لحاظ نہ کیا جائے تو مستثنیٰ منہ میں علماء راسخین بھی آجائیں گے اور یہ منشاءِ قرآنی کے خلاف ہے اسی طرح اگر اردو رسم الخط میں بتِ کامل (ـ) کی

نشانی ہو اور پڑھنے والا اس کا لحاظ نہ کرے تو اس کا معنیٰ ومفہوم کچھ کا کچھ ہو سکتا ہے مثلاً کسی کاتب کا یہ تحریری جملہ (روکو مت جانے دو) کو مخالفتِ تاکیدی اور اجازتِ تاکیدی دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے لیکن جب کاتب نے روکو مت کے بعد بتِ کامل (۔) لگادیا تو اب اس جملہ کو صرف تاکیدی اجازت ہی کے معنیٰ میں پڑھا اور سمجھا جائے گا، اور اگر کوئی اس جملہ میں بتِ کامل (۔) کا لحاظ نہ کرے تو وہ منشاء کاتب کے خلاف و برعکس ہوگا۔

"فیضانِ قلندر" نامی وظیفہ نامہ میں تین مقامات پر بتِ کامل کی علامت موجود ہے لیکن فاضل مفتی صاحب۔ مدظلہٗ نے اس کا لحاظ نہیں فرمایا اور اشتباہی مقامات سے متعلق "وظیفہ نامہ" کے مرتب سے وضاحت بھی طلب نہیں فرمائی؛ اور شرعی فتویٰ کی صورت میں شرک جلی و شرک صریح اور ضال ومضل کا حکم صادر فرمادیا۔ استحساناً حضرت مفتی صاحب کو تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ فتویٰ عجلت میں صادر ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب حضرت مفتی صاحب کی گرفت اور ان کی طرف سے نافذ شدہ شرعی حکم کا علم جناب مرتب صاحب کو ہوا تو انہوں نے برملا اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا کہ "کہیں وظیفہ نامہ میں 'بحق' اور کہیں 'بواسطے' کے الفاظ رہ گئے ہیں اور یہ کہ اشتہار مذکور کی کتابت میں بعض مقامات پر کاتب صاحب سے بھی سہو واقع ہوا ہے.... پھر مخلص مرتب نے اپنی غلطیوں کے علاوہ کاتب کی طرف سے بھی وقوع سہو پر اپنی توبہ کا تحریری اعلانیہ (مطبوعہ) شائع کیا جو اشتہارِ خطاء کے حسبِ حال ہے۔ مرتب صاحب اپنی اس توبہ میں نہایت مخلص معلوم ہوتے ہیں۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ جو رحمٰن وتواب ہے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل انکی توبہ قبول فرمائے اور آئندہ کے لئے انہیں جادۂ حق پر مستقیم رکھے۔ آمین۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ کے مطابق توبہ کے بعد اُن پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں۔ البتہ فیضانِ قلندر کے مرتب کو ازرہِ دینی خیرخواہی نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ کسی ایسے وظیفہ و اعمال یا کسی ایسے مضمون پر مشتمل اشتہار

وکتابچہ ترتیب نہ دیں۔ جن سے ایمان وعقیدۂ اسلام کے خلاف معنیٰ کا ایہام ہو یا مسلمانوں کی صالح سماعت پر وہ گراں گزرے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا اِیَّاكَ وَمَا یَسُوْءُ الاُذُنَ" دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔ اَحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ (لوگوں سے وہی باتیں کرو جوان کے لئے معروف ہوں) اور ردّ المحتار وغیرہ میں ہے" مُجَرَّدُ اِیْھَامُ الْمَعْنیٰ الْمُحَالِ کَافٍ فِی الْمَنْعِ" یعنی ممانعت کے لئے صرف محال معنیٰ کا ایہام ہی کافی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تصوف ومعرفت یا طریقت وحقیقت۔ شریعتِ مطہرہ سے مغائرت ومخالفت نہیں رکھتیں بلکہ شریعتِ طاہرہ بحر اسلام ہے اور طریقت ومعرفت وغیرہا اسکی معاون وپاکیزہ نہریں۔ جو سمندر کے بغیر بے معنیٰ ہیں۔

واللہ تبارک وتعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء
مجلس علماء نیدرلینڈ۔ ۲۳؍رجب ۱۴۲۲ھ ۲۵؍اگست ۲۰۰۱ء

دیابنہ اور اس کی اقتداء کی ممانعت

مسئلہ ۷۹ محمد رستم القادری۔ غیاث پور۔ بہار۔ انڈیا۔
۲۱-۴-۱۹۹۳ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ انڈیا کے دربھنگہ ضلع میں ایک بستی غیاث پور نامی واقع ہے۔ یہ بستی دو محلوں میں منقسم ہے اور دونوں محلوں میں ایک ایک مسجد ہے۔ دونوں مسجدوں کے درمیان پاؤں پیدل چلنے میں دس منٹ کا فاصلہ ہے ان میں سے ایک جامع مسجد کہلاتی ہے مگر جامع مسجد والے محلہ کے تمام لوگ دیوبندی وہابی عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور جس محلہ میں چھوٹی مسجد ہے اس محلہ کے تمام لوگ سنی صحیح العقیدہ ہیں۔ جمعہ کی نماز دونوں مسجدوں میں ہوتی ہے صرف عید اور بقرعید کی نمازیں مشترکہ طور پر سبھی لوگ جامع مسجد میں پڑھتے ہیں اور جامع مسجد کے امام دیوبندی ہیں۔ کیا ایسی صورت

میں اس دیوبندی کے پیچھے سنیوں کی نماز عیدین ہو جائے گی؟ یا سنی حضرات اپنی چھوٹی مسجد میں نماز پنجگانہ و جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھا کریں؟ جلد جواب عنایت فرمائیں۔

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ خبیثہ کے سبب بحکم شریعت اسلامیہ کافر و بے دین اور مستحق عذاب الیم ہیں۔ ان کی اقتداء حرام نہایت بدانجام ہے (اگر اسکی تفصیل دیکھنی ہو تو حُسامُ الحرمین، الصَّوارِمُ الہِندیّہ، فتاویٰ علماءِ عالم وغیرہا کتب کا مطالعہ کریں) مسلمانوں نے جو بھی نمازیں اُن کے پیچھے پڑھی ہوں اُن سب نمازوں کا پھر سے پڑھنا لازم و ضروری ہے۔ فتح القدیر نے ہمارے ائمہ ثلاثہ سے نقل کیا" لَاتَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ خَلْفَ اَھْلِ الْھَوَاءِ۔

مذکورہ آبادی جبکہ گاؤں ہے اور اس آبادی پر مصر یا فنائے مصر یا پرگنہ و تحصیل وغیرہ کی تعریف صادق نہیں آتی ہے (اگرچہ وہ دارالاسلام میں واقع ہو) تو وہاں جمعہ و اعیاد کا قیام ازروئے حدیث شریف جائز نہیں۔

لَاجُمُعَۃَ وَلَاتَشْرِیْقَ وَصَلٰوۃَ فِطْرٍ وَلَااَضْحٰی اِلَّافِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ مَدِیْنَۃٍ عَظِیْمَۃٍ۔ مصر جامع اور بڑے شہر کے علاوہ کسی جگہ نہ جمعہ ہو سکتا ہے نہ تکبیراتِ تشریق نہ نمازِ عید و بقرعید۔

(مصنف ابن ابی شیبہ)

فقہ کی درجنوں کتب متون و شروح میں صحتِ جمعہ و عیدین کے لئے مصر یا فنائے مصر کا ہونا شرط لکھا ہے کمافی تنویر الابصار والدرالمختار والردالمحتار وغیرھا، "یشترط لصحتھا المصر او فنائہ"

ہاں اگر غیاث پور پر مصر یا فنائے مصر یا پرگنہ وغیرہ کی تعریف صادق آتی ہو تو وہاں جمعہ فرض ہے اور اگر شہر کی تعریف صادق نہ آتی ہو تو وہاں بجائے جمعہ کے ظہر ہی فرض ہے۔ پھر اہلِ غیاث پور کو اس تکلیف میں بھی مبتلا نہیں کیا جا سکتا

کہ وہ جمعہ وعیدین کی ادائیگی کے لئے قریب وبعید شہروں کا رخ کریں البتہ اگر کوئی گاؤں کا رہنے والا شہر میں موجود ہو اور جمعہ کی نماز پڑھ لے تو اس سے ظہر کی نماز ساقط ہو جائے گی اور عیدین پڑھ لے تو آثم نہیں ہوگا۔

پھر بھی غیاث پور کے سنی باشندگان کو استحساناً یہ مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ اگر قریب میں کوئی ایسی آبادی ہو جہاں جمعہ واعیاد کا قیام جائز ہے اور وہاں کوئی سنی صحیح العقیدہ صالح امامت شخص نماز پڑھاتا ہو تو وہاں کی جماعت میں شریک ہو کر تکثیر جماعت کا سبب بن سکتے ہیں۔

اہل غیاث پور کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ کسی بھی بدعقیدہ کی اقتداء میں اپنی نمازوں کو بربادی سے بچائیں اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کریں۔ اب تک جو نمازیں انجانے میں پڑھ لی گئی ہیں ان سب کو لوٹا کر بارگاہِ احدیت میں توبہ واستغفار کریں۔ نمازِ عیدین کی قضا نہیں اور وہ بھی جبکہ کسی گاؤں میں پڑھی گئی ہو، وہ ایک فعل عبث تھا جس کی بلا میں گرفتار ہوا۔ البتہ بدمذہب کی اقتداء کرنے کے سبب وہ سب سخت گنہ گار ہوئے توبہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ ۱۳ جولائی ۲۰۱۱ء

مرزائی کے کفر میں تامّل کرنا

مسئلہ ۹۱ (مولانا) محمد فارس مقیم امام مسجد المدینہ دی ہیگ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی سنی مسلمان۔ قادیانی عقائد سے باخبر ہونے کے باوجود کسی مرزائی قادیانی کو کافر جاننے یا عند السوال کافر کہنے میں تامل کرے اسکے متعلق حکم شرع کیا ہے؟ برائے مہربانی جواب سے نوازیں بیّنوا وتوجروا۔

۹۱/۷۶ الجواب بعون الجیب الوھاب ھو الھادی الی الصواب والیہ المرجع والمآب

مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکے متبعین خواہ لاہوری ہوں یا قادیانی ۔ اپنے عقائدِ کفریہ، خبیثہ، بدعیہ، باطلہ کی وجہ سے جمہور علماء اسلام کے نزدیک کافر و مرتد اور جہنمی ہیں (تفصیلی معلومات کے لئے فقیر غفرلہٗ کا رسالہ "قادیانی دھرم" اُردو اور ڈچ زبانوں میں مطالعہ کریں)

شفا شریف، فتاویٰ بزازیہ، اور فتاویٰ خیریہ وغیرہا میں ہے "اَجْمَعَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ شَاتِمَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَافِرٌ وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ فَقَدْ کَفَرَ اھ کہ تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو بھی شانِ رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں توہین وتنقیص کرے وہ ایسا کافر ہے کہ جو بھی اس کے عذاب وکفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

پس جو شخص مرزائی وقادیانی کے عقائدِ باطلہ پر مطلع ہو کر اُسے کافر وجہنمی جاننے میں ذرہ برابر شک کرتے یا عند السوال انہیں کافر وجہنمی کہنے میں تامل (سوچ بچار) کرے وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور مرزائی وقادیانی کا ہی ہم نوالہ وہم پیالہ ہے کمافی فتاوی الحرمین سمّاھا حسام الحرمین والصّوارم الھندیّہ وفی فتاوی العلماء العالم وغیرھا۔　　واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

سُنّی حنفی کہلانے کی تحقیق

مسئلہ ۷۹۲ بوساطت مبلغ اسلام مولانا سید سعادت علی صاحب قبلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ کئی مسلمان اپنے آپ کو سنّی کہتے ہیں اور کئی مسلمان اپنے آپ کو سنّی حنفی، سنّی

شافعی وغیرہما کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لفظ مسلمان کے ساتھ سُنی یا حنفی کی قید نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ گرامی سے ہے یا صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانۂ اقدس سے یا یہ بعد کے محدثات میں سے ہے ؟؟؟۔ اگر یہ لفظ (سنی) قرونِ ثلاثہ کے بعد حادث ہوا تو اُن حضرات کا ایمان وعقیدہ کیا تھا جو اس لفظ کے ایجاد ہونے سے پہلے اس دنیا سے پردہ فرما چکے ؟ مستفتیان ارکانِ فیض الاسلام والقادری اسلامک سنٹر ورلڈ اسلامک مشن ہرشل سٹراٹ واشاعت الاسلام دی ہیگ

۷۸۶/۹۲ الجواب بعون الملک الوہاب

دینِ اسلام دینِ قدیم وقویم ہے لقولہٖ تبارک وتعالیٰ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ اور یہی دین خداوندکریم کی بارگاہ میں ادیانِ عالم سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ لقولہٖ تبارک وتعالیٰ "اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَام" جس کے ماننے والوں اور پیروی کرنے والوں کو مسلمان کہا جاتا ہے اور یہ نام بھی دینِ اسلام کی طرح قدیم ہے۔ قَالَ تَعَالیٰ عَزَّوَجَلَّ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ" اُمت مطلقہ کا نام مسلمان رکھا گیا۔ لیکن جب امت میں فرقوں نے جنم لیا اور نئے نئے عقیدوں کا ظہور ہونے لگا اور مسلمان کہلانے والوں میں اہلِ حق کی تمیز مشکل ہونے لگی تو دینِ اسلام یا دینِ حنیف (حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا) پر پامردی کے ساتھ گامزن رہنے والوں کو علماء ربانیین اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اہلسنت وجماعت کا نام دیا جیسا کہ صدر الشریعہ حضرت عبداللہ ابن مسعود قدس سرہٗ نے فرمایا کہ " امت مطلقہ سے مراد اہلسنت و جماعت ہیں اور یہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ پر ہیں۔

(توضیح ص۵۱ میں ہے۔

وَالۡمُرَادُ بِالۡاُمَّۃِ الۡمُطۡلَقَۃِ امتِ مطلقہ سے مراد اہلِ بدعت نہیں

اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمُ	بلکہ اہلسنّت وجماعت ہیں۔ اور یہی لوگ
الَّذِيْنَ طَرِيْقَتُهُمْ طَرِيْقَةُ	رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انکے
الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَصْحَابُهُ	صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ
دُوْنَ اَهْلِ الْبِدَعِ ...... اھ	پر گامزن ہیں۔

اور محقق زماں حضرت علاّمہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ صـ۲۰۴ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ الْمُتَمَسِّكُوْنَ	"مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" سے مراد وہ لوگ
بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ	ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طریقہ
مِنْ بَعْدِيْ فَلَاشَكَّ وَلَارَيْبَ	پر گامزن اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
اَنَّهُمْ هُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ	کے طریقۂ مرضیہ کے پیروکار ہیں اور بے شک
وَالْجَمَاعَةِ۔ اھ	وشبہ وہی لوگ اہلسنّت وجماعت ہیں۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ دعویٰ مسلمانی کرنے والوں میں اہلِ حق اور ممتاز ومیّز جماعت اہلسنّت کی ہے جسے فرقۂ ناجیہ بھی کہا جاتا ہے اور اسی اہلسنّت وجماعت کا مخفف نام "سنّی" ہے یعنی سنّی کہہ کر اہلسنّت وجماعت مراد لیا جاتا ہے یا سنّی کہکر اہلِ حق مسلمان مراد لیا جاتا ہے کیونکہ لفظِ سنّی اور "مسلمان" میں کوئی مغائرت اصطلاحی نہیں ہے جو اہلِ حق مسلمان ہے وہی سنّی ہے اور جو سنّی ہے وہی مسلمان ہے

اب رہا سنّی حنفی، سنّی شافعی، سنّی مالکی اور سنّی حنبلی کہنا یا کہلانا۔ تو یہ اسماء اگرچہ حادث ہیں لیکن ان کے مذاہب اعتقاد قدیم ہیں اور یہ اختلافِ اسماء (حنفی شافعی وغیرہما) اختلافِ عمل کی وجہ سے ہے اختلافِ عقیدہ ونظریہ کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ ان چاروں کے عقیدہ ونظریات ایک ہیں اور بے تفریقِ اسماء سب پر اہلسنّت وجماعت کا اطلاق صحیح ہے۔ طحطاوی علی الدرر میں ہے۔

هٰذِهِ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ قَدِ	فرقۂ ناجیہ (اہلسنّت وجماعت) اِس زمانہ میں
اجْتَمَعَتِ الْيَوْمَ فِيْ مَذَاهِبِ	مذہب حنفی، مذہب مالکی، مذہب شافعی اور

اَرْبَعَۃٍ وَھُمُ الْحَنَفِیُّوْنَ وَالْمَالِکِیُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّوْنَ وَالْحَنْبَلِیُّوْنَ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ کَانَ خَارِجًا ھٰذِہِ الْاَرْبَعَۃِ فِی ھٰذَا الزَّمَانِ فَھُوَ مِنْ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ وَالنَّارِ

مذہب حنبلی (ائمہ مذاہب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں) میں دائر ہے اور جو بھی اس دور میں ان مذاہب سے الگ تھلگ ہو جائے وہی اصل میں بدعتی اور جہنمی ہے۔

٭　٭　٭　٭　٭

حضرت امام شعرانی علیہ الرحمہ نے "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں حضرت امام محمد غزالی اور امام الحرمین کا قول یوں نقل کیا۔ کہ

وَقَالُوا لِتَلَامِذَتِھِمْ یَجِبُ عَلَیْکُمُ التَّقْلِیْدُ بِمَذْھَبِ اِمَامِکُمْ وَلَاعُذْرَ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِی الْعُدُوْلِ عَنْہُ　اھ

ان سب اماموں نے اپنے شاگردوں کو تاکید فرمائی کہ تم پر خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند رہنا واجب ہے اگر ان کے مذہب کو چھوڑا تو خداوند کریم کے حضور تمہارا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

سائل کا یہ سوال کہ جب یہ نام (سنی) حادث ہے تو اسکے حدوث سے پہلے ہمارے اسلاف کرام اور صحابۂ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اعتقاد و نظریہ کیا تھا؟ نہایت معقول اور وقت کا سلگتا ہوا سوال ہے۔

خداوند کریم ہمارے ان محسنین اور محققین علماء کرام کے درجات علیا کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کے قبور میں رحمت و انوار کی برکھا برسائے اور ان کے فیضان علمی کو عام سے عام فرمائے جنہوں نے صدیوں پہلے اس قسم کے سوالوں کا جواب اپنی اپنی تصانیف میں محفوظ فرما دیا اور اپنے اخلاف کے لئے آسانی کی راہیں مہیا کر گئے۔

حضرت شیخ محقق ناشر العلوم علامہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ والرضوان اپنی مشہور و معروف تصنیف "اَشِعَّۃُ اللَّمْعَات شرح مشکوٰۃ ص ۱۴۰ میں فرماتے ہیں کہ۔

برہان حقانیت اہل سنت وجماعت　　اہلسنت وجماعت کی حقانیت کی دلیل یہ

آنست کہ ایں دین اسلام بنقل آمدہ
است وبجز د عقل باں وافی نیست
وبتواتر اخبار معلوم شدہ وتتبع وتفحص
احادیث وآثار متیقن گشتہ کہ سلفِ
صالح از صحابہ وتابعین باحسان ومن
بعدھم ہمہ بریں اعتقاد وبریں طریقہ
بودہ اند۔ وایں بدع وھوا در مذاہب
واقوال بعد از صدر اوّل حادث شدہ۔
واز صحابہ وسلفِ متقدمین ہیچ کس
براں نبودہ۔ وایشاں متبرّی بودہ اند
ازاں وبعد از حدوث آں رابطہ صحبت
ومحبّت کہ باآں قوم داشتند قطع کردہ
ورد نمودہ۔ ومحدثین اصحاب کتب
ستّہ وغیرہا از کتب مشہورہ معتمدہ کہ
مبنیٰ ومدار احکام اسلام برآنہا
فتادہ وائمّہ وفقہاء ارباب مذاہب
ربعہ وغیرھم از آنہا کہ در طبقہ ایشاں
دہ اند۔ ہمہ بریں مذہب بودہ اند و
اعرہ وماتریدیہ کہ ائمّہ اصول کلام اند
ید مذہب سلف نمودہ وبدلائل عقلیہ
اثبات کردہ وآنچہ سنّتِ رسول صلی
علیہ وسلم واجماع سلف براں رفتہ
ہ مؤکدہ ساختہ اند۔ لہذا نام ایشاں

کہ دین اسلام اُمّتِ مطلقہ تک نقل سے پہنچا
ہے تنہا عقل اس کے لئے کافی نہیں اور اخبار
کی کثرت نیز احادیث وآثار کی ورق گردانی
سے روزِ روشن کی طرح آشکار ہے کہ سلفِ
صالحین۔ خواہ صحابہ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین
سب کے سب اسی عقیدہ اور اسی طریقۂ مرضیہ پر
گامزن رہے ہیں۔ اور مذہب کے نام پر بدمذہبیت
وبدعقیدگی خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہے
جن سے صحابۂ کرام یا سلفِ صالحین میں سے کسی
کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور وہ حضرات ان
بدعقیدوں سے الگ رہے۔ بلکہ ان کی بدعقیدگی
ظاہر ہو جانے کے بعد ہمارے اسلاف نے ان کے
ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک فرما دیا۔ اور رشتۂ محبت
توڑ لیا۔ اور وہ مشہور ومعروف کتابیں جن پر
احکام اسلام کا مبنیٰ ومدار ہے۔ اُن میں سے
کتب ستّہ کے جامع مُرتب حضراتِ محدثین کرام
اور مذاہب اربعہ کے ائمّہ وفقہاء اور ان کے
علاوہ جو بھی ان کے طبقہ میں ہوئے ہیں سب
اسی مذہب مہذّب پر گزرے ہیں۔ اور اشاعرہ
وماتریدیہ جو اصولِ کلام کے امام ہیں انھوں
نے بھی اس مذہب سلف کی تائید فرمائی اور
دلائلِ عقلیہ سے اسکی صحت کو ثابت فرمایا اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور اجماع سے جو

"اہلسنت وجماعت" افتادہ۔ اگرچہ ایں نام حادث ست اما مذہب و اعتقادِ ایشاں قدیم ست۔

کچھ ثابت تھا اُسے مؤکد کیا لہٰذا اس فرقہ مرضیہ کا نام "اہلسنت وجماعت" پڑا۔ یہ نام اگرچہ حادثات (نو پیدا) سے ہے مگر اس کے ایمان وعقیدہ قدیم اور پرانے ہیں۔۔۔۔ اھ

مترجم عبارتِ بالا کو پڑھ لینے کے بعد اس کے مفہوم ومطلب کی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اسلام وسنیت کے اصطلاحی معنیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مذہب اربعہ کی تدوین سے پہلے حضراتِ صحابۂ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی طریقۂ مرضیہ ناجیہ پر تھے جن کے نقوشِ پا کی بدولت مذاہب اربعہ حقہ کی تدوین عمل میں آئی۔ پھر تمام ائمہ وفقہاء نے اسی مذاہب اربعہ کے پیروکار کو فرقۂ مرضیہ ناجیہ قرار دیا۔ اور اس سے مخالفت کرنے والوں کو گمراہ و مبتدع فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ایسی اور کامل سمجھ عطا فرمائے اور سلفِ صالحین کے طریقۂ مرضیہ پر ثابت قدم رکھے آمین یارب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ
۱۹ رمئی ۱۹۹۴ء

بحالتِ خواب ایمان لانا

مسئلہ ۷۹۳ مجلسِ علماء بوساطت مولانا عبدالغفار صاحب ۳-۲-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک یہودیہ عورت نے خواب میں نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا کسی بزرگ کو دیکھا اور ایمان لے آئی۔ کیا بیداری کے بعد اُسے پھر سے ایمان لانا ضروری ہے؟ جواب باصواب سے نواز کر مشکور فرمائیں۔ المستفتی سکریٹری جنرل مجلس علماء نیدرلینڈ۔

الجواب ۷۹۳ بعون المجیب الوهاب

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ خواب میں بعض فیوض وبرکات اور

بشارتوں کے دروازے کھلتے ہیں جسکے ذریعہ ایمان وایقان کی دولتِ گرانمایہ بھی ملتی ہے. لیکن انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی انسان کے خواب کو وحیٔ الٰہی کا صدقی صد حصہ جان کر اُسے احکامِ شرعیہ کے صدور ونفاذ کا مدار نہیں بنایا جاسکتا. عام انسان خواب کی حالت میں بچے اور مجنون بحکم حدیث تینوں مرفوع القلم ہوتے ہیں ان حالات میں جو بھی اقوال وافعال صادر ہوں ان پر احکام شرعیہ کا صدور نہیں ہوتا........ اور ایمان تو توحید ورسالت نیز تمام ضروریاتِ دین کو اجمالی طور پر مان لینے کا نام ہے جس کے لئے اقرار وتصدیق ضروری ہے. جو حالتِ خواب میں واقع نہیں بالفرض اگر کسی نے خواب میں اقرار وتصدیق بھی کر لی اور بیدار ہونے کے بعد اس کے افعال وکردار یا قول سے اس کی نفی ہوگئی تو وہ ہرگز مسلمان نہیں ہوا. ہاں اگر بیدار ہونے کے بعد اس کے اقوال وافعال نے اس کے خواب کی تصدیق کردی تو وہ اب مسلمان وصاحبِ ایمان ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ ۲۶ اپریل ۲۰۰۱ء

علمائے دیوبند کے کفر میں سکوت

مسئلہ ۷۹۴ مولانا مطیع الرحمٰن صاحب گوپالپور بہار

۲-۲-۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیوبندی وہابی کے جن علماء پر کفری عبارتیں لکھنے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ ہے آنکی تکفیر کے متعلق بعض علماء اہلسنت جماعت سکوت فرماتے ہیں۔ زید کا کہنا ہے کہ دربارۂ تکفیر سکوت کرنے والوں کا سکوت درست ہے. کیونکہ جس کے اندر ننانوے گوشہ کفر کا ہو اور ایک ایمان کا تو اس کو کافر کہنا درست نہیں ہے۔ بینوا وتوجروا

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق الصواب

وہابیہ دیابنہ کا کفر صریح تقریباً ایک صدی سے ظاہر و باہر ہے۔ اب تک انہیں اپنے کفریات سے توبہ کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ اور یہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت کی مار ہے۔

طواغیت وہابیہ دیابنہ کی جن کفری عبارتوں پر علماء حرمین شریفین اور علماء ہند و سندھ نے کفر کا فتویٰ دیا۔ وہ عبارتیں مختصر کتر بیونت کے ساتھ آج بھی اُن کی کتابوں میں چھپ رہی ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آج کے دیوبندیوں وہابیوں نے ان کفری عبارتوں کو سندِ صحت دیدی ہے۔ لہٰذا علماء حرمین طیبین کا حکم آج بھی اسی طرح ہے جیسا روزِ اوّل (۱۳۲۴ھ میں) نافذ ہوا تھا کہ مَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ کَفَرَ یعنی ان کی بدعقیدگیوں پر مطلع ہونے کے بعد جو ان کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ تفصیل کے لئے حسام الحرمین کا مطالعہ کیجئے۔

زید نہایت پرکید یا بدمذہبیت کا صید معلوم ہوتا ہے جو فقہاء اسلام کی روشن عبارتوں کی دور از کار تاویلیں کر رہا ہے۔ فقہاء کرام کے احتیاط کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو زید بیان کرتا ہے۔ بفرضِ محال اگر وہی مطلب ہے جو زید بے قید نے بیان کیا تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ اگر کوئی شخص ننانوے بار بتوں کو سجدے کرتا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور ایک بار ایک سجدہ معبود حقیقی مسجود تحقیقی کو کرے تو اس پر حکم کفر عائد نہیں ہوگا حاشا و کلّا ایسا ہرگز نہیں ہے مگر زید علماء دیوبند کی طرفداری میں عقل و دانش کی بھی دھجیاں اڑانے پر تلا ہوا ہے۔ علماء دیوبند کی کفری عبارتیں ایسی صاف و صریح ہیں کہ تاویل کی گنجائش ہی نہیں اور اگر کسی مصنف یا مناظر نے اسکی تاویل کی جرأت کی تو ایک کفر کی جگہ انیک کفروں کی پھانس ان کے گلے کا ہار بن گئی۔ مثال کے طور پر مرتضیٰ حسن چاند پوری بجنوری، حسین احمد فیض آبادی، نور محمد ٹانڈوی اور ارشاد دیوبندی کی تحریر و تقریر عبارتِ حفظ الایمان کی صفائی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرات فقہاء کرام کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی قائل کے کلام میں کئی ظاہری معنی کفری ہوں مگر اسی کلام میں ایک پہلو ایسا بھی ہو جو اسلام کی طرف جاتا ہو تو مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اس کلام کو اسلام پر محمول کیا جائے اور مسلمان پر حکم کفر لگانے سے بچا جائے کما فی الدّرِّالمختار و الرّدّ المحتار۔ لیکن طواغیب وہابیہ دیابنہ کی کفری عبارتیں ایسی واضح ہیں کہ اُن پر ۳۵؍ اکابر علماء حرمین اور ڈھائی سو پچاس علماء ہند وسندھ اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے بیشمار علماء حقّانی نے یوں ہی کفر وارتداد کا فتویٰ نہیں دیدیا بلکہ ۱۳۲۴ھ سے پہلے دس سال تک تقریری وتحریری مکالمات ومحادثات ہوتے رہے جب کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تو علمائے ربانی نے اپنا فرض ادا کیا۔ حسام الحرمین کی طباعت کے بعد بھی مدتوں علماء دیوبند کو صلح وصفائی کی دعوت دی جاتی رہی۔ آخری مناظرہ گاہ لاہور قرار پایا جس میں مولوی اشرفعلی تھانوی کو اپنی کفری عبارت کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کی کفری عبارتوں کی بھی صفائی پیش کرنی تھی مگر حتمی وعدہ کے باوجود نہ خود آئے نہ اپنے وکیل کو بھیجا۔ سنّیوں کی طرف سے حضور حجۃ الاسلام اور حضور صدرُ الافاضل اپنے اعاظم شاگردوں اور مخلصین ومحبین کے ساتھ کئی دنوں تک لاہور میں قیام پذیر رہے۔ بالآخر جشنِ فتح کا سہرا حضور حجۃ الاسلام کے سر بندھا۔

لاہور کا تاریخی مناظرہ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں انعقاد پذیر ہوا جبکہ مولوی اشرفعلی تھانوی اپنی پوری جماعت کے تنہا سرغنہ تھے اگر وہ چاہتے تو بریلوی، دیوبندی خلیج کو بہت آسانی کے ساتھ پاٹا جاسکتا تھا لیکن شخصی خجالت وشرمندگی کے مقابلہ میں انہوں نے لاکھوں افراد پر مشتمل اپنی جماعت کو بَلی چڑھا دیا۔ تھانہ بھون کی دھرتی تو آسودہ ہوگئی ہوگی لیکن نفرت ودشمنی کی جو آگ انھوں نے سلگائی خدا جانے کب بجھے گی؟ اس سے پہلے ۱۳۲۹ھ میں مرادآباد کے اندر بھی مناظرہ طے ہوا مگر خود داعی ہونے کے باوجود مولوی اشرفعلی تھانوی مناظرہ گاہ میں نہیں آسکے۔ اس وقت کے مشہور اخبار "دبدبۂ سکندری" رامپور نے اعلیحضرت علیہ الرحمہ کا یہ خط بھی شائع کیا۔

بنام مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

السلام علی من اتبع الھدیٰ۔ فقیر بارگاہِ عزیز وقدیر عز جلالہ تو مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسب معاہدہ قرار داد مراد آباد پھر محرک ہے کہ آپ سوالات ومواخذات حسام الحرمین کی جوابدہی کو آمادہ ہوں۔ میں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ کر کہیں۔ اور سنادیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیدیئے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں ۲۷ صفر مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی۔ گیارہ روز کی مہلت کافی ہے وہاں بات ہی کتنی ہے۔ اسی قدر کہ یہ کلمات شانِ اقدس حضور پرنور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہٖ تعالیٰ دو منٹ میں اہلِ ایمان پہ ظاہر ہوسکتا ہے۔ لہٰذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت ورحمت پر توکل کرکے یہی ۲۷ صفر روز جاں افروز دوشنبہ اس کے لئے مقرر کرتا ہے۔ آپ فوراً قبول کی تحریر اپنی مہری دستخطی روانہ کریں۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ
مہر
۱۵ صفر المظفر روز چہار شنبہ ۱۳۲۹ھ

یہ اس مبارک خط کی تلخیص ہے جو طے شدہ معاہدہ کے مطابق اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس وقت کے دیوبندی سرغنہ مولوی اشرفعلی تھانوی کو لکھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ مراد آباد کے اندر ۲۷ صفر کو ایسا تاریخی فیصلہ ہوگا جو برصغیر کے اندر ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ مگر دبدبۂ سکندری اور تذکرۂ جمیل کے مطابق مناظرہ کے لئے پہل کرنے کے باوجود مولوی اشرفعلی تھانوی نے رجوع واتحاد کی راہوں سے گریز کرتے ہوئے مراد آباد آنے سے انکار کردیا۔

میں کس کس جانب آپ کی توجہ کو مبذول کراؤں آپ بحمدہ تبارک وتعالیٰ

علمی ذوق رکھتے ہیں۔ حسام الحرمین کے علاوہ التحقیقات لدفع التلبیسات (صدرالافاضل) الصوارم الهندیه (شیر بیشۂ اہلسنت) فتاوی علماء عالم (مولانا شاہ عبدالحمید پانی پتی قطب بنارس) وغیرہما کتب کا مطالعہ فرمایئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ان ظالموں کے حق میں سکوت بہتر ہے یا ان کی زہرآلود مہلکِ ایمان عبارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔

واللہ الهادی الی سواء السبیل وہو اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ مجلس علماء ہیئد رلینڈ۔ ۱۲ جولائی ۲۰۰۲ء

انبیاء علیہم السلام کو عام بشر کی طرح کہنا

مسئلہ ۹۵ ۔ قمر عالم شمسی بریڈفورڈ انگلینڈ۔ ۲۵ رشوال ۱۴۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

زید نبیوں کو عام بشر کی طرح مانتا ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص کسی بھی نبی کو بشر نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو عظمت دی ہے لہٰذا انہیں باعظمت ماننا چاہئے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہئے کہ وہی فوز و فلاح کا راستہ ہے مگر انہیں مالک و مختار ماننا ان سے مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی توہین اور نبیوں کی شان میں غلو ہے..... سوال یہ ہے کہ از روئے شرع شریف زید پر کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ مختصر جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

۷۸۶ / ۹۲ الجواب بعون الملک الوهاب

العیاذ باللہ تعالیٰ، زید بے قید کے ایمان و عقیدے میں گھن لگ گیا ہے اور وہابیت کا جراثیم پوری طرح سرایت کر چکا ہے لہٰذا اس پر توبہ، تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو اس سے دوبارہ نکاح ضروری ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بلاشبہ جنس بشری میں مبعوث ہوئے اور وہ سب جنس بشر سے ہیں

نہ ملائکہ کے جنس سے ہیں نہ جنات کے۔ مگر انہیں صرف بشر اور بشر کی طرح کہنا کافروں اور مشرکوں کا طرز و طریقہ رہا ہے۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر کافروں اور شیطانوں کے قول کو نقل کیا ہے۔ مثلاً قَالُوٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم آیت ۱۰)۔ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الانبیاء آیت ۳) مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (المؤمنون آیت ۲۴) مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ (المؤمنون آیت ۳۳) مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الشعراء آیت ۱۵۴) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰس آیت ۱۵) مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ہود آیت ۲۷) قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ (الحجر آیت ۳۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف بشر ماننا یا اپنے مثل بشر ماننا ان کی توہین ہے جو عند الشرع کفر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو ہمارے اسلاف کرام نے بشر کہا ہے مگر اس طرح

اَلنَّبِيُّ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ ✤ كَالْيَاقُوْتِ حَجَرٌ لَا كَالْحَجَرِ

یعنی نبی لاریب بشر ہیں لیکن عام بشر کی طرح نہیں۔ اسکی ناقص مثال یہ ہے کہ یاقوت لاریب پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں یاقوت ولعل بدخشاں کو صرف پتھر یا عام پتھر کے مثل کہنا اسکی صریح توہین اور ناقدری ہے۔

شفا شریف جلد ثانی میں ہے۔

وَاجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰى قَتْلِ مُتَنَقِّصِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَابِّهٖ

تمام امتِ مطلقہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو مدعیٔ اسلام نبی علیہ السلام کی شان میں تنقیص بکواس کرے وہ قتل کا مستحق ہے۔

اور فتاویٰ شامی جلد ثالث میں ہے

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَنَّ شَاتِمَهٗ كَافِرٌ وَحُكْمُهُ الْقَتْلُ وَمَنْ شَكَّ فِيْ عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ

باجماع مسلمین نبی علیہ السلام کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ حاکم اسلام اسے قتل کرے اور جو بھی اس تنقیص کرنے

والے کے جہنمی اور کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے
کفر۔
مذکورہ بالاحکم شرع کے مطابق زید مذکور کا حکم واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش سے انبیاء علیہم السلام کو زمین و آسمان سب کا مالک و مختار بنادیا۔ ان کو اختیار ہے جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں اور جس سے جو نعمت چاہیں چھین لیں۔ ارشادِ خداوندی ہے هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ یہ زمین و آسمان تمہارے لئے ہماری عطا ہے جس پر چاہو احسان کرو اور جس سے چاہو نعمت چھین لو تم پر کوئی حساب و کتاب نہیں۔

اور جہاں تک مدد طلب کرنے کا سوال ہے۔ تو مدد کرنے کی طاقت نہ صرف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی بلکہ مومنین کو بھی ہے۔ اور مدد و طاقت و صلاحیت نہ صرف اہلِ ایمان کو حاصل ہے بلکہ غیر اہلِ ایمان کو بھی ہے ـ قرآنِ کریم کی آیاتِ مقدسہ کو غور و تامل کے ساتھ تلاوت کیجئے اور اس کے مفہوم و مطلب کو سمجھئے۔

① تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى — نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

② إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ — اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

③ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللّٰهِ — حضرت عیسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے کون میری مدد کرے گا۔

④ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ — حضرت عیسیٰ کے صحابیوں نے کہا ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے۔

⑤ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا — اے مسلمانو! تمہارا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور اہلِ ایمان ہیں۔

⑥ أَعِينُونِي بِقُوَّةٍ — سکندر ذوالقرنین نے کہا تم لوگ میری اپنی طاقت سے مدد کرو

⑦ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ — اے گروہِ انبیاء تم ضرور نبیٔ آخر الزماں پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

اس طرح درجنوں آیاتِ کریمہ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی ترغیب و تعلیم اور تحریص موجود ہے لیکن وہابیہ نجدیہ استعانت علی الغیر کا مفہوم ہی نہیں سمجھتے ہیں تو ایسے ناسمجھوں کو کون سمجھائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۲۴ر شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ ۱۹۸۹ء

جہنم کی آگ کا رنگ کیسا ہے؟

۹۶ مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جہنم کی آگ دنیاوی آگ کی طرح سرخ ہے یا سفید؟ اور اس کی سرخی پر دلیلِ شرع قائم ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب سے شادکام فرمائیں گے۔

محمد عرفان علی۔ خانزن ہوف۔ پورٹ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــــ ھو الھادی الی الصواب

جہنم کی آگ مختلف رنگوں میں تبدیل ہوتی رہی۔ اولاً وہ سرخ ہی تھی پھر سفید ہوگئی۔ اس کے بعد سیاہ ہوگئی۔ اور اب تک سیاہ ہی ہے۔ علامہ ابو القاسم اصبہانی نے علامہ بیہقی سے روایت کیا کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ کریمہ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۝ تلاوت فرمائی اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ:

اُوْقِدَ عَلَيْهَا اَلْفَ عَامٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَاَلْفَ عَامٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ وَاَلْفَ عَامٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ مُظْلِمَةٌ لَا يُضِيْئُ لَهَبُهَا (الدر المنثور) — جہنم میں ایک ہزار سال آگ جلائی گئی تو سرخ ہوئی پھر ایک ہزار سال (جلائی گئی) یہاں تک کہ سفید ہوئی پھر ایک ہزار سال حتیٰ کہ سیاہ ہوگئی۔ پس جہنم کی آگ انتہائی سیاہ ہے، جسکے شعلہ میں کوئی روشنی نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۵؍ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۲۳ھ

خالقِ کُل نے آپ کو مالکِ کُل بنادیا

مسئلہ ۹۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عاریۃً (اُدھار) لے لیں۔ تو کیا اُس چیز کا لوٹانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضروری ہے؟ اگر نہیں لوٹائیں تو کیا ہوگا؟

المستفتی: سید نورالامام۔ مسجد قدیم پیرس (فرانس)

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

حضور اکرم سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم بعطائے الٰہی سارے عالم کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو جو ملتا ہے وہ بارگاہِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ملتا ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی" لہٰذا جس کے پاس جو کچھ ہے وہ عطائے رسول علیہ السلام ہی ہے۔ مسلمانوں کے جان و مال کا مالک تو بنص قرآن حضور پُرنور سید الانس والجان علیہ صلوٰت الرحمٰن ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ"

کسی مسلمان سے کوئی چیز طلب فرمالینا یہ احسانِ عظیم ہے اور اُسے لوٹا دینا احسان بالائے احسان ہے۔ اگر نہ لوٹائیں تو اُن کی ملکیت ہے اُن پر کوئی حساب و کتاب نہیں۔ قَالَ تَعَالٰی "ھٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" ۞ سورۂ ص اس آیۂ کریمہ کے ذیل میں صاحب روح البیان تحریر فرماتے ہیں۔

ھٰذَا عَطَاؤُنَا یشیر الی ان الانبیاء بتائید الفیض الالٰھی ولایۃ افاضۃ الفیض علی من ھو اھلہ عند استفاضتہ ولھم امساک الفیض عند عدم

قرآن پاک کے یہ الفاظ (ھٰذَا عَطَاؤُنَا) اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو فیضِ خداوندی کی تائید سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طالب فیض پر جتنا چاہیں لطف و کرم فرما سکتے ہیں اور اپنے فیضانِ کرم سے اُسے مالا مال کرسکتے

الاستفاضة من غير اهله — ہیں۔ اور جو نااہل ہو اس کو اپنے فیضان سے محروم کر سکتے ہیں۔

(روح البیان)

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَامِن مومِنٍ اِلّا وَاَنَا اَوْلٰی بِهٖ فی الدنیا والاٰخرة اقرؤا ان شئتم اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ الخ — کوئی ایسا مومن نہیں ہے جس کا دنیا اور آخرت میں میں والی نہیں ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی ....

اور اسی ارشاد گرامی کے تحت حضرت سیدنا سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

مَنْ لَّمْ یر نفسه فی ملك الرسول ولم یر ولایته علیه فی جمیع احواله لم یذق حلاوة سنّته .... — جو شخص اپنے آپ کو حضور اکرم کی ملکیت نہ سمجھے اور اپنے تمام حالات میں اپنے آپ پر اُن کی حکمرانی تسلیم نہ کرے۔ اُس نے سنّت کی چاشنی محسوس ہی نہیں کی...

ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ مومن اور مومن کی ہر چیز رسول اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہے جس میں تصرف کا پورا پورا اختیار خالقِ حقیقی عزوجل نے انہیں عطا فرمایا ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ نے جب اپنا سارا مال و متاع قدم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان کر دیا تو سید کائنات علیہ اکرم الصلوٰت نے پوچھا اے صدیق! اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے کیا رکھ آئے ہو؟ تو نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا۔

هل انا ومالی الا لك یارسول الله... — یارسول اللہ میں اور میرے مال کس کے ہیں؟ سب تو حضور ہی کے ہیں۔

جب جان و مال سب حضور پُر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ہیں

تو وہ ان میں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں۔ اس میں لوٹانے اور واپس کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

حضرت مولیٰ علی اور حضرت امیر معاویہ

مسئلہ ۹۸: غلام عسکری پاکستانی۔ ہیم بیورخ ۲۷ ۱۰۲ K.B آمرسفورٹ ہالینڈ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت سیدنا علی اور حضرت امیر معاویہ ان دونوں حضرات میں افضل صحابی کون ہیں؟ ان دونوں حضرات کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں حق بجانب کون تھے؟ امید کہ شافی جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے؟

۹۸ الجواب ــــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــــ

ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت و کرامت مسلّم ہے۔ سب آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں ان میں سے جن کی پیروی کی جائے گی منزلِ ہدایت مل جائیگی

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

أَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ　　میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکلکشا شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کاتب وحی۔ امیر الاسلام حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات کے فضائل و برکات اور عظمت و شان میں درجنوں احادیث صحیحہ سے کتب صحاح و مسانید صحیحہ اور کتب سیر مملو ہیں۔ ہر دو حضرات کی عظمت و فضیلت اور ان کی خلافت و صحابیت پر الگ الگ درجنوں مدلل کتابیں تصنیف ہوئیں۔

۱ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ان معظم صحابہ کبار کا بہت اونچا مقام ہے۔

جو صحابیت کی فضیلت کے ساتھ ساتھ گروہِ صحابہ میں مجتہدانہ خصوصیت کے حامل تھے۔ عام صحابۂ کرام انہیں اپنے مقابلہ میں نہایت اشرف و اعلیٰ مانتے تھے۔ اور یہ دونوں حضرات علم و تقویٰ، زہد و امانت، حلم و صداقت اور شانِ اجتہاد میں عام صحابۂ کرام کے درمیان بہت ہی بلند و بالا حیثیت کے مالک تھے۔

کتب صحاح نے ان دونوں بزرگوں کی فضیلت و مناقب میں الگ الگ باب باندھا ہے اور ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ جو تفصیل کے ساتھ ان حضرات کے فضائل معلوم کرنا چاہے وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک مرتبہ امام العارفین حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ خلیفۃ المسلمین مجددِ اوّل حضرت عمر بن عبدالعزیز جن کی حکومت منہاج خلافتِ راشدہ کے عین مطابق ہے۔ اُن میں اور سیدنا امیر معاویہ میں کون افضل ہیں؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

معاویہ کے گھوڑے کی ٹاپ کا غبار جو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر واقع ہوا وہ عمر بن عبدالعزیز سے ہزار گنا اچھا ہے۔"

بایں ہمہ عظمت و شان حضرت سیدنا شیر خدا مشکلکشا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فضیلت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تمام صحابۂ کرام (خواہ وہ عشرۂ مبشرہ ہوں یا بدری ہوں) پر مسلم ہے۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے آپسی نزاعات یا ان کے درمیان واقع جنگوں کا تذکرہ ہم بیکاروں کو نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان کا اختلاف ان کے اجتہاد پر مبنی تھا اور قوت اجتہادی دونوں حضرات کے اندر تھی جس کی وجہ سے دونوں اپنے کو حق بجانب خیال فرماتے رہے اور اجتہاد کی بنا پر اختلاف کا رونما ہونا کوئی جرم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ اگر فی الواقع کوئی مجتہد غلطی ہی کر رہا ہو جب بھی ایک ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ ھٰکذا فی اصول الشرع

لہٰذا ہر دو حضرات مصیب و مثاب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء، مجلس علماء نیدرلینڈ

۱۹؍ربیع الاوّل شریف ۱۴۲۲ھ

دعوتِ اسلامی کا طریقۂ تبلیغ

مسئلہ ۷۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ، فرانس، جرمنی اور انگلینڈ وغیرہ یورپین ممالک میں اللہ پاک کے کچھ ایسے نیک بندے جو صورت وشکل اور وضع قطع سے مسلمان اور مسلمانوں کے رہبر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ شہر شہر، علاقہ علاقہ، قریہ قریہ اسلام وسنیت کی تبلیغ کرتے ہیں، لوگوں کو کلمہ ونماز اور درود وسلام سے قریب کرتے ہیں۔ نجی نشستوں میں ایمان وعقیدے کی اصلاح بھی کرتے رہتے ہیں اور نماز روزے کا شوق بھی دلاتے رہتے ہیں انکی تبلیغ ایسی مؤثر ہوتی ہے کہ برسوں کا بے نمازی اور اعلانیہ فسق وفجور میں مبتلا نمازی بن جاتا ہے۔ چہرہ پر نور اسلام کی روشنی آجاتی ہے، سر پر سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہریالی گنبد کا عکس چمکنے لگتا ہے اور لبوں سے درود وسلام کے انوار جھڑنے لگتے ہیں۔

پوچھنے پر وہ حضرات اپنے آپ کو مبلغینِ سنت یا خادمانِ مدینہ کہتے ہیں۔ البتہ جو کتابیں، رسالے، اسٹیکرز اور سی ڈیز وغیرہ جو وہ عموماً مفت تقسیم کرتے ہیں۔ ان سبھوں پر "دعوتِ اسلامی" مرقوم ہوتا ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ پاکستان میں کوئی بزرگ "مولانا محمد الیاس عطار قادری" کی مخلصانہ کاوشوں اور انفاق فی سبیل اللہ کے نتیجہ میں یہ جماعت معرض وجود میں آئی ہے جو بیشتر براعظموں میں اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت کر رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم سنی مسلمانوں کو اس جماعت "دعوتِ اسلامی" میں شریک ہونا۔ ان کے ساتھ تبلیغی امور کی اشاعت کے لئے محلہ بمحلہ اور شہر بشہر جانا، ان کے ساتھ شب وروز گزارنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ امید کہ ہم سنیوں کی دستگیری فرماکر

ثواب دارین حاصل کریں گے اور ہمیں شکریہ کا موقع دیں گے۔

راحت حسینی، علاء الدین اینڈ برادرز وغیرہم۔ آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

الجواب ــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــ

آپ نے جو کارنامے اور خصوصیتیں جماعتِ مذکورہ کے مبلغین کی بیان کی وہ قابلِ تعریف و تقلید ہے۔ اگر اُن کے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو وہ لائق عزت و تکریم ہے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لان یھدی اللہ بک رجلاً خیرلک مما طلعت علیہ الشمس (جامع الصغیر)

اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ایک شخص کو ہدایت فرمادے تو وہ تیرے لئے ہر اُس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج چمکتا ہے (جامع حدیث ۲۱۹)۔

اور صحیح البخاری کتاب الجہاد میں یہ حدیث پاک موجود ہے واللہ لان یھدی اللہ بک رجلاً واحداً خیرٌ لک من ان یکون لک حمر النعم کہ خدا کی قسم اگر تیرے سبب سے ایک آدمی کو بھی خدا ہدایت فرمادے تو وہ تیرے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

تبلیغ دین اور اصلاح اعمال و عقائد کے لئے جتنے قدم زمین پر پڑتے ہیں ہر قدم پر مبلغ کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد گرامی ہے۔

سَنَکْتُبُ مَاقَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ (سورۂ یٰسٓ شریف)

ہم لکھتے ہیں ان کے کام اور ان کے قدموں کے نشان۔

اب آپ خود ہی حساب لگا لیجئے کہ ایک شخص اگر چند ساعت کے لئے اپنے محلہ یا شہر میں گھوم کر مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرتا ہے یا غیر مسلموں تک اسلام کو پہنچانے کی سعی کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں کس قدر ثواب لکھے جاتے ہوں گے اور وہ خداوند کریم کی بارگاہِ کرم میں کس قدر اجر جزیل کا مستحق ہوگا؟

"دعوتِ اسلامی" کے سیکڑوں خادموں سے میری ملاقات عرب و عجم مختلف ممالک میں ہوئی ہے میں نے ان میں سے بیشتر کو مخلص اور سنیت کا ہمدرد پایا۔ اسلام

سنیت کی اشاعت کا جذبہ ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔ کاش کہ امور تبلیغ و اصلاح کے لئے اہلِ علم حضرات کا تقرر کیا جاتا اور ان کی معاونت میں دعوت کے عام افراد ہوتے۔ یا جس علاقہ میں دعوت کے افراد کو کوئی سنی عالم دین مل جاتا خدمتِ تبلیغ و اشاعت انہی کے سپرد کی جاتی اور دعوت کے افراد اسکے معاون ہوتے ...

حلقۂ ذکر اور دعا میں گریہ وزاری کا نہایت نرالا انداز ہے جس کا اثر عوام پر ہوتا ہے۔ مختصراً آپکے سوال کا جواب یہ ہے کہ دعوتِ مذکورہ کے افراد اہلِ سنت وجماعت سے ہیں ان کے ساتھ نشست وبرخاست، اور ان کے ساتھ اسلام وسنیت کی تبلیغ میں اپنے وقت کی قربانی دینا جائز وسعادت مندی ہے۔ خاص کر یورپ کے مسموم ماحول میں اُن کے طریقۂ تبلیغ کی اشد ضرورت ہے کہ زبانیں یہاں کے ممالک کی ہوں اور طریقۂ تبلیغ اُن کا ہو۔ واللہ الھادی الی الصواب والیہ المرجع والمآب۔ وہو اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء "القرآن" ہندرلینڈ

یکم رجب المرجب ۱۴۲۵ھ ۔ ۱۸؍اگست ۲۰۰۴ء

رافضی و تبرائی کا حکم

مسئلہ ۸۰: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ کچھ لوگ [ا]یران سے یہاں پناہ گزیں کی صورت میں آئے ہیں۔ محرم شریف میں مجلسیں بھی کرتے [ہیں] اور دوسرے ممالک سے اپنے مقررین کو بلاتے ہیں۔ چونکہ انکی تعداد محدود ہے اسلئے [ا]ن کی محفلیں بھی بند کمروں میں ہوا کرتی ہیں۔ اُن لوگوں سے جب ہماری بات چیت [ہو]ئی تو انہوں نے اولاً حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام صحابۂ کرام یہاں [تک] حضرت سیدنا ابو بکر صدیق حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل [ما]ن گردانا۔ پھر ان دونوں بزرگوں کی ارفع واعلیٰ شان میں گستاخانہ جملے استعمال کئے [جس کی] وجہ سے ہمیں ان لوگوں سے نفرت ہوگئی۔ ہمیں یہ بتایا جائے کہ یہ کون لوگ ہیں [ان] کے ساتھ اسلامی راہ ورسم رکھنا درست ہے یا نہیں؟ کرم فرما کر جلد ہی جواب

دینے کی زحمت گوارہ کریں۔　المستفتی:۔ غلام محی الدین۔ اشاعت الاسلام، بون، جرمنی

۹۲/۸۶ الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

وہ وہ لوگ ہیں جن کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ لیکن شیعوں میں بھی مختلف فرقے ہیں بعض تفضیلی ہیں، جو گمراہ و بددین ہیں اور بعض غالی رافضی (تبرائی) ہیں جو تمام علماءِ اسلام کے نزدیک خارج اسلام، جہنمی اور کافر ہیں۔ آپ نے سوالنامہ میں جن بدبختوں کا تذکرہ کیا ہے وہ غالی رافضی ہیں۔ جن پر علماءِ دین نے کفر وارتداد کا فتویٰ دیا ہے۔ ان بدبختوں سے دور رہنا، نفرت کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے حاشیہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنهما (والعیاذ باللہ تعالیٰ) فهو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجهه علیهما فهو مبتدع اھ	رافضی جو حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو (معاذ اللہ) برا کہے وہ کافر ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر سے افضل بتائے تو وہ گمراہ و بدعتی ہے۔

اعلیٰ حضرت مجدد ملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "ردّ الرفضہ" میں تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للشرنبلالی سے یہ عبارت نقل فرمائی۔

الرافضی اذا سب ابابکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما ولعنهما یکون کافرا وان فضل علیهما علیا لایکفر وهو مبتدع اھ	رافضی اگر حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہے یا تبرا بکے تو کافر ہو جائے۔ اور اگر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو ان حضرات سے افضل کہے تو کافر نہیں البتہ گمراہ ہے

ان بدمذہبوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ان سے اسلامی راہ و رسم رکھنا شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک حرام بدانجام ہے۔ خدائے جبار و قہار کا حکم ہے لَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔ لَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ، وَاِذَا مَرِضُوْا لَا تَعُوْدُوْهُمْ، وَاِذَا مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ، وَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ وَلَا تُصَلُّوْا

مَعَهُمْ (کنزالعمال) بدمذہبوں کے ساتھ مت بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ
نہ ان کے ساتھ پیو۔ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت مت کرو۔ مرجائیں تو ان کے جنازہ پر
مت جاؤ۔ نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو۔ نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔"

قرآن وحدیث سے حکم واضح ہوجانے کے بعد کسی مسلمان کا ان بدمذہبوں کے
ساتھ اٹھنا، بیٹھنا۔ کھانا پینا، سلام کلام، شادی بیاہ، بیمار پرسی ومزاج پرسی، جنازہ
میں شرکت یا غسل وکفن دفن میں اس کی مدد سب حرام بدانجام ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم
وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الاعظم وعلی آلہ وصحبہ الاکرم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، خادم الافتاء، مجلس علماء نیدرلینڈ

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ ۲۹ مئی ۲۰۰۴ء

نبی علیہ السلام کا حاضر وناظر اور شافع ہونا

مسئلہ ۸۰۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہم لوگ نسلاً ہندوستانی
اور وطناً سورینامی ہیں۔ دنیاوی یا دینی تعلیم سے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔ دین کے
متعلق جو کچھ اپنے باپ دادا کو کہتے سنا یا کرتے دیکھا اپنا ایمان وعقیدہ اور عمل ومعاملہ
اسی طرح ہوگیا۔ ادھر پندرہ بیس سال سے ہندوستان وپاکستان اور دیگر ملکوں سے
علماء دین نیدرلینڈ اور سورینام میں آتے رہے جن کی وجہ سے ہمارے ایمان وعقیدے اور
عمل میں اصلاحیں ہوئیں۔ مگر ہالینڈ میں آنے کے بعد ہمارا راہ ورسم مختلف ملکوں کے
مسلمانوں سے ہوا مثلاً مغرب۔ انڈونیشیا۔ ترکی۔ پاکستان والوں سے۔ اب اُن
لوگوں نے ہمارے بعض مراسم ومعتقدات میں کیڑا نکالنا شروع کردیا ہے۔ اور ہم لوگ
دینی واقفیت زیادہ نہیں رکھتے ہیں اسلئے اعتراض کرنے والوں کو مطمئن بھی نہیں
کرپاتے ہیں۔ مثلاً جب سے ہمارے باپ دادا متحدہ ہندوستان سے انگریزوں کے زمانہ
میں عمال بناکر سورینام وغیرہ ملکوں میں لائے گئے اسی وقت سے ہمارے یہاں دفن میت
کے بعد قبر کے قریب اذان ہوتی آرہی ہے۔ کسی مسلمان کے مرجانے کے بعد چالیس دنوں

تک متقررہ مقام و وقت میں باضابطہ قرآن خوانی ہوتی ہے جس میں امام مسجد، میاں جی مولانا اور دور و نزدیک کے رشتہ دار شریک ہوتے ہیں۔ اسی میں تیجہ، دسواں، بیسواں اور چہلم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہم سنی مسلمانوں کا قدیمی عقیدہ ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال و اعمال سے باذنہٖ تعالیٰ باخبر اور حاضر و ناظر ہیں۔ شفاعت کبریٰ کا اذن آپ کو مل چکا ہے اور آپ اپنی گنہگار سیہ کار امتیوں کی قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے۔

اب ہمارے بعض دوستوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حاضر و ناظر کہنا درست نہیں ہے بلکہ یہ بدعقیدگی ہے۔ حاضر و ناظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت ملی نہیں ہے بلکہ قیامت میں اجازت ملے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اذان نماز کے لئے مشروع ہے قبرستان کے لئے نہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جو مر گیا اس کا نامۂ اعمال لپیٹ دیا گیا۔ اب اس میں کوئی اچھائی یا برائی کا اضافہ نہیں ہو سکتا ہے جس نے جیسا کیا ویسا ہی بھرے گا۔ لہٰذا قرآن خوانی کا مروجہ اہتمام بیکار ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کی یہ باتیں شرعاً صحیح ہیں یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

محمد اشرف گمان۔ فیروز گمان۔ فرہاد گمان۔ آمسٹرڈم ہالینڈ

الجواب ـــــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــــ

الحمد للہ رب العلمین۔ کہ آپ لوگوں نے جو کچھ اپنے آبا و اجداد سے عقائد و اعمال کے بارے میں سیکھا اور جس کا ذکر سوالنامہ میں کیا وہ سب حق و درست اور اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے۔ البتہ آپ حضرات کے معترض دوستوں پر مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ نجدیت و دیوبندیت کے مسموم نظریات نے ان کے گلشن ایمان کو شاید خزاں رسیدہ تو نہیں بنا دیا ہے؟ بہر حال جب تک ان کی صحتِ عقیدہ کا قولاً و عملاً اظہار نہ ہو ان کی دوستی زہر ہلاہل ہے اور ان لوگوں سے آپ حضرات کا دور و نفور رہنا ضروری ہے۔ کہ خدا نخواستہ ان کی بدعقیدگی و بدعملی کا اثر آپ حضرات

کی طرف سرایت نہ کرنے لگے۔ (العیاذ نا اللہ تعالیٰ وایاکم)

آپ کے دوستوں کا یہ کہنا کہ حضور پُر نور سید کائنات علیہ اکرم الصلوات وازکی التحیات کو حاضر و ناظر کہنا بدعقیدگی ہے کیونکہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سراسر غلط، دینی معلومات سے دوری، اسماء الٰہیہ کے علم سے مہجوری بلکہ خود ان کے عقیدوں کی کمزوری ہے ــــ اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اعظم واعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ ارفع واعلیٰ میں کسی صفت کو منسوب کرنے یا اسے کسی صفت سے منزہ جاننے میں کامل احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام اسماء توقیفی ہیں یعنی شرع سے منقول ہیں۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حاضر و ناظر جو دونوں عربی الفاظ ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ میں سے ہیں یا نہیں؟ تو چونکہ آپ کے دوست اِس بات کے مدّعی ہیں کہ "حاضر و ناظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے" لہٰذا دلائل وبراہین کی روشنی میں اس دعوے کو ثابت کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ لقولہٖ صلے اللہ تبارک تعالیٰ "اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ" لیکن وہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ دونوں نام اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتیہ میں سے ہیں۔

اسی لئے ہمارے محتاط علماء افتاء فرماتے ہیں کہ بغیر تاویل کے مطلقاً یہ دونوں الفاظ (حاضر و ناظر) اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہیں کیونکہ وہ جسم وجسمانیات سے پاک ہے اور حضور و نظور، حاضر و ناظر کے لغوی معنی جسم کے ساتھ حاضر ہونا اور آنکھ کی پتلی سے دیکھنا ہے (المنجد) ہاں تاویلاً ان الفاظ کو ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے بولنے پر کفر کا فتویٰ تو نہیں ہے مگر احتیاطی تقاضوں کے خلاف ہے۔ درمختار جلد سوم میں ہے یَاحَاضِرُ یَا نَاظِرُ لَیْسَ بِکُفْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ کو حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے کہ علامہ عابدین شامی نے اپنے فتاویٰ شامی میں اس کی تاویل یوں کی ہے۔ فان الحضور بمعنی العلم شائع مایکون من نجویٰ ثلاثۃ الا و ھو رابعھم۔ والناظر بمعنی الرویۃ۔ الم یعلم بان اللہ یریٰ" پس حاضر و ناظر کا معنیٰ اگر یا عالِمَ مَنْ تَریٰ یا شہید و بصیر کیا جائے تو اس تاویل سے اس کا

اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو سکتا ہے۔ مطلقاً ان دونوں اسماء کو ذاتِ الٰہی کی طرف منسوب کرنا شریعتِ مطہرہ پر جرأت کرنا اور اپنے دل سے اسماء صفاتیہ میں اضافہ کرنا ہے۔

ان دونوں لفظوں (حاضر و ناظر) کا استعمال اس کے حقیقی معنوں میں حضور اکرم شاہدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نہ صرف جائز بلکہ اسلافِ امت کے درمیان شائع و مقبول ہے۔ کیونکہ اُن کی روحانیت مقدسہ اور علم خداداد ہر گھر میں موجود اور تمام امت کے احوال و اعمال پر مطلع ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ۔ (النور ۶۱) کہ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنوں کو سلامتی کی دعا کرو۔ اور حدیث شریف میں آیا وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ اَحَدٌ فِی الْبَیْتِ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" کہ جب گھر میں کوئی بھی آدمی موجود نہ ہو تو اپنے نبی علیہ السلام پر سلام پیش کرو۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شفا شریف کی شرح میں اس کی علت یہ بیان فرمائی " لِاَنَّ رُوْحَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاضِرَۃٌ فِیْ بُیُوْتِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ۔ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیتِ مقدسہ تمام اہلِ اسلام کے گھروں میں جلوہ بار ہے

پھر حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بایں معنیٰ بھی حاضر و ناظر کہا جا سکتا ہے کہ باذنِ اللہ تعالیٰ و بعطائہٖ تمام امت کے احوال کے عالم اور اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ چنانچہ شیخ محقق ناشر الحدیث محسن العلماء حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی مجمع البرکات میں فرماتے ہیں۔

وے علیہ السلام بر احوال و اعمالِ امت مطلع است و بر مقرباں و خاصانِ درگاہِ خود مفیض و حاضر و ناظر ست۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کی تمام حالتوں اور عملوں سے باخبر ہیں اور اپنے مقربین خاص پر انوار و فیوض کی بارش برساتے ہیں کہ وہ حاضر و ناظر ہیں۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا علم و عقیدہ کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے بلکہ ہمارے اسلافِ کرام نے ہمیں یہ دیا ہے کیونکہ قرآن پاک نے حضور نبی رحمت علیہ السلام والتحیۃ کے صفاتِ کریمہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا

وَّنَذِیْرًاہ یعنی آپ کی صفتوں میں سے ایک عظیم صفت آپ کا شاہد ہونا ہے۔ اور شاہد اس گواہ کو کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھے اندھا نہ ہو اور موقعۂ واردات پر موجود ہو۔ یعنی حاضر و ناظر ہو۔ اسی لئے محتاط مترجمین حضرات نے شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر کیا ہے۔

لیکن حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے میں یہ مخصوص گوشہ ذہن نشین ہونا چاہیے کہ سید کائنات علیہ اکرم الصلوات اپنی وسعتِ علم اور سریان حقیقتِ محمدیہ کی وجہ سے حاضر و ناظر ہیں اور بایں سبب انہیں حاضر و ناظر کہنا جائز و درست اور مبنی برحقیقت ہے۔

جو شئی تیری نگاہ سے گزرے درود پڑھ ؛ ہر جزو کل ہے مظہر انوارِ مصطفےٰ (حضرت آسی)

۲۔ اگر شفاعت کی اجازت ملی نہیں تو "وَلِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ" (شفاعت کا جھنڈا قیامت کے دن میرے ہاتھ میں ہوگا) کا دعویٰ کیوں ہے؟ اذن شفاعت تو مل چکی ہے لیکن اس کا ظہور روزِ قیامت ہوگا۔ پیارے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے "شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ" میری شفاعت میری گنہ گار امت کیلئے ہے

خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (سورۃ الاسراء ۷۹) یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ مقام محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا هوالمقام الّذی اشفع فیه لِاُمَّتِیْ مقام محمود وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت فرماؤں گا۔

آیت مذکورہ کے ترجمہ میں ممکن ہے کہ کسی بادی النظر کو اعتراض ہو کہ عسیٰ کے لغوی معنیٰ میں امکان موجود ہے لہٰذا یقیناً اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اُن سے عرض ہے کہ اعتراض سے پہلے البرہان کا مطالعہ کریں جسمیں یہ وضاحت موجود ہے کہ عسیٰ اور لعلّ وغیرہما کی نسبت جب مخلوق کی طرف ہو تو اس کے ترجمہ میں امکان موجود ہوگا۔ لیکن یہی الفاظ جب خالق عزوجل سے منسوب ہو جائیں تو اس کے معنیٰ یقیناً ہوں گے۔ وہاں امکان و

شبہ کی کوئی رسائی نہیں ہوگی کیونکہ وہ ذات ذاتِ واجب ہے جہاں امکان کی گنجائش نہیں "عسیٰ ولعلّ من اللہ تعالیٰ واجبتانِ" (البرہان)

شفاعتِ کبریٰ اور اذنِ شفاعت سے متعلق بے شمار دلائلِ شرعیّہ موجود ہیں جن کو آپ لوگ علماء اہلسنّت وجماعت سے اکثر وبیشتر سنتے رہتے ہیں۔ حضرت علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شفاعت سے متعلق بعض حدیثیں متواتر ہیں لہٰذا وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو شفاعت کا انکار کرتا ہے۔ اور شفاعت کا انکار دنیا میں وہی کرے گا جو آخرت میں شفاعت سے محروم رہے گا۔

امام بخاری ومسلم نے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

انّہ سیکونُ فی ھٰذہِ الاُمّۃ قومٌ یکذبون کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا بعذاب القبر ویکذّبون بالشفاعۃِ " جو عذاب قبر اور شفاعت کا انکار کرے گا۔

ان دونوں باتوں کا انکار پہلے پہل خارجیوں اور معتزلیوں نے کیا اور آج بھی ان دونوں کے پیروکار نجدی وہابی یا ان سے متعلق لوگ کر رہے ہیں۔ اہلسنّت وجماعت کو منکرینِ شفاعت سے دور رہنا ضروری ہے۔

اذان علی القبر ۳ اذان کو صرف نماز کے لئے محدود کرنا آپکے دوستوں کی جہالت و نادانی اور مسائلِ شرعیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے ہوسکتا ہے اُن لوگوں کی پیدائش کے بعد اُن کے کانوں میں اذان ہی نہ دی گئی ہو۔ یا اذان کے کلمات سے وہ لوگ چڑھتے ہوں جیسے شیاطین چڑھتے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک اذان کے مختلف مواقع ہیں جہاں اذان کہنا سنّت یا مستحب ہے۔ فقہی کتابوں سے اس کی تفصیل معلوم کرنی چاہئے۔ علمائے کرام کے نزدیک اختلاف اس بات میں ہے کہ جیسے دنیا میں آنے کے بعد نومولود کے کانوں میں اذان کہنا سنّت ہے کیا دنیا سے جانے کے بعد اذان علی القبر بھی مسنون ہے؟ بعض علمائے کرام نے حالتِ اولیٰ پر قیاس کرتے ہوئے اسے مسنون کہا اور بعضوں نے مستحب کے خانوں میں رکھا.... اذان علی القبر

کے فوائد اس قدر کثیر ہیں کہ معلومات ہو جانے کے بعد کوئی مسلمان اس سے محروم رہنا نہیں چاہے گا۔ امام اہلسنّت مجدد ملّت امام احمد رضا قدس سرّہٗ نے اس باب میں ایک نہایت نافع اور مدلّل رسالہ تحریر فرمایا جو فتاویٰ مبارکہ رضویہ میں شامل ہے۔
فمن شآء فلیرجع الیہا۔

۴ ایصال ثواب: یہ عقیدہ معتزلیوں کا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ زندوں کی طرف سے ایصالِ ثواب مردوں کے لئے نفع بخش ہے (فقہ اکبر) سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان نے اس کو اہلسنت وجماعت کی پہچان بتائی اور اس کے مخالفین کو معتزلی (غیرسنی) گردانا۔ اور ایصالِ ثواب کے اثبات پر احادیث کریمہ، اعمالِ سلف اور اقوالِ علماء سب ہی شاہد ہیں۔ قرآن خوانی کے اہتمام کو بیکار بتانا بدمذہبیت اور طریق سلف سے اعراض ہے۔ واللہ الهادی إلی الصراط المستقیم۔ صراط الّذین انعمت علیہم من النبیّین والصدّیقین والشہداء والصالحین۔ وصلّی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا وسید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

کتاب الطہارۃ

(پاکی کا بیان)

ترجمۂ قرآن پاک کو بے طہارت چھونا

مسئلہ ۸۰۲: محمد سلیم ناصر الدین یوترینخت - نیدرلینڈ۔
۳-۱-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ قرآن مجید کا ترجمہ جو صرف اردو یا فارسی یا ڈچ زبان میں ہو (اس میں عربی عبارتیں نہ ہوں) تو اُسے بغیر غسل یا بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب ۹۲/۸۶ هو الهادي الى الصواب

صرف ترجمۂ قرآن عظیم خواہ وہ انگلش میں ہو یا ڈچ میں۔ اردو میں ہو یا فارسی میں بغیر طہارت کے اُسے چھونا جائز نہیں کہ وہ سب اسی سے متعلق ہے جو منزل من السماء ہے جس کے بارے میں حکمِ الٰہی ہے لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کامل پاکیزگی وطہارت کے بغیر اُسے مت چھوؤ۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

لَوْكَانَ الْقُرْاٰنُ مَكْتُوْبًا بِالْفَارِسِيَّةِ يُكْرَهُ لَهُمْ مَسُّهٗ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهٰكَذَا عِنْدَهُمَا عَلَى الصَّحِيْحِ۔ هٰكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ

(اگر قرآن فارسی میں لکھا ہو تو بھی امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا چھونا مکروہ تحریمی ہے اور صحیح قول کے مطابق یہی مذہب صاحبین کا بھی ہے (اسی طرح فتاوی خلاصہ میں ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد، ہالینڈ
۱۳-۱-۱۹۸۶

منی نکلنے کے بعد غسل کب واجب ہوتا ہے

مسئلہ ۸۰۳ :- محمد نسیم سالار بخش۔ اترولہ ۲۶-۱۲-۱۹۸۵ ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین

اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی یا کسی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر کی۔ یا اس کی شرمگاہ سے اپنے آلہ کو ملایا پھر جب شہوت زیادہ ہوئی اور منی اچھل کر نکلنے والی ہوئی تو اس آدمی نے اپنے ذکر کو مضبوطی سے تھام لیا اور جب شہوت ختم ہوگئی آلہ ڈھیلا پڑ گیا تو اس نے آلہ کو چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے بعد بغیر شہوت کے اور بغیر اچھلے ہوئے منی خارج ہوگئی۔ کیا ایسی صورت میں غسل فرض ہوگا؟ واضح ہو کہ صورتِ مذکورہ میں عورت کو منی خارج نہیں ہوئی۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ ھو الملک الوھاب

جب منی کا اپنی جگہ سے اچھل کر جدا ہونا متحقق ہے تو چاہے اس کا اخراج سکون کے بعد ہوا ہو۔ اس پر غسل واجب ہے۔ وجوبِ غسل کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ بیوی یا کسی پرائی عورت کی شرمگاہ یا ستر دیکھ کر یہ کیفیت ہوئی ہو یا یونہی خیال وبدخیالی میں ایسا ہوگیا ہو۔

چنانچہ فتح القدیر ص۵۴ اور غنیہ ص۴۳ وغیرہما میں ہے۔

عند الطرفین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جب منی

يَجِبُ الْغُسْلُ اِذَا انْفَصَلَ الْمَنِيُّ عَنِ الصُّلْبِ بِشَهْوَةٍ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ السُّكُوْنِ وَكَمَا ذَكَرُوْا مِنْ صُوَرِهٖ اِمْسَاكُ الذَّكَرِ..... الخ

پیٹھ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو تو غسل واجب ہے اگرچہ منی سکون کے بعد خارج ہوئی ہو۔ فقہاء کے نزدیک اسکی ایک صورت یہ ہے کہ ذکر کو مضبوطی سے پکڑنے کی وجہ کر منی سکون سے خارج ہوئی۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری دار الافتاء نوری مسجد

کس کس قسم کے زیورات مانع غسل و وضو ہیں

مسئلہ ۸۰۴:۔ لیاقت علی دل محمد، صدر نوری مسجد آمسٹرڈم ۱۸-۱۰-۱۴۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت و مرد جو انگوٹھیاں یا زیورات استعمال کرتے ہیں اگر وہ جسم سے چپکے ہوئے ہوں۔ تو وضو یا غسل میں انہیں نکالنا یا حرکت دینا ضروری ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب سے شاد کام فرمائیں گے۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ **ھو الھادی الی الصواب**

انگوٹھیاں، چھلّے اور دیگر زیورات جو استعمال کئے جاتے ہیں خواہ وہ عورت و مرد کے لئے حلال ہوں یا حرام یا مکروہِ تحریمی۔ اگر وہ جسم سے ایسے چپکے ہوئے ہوں کہ وضو یا غسل میں جسم کے اس حصّہ پر پانی نہ بہہ سکے تو ان زیورات کا اتارنا ضروری اور اُن اعضاء کا دھونا فرض ہے۔

اور اگر وہ زیورات کشادہ ہیں کہ پانی کے سیلان کو نہیں روکتے ہیں جب بھی ان کو حرکت دینا ضروری ہے تاکہ ان کے نیچے اعضاء وضو و غسل پر پانی بہہ جائے

كَمَا فِى الدُّرِّ الْمُخْتَار

لَوْخَاتَمَه ضَيِّقًا نَزْعُهٗ اَوْحَرَكَةٌ وَجُوْبًا ۔ (فرائض الغسل) — اگر انگوٹھی تنگ ہو تو اس کا اتارنا یا حرکت دینا واجب ہے۔

واضح ہو کہ مرد کے لئے چاندی کی صرف ایک انگوٹھی جو ساڑھے چار گرام سے کم ہو ایک نگ کے ساتھ جائز ہے۔ یعنی چاندی کی متعدد انگوٹھیاں، یا ایک ہی انگوٹھی مگر چھلّہ کے ساتھ، یا بغیر چھلّہ کی مگر کئی نگوں کے ساتھ ایک انگوٹھی، یا چاندی کی ایک ہی نگدار انگوٹھی مگر وزن میں ساڑھے چار گرام سے زائد ہو تو مردوں کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح سونا یا کسی دوسری دھات کی انگوٹھی بھی مردوں کو جائز نہیں اگرچہ ایک ہی ہو اور ساڑھے چار گرام سے کم ہو۔ چاندی سونا کے علاوہ دوسری دھاتوں

کے زیورات تو عورتوں کو بھی جائز نہیں۔ ہاں سونا چاندی کی انگوٹھیاں اور زیورات جو حد شرع میں ہوں عورتوں کو جائز ہیں خواہ اس کا وزن کچھ بھی ہو۔ حدِ شرع کی قید اس لئے لگائی گئی کہ آجکل بہت سی فاسقات اوران کی دیکھا دیکھی بہت سے بے راہ رو مسلم و غیر مسلم جوانان اپنے کانوں، ناکوں، لبوں، پستان کی گھنڈیوں اور ناف بلکہ شرمگاہوں کو چاندی سونا کے زیورات سے چھیدوانے لگے ہیں۔ مسلم خواتین و حضرات کو ان فاسقات و فاسقین کے اس طرزِ عمل سے نفرت و گریز کرنا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع المآب

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

روئی کے ٹکڑے اگر دانتوں میں پھنسے ہوں

مسئلہ ۸۰۵ لیاقت علی دل محمد صدر نوری مسجد آمسٹرڈم
۱۴۱۵-۱۰-۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ غسل واجب میں اگر دانتوں کے سوراخوں یا خولوں کے اندر روئی، چاول یا چھالیہ وغیرہ کے ٹکڑے پھنسے رہ جائیں۔ تو غسل ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب ۷۸۶/۹۲ ھو الھادی الی الصواب

غسل کے اندر کلی کرنا فرض ہے اور کلی صرف یہ نہیں ہے کہ منہ میں پانی لیکر پھینک دیا جائے بلکہ اصطلاحِ شرع میں پانی سے منہ کے پورے اندرونی حصہ کو گھیر لینے کا نام کلی ہے۔ یعنی ڈاڑھوں کے پیچھے گالوں کے اندرونی تہوں میں۔ دانتوں کی جڑوں اور کھڑکیوں میں۔ حلق کے کنارے تک ہر ہر حصہ پر پانی بہہ جائے۔ لہٰذا جن دانتوں کے سوراخوں کے درمیان یا کسی دانت کے ایک کھکھل میں کوئی ایسی چیز پھنسی رہ گئی جو پانی کے بہاؤ کو روکے۔ تو غسلِ واجب ادا نہیں ہوگا۔ چاول یا چبائی ہوئی روئی دانتوں کے سوراخوں تک پانی کے پہنچنے کو تو نہیں روکے گی۔ پانی کی تری ضرور سوراخوں تک پہنچ جائے گی۔ لیکن پانی کے بہاؤ (سیلان) کو روک سکتی ہے

اور اگر جسم کا ایک بال برابر حصہ یا کوئی رونگٹا پانی کے بہاؤ سے الگ رہا تو غسلِ واجب ادا نہیں ہوگا۔ میری مراد جسم کے حصہ سے وہ حصہ ہے جس کا غسل غسل میں ضروری ہے۔
چاول یا چبائی ہوئی روٹی کے سبب سے دانتوں کے واضح سوراخوں یا کھکھل (خول) میں پانی نہیں بہہ سکا تو غسل نہیں ہوا۔

فتاویٰ شامی (سُننِ وضو) میں ہے۔

اَلْمَضْمَضَةُ اِصْطِلَاحًا اِسْتِيعَابُ الْمَاءِ جَمِيعَ الْفَمِ.....	مضمضہ (کلی) کا اصطلاحی معنیٰ پورے منہ کو پانی سے گھیر لینا ہے۔

درِ مختار میں ہے

لا يمنع طعام بين اسنانه او في سنه المجوف به يفتى	دانتوں کے سوراخوں یا کھکھل میں پھنسا ہوا کھانا پانی کے پہنچنے کو نہیں روکتا ہے اسی پر فتویٰ ہے

لیکن خاتم المحققین علامہ شامی ابن عابدین علیہ الرحمہ نے اپنے مشہور فتاویٰ ردّ المحتار میں اس قول پر اعتراض وارد کیا اور فرمایا۔

لكن يرد عليه ان الواجب الغسل وهو اسالة الماء مع التقاطر كما مرّ في اركان الوضوء والظاهر ان هٰذه الاشياء تمنع الاسالة فالاظهر التعليل بالضرور۔	لیکن اس پر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ واجب تو دھونا ہے۔ اور دھونا پانی کا تقاطر کے ساتھ بہہ جانا ہے جیسا کہ ارکانِ وضو میں گزرا اور ظاہر ہے کہ دانتوں میں پھنسی ہوئی چیزیں پانی کے بہاؤ کو روکتی ہیں۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ بطورِ علت ضرورت کی رعایت کی جائے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب دانتوں کے سوراخوں اور کھکھل میں پھنسے ہوئے طعام نے پانی کے بہاؤ کو روک دیا تو اس پر غسل کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اور جب اعضاءِ غسل میں غسل نہیں پایا گیا تو غسل نہیں ہوا۔
ہاں اگر ضرورت وحاجت ہو تو بات الگ ہے مثلاً کوئی ایسی چیز پھنسی ہے جس کا علیحدہ کرنا دانتوں یا مسوڑھوں کے لئے مضر ہے تو وہ معاف ہے لیکن چاول

چبائی ہوئی روٹی یا چھالیہ کی ڈلی، دانتوں سے نکال لینا کوئی وجہ مضر نہیں بلکہ سستی ولاپرواہی ہے جو علتِ ضرورت وحاجت نہیں لہٰذا غسل سے پہلے اُسے نکال لینا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام

لیپ سٹیک اور ناخن پالش

مسئلہ ۸۰۶ : ارشد عبدل خیرن ستین آمسٹرڈم
۱۲-۱۰-۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورتیں لیپ سٹیک یا ناخن پالش استعمال کرتی ہیں۔ اگر لیپ اسٹیک کا اثر ہونٹوں پر اور پالش کا اثر ناخن پر موجود ہو تو کیا ایسی صورت میں ان عورتوں کا وضو یا غسل ادا ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ اثرات باقی رہنے کی صورت میں پانی پالش کے اوپر سے گزر جاتا ہے نہ ناخن پر بہتا ہے اور نہ لبوں پر۔ جواب عطا فرما کر مشکور فرمائیں۔ نوازش وکرم ہو گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لیپ سٹیک اور ناخن پالش (LIP STICK + NAGELLAK) جن میں حرام اور ناپاک اشیا کی آمیزش ہو ان کا استعمال مسلم عورتوں کے لئے حرام ہے اور ان کے لگے رہنے کی صورت میں نہ وضو صحیح ہو نہ غسل اور نہ ہی نماز۔

..... ہاں اگر لیپ اسٹیک اور نیل پالش کے ساتھ اس کا فارمولا بھی موجود ہو جس سے ظن غالب (ملحق بہ یقین) ہو کہ اس میں کوئی ناپاک اور حرام اشیا کی ملاوٹ نہیں ہے تو اس کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے کہ وہ سامانِ زینت ہے اور عورتوں کو زینت روا ہے۔

پھر اگر لیپ اسٹیک اور ناخن پالش کا جرم (جسم) پانی کے بہاؤ کو نہ روکے اور وہ لبوں اور ناخنوں پر موجود ہو تو وہ عورتوں کے لئے مانع وضو وغسل نہیں ہوتا

چاہیئے کیونکہ لپ سٹیک اور نیل پالش کا وہی حکم ہے جو مہندی اور مہندی کے جرم کا ہے۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعلیقاتِ شامی میں سُرمہ کے جرم کو مہندی کے جرم کی طرح بدلالۃ النص ثابت فرمایا۔ اور درّ مختار (باب الفرائض الغسل) جلد اوّل میں ہے۔

لا یمنع الطھارۃ خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحناء ولو جرمہ بہ یفتی۔ اھ

مکھی اور پسّو کی بیٹ نیز مہندی اگرچہ جسم دار ہو جس کے نیچے پانی نہ پہنچے مانع طہارت نہیں اسی پر فتویٰ ہے۔

یہ آسانی زینت کے سبب عورتوں کو دی گئی ہے ورنہ غسل کا اطلاق از روئے اصطلاحِ فقہی اس پر صادق نہیں آتا۔

بعض علماء محققین کے نزدیک ناخن پالش پینٹ کی طرح ہے جسمیں سرایت ونفوذ کی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا وہ وضو وغسل کے عدم صحت کا حکم دیتے ہیں اور یہ پُر ظاہر کہ اختلافِ علماء سے بچنا اولیٰ ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی چیزوں کا استعمال ہی نہ کیا جائے کہ آدمی دغدغہ میں مبتلا ہو۔ واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتاء مدینۃ الاسلام

دی ہیگ۔ ہالینڈ

وضو وغسل کے بعد تولیہ سے بدن پوچھنا

مسئلہ ۸۰۷: عبد الغفور تارتھ آمسٹرڈم ۸-۳-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ وضو اور غسل کے بعد تولیہ سے اعضاء بدن کو صاف کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

وضو اور غسل کے بعد تولیہ سے اعضاء، بدن کی تری لینے میں کوئی حرج وممانعت نہیں ہے بلکہ احادیث کریمہ سے کسی کپڑے کے ذریعہ بدن کو پونچھ لینا

ثابت ہے۔ لیکن وضو کے بعد اعضاء وضو کے پوچھنے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے کہ اعضاء وضو پر کچھ نہ کچھ تری باقی رہے کیونکہ وضو کا پانی قیامت کے دن حسنات کے ساتھ پلڑے میں رکھا جائے گا۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَابَاسَ بِالْمِنْدِیْلِ بَعْدَ الْوُضُوْءِ (کتاب الآثار للامام محمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے بعد رومال استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محرر مذہب حضرت سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے استاذ امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے اپنے استاذ اور استاذ الاستاذ امام المحدثین سیدنا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اس مسئلہ میں ان سے استفسار ہوا کہ وضو کے بعد کپڑے سے منہ صاف کرنا کیسا ہے؟ تو امام المحدثین نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ محرر مذہب سیدنا امام محمد شیبانی نے اپنی کتاب "کتاب الآثار" میں فرمایا۔

اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ فِی الرَّجُلِ اَنْ تَوَضَّاءَ فَیَمْسَحُ وَجْھَہٗ بِالثَّوْبِ قَالَ لَابَاسَ بِہٖ ..... قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِہٖ نَاْخُذُ وَلَانَرٰی بِذَالِکَ بَاْسًا وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

ہمیں خبر دی امام اعظم نے انہوں نے حضرت حماد سے روایت کیا اور انہوں نے ابراہیم نخعی سے کہ اُن سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو وضو کے بعد کپڑے سے اپنا چہرہ پوچھتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں... حضرت امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور کپڑا استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں دیکھتے ہیں اور یہی قول امام اعظم علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔

٭ ٭ ٭

ہاں ہمیشہ وضو کے بعد تولیہ کے استعمال کا عادی نہ بنے کہ اہل ثروت و وجاہت سے مشابہت ہے اس لئے بعض علماء منع فرماتے ہیں اور اختلاف علماء سے

بچنا بہتر ہے۔ لہٰذا کبھی کبھی تولیہ کا استعمال نہ کرے بلکہ یونہی ہاتھوں سے اعضاء وضو کو پوچھ لیا کرے۔ خصوصاً گرمیوں کے موسم میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ۔ القرآن ادارۂ اسلامیات نیدرلینڈ

ٹوائلٹ پیپر اور اس کا حکم

مسئلہ ۸۰۸: عبد الغفور۔ نارتھ آسٹرڈم ہالینڈ ۱۴۱۶-۳-۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ

قضاء حاجت (پاخانہ) کے بعد ٹوائلیٹ پیپر (TOÏLET PAPIER) سے نجاست کی جگہ کو صاف کرنا تاکہ آبِ دست کی صورت میں انگلیاں ملوث نہ ہوں جائز ہے یا نہیں؟ صاف صاف جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ بعون الملک الوھاب

عام کتب فقہیہ میں کاغذ سے نجاست صاف کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ کاغذ تعلیم و تعلم کا ذریعہ ہے، ٹوائلیٹ پیپر بھی اگرچہ کاغذ ہی کی قسموں میں سے ایک ہے لیکن اس کے بنانے والوں نے اسے تعلیم و تعلم کے لئے نہیں بلکہ خاص اسی کام کے لئے بنایا ہے اسی لئے وہ کھردرا اور جاذب ہے پھر وہ یورپی ممالک میں مٹی کے ڈھیلوں سے زیادہ سستا اور سہل الحصول ہے۔ پھر ڈھیلوں کے استعمال کے بعد ہفتہ عشرہ میں سیریل (گھڈی) کی صفائی پر جس قدر صرفہ ہوتا ہے اسی قدر صرفہ سے اتنا زیادہ ٹوائلیٹ پیپر خریدا جاسکتا ہے جو سالوں سال کام آسکے...... ان دونوں باتوں کے پیش نظر یہ بات بالکل واضح ہے کہ ٹوائلیٹ پیپر کے استعمال میں نہ تو ذریعۂ تعلیم و تعلم کی توہین ہے اور نہ ہی تضیع مال ہے بلکہ پاکیزگی و نظافت حاصل کرنے کا آسان اور کم قیمت ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کے استعمال میں کوئی حرج و کراہت نہیں ہونی چاہئے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ القرآن ادارۂ اسلامیات نیدرلینڈ

آب دست کے بعد کسی کپڑے سے صفائی

مسئلہ ۸۰۹: عبد الغفور، نارتھ آمسٹرڈم ۱۴۲۶ھ-۳-۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ فراغت کے بعد پیشاب، پاخانہ کے مقام کو ٹوائلیٹ پیپر اور پانی سے صاف کر لینے کے بعد ان جگہوں کو کسی کپڑے سے پوچھنا درست ہے یا نہیں؟ یورپین ممالک کے استنجا خانوں میں یہ تینوں چیزوں کا اہتمام خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر شرعی طور پر اسکی اجازت نہیں ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ ہم لوگ اس سے گریز کریں۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

۸۶/۹۲ استنجا سے فراغت کے بعد پانی کی تری کو ہاتھوں یا کسی کپڑے سے پونچھ لینا جائز و درست ہے لیکن یاد رہے کہ کسی قیمتی کپڑے اور مستعمل لباس کا اس میں استعمال نہ کرے۔ بہتر ہے کہ کسی عام رومال یا اس کپڑے سے پونچھ لے جو اس کام کے لئے بنایا گیا ہو۔ منیۃ المصلی آداب الوضو میں ہے۔

وَاَنْ یَّمْسَحَ مَوْضَعَ الْاِسْتِنْجَاءِ	پانی سے دھونے کے بعد کھڑا ہونے سے پہلے
بَعْدَ الْغَسْلِ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْمَ	کپڑے سے استنجا کی جگہ کو پونچھے اور اگر اس
وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ مَّعَہٗ خِرْقَۃٌ	کے پاس کپڑا نہ ہو تو اپنے ہاتھ سے استنجا کی
یُجَفِّفُہٗ بِیَدِہٖ اھ	جگہ کو خشک کرے۔

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ادارۂ اسلامیات نیدرلینڈ

بارش کے بہتے ہوئے پانی سے وضو

مسئلہ ۸۱۰: محمد سعید الٰہی بخش دینہاخ۔ ۱۴۲۶ھ-۳-۶

کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ اسلامیہ اس باب میں کہ

ہالینڈ بلکہ یورپ کی عام سڑکیں صاف ستھری اور غلاظتِ مرئیہ سے محفوظ ہیں۔
بارش کے دوران یا بارش کے بعد اگر سڑکوں پر یا نالیوں میں بہتے ہوئے پانی سے
وضو کیا جائے تو کیا طہارت حاصل ہو جائے گی اور اس سے نماز و تلاوت درست ہوگی؟

الجواب ـــــــــ بعون الملجیب الوھّاب ـــــــــ ۷۸۶/۹۲

بارش کے دوران سڑکوں اور نالیوں سے بہتا ہوا پانی جاری پانی کے حکم میں
ہے یعنی جبتک اس کا رنگ و بو یا مزہ کسی ناپاک شئے کی وجہ سے نہ بدلے اس سے
طہارت حاصل کرنا جائز و درست ہے۔ اور جب بارش تھم گئی اور پانی کا سیلان
و جریان منقطع ہو گیا۔ تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں نجاست کا کوئی ذرہ موجود
ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اس پانی سے غسل و وضو
جائز ہے۔ لیکن دوسرا صاف ستھرا اور پاک پانی کے ہوتے ہوئے اس سے غسل
فرض ادا کرنا یا وضو کرنا تہمت و نفرت کا سبب ہے اس لئے اس سے بچنا ہی شرعاً
مطلوب ہے۔ بخاری شریف کتاب العلم میں ہے۔

اِیَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ ...... اس بات سے بچو کہ بعد میں معذرت کرنی پڑے۔
بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا ...... خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ پھیلاؤ۔

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ دارالافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

وضو اور غسل میں کتنا پانی استعمال کیا جائے
مُد۔ صاع وغیرہما کی تحقیق

مسئلہ ۸۱۱: نصیر گمان رائیس بیرو نوفا، آمسٹرڈم۔ ۲۶-۱۰-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ اسلام اس مسئلہ میں کہ
وضو اور غسل میں کتنا پانی استعمال ہونا چاہئے۔ یعنی کران (KRAAN) کو کتنی دیر
تک چالو رکھ سکتے ہیں؟ صاف اور واضح جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب ـــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــــ ۷۸۶/۹۲

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار موجودہ پیمانوں میں واضح کرنا خاصا دشوار ہے کیونکہ قرن اوّل میں یہ پیمانے موجود نہیں تھے۔ پانی کے سارے پیمانے حادث و نو ایجاد ہیں احادیث کریمہ اور نصوصِ فقہا کی روشنی میں اس کا تقریباً صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ شریف میں حضرت امّ المومنین طیبہ طاہرہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عليهِ وسلّم يغتسلُ بالصّاع الىٰ خمسة امداد ويتوضاء بالمُدّ	کہ رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک صاع سے پانچ مُدّ تک پانی سے غسل فرماتے تھے۔ اور ایک مُدّ پانی سے وضو فرماتے تھے۔

کتبِ احادیث کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس باب میں روایتیں مختلف ہیں۔ اکثر روایتوں میں ایک مُدّ پانی سے وضو فرمانا ثابت ہے جبکہ بعض روایتوں میں ایک مُدّ سے کچھ کم یا نصف مُدّ یا ایک مُدّ سے کچھ زائد پانی کے ساتھ وضو فرمانا ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح غسل کے باب میں بھی اختلافِ روایت موجود ہے۔ اکثر روایتوں سے ایک صاع پانی سے غسل فرمانا ثابت ہے جبکہ دیگر روایتوں سے دو صاع، تین صاع اور ایک فَرَق پانی سے بھی غسل فرمانا ثابت ہوتا ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک اجماعاً ایک صاع چار مُدّ کے برابر ہے۔ جبکہ ایک مُدّ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول اور محتاط اندازہ کے مطابق موجودہ وزن میں ایک کیلو ساڑھے بائیس گرام گیہوں ہوتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جو اناج قرنِ اوّل میں عام طریقہ سے استعمال کیا جاتا تھا وہ جَو تھا۔ جس سے آجکل یورپ کے ممالک میں بچّوں کے لئے پاپ وغیرہ بنایا جاتا ہے پھر قرونِ دوئم (زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں گیہوں (تارو) کا عام استعمال ہونے لگا۔ لہٰذا علمائے کرام نے بجائے جَو کے گیہوں سے صدقۂ فطر اور کفّارہ وغیرہ کی مقدار

متعین فرمادی اور گیہوں کا استعمال اُس زمانہ سے لیکر اب تک عام ہے اس لئے
ابھی بھی گیہوں کے ذریعہ صدقۂ فطر اور کفارہ وغیرہ کی ادائیگی ہوتی ہے۔ یعنی صدقۂ فطر
دُو مُدُ (دو کیلو پینتالیس گرام) نکالا جاتا ہے۔

شرح معانی الآثار باب مقدار صدقۃ الفطر میں ہے۔

لمّا کثر الطعام فی زمن معاویہ جعلوہ مدّین من حنطۃ .... اھ

حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں جب گیہوں کی کثرت ہوئی تو صدقۂ فطر کی مقدار دُو مُدُ گیہوں مقرر فرمادی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں کھانے کے اندر گیہوں کا استعمال
اس قدر عام ہوچکا تھا کہ حجاز مقدس کے عرف عام میں طعام سے مراد گیہوں ہی ہوتا تھا
چنانچہ حضرت امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا۔

اَلطَّعَامُ فی عُرفِ اھلِ الحجاز اسمُ للحنطۃ خاصّۃ اھ

حجاز والوں کے عرف میں طعام خاص طور پر گیہوں کو کہتے ہیں۔

مُدُ، صَاع وغیرہما کی تحقیق

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ مُدُ، صَاع
فرَق، اور قدح وغیرہ پانی کے ناپنے کا
آلہ نہیں بلکہ اناج کا پیمانہ تھا۔ لہٰذا وضو یا غسل میں مُدُ اور صَاع وغیرہ کا ذکر پانی کا
وزن مقرر کرنے کے لئے نہیں بلکہ پانی کی مقدار بتانے کے لئے ہے۔ یعنی ایک مُدُ
میں جس قدر پانی سما سکے اتنے پانی سے بطریقِ سنت وضو ہوسکتا ہے اور ایک
صَاع میں جتنا پانی سما سکے اُس سے غسلِ جنابت سنت کی رعایت کرتے ہوئے
ہوسکتا ہے۔

یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ ایک مُدُ میں محتاط اندازہ کے مطابق ایک کیلو
ساڑھے بائیس گرام گیہوں آتا ہے اور جس پیمانے میں ایک کیلو گیہوں آتا ہو یقینی
طور پر اس میں سوا لیٹر پانی آئے گا کیونکہ پانی کا وزن گیہوں کے مقابلہ میں پچیس فیصد
سے بھی کچھ زائد ہے۔ لہٰذا ایک مُدُ پانی کا صحیح اندازہ موجودہ پانی کے پیمانے سے

ایک لیٹر دو سو اسّی میلی لیٹر ہوا (1280 M-L) ....

اس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو کرنے والا پورے احتیاط کے ساتھ وضو کرے تو بارہ سو اسّی میلی لیٹر پانی سے بطریقِ سنّت وضو کرسکتا ہے۔ اور پانچ سوا پانچ لیٹر پانی سے غسل کرسکتا ہے۔ لیکن یہ مقدار وضو یا غسل کے لئے محدود و محصور نہیں کم و بیش ہونے پر عامل و فاعل عند اللہ تعالیٰ و عند الشرع جوابدہ ہو۔ کیونکہ اختلافِ روایت نے مذکورہ مقدار پر زیادتی کی جانب کو مسدود نہیں کیا ہے ہاں ادائے سنّت اور حصولِ اطمینان کے بعد بھی پانی کا مزید خرچ، اسراف و تبذیر میں داخل ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ پانی کی مذکورہ مقدار صرف وضو و غسل کے لئے ہے اس میں وہ پانی داخل نہیں ہے جس سے استنجا اور مسواک کیا جائے یا جسم پر لگی ہوئی نجاست کو قبلِ غسل دور کیا جائے یا ناک میں جمی رطوبت، منہ میں بسی ہوئی بدبو وغیرہ کو دور کیا جائے۔

اگر پانی کی مذکورہ مقدار استعمال کرنے پر آپ کو وضو یا غسل میں اطمینان نہیں ہوتا یا کسی سنّت کی ادائیگی میں کمی رہ جاتی ہے تو مقدارِ مذکور سے زائد پانی استعمال کرسکتے ہیں اس میں کسی طرح کا کوئی حرج و گناہ نہیں ــــ حضرات علماء کرام نے وضو و غسل میں مقدارِ مذکور سے زائد پانی استعمال کرنے کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ افضل بتایا ہے تاکہ پوری طرح اطمینان ہوجائے اور سنّت کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ جائے۔ حلیہ میں ہے۔

من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذٰلك اجزاه وان لم يكفه زاد عليه۔	جس نے مقدارِ مذکور سے کم میں وضو و غسل کرلیا تو جائز ہے اور اگر وہ مقدار اس کے لئے کافی نہ ہو تو اس مقدار میں اضافہ کرسکتا ہے۔

اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔

الافضل ان لايقتص على الصاع في الغسل بل يغتسل بازيد منه	غسل میں ایک صاع پانی پر اکتفا نہ کرنا افضل ہے بلکہ ایک صاع سے زائد پانی سے غسل کرے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ آپ اپنے کران (KRAAN) کو اس طرح کھولئے کہ ایک یا سوا لیٹر پانی میں وضو اور پانچ یا سوا پانچ لیٹر پانی میں غسل ہو جائے۔ اور اگر اس مقدار سے اطمینان حاصل نہ ہو یا سنت کی ادائیگی میں تقصیر رہ جائے تو زائد پانی استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عند العلماء افضل ہے۔ لیکن نہ اتنا زیادہ پانی استعمال کیا جائے جو اسراف میں داخل ہو جائے اور یہ ہر شخص کی جسمانیت اور بالوں کے لحاظ سے مختلف ہے لہٰذا زیادتی کی مقدار متعین کرنا دشوار ہے۔

واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ دارالافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

مسواک دانتوں کے طول یا عرض میں

مسئلہ ۸۱۲: نصیر گمان آمسٹرڈم ووست
۵-۱۴۰۹-۱۰-۲۷

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

مسواک یا برش دانتوں کی لمبائی میں کی جائے یا چوڑائی میں؟ اکثر لوگوں کو دونوں طریقوں سے برش کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ اسلامی شرع میں اس کا کوئی طریقہ ہے یا نہیں؟

۷۸۶/۹۲ **الجواب** اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اسلامی شریعت میں ہر سوال کا جواب موجود ہے بلکہ قیامت تک جس قدر نئے مسائل پیدا ہوتے جائیں گے اسلامی شریعت کے اصول و ضوابط میں اس سب کا جواب موجود ہے صرف اخلاص و للّٰہیت اور اساسِ شریعت کی جانکاری اور فقہ اسلام میں تبحر چاہئے۔

ٹوتھ برش اگر نیلون یا پاک اشیاء سے بنا ہوا ہے تو اُسے مسواک کی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کرنا چاہئے لمبائی میں نہیں یعنی منہ میں دائیں بائیں مسواک کرے، اوپر نیچے نہیں۔ جو لوگ دونوں طرح مسواک یا برش کرتے ہیں خلافِ شرع ہے پھر اس میں مسوڑھوں پر خراش لگنے کا بھی اندیشہ

ہے۔ عنایہ مع فتح القدیر میں ہے۔

یستاك عرضاً لاطولاً ؛ مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کرے لمبائی میں نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ دارالافتاء مدینۃ الاسلام

خون کا اثر اگر مسواک پر ظاہر ہو

مسئلہ ۸۱۴:۔ محمد یونس عبدالصمد ساؤتھ آمسٹرڈم ۲۶-۱۲-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے باوضو ہونے کے باوجود نماز سے پہلے مسواک کیا۔ جب مسواک کو دیکھا تو اس پر خون کا اثر موجود تھا۔ ایسی صورت میں اسے پھر سے وضو کرنے کی ضرورت ہے! یا پہلے وضو ہی سے نماز ہو جائے گی؟

۷۸۶/۹۲　الجواب　بعون المجیب الوھاب

اصح واظہر قول کے مطابق مسواک وضو سے پہلے کرنا سنت ہے۔ نماز سے پہلے بغیر وضو کے مسواک کرنے کا کوئی حاصل نہیں۔ بلکہ اگر مسواک کی بو منہ میں باقی رہ گئی اور اس نے کلی نہیں کی تو یہ مکروہ ہوا۔ پھر بھی صورت مسئولہ میں وضو کے لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مسواک پر خون کا اثر ظاہر ہونے سے وضو میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔ فتاویٰ عالمگیری ص۱۱ میں ہے۔

المتوضی اذعض شیئاً فوجد	باوضو شخص نے کسی چیز کو دانت سے کاٹا تو
فیه اثر الدم اواستاك بسواك	اُس میں خون کا اثر پایا۔ یا مسواک کیا تو اس
فوجد فیه اثر الدم لاینقض	میں خون کا اثر پایا۔ تو جب تک بہنا معلوم نہ ہو
مالم یعرف السیلان کذا فی	وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ایسا ہی ظہیریہ میں
الظھیریة....	ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد

نوری دارالافتاء، آمسٹرڈم

مسواک کا حکم اور اس کا طریقہ

مسئلہ ۸۱۴:۔ محمد علی حسن حسنو المیرہ، نیدرلینڈ۔ ۲۷-۱۱-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ اسلام اس مسئلہ میں کہ مسواک کرنا سنّت ہے یا مستحب؟ اور اس کا وقت وضو سے پہلے ہے یا وضو کی نیت کر لینے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھو لینے اور ایک کلی کر لینے کے بعد؟ مسواک کس طرح کرنا چاہئے؟ بعض مغربی حضرات (جو مذہبًا مالکی ہیں) کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مسواک اپنی جیب میں رکھتے ہیں۔ اور تکبیر اقامت کے وقت مسواک کرتے ہوئے جماعت میں شریک ہو جاتے اور نماز ادا کر لیتے ہیں کیا شرع شریف میں ایسا کرنے کا حکم موجود ہے؟ خدارا جواب باصواب سے جلد از جلد نوازیں۔ بینوا و توجروا

الجواب ۷۸۶/۹۲ هو المعين وبه نستعين الى الصواب

مسواک کی ترغیب و تاکید بکثرت احادیث صحیحہ میں آئی۔ اور خود حضور پُر نور سید العالمین محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس عمل پر مواظبت و ہمیشگی فرمانا اسکی سنّیت پر دلیل کافی ہے لہٰذا باوجود اختلافِ ائمہ دربارۂ سنن و استحباب۔ مسواک کا سنّت ہونا ہی اصح واظہر ہے۔ اور یہی مزیّن بدلیل ہے جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے....

عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انّه تسوك وتوضاء ثمّ قام فصلى۔ (مسلم)

کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسواک فرمایا اور وضو کیا۔ پھر اٹھے اور نماز ادا فرمائی۔ (مسلم)

الفاظِ حدیث کی ترتیب سے ظاہر ہوا کہ ہر عمل کا وقت جداگانہ ہے۔ جس طرح نماز اور وضو مستقل اور علیحدہ علیحدہ فعل ہیں اور دونوں کا وقت جداگانہ ہے۔ اسی طرح وضو اور مسواک دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ فعل ہیں اور ان دونوں کا وقت بھی جداگانہ ہے۔ پس جس طرح وضو سے پہلے نماز نہیں اسی طرح مسواک سے پہلے وضو نہیں

بلکہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے مسواک پھر وضو پھر قیام پھر ابتداءِ نماز۔ اور اسی ترتیب کی تائید اُم المومنین سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتی ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ سَلَّم	کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کَانَ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَّلَا نَہَارٍ	رات و دن میں جس وقت بھی بیدار ہوتے
فَیَسْتَیْقِظُ اِلَّا تَسَوَّكَ قَبْلَ اَنْ	تو وضو سے پہلے مسواک ضرور فرماتے
یَتَوَضَّأَ (ابوداؤد)	(ابوداؤد)

ان دونوں حدیثوں کی روشنی میں مسواک کا سنّت ہونا اور اس کا وقت قبل وضو ہونا ظاہر ہوا اور یہی ہمارے ائمہ اعلام، کثیر فقہائے کرام اور صاحبِ فتاویٰ علماء عظام کے ارشادات و احکام ہیں۔

مسواک کو پہلے اچھی طرح دھولے پھر داہنے ہاتھ سے اس طرح پکڑے کہ چھنگلی (سب سے چھوٹی انگلی) مسواک کے نیچے اور تینوں بڑی انگلیاں مسواک کے اوپر اور انگوٹھا مسواک کی کروٹ پر اپنی جانب ہو۔

پھر اوپر کے دانتوں کو پہلے داہنی جانب پھر بائیں جانب تین تین بار تین پانی سے ملنجے۔ اور اس کے بعد نیچے کے دانتوں کو دائیں بائیں تین تین بار نئے پانی سے ملنجے۔ پھر مسواک کو دھو کر محفوظ جگہ رکھ دے۔ اس طریقہ کو فقہا کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے۔ درمختار میں ہے۔

اقلہ ثلاث فی الاعالی و ثلث	کم از کم تین مرتبہ اوپر کے دانتوں میں اور تین
فی الاسافل بمیاہ ثلثۃ اھ	مرتبہ نیچے کے دانتوں میں تین پانی سے مسواک کرے

اور منیۃ المصلی کی شرح صغیری میں ہے

یغسلہ عند الاستیاک و	مسواک کرنے سے پہلے اور مسواک سے فارغ
عند الفراغ منہ	ہونے کے بعد مسواک کو دھو ڈالے۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسواک کرنا وضو کی سنّتِ قبلیہ ہے لہٰذا مغربی یا

سعودی حضرات کا جماعت کے قیام کے وقت مسجد میں مسواک کرنا ہمارے نزدیک غیر مشروع اور نظافتِ مسجد کے خلاف ہے۔ بلکہ بعض ائمہ مالکیہ کے نزدیک بھی ایسا کرنا مکروہ اور آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔ کما فی العینی

وعند بعض المالکیۃ کراھتہ فی المسجد لاستقذارہ والمسجد یُنَزَّہٗ۔ (باب السواک یوم الجمعہ)

اور بعض مالکیہ کے نزدیک مسجد میں مسواک کرنا مکروہ ہے اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا امکان ہے حالانکہ مسجد کی نظافت و پاکیزگی کا حکم ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ بعض روایاتِ حدیث میں مسواک کا "عند کلّ وضوءٍ" ہونا مامور و مشروع ہے اور بعض روایت میں "عِندَ کلِّ صلوٰۃٍ یا مَعَ کُلِّ صَلوٰۃٍ" ہے اسی لئے امام مذہب حضرت سیدنا امام ادریس شافعی اور بعض ائمہ مالکیہ کے نزدیک مسواک کرنا نماز کی سنت ہے غالباً اسی نظریہ کے مطابق مغربی حضرات نماز کے وقت مسواک کرتے ہوں گے لہٰذا اُن پر اعتراض کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ ان دونوں مختلف روایتوں میں فقہائے اسلام نے نہایت عمدہ تطبیق دی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا علامۃ الفہامہ ملّا علی قاری علیہ رحمۃ الباری عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں۔

فَاِنْ قُلتَ کَیفَ التوفیق بَینَ روایۃِ عند کلِّ وضوءٍ وروایۃ عِند کلِّ صلوٰۃٍ قلتُ السّواکُ الواقع عِندَ الوضوءِ واقع الصَّلاۃ لاَنَّ الوضوءَ شرع لھَا

(عمدۃ القاری مطبوعہ مصر)

اگر یہ کہا جائے کہ عند کل وضوء اور عند کل صلوٰۃ کی روایتوں میں تطبیق کی صورت کیا ہوگی؟ تو میں جواباً کہوں گا کہ وضو کے وقت مسواک کرنا فی الواقع نماز ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ وضو نماز ہی کے لئے مشروع ہے۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری مطبوعہ مصر)

مسواک کرنے میں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ مسواک دانتوں کی چوڑائی میں ہو لمبائی میں نہیں، جیسا کہ کتب فقہیہ میں اس کی وضاحت موجود ہے "یستاك عرضًا لا طولاً"........ آجکل عام لوگوں نے مسواک کی بجائے توتھ برش استعمال

کرنا شروع کر دیا ہے، جس سے مسواک کی فضیلت تو حاصل نہیں ہوتی البتہ قائم مقام ہونے کی وجہ سے سنت ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اس کا استعمال بھی اسی طرح کرے جیسے مسواک کیا جاتا ہے۔ توتھ برش سے متعلق یہ تحقیق بھی کرلینی چاہئے کہ وہ کسی حرام جانور یا حلال جانور مگر غیر مذبوح کے بالوں سے تو نہیں بنا ہے۔ اسی طرح یہ تحقیق بھی ضروری ہے کہ برش کے ذریعہ جو توتھ پیسٹ استعمال ہوتا ہے اس میں کوئی ناپاک و حرام سیال مادہ تو نہیں ملا ہوا ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ۔

کن کن صورتوں میں وضو مستحب ہے

مسئلہ ۸۱۵: خواجہ انور حسین بنگالی اینڈہوفن ۱۴۰۶-۱۰-۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں ایک ایسے دفتر میں کام کرتا ہوں جس میں مرد عورت، بوڑھے، بوڑھیاں، بچے بچیاں (بالغ نابالغ) سب ہی کام کرتے ہیں۔ میں بحمدہ تعالیٰ دفتر کے اوقات میں بھی باوضو رہتا ہوں لیکن یہاں بعض عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں کہ گویا نیم عریاں رہتی ہیں اور یہ ان کی تہذیب میں کوئی بری بات نہیں ہے۔ لہٰذا کبھی کبھی ان کی پنڈلیوں پر نظر پڑ جاتی ہے یا ان کے عریاں بالوں، چہروں، ہنسلیوں، یا سینے کے بالائی حصہ پر بغیر عزم و ارادہ کے نظر پڑ جاتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھوں سے کوئی کاغذ، فائل، اور چائے وغیرہ لینے میں میری انگلیاں انکی انگلیوں سے چھو جاتی ہیں۔ ان سب صورت حال میں میرا وضو رہتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وضو نہیں جاتا ہے تو نماز کے وقت تازہ وضو کر لینا چاہیئے یا اسکی ضرورت نہیں ہے؟ امید کہ مذکورہ تمام پہلوؤں کو ذہن میں رکھتے ہوئے تفصیلی جواب سے نوازکر شکریہ کا موقع دیں گے۔

آپ کا دیرینہ خادم
انور حسین بنگالی

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ هوالهادی الی الصواب ـــــ

آپ جیسے محتاط مسلمانوں کو ایسے دفاتر میں ملازمت ہی نہیں کرنی چاہئے جہاں دامنِ تقویٰ و طہارت پارہ پارہ ہوتا ہو اور فکر و نظر کی پاکیزگی کا خون ہوتا ہو۔ لیکن جہاں آدمی حکومتی آئین کے ہاتھوں مجبور ہو اور ایسے غیر شرعی دفاتر میں ملازمت کے سوا چارۂ کار بھی نہ ہو تو ان دفتروں میں کامل احتیاط کے ساتھ وقت گزارنے کی ضرورت ہے تاکہ فکر و نظر اور دست و پا کو کوئی شیطانی کھیل کھیلنے کا موقع نہ ملے۔

صورتِ مسئولہ میں عندالاحناف وضو تو نہیں جاتا لیکن تازہ وضو کرلینا مستحب ہے۔ یہ بات فقہاءِ احناف کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اپنا یا غیر کی ستر عورت دیکھنے بلکہ خاص شرمگاہ دیکھنے اور چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ "فصل نواقض الوضوء" میں ہے۔

مس ذکرہ او ذکر غیرہ	کسی نے اپنی شرمگاہ یا دوسرے کی شرمگاہ
لیس بحدث عندنا کذا	کو چھوا تو ہم حنفیوں کے نزدیک یہ ناقضِ
فی الزاد	وضو نہیں ہے۔

ایسے موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وضوءِ مستحب و مندوب کے کچھ اسباب کی وضاحت کردی جائے تاکہ محتاط حضرات اس سے فائدہ اٹھا سکیں..... حضرات فقہاء کرام کی وسعت نگاہ میں تیس ۳۰ سے زائد ایسے مواقع ہیں جہاں وضو مندوب و مستحب ہے۔ جیسا کہ درمختار کتاب الطہارت میں ہے۔

الوضوء مندوب فی نیف	تیس ۳۰ سے کچھ زائد مقامات پر وضو کرنا
ثلثین موضعا ذکرتها	مستحب ہے جس کو میں نے خزائن میں
فی الخزائن	ذکر کیا ہے۔

اگر ان تمام مقامات کو سمیٹا جائے تو بالاختصار یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستحب وضو کے اسباب یہ ہیں۔

نمبر۱ جس بات سے امام مذہب کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ ہمارے امام کے نزدیک نہیں ٹوٹتا ہو، اگر وہ بات واقع ہو جائے تو وضو کرنا مستحب ہے مثلاً اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد۔ یا شرمگاہ کو چھونے کے بعد یا کسی عورت و مرد کو بے شہوت چھونے کے بعد۔

ردّ المحتار (فتاویٰ شامی) کتاب الطہارت میں ہے۔

وللخروج من خلاف العلماء	اور علماء کے اختلاف سے بچنے کے لئے (وضو کرنا
کمسّ ذکرہ وامرأۃ	مستحب ہے) مثلاً اپنی شرمگاہ اور کسی عورت کو چھونے کے بعد

ردّ المحتار کے متن دُرّ مختار میں ہے

واکل جزور وبعد کل خطیئۃ	اونٹ کا گوشت کھانے اور کوئی بھی گناہ کے بعد
وللخروج من خلاف العلماء	نیز اختلاف علماء سے بچنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے

نمبر۲ جھوٹ بولنے۔ نمبر۳ گالی بکنے، نمبر۴ غیبت کرنے، نمبر۵ چغلخوری کرنے، نمبر۶ اور غصہ ہونے کے بعد اگرچہ وضو نہیں جاتا مگر ان برائیوں کے واقع ہونے کے بعد وضو مستحب ہے۔ کتاب الانوار للشافعی میں ہے

لاینتقض بالکِذبِ وَالشتمِ	جھوٹ، گالی، غیبت، چغلخوری اور غصہ
وَالغِیبَۃِ وَالنَّمِیمَۃِ وَالغَضَبِ	کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور ان میں سے ہر ایک کے
وَیُستَحَبُّ فِی الکُلِّ لِلخلاَفَۃِ۔	وقوع کے بعد وضو مستحب ہے کیونکہ ان امور میں اختلاف علماء ہے

نمبر۷ بے شہوت ولذت کسی نامحرم عورت کے حصہ بدن سے اپنا کوئی حصۂ بدن کا چھو جانا۔ نمبر۸ شہوت ولذت کے ساتھ کسی نامحرم عورت کے جسم کے کسی حصہ کو چھونا اگرچہ اسکے جسم پر موٹا کپڑا ہو خواہ کمبل یا لحاف ہی کیوں نہ ہو۔ نمبر۹ محرمات مگر مشتہات عورتوں کو چھونے سے اگر اتفاقاً لذت کا احساس ہونے لگے خواہ وہ محرمات بہن یا بیٹی ہی کیوں نہ ہو، نمبر۱۰ کسی عورت کی ذاتی خوبی یا حسن کی طرف بغور دیکھنے سے، نمبر۱۱ اپنی ہتھیلی یا انگلی کے پیٹ سے اپنا ذکر و دُبر یا فرج و دُبر بے حائل چھونا، نمبر۱۲ کسی چھوٹے بچے یا مُردے کے ذکر و فرج و دُبر کو بے حائل اپنی ہتھیلی

یا انگلیوں کے پیٹ سے چھونا، ۱۲ ہاتھ (سرناخن سے کہنیوں تک) کا کوئی حصّہ بلا حائل اپنے ذکر کو چھو جانا، مذکورہ تمام صورتوں میں ائمہ شافعیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اختلافِ ائمہ سے بچنے کے لئے ہمارے نزدیک وضو کرنا مستحب ہے، کتابُ الانوار (للشافعی) میں ہے۔

اسبابُ الحدثِ اربعۃ۔ الرابع مسّ فرجِ اٰدمیّ بالراحۃ او بطن اصبع قُبلًا کان او دُبرًا ناسیًا او عامدًا من ذکرٍ او انثی صغیرٍ او کبیرٍ حیٍّ او میتٍ من نفسہ او غیرہ۔ الخ	نواقضِ وضو چار ہیں، چوتھا سبب یہ ہے کہ شرمگاہ کو ہتھیلی یا انگلی کے پیٹ سے چھونا وہ شرمگاہ قُبل ہو یا دُبر، بھول کر ہو یا جان بوجھ کر، مرد کی ہو یا عورت کی۔ بڑے کی ہو یا چھوٹے کی، زندہ کی ہو یا مُردہ کی۔ اپنی ہو یا غیر کی۔

اور علامۃ الفہّامہ ابن عابدین شامی ردّ المحتار میں فرماتے ہیں۔

منہا الغضب ونظر المحاسن امرأۃ ......اھ	جن اسباب کی وجہ سے وضو کرنا مستحب ہے ان میں سے غضب اور عورت کے محاسن کی طرف دیکھنا

۱۴ خارجِ نماز قہقہہ مار کر ہنسنا، ۱۵ مقعد (چوتڑوں) کو زمین سے یا کسی دبیز چیز سے لگا کر عدمِ غفلت کے ساتھ سو جانا (ایسی نیند جس سے غفلت طاری ہو جائے یا ڈھیلے مفاصل ہو تو عند الاحناف بھی ناقضِ وضو ہے) ۱۶ بغل کو کھجانے سے جبکہ اس میں بدبو ہو، ۱۷،۱۸ کسی برص والے یا جذام والے کے جسم سے جسم کا چھو جانا، ۱۹ کسی کافر کے بدن سے بدن کا مَس ہو جانا، ۲۰ صلیب یا زنار کو چھونا، یہ سب وہ امور ہیں جو بعض ائمہ کے نزدیک ناقضِ وضو ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک ان امور کے واقع ہونے پر وضو کرنا مستحب ہوگا۔

حضرت سیدنا امام شعرانی علیہ الرحمہ "میزانُ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں۔

سمعتُ سیدی علیًا الخواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ یقول وجہ	میں نے حضرت سیدی علی خواص علیہ الرحمہ فرماتے ہوئے سنا کہ قہقہہ یا وہ نیند جس میں

مِنْ نقضِ الطہارۃِ بالقہقہۃِ او نوم الممکن مقعدہ او مسّ ابطٍ فیہ صنانٌ او مسّ ابرص او اجذم او کافرٍ او صلیبٍ او غیرِ ذٰلک ممّا وردت الاخبار

چوتڑ زمین سے لگی ہو۔ اور بغل کا کھجانا جبکہ وہ بدبودار ہو یا کسی برص، جذامی، کافر اور صلیب وغیرہ کے چھو جانے سے وضو جاتا رہتا ہے، اسی طرح ہر اس چیز کے چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جس کے چھونے کی ممانعت احادیث کریمہ میں وارد ہے۔

یہیں سے یہ بھی روشن ہوا کہ ہر وہ بدمذہب و بدعقیدہ جس کے عقائد حدِ کفر تک پہنچے ہوئے ہوں، اگرچہ وہ سب زبانی کلمہ پڑھتے ہوں اور نمازوں کی طرح اٹھک بیٹھک بھی کرتے ہوں، روزہ داروں کی طرح صبح سے شام تک بھوکے پیاسے بھی رہتے ہوں، گویا ہر طرح دعویٔ اسلام کرتے ہوں۔ اگر کوئی مسلمان ان سے چھو جائے یا لاعلمی میں ان سے ہاتھ ملا لے تو اُسے بھی وضو کرنا مستحب ہے چونکہ کافرِ اصلی سے بدتر اور اشدتر حکم کافر مرتد کا ہے۔ اَلعیاذُ باللہِ تعالیٰ

نمبر۲۱ دنیاوی اشعار پڑھنے یا دنیاوی شعر گوئی کے بعد، یعنی کوئی نظم و غزل پڑھنا یا کہنا۔ اس حکم سے وہ اشعار خارج ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد، نعت سرورِ کائنات اور منقبت بزرگانِ دین پر مشتمل ہوں۔ نمبر۲۲ کوئی فحش بات کہنے کے بعد۔ حافظ دلائلِ الشرعیۃ امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ جلد اوّل میں فرماتے ہیں والحقتُ الفحش کہ میں نے مستحب وضو میں فحش کا بھی اضافہ کیا ہے، لِاَنَّہٗ اَخْنَا مِنَ الشعرِ، کیونکہ یہ دنیاوی شعر گوئی سے بھی زیادہ بے حیائی کی بات ہے۔ نمبر۲۳ اہلِ کتاب خواہ یہودی ہو یا نصرانی پھر مرد ہو یا عورت کو چھونے کے بعد۔

فتح المعین میں ہے۔

یُندبُ الوضوءِ مِنْ لمسِ یہودی ؛ جو کسی یہودی کو چھوئے اسکے لئے وضو کرنا مستحب ہے۔

نمبر۲۴ ایسی لڑکی جس کی عمر سات سال سے زائد ہو اس کو چھونے سے بھی وضو کرنا مستحب ہے اگرچہ شہوت ولذت محسوس نہ ہو، کیونکہ شوافع کے نزدیک ایسی صورت

میں بھی وضو جاتا رہتا ہے۔ انوارالائمۃ شافعیہ میں ہے۔

وَاذاکانتِ المرأۃُ فوقَ سَبعِ سنینَ فلَاشکَّ فِی اِنتِقَاضِ الوضوءِ بلَمسِھَا الخ	اگر عورت سات سال سے زائد کی ہو تو اس کے چھونے سے وضو کے ٹوٹ جانے میں کوئی شک نہیں۔

۲۵ تا ۲۶ تا ۲۷ اپنی بیوی، اپنی باندی، کسی مردار، اور بہت بوڑھی عورت کے چھونے کے بعد بھی وضو کرنا مستحب ہے۔ اسلئے کہ ان صورتوں میں ائمہ شافعیہ کے نزدیک وضو جاتا رہتا ہے۔

انوارائمۃ شافعیہ ہی میں ہے۔

ولومس امرأتہ اوامتہ او میتۃ اوعجوزۃ فانیۃ او بلاشھوۃ اوبلاقصد انتقض	اور اگر اپنی بیوی، اپنی لونڈی، کسی مردار، یا کسی بہت بوڑھی عورت کو چھوا خواہ بغیر شہوت وقصد کے چھوا ہو تو بھی وضو جاتا رہتا ہے۔

۲۸ تا ۲۹، بیوی اور خادمہ کو چھونے کے بعد ہی وضو پر وضو مستحب نہیں بلکہ اتفاقاً بھی اگر ان کے جسم سے جسم یا انگلی سے انگلی چھو جائے تو وضو مستحب ہے اور یورپ میں اس کا وقوع خصوصاً ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً وضو کرنے میں مزید پانی کی ضرورت ہوئی یا تولیہ وغیرہ کی ضرورت پیش آئی، تو بیوی یا خادمہ اس کو انجام دیتی ہیں اور ایسی صورت میں عموماً ان کی انگلیوں سے انگلیاں مس ہو جاتی ہیں لہٰذا محتاط حضرات کو کمال احتیاط چاہئے۔

۳۰ تا ۳۱ اس سے پہلے سات نمبروں میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر کسی نامحرم عورت سے اپنا حصۂ بدن مَس ہو جائے تو اگرچہ وضو ہے لیکن پھر بھی وضو کرنا مستحب ہے۔ دراصل یہی آپ کے سوال کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اتفاقاً اس کی انگلی یا سر ناخن سے آپ کی انگلی چھو جائے یا اس کے بال اس کے شانوں سے ڈھلک کر آپ کے جسم کے کسی حصّہ کو لگ جائے تو وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ مالکیہ کے نزدیک نامحرم کے صرف ناخن یا بال چھو جانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے

ان کی کتاب "جواہر زکیہ" میں ہے۔

(ینتقض الوضوء بلمس) اجنبیۃ (وضو ٹوٹ جائے گا مطلقاً چھونے سے) اجنبیہ
یتلذ بمثلہا عادتًا ولو ظفرہا کے کیونکہ اس جیسی عادتاً لذت حاصل کی جاسکتی
اوشعرہا الخ ہے خواہ اس کے ناخن چھوجائیں یا بال۔

اس کے علاوہ بھی بعض ایسے مواقع ہیں جہاں وضو مندوب و مستحب ہے۔
مثلاً ہر وقت باوضو رہنا۔ جب بھی حدث واقع ہو فوراً وضو کرلینا، جنبی کے لئے کچھ
کھانے پینے سے پہلے وضو کرنا۔ کما فی رد المحتار "وضوء الجنب
لھٰذہ الاشیاء مستحب"

واللہ سبحانہٗ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آسٹرڈم۔ ہالینڈ

جنازہ کے وضو سے دوسری نمازوں کا حکم

مسئلہ ۸۱۶ ۱۲۰۶۵ ۲۲-۹: حاجی علی حسین۔ سی لانڈ۔ نیدرلینڈ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ جس وضو سے جنازہ
کی نماز پڑھی گئی ہو یعنی وہ وضو جنازہ ہی کے لئے کیا گیا ہو۔ کیا اس وضو سے پنجگانہ
نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں؟ حاجی رستم، علی حسین۔

۹۲/۸۶ **الجواب**

نماز جنازہ خداوند کریم کی حمد وثنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
پر درود وسلام اور میت کے لئے دعاء مغفرت ہے۔ پھر اس میں قیام و
تکبیرات الٰہیہ ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو وضو کو توڑنے والی ہو۔
نہ معلوم کیوں عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ جنازہ کے وضو سے تلاوت قرآن
یا دوسری نمازیں ادا نہیں کرسکتے؟ حالانکہ ائمہ مذاہب میں سے کسی نے یا
کے علاوہ کسی دوسرے امام و فقیہ نے نماز جنازہ کو حدث قرار نہیں دیا جس سے

وضو باطل ہو جاتا ہو اور جب وضو باطل نہیں ہوا تو اس حالت میں قرآن مجید کا چھونا اس کا پڑھنا، سجدہ کرنا، دوسری نمازوں کا پڑھنا، طواف وسعی کرنا سب ہی جائز و درست ہے۔ حضرت سیدنا نافع امام التابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جنازہ کی نماز پڑھتے تھے اور وضو کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی جس وضو سے نمازِ جنازہ پڑھتے اسی سے دوسری نمازیں بھی پڑھتے تھے۔

سنن بیہقی شریف ص۲۰۷ ج۱ میں ہے۔

ونصلی علیه ولا نعید الوضوء — ہم نماز جنازہ پڑھتے اور وضو نہیں لوٹاتے تھے۔

پس وضو اگرچہ نماز جنازہ ہی ادا کرنے کی نیت سے کیا گیا ہو اس وضو سے دوسری نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ نیز اسی بیہقی شریف میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نماز جنازہ چونکہ نماز ہے تو دوسری نمازوں کے لئے وضو کی ضرورت نہیں۔

قال انما کنا فی صلوٰۃ (الجنازۃ) و رجعنا الی صلوٰۃ (اخریٰ) فلا وضوء — انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ نماز جنازہ میں ہوتے اور بغیر وضو کے دوسری نمازوں کی طرف لوٹ جاتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم

نمازِ جنازہ کے تیمم سے فرض نمازیں

مسئلہ ۸۱: ریاست علی، کیراٗف پاک محمدی مسجد فرینکفورٹ ۲۲-۵-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے صرف نماز جنازہ کے لئے عذر کی حالت میں تیمم کیا اور اس تیمم سے نماز جنازہ پڑھی۔ اب زید اسی تیمم سے دوسری فرض وسنت نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ۷۸۶/۹۲

جی ہاں جس وضو یا تیمم سے نماز جنازہ جائز و درست ہے (تیمم کی صورت

میں اگر وہی عذر ابھی بھی باقی ہے تو دیگر نمازیں خواہ فرض ہو یا واجب یا سنت ونفل سب جائز و درست ہے۔

ہم نے اب تک کسی کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ نمازِ جنازہ ناقضِ وضو، یا ناقضِ تیمم ہے۔ بلکہ کتب فتاویٰ میں یہ تصریح موجود ہے کہ اگر تیمم صرف نمازِ جنازہ کے لئے کیا جب بھی اس تیمم سے دوسری فرض و واجب نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری ص۱۳ میں ہے

لَوْ تَیَمَّمَ لِصَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ اَوْ لِسَجْدَۃِ التِّلَاوَۃِ اَجْزَأَ اَنْ یُّصَلِّیَ بِهِ الْمَكْتُوْبَةَ بِلَا خِلَافٍ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ	کسی نے صرف نمازِ جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے لئے تیمم کیا تو اس تیمم سے فرض نمازیں بلا اختلاف جائز ہیں۔ جیسا کہ محیط میں بھی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام

ٹیوویل سے وضو کرنے میں بچا ہوا پانی کیسے پیئے

مسئلہ ۸۱۸ : حاجی عبدالجبار گمان آمسٹرڈم وویست ۱۹۸۶-۳-۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے لیکن آجکل برتنوں اور بدھنوں کے ذریعہ وضو کرنے کا رواج تقریبًا ختم ہوتا جا رہا ہے ممکن ہے گاؤں وغیرہ میں اب تک اس کا چلن ہو مگر شہروں میں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں اسکی جگہ پر ٹیوویل، پمپینگ سیٹ اور نلکی وغیرہ کے ذریعہ وضو وغسل کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ جہاں وضو کے بعد پانی کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وضو کرنے والا وضو کا بچا ہوا پانی (فضلِ وضو) کیسے استعمال کرے گا اور استحباب کا ثواب کیسے پائے گا؟

جواب کا منتظر ایم اے جبار گمان بلاسیس سٹراٹ 83 C آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹۲ ھو الھادی الی الصواب

اسلام کے دامن میں بڑی وسعت ہے۔ ٹیوویل کے ذریعہ بھی وضو کرنیوالا

مندوب ومستحب کے ثواب سے محروم نہیں کیا جاسکتا صرف احتیاط اور دلجمعی کے ساتھ وضو کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ مانا کہ نلوں کے ذریعہ وضو کرنے کے بعد اس میں بچا ہوا پانی اتنا کم نہیں ہوتا کہ متوضی اسے پی کر ختم کردے لیکن بہر حال اسمیں پانی تو ہوتا ہے جیسے دو ایک چلو لیکر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر وضو کرنے والا پی سکتا ہے۔ اور حصول ثواب کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ چھوٹے برتن میں وضو کے بچے ہوئے پانی کو تین سانسوں میں پی لینے کا استحبابی حکم اسلئے ہے کہ مبادا اس پانی کی حرمت پامال نہ ہو اور لوگ دوسرے کام میں استعمال نہ کرلیں۔ ورنہ فضلِ وضوء سے دو ایک گھونٹ پی لینے سے متوضی مستحب کا ثواب حاصل کرلیتا ہے خواہ کھڑے ہو کر پیئے یا بیٹھ کر ہاں کھڑے ہو کر پینا اسکے احترام واقعی کے حسب حال ہے لیکن بیٹھ کر پی لینے میں بھی کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ خلاصۃ الفتاویٰ فصل الثالث فی الوضوء، ص۲۵ میں ہے۔

وامّا آدابُ الوضوءِ فی الاَصل منَ الادَبِ اَن لّا یسرِفَ فِی المَاءِ وَلَا یقترَ وَ یَشرِبَ فضلَ وضوءِہٖ اَو بَعضَہٗ قَائِمًا اَو قَاعِدًا۔

بہر حال وضو کے مستحبات میں سے یہ بھی مستحب ہے کہ پانی کے استعمال میں زیادتی اور کمی نہ کرے اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی یا اس کا بعض حصہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پیئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ

وضو پر وضو کرنا

مسئلہ ۸۱۹: حاجی اصغر علی کمپرینگ آمسٹرڈم۔ ۱۹۸۶-۸-۸

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درمیان اس مسئلہ کے کہ وضو ہونے کے باوجود وضو کرنا شرعًا جائز ہے یا اسراف میں داخل ہے؟ جواب باصواب سے نوازنے کی زحمت کریں۔

۸۶/۹۲ الجواب بعون المجیب الوھاب

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ وضو اگرچہ بالذات عبادتِ مقصودہ نہیں، پھر بھی ہر وقت باوضو رہنا اور حدث واقع ہونے پر معاً وضو کرلینا مستحبات سے ہے۔ جس کی عظیم ترین فضیلتیں عارفین علیہم الرحمۃ سے منقول ہیں۔ اور وضو پر وضو کرنے کو احادیث کریمہ میں نُورٌ علیٰ نور فرمایا گیا ہے۔ جو اس کے مستحب ہونے پر واضح دلیل ہے امام غزالی نے احیاء العلوم بابُ فضیلۃ الوضوء، ص ۱۳۵ میں بحوالہ رزین یہ حدیث پاک نقل فرمایا۔

الوضوء علی الوضوء نور ۔ وضو ہونے کے باوجود وضوء کرنا نور ہے۔

پھر ابوداؤد اور ترمذی شریفین میں حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد گرامی فرمایا۔

مَنْ توضأ علیٰ طھرٍ کُتِبَ لہ عشر حسنات — جو وضو ہونے کے باوجود وضو کرے اسکے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

فقہ کی بعض کتابوں میں وضوء علی الوضو کو مکروہ کہا۔ لیکن اس مکروہ سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ اور کراہت تنزیہی اولیٰ کے منافی ہوتی ہے۔ مندوب ومستحسن کے نہیں۔ لہٰذا فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

اَلنَّدبُ لایُنافِی الْکَرَاھَۃَ فَلَا یَبْعُدُ اَنْ یَکُوْنَ مَنْدُوبًا لِمَافِیْہِ مِنَ الْفَضِیْلَۃِ ..... — مندوب منافی کراہت نہیں۔ لہٰذا یہ بعید نہیں ہے کہ یہ (وضو پر وضو کرنا) فی نفسہٖ مندوب ہو کیونکہ اس میں فضیلت ہے۔

قَالَ فِی الْحِلْیَۃِ النَّفلُ لَایُنَافِی عَدمِ الاولویّۃ ۔ — حلیہ میں فرمایا کہ نفل عدم اولویت کے خلاف نہیں ہے۔

لہٰذا وضو علی الوضو بعض قولِ کراہت کے باوجود مندوب ومستحسن ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والتبلیغ ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

اگر محسوس ہو کہ ریح خارج ہوگئی ہے

مسئلہ ۸۲۰: نور احمد علی، نیمیخن نیدرلینڈ ۱۴-۱۲-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو کے بعد کبھی نماز میں داخل ہونے سے پہلے اور کبھی نماز میں داخل ہونے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ریح (ہوا) خارج ہوگئی، لیکن نہ تو اسکی بدبو آئی اور نہ ہی آواز سنائی دی۔ کیا ایسی صورت میں پھر سے وضو کرنا چاہیئے؟ یا اسی وضو سے نماز پڑھ لے؟

الجواب ۸۶/۹۲

یہ سب شیطانی وسوسے ہیں جو قابلِ توجہ نہیں۔ حدیث پاک میں آیا کہ ایک شیطان جس کا نام دَلْهَانُ ہے وہ وضو کرنے والوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ پس جس پر اس کا وسوسہ کارگر ہوگیا وہ اسکے پیچھے پڑجاتا ہے اور طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ میں مبتلا کرکے اسے بہکاتا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ دَلْهَانَ وَوَسْوَسَۃِ الشَّیْطَانِ۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ اَحَدَکُمُ الشَّیْطَانُ فِی الصَّلٰوۃِ فَیَنْفُخُ فِیْ مَقْعَدَتِہٖ فَیُخَیِّلُ اَنَّہٗ اَحْدَثَ وَلَمْ یُحْدِثْ فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِکَ فَلَا یَنْصَرِفُ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدَ رِیْحًا	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعًا روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اس کے مقعد میں پھونک مارتا ہے جس سے اس کو خیال ابھرتا ہے کہ وہ بے وضو ہوگیا، حالانکہ وہ بے وضو نہیں ہوا تم میں سے جو بھی اس صورتِ حال سے دوچار ہو وہ نماز نہ توڑے جب تک آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے۔ (کشف الاستار رواہ الطبرانی)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کا وضو باقی ہے دوبارہ وضو کی ضرورت

نہیں۔ وہ جتنی نمازیں چاہے اسی وضو سے پڑھ سکتا ہے۔ اگر یہ وسوسے اُسے برابر آتے ہوں تو اوپر لکھی گئی دعا (العیاذ الخ) کثرت سے پڑھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، نوری دارالافتاء، نوری مسجد ہالینڈ

وضو کا پانی گناہوں کو دھو دیتا ہے

مسئلہ ۸۲۱ نورالحسن عباسی، پاک محمدی مسجد فرانکفورٹ، جرمنی ۳-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ وضو کا پانی مُحدِث کو تو ظاہری پاکیزگی وطہارت عطا کرتا ہی ہے لیکن بعض علمائے سے یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہ گناہ صغیرہ وکبیرہ کو بھی دھو ڈالتا ہے یعنی وضو کا پانی متوضی کو ظاہری و باطنی دونوں طور پر پاک و صاف کر ڈالتا ہے۔ کیا یہ بات شریعتِ طاہرہ سے بھی ثابت ہے یا صرف ترغیب وضو کی حکایتیں ہیں؟ جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔ عباسی

۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

بیشک جو کچھ آپ نے سنا اور علماء کرام نے بیان فرمایا وہ مشہور و معروف احادیث کریمہ سے ثابت اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ومشاہدات سے واضح ہے۔ بعض کتب احادیث نے "خروج الخطامع ماء الوضوء" کا مستقل باب باندھا اور اس میں احادیثِ مشہورہ معروفہ کو نقل کیا۔

حضرت سیدنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی صحیح مسلم شریف میں اس باب کی رعایت سے حضرت سیدنا عثمان ابن عفان اور حضرت سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع حدیثیں روایت کیں۔ جس کی عباراتِ متن علی الترتیب یہ ہیں۔

مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ

جس متوضی نے اچھی طرح وضو کیا اس کے جسم کے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہوں کا صفایا ہو جاتا ہے۔

اذا توضّاء العَبدُ المسلمُ اوالمومنُ فَغَسلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلَّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بعَيْنَيْه مَع الماءِ اَومَعَ اٰخِرِ قطرِ الماءِ. فَاِذَا اَغْسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ. فَاِذا اغسَل رِجْلَيهِ خَرَجَ كُلُّ خطيئةٍ مَشَتهَا رِجْلَاهُ مَعَ الماءِ اَوْمَعَ اٰخِرِ قَطرِالماءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ۔	جب کوئی مسلم یا مومن بندہ وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ سب گناہ نکل جاتے ہیں جسکی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو جو گناہ اس نے اپنے ہاتھوں سے کئے وہ سب پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں...... اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو پاؤں کے ذریعہ کئے ہوئے گناہ بھی پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاںتک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے

اولیاء امت میں۔ وضو کے ماء مستعمل سے متعلق سب سے اہم و اعلیٰ مشاہدہ امام المشاہدین رأس العارفین امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رضی عنہ الرحمٰن کا ہے جس کا اعتراف غیر حنفی علماء اور عرفاء کو بھی ہے۔ چنانچہ عارف باللہ امام العلماء الشافعیہ حضرت سیدنا عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ الربانی نے اپنی کتاب "میزان الکبریٰ" (میزان الشریعۃ الکبریٰ) میں فرمایا کہ۔

سَمعتُ سیّدی علیًا الخواص رضی اللّٰہ عنہ (وکان ایضاشافعیًا) یقول مَدارِكُ الامامِ ابی حَنیفَة رضَی اللّٰہ تعالیٰ عنہ دقیقَةٌ لَایکادُ یطلعُ عَلیهَا اِلّا اَهلُ الكَشْفِ مِنْ اَكَابِرِالاَوْلیَاءِ قَالَ	میں نے سیدی الخواص (جو ائمہ شافعیہ میں سے تھے) سے فرماتے ہوئے سنا کہ امام ابوحنیفہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف اولیاء کرام ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ ❊ ❊ ❊ ❊ فرماتے تھے کہ جب امام ابوحنیفہ وضو میں

وَكَانَ الْإِمَامُ أَبُوحَنِيفَةَ إِذَا رَأَىٰ مَاءَ الْمِيضَأَةِ يَعْرِفُ سَائِرَ الذُّنُوبِ الَّتِيْ خَرَجَتْ فِيهِ مِنْ كَبَائِرَ وَصَغَائِرَ وَمَكْرُوهَاتٍ

استعمال شدہ پانی کو دیکھتے تو اس میں جتنے کبائر وصغائر گناہ اور مکروہات ہوتے تھے۔ ان سب کو پہچان لیتے تھے۔

حضرت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ فیضانِ کشف آپ کے بعض مقرب شاگردوں کو بھی حاصل ہوا چنانچہ سیدنا امام ابویوسف انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ماءِ مستعمل کو دیکھ کر نہ صرف کبائر وصغائر گناہوں کو پہچان لیتے تھے بلکہ کراہت و خلافِ اولیٰ میں بھی خطِ فاصل کھینچ دیا کرتے تھے جس کا ذکر "المیزان" کتاب الطہارۃ میں موجود ہے۔ خود حضرت سیدنا تاج العارفین علی خواص علیہ الرحمہ کو ماءِ مستعمل میں گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی معرفت ہو جایا کرتی تھی اور بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ آج کی اس ظلمات نگری میں بھی ایسے ایسے صاحبانِ کشف وبصیرت حضرات سے قطعۂ زمین خالی نہیں ہے مگر ہمیں اُن حضرات کی پہچان نہیں کہ أَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قِبَائِيْ (حدیث قدسی) کا زریں نقاب اُن کے چہرۂ ولایت پر پڑا ہوا ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم ورسولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والتبلیغ ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

ماءِ مستعمل کی مختلف صورتیں

مسئلہ ۸۲۲: مجیب الرحمٰن، انتورپن بلجیم
۸-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ وضو کی حالت میں اگر پیشانی پر پانی ڈالا اور وہ پانی پیشانی پر بہنے کے بعد مثلاً رخسار یا ٹھڈی پر آیا اور بہہ گیا تو رخسار یا ٹھڈی حدث سے پاک ہوا یا نہیں؟ یا وہی پیشانی پر بہا ہوا پانی مثلاً کلائیوں پر ٹپک ٹپک کر بہہ گیا تو کلائیوں کا حدث زائل ہوا یا نہیں۔

اور یہی صورت حال اگر غسل میں واقع ہو یعنی سر یا چہرہ پر بہا ہوا پانی

مثلاً سینہ، پیٹ، کمر اور پاؤں وغیرہ پر پہنچا اور بہہ گیا تو سر اور چہرہ کے علاوہ اعضاءِ جسم سے حدثِ جنابت زائل ہوگا یا نہیں؟ اور اس کا غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب سے مطلع فرما کر عند اللہ تعالیٰ ثواب کے مستحق ہوں گے۔

سائل (مولوی) محمد مجیب الرحمٰن گلشنِ بغداد

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ ـــــ

وضو اور غسل میں متوضی و غاسل کے اعضاءِ جسم کا حکم الگ الگ ہے یعنی بحالتِ وضوء (جبکہ وہ وضو حدث کو زائل کرنے، قربت حاصل کرنے وغیرہما کے لئے ہو) جب ایک عضو سے پانی بہہ کر ٹپک گیا تو وہ ہمارے مذہب حنفی کے نزدیک ماءِ مستعمل ہوگیا کہ اب اس میں حدث زائل کرنے کی صلاحیت مفتیٰ بہ قول کے مطابق نہیں رہی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پیشانی، رخسار، ٹھڈی سب ملا کر ایک عضو ہے تو پیشانی سے بہا ہوا پانی رخسار وغیرہ پر آنا ایک ہی عضو پر دور کرنا ہے کیونکہ چہرہ کا پانی چہرہ پر بہا جو ایک عضو ہے۔ شرعِ مطہر نے پیشانی کی ابتداء سر کے بال اگنے کی جگہ سے ٹھڈی تک اور ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لو تک ایک ہی عضو قرار دیا ہے لقولہ تبارک وتعالیٰ فَاغْسِلُوا وُجُوھَکُمْ اسی طرح ہاتھ کو ایک عضو قرار دیا ہے یعنی انگلیوں، ہتھیلیوں، کلائیوں اور کہنیوں کو الگ الگ شمار نہیں فرمایا۔ لقولہٖ تبارکَ وتعالیٰ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ" اور جب ایک عضو سے ہنوز پانی جدا نہیں ہوا تو اس پر ماءِ مستعمل کا حکم نہیں ہوگا۔

ہاں اگر چہرہ سے پانی جدا ہو کر کلائیوں پر آرہا، تو وہ اپنے عضو سے جدا ہوگیا اور دوسرے عضو پر آگیا لہٰذا وہ ماءِ مستعمل (استعمال کیا ہوا پانی جو خود پاک ہے مگر کسی ناپاکی کو زائل کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں ہے) کے حکم میں آجائے گا۔ لہٰذا کلائیوں کا حدث اس سے زائل نہیں ہوگا اگرچہ بار بار کلائیوں پر سے بہہ جائے۔

درمختار باب المیاہ ص۳۷/۱ میں ہے۔

فَاِنَّہٗ یَصِیْرُ مُسْتَعْمَلًا اِذَا انْفَصَلَ عَنْ عُضْوٍ وَاِنْ لَمْ یَسْتَقِرَّ فِیْ شَیْئٍ عَلَی الْمَذْھَبِ

پانی اسوقت مستعمل ہوگا جبکہ عضو سے جدا ہو اگرچہ کسی چیز پر نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے۔

البتہ غسل میں سارا بدن عضو واحد ہے (بخلاف اعضاء وضو کے) تو سر یا چہرہ پر سے بہا ہوا پانی جس جس حصۂ عضو سے گزرتا جائے گا سب کو حدث و نجاست سے پاک کرتا جائے گا۔ ردّالمحتار باب المیاہ ص۱۴۷ میں ہے۔

اَنَّ اَعْضَاءَ الْغُسْلِ کَعُضْوٍ وَاحِدٍ فَلَوِ انْفَصَلَ مِنْہُ فَسَقَطَ عَلٰی عُضْوٍ اٰخَرَ مِنْ اَعْضَاءِ الْغُسْلِ فَاَجْرَاہُ عَلَیْہِ صَحَّ عَلَی الْقَوْلَیْنِ۔

غسل کے تمام اعضاء ایک عضو کی طرح ہیں تو اگر اس میں کسی ایک عضو سے پانی جدا ہو کر اعضاء غسل کے دوسرے حصہ پر گر کر بہہ گیا۔ تو دونوں اقوال کے مطابق اس سے پاکی حاصل ہو جائے گی۔

عبارتِ مذکورہ میں قولین سے مراد استقرار و عدمِ استقرار ہے کیونکہ بعض علماء کے نزدیک پانی اعضاء سے جدا ہونے کے بعد اُس وقت مستعمل کے حکم میں آتا ہے جبکہ اس کے اندر استقرار پایا جائے اور استقرار کے بعد دوبارہ اس کے اندر تحریک پائی جائے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری دارالافتاء آسٹرڈم ہالینڈ

ستر عورت دیکھ لینے سے وضو نہیں جاتا

مسئلہ ۸۲۳ ۱۳-۳-۱۴۱۶ھ: عبدالسبحان معرفت اکبر درون تن، نیدرلینڈ

جناب مولانا مفتی صاحب السلام علیکم

ایک ضروری سوال یہ ہے کہ وضو کر لینے کے بعد اگر اپنا یا دوسرے کا ران نظر آجائے یا خاص شرمگاہ کو دیکھ لے تو وضو رہے گا یا ٹوٹ جائے گا۔ خدا کے واسطے جلد جواب دیجئے۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

وضو نہیں جائے گا کیونکہ فقہاء کرام نے اسے نواقض وضو میں شمار ہی نہیں فرمایا بلکہ اس باب میں فقہا کی تصریحیں موجود ہیں کہ عین حالت نماز میں بھی اگر کسی کے ستر غلیظ پر نظر پڑجائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر یہ ناقض وضو ہوتا تو نماز ضرور باطل ہوجاتی۔ مراقی الفلاح جلد اوّل میں ہے

لاتبطلُ صَلوٰتہ بنظرہٖ اِلٰی فرجِ المُطلقَۃ اوِ الاَجنبیّۃ یعنی فرجِھَا الدّاخل

اس کی نماز مطلقہ یا اجنبیہ کی شرمگاہ کو دیکھنے سے باطل نہیں ہوگی۔ یعنی شرمگاہ سے مراد فرج داخل ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بے عذر شرعی کسی کے سامنے ستر عورت کا کھولنا یا کسی کے ستر عورت پر نظر کرنا حرام و بدانجام ہے اور خاص شرمگاہ کو دیکھنا یا دکھلانا اشد و بدتر حرام ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

انجکشن کے ذریعہ خون نکلوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

مسئلہ ۸۲۴: عبدالواحد ظہور الکمار ۱۲-۱-۱۴۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں عموماً ڈاکٹر لوگ مریض کے مرض کی تحقیق کرنے سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے اس کا خون بذریعہ سیرنج اور سوئی کے نکالتے یا نکلواتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کلائی یا کہنی کے کسی ممتاز رگ میں سیرنج کی سوئی ڈال کر تین چار چھوٹی شیشیاں خون نکال لیتے ہیں۔ پھر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد ہاتھ کی درمیانی انگلی میں سوئی چبھو کر خون کی تری کو کسی شیشی میں جمع کر لیتے ہیں ___ سوال یہ ہے کہ کیا اس سے روزہ اور وضو جاتا رہتا ہے؟

الجواب ۷۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورتِ مسئولہ میں روزہ تو نہیں جائے گا لیکن اگر روزہ دار خون نکلوانے کے بعد نڈھال ہو جائے یا کمزوری کے سبب اسے روزہ رکھنا دشوار ہو جائے تو روزہ کی حالت میں اسقدر خون نکلوانا مکروہ ہے۔ روزہ دار اپنے اس شرعی عذر کو ڈاکٹروں کے سامنے پیش کر کے خون نکلوانے کے اوقات و تاریخ میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ سیرنج کے ذریعہ جس قدر خون لیا گیا ظاہر ہے کہ وہ نجس اور ناقضِ وضو ہے اسی طرح سوئی کی نوک چبھا کر جس رستے ہوئے خون کو شیشی میں جمع کیا گیا اگر وہ اس قدر ہے کہ بہہ سکے (اور ظاہر یہی ہے) تو اس سے بھی وضو جاتا رہے گا۔

مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلہ میں ایک طویل بحث کے بعد افادہ فرماتے ہیں۔

لایشترط فی النقض بما من غیر السبیلین الا الخروج بالسیلان علی ظاہر البدن ولو بالقوۃ فلا یستثنیٰ من الظاہر حسا الا داخل العین لانہ لیس من الظاہر شرعا اصلا (فتاویٰ رضویہ)

سبیلین (ذکر و دبر) کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ سے خروجِ نجاست اسی وقت ناقضِ وضو ہوگا جب کہ وہ بدن کے ظاہری حصہ پر بہہ جانے کی صلاحیت رکھے اگرچہ بہاؤ اور خروج بالقوہ ہو۔ آنکھ کے علاوہ جسم کا کوئی ظاہر محسوس حصہ اس حکم سے باہر نہیں۔ ہاں آنکھ کی کٹوری شرعاً اور اصلاً ظاہر بدن میں شامل نہیں۔

اس روشن تحریر سے یہ بھی واضح ہوا کہ صرف ہاتھ اور انگلیوں ہی سے بہنے کی مقدار میں خون کا نکلنا ناقضِ وضو نہیں۔ بلکہ جسم کے جس حصہ سے بھی اس مقدار میں خون، پیپ، کچ لہو وغیرہ نکلے یا نکالا جائے سب کا سب ناقضِ وضو ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آنکھ کے پپوٹوں کے اندرونی حصہ سے خون بہا اور آنکھ کی پوری کٹوری میں چھا گیا لیکن پلکوں سے نیچے نہیں ڈھلکا تو وہ ناقضِ وضو نہیں ہے کیونکہ آنکھ کا ظاہری ڈھیلا جو پلکوں کی چھاؤں میں ہے وہ نہ اصل کے اعتبار سے ظاہری جسم ہے نہ شرع کے اعتبار سے جسم ظاہر ہے۔ اسی لئے غسل یا وضو میں آنکھ کی کٹوری کا

دھونا واجب نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے آنکھوں میں لینس لگایا ہوا ہے
تو غسل جنابت میں اس کا نکالنا ضروری نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء
مدینۃ الاسلام ہالینڈ ۲۱ر شوال ۱۴۱۵ھ

نیند کب وضو توڑتا ہے؟

مسئلہ ۸۲۵ :- ایل محمد یوسف گمان آمسٹرڈم ہالینڈ 25-11-1995ء

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے ربانی اس مسئلہ میں کہ
ایک رات میں با وضو ہو کر نماز عشاء کے انتظار میں صوفہ پر بیٹھا بیٹھا سو گیا
اور جب آنکھ کھلی تو میں نے سمجھا کہ صرف اونگھ آئی ہے حالانکہ گھڑی کی طرف نگاہ
کرنے سے معلوم ہوا کہ تقریباً پینتالیس منٹ تک میں سوتا رہا۔ ایسی صورت میں
میرا وضو رہا یا ختم ہو گیا؟ دلائل شرعیہ کے ساتھ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

۹۲/۸۶ الجواب ھو الھادی الصواب

مطلقاً نیند ناقض وضو نہیں ہے بلکہ نیند ۲ دو شرطوں کے ساتھ وضو کو توڑتی
ہے ۱۔ جبکہ سونے والے کا سُرین (چوتڑ) زمین، تختہ، سخت گدہ وغیرہ سے لگا ہوا
نہ ہو۔ ۲۔ سونے والا ایسی غفلت کی نیند سو جائے کہ اس کے اعضاء کے جوڑ
ڈھیلے پڑ جائیں۔
اگر سونے والے میں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو وضو ٹوٹ جائے گا
ورنہ نہیں۔ آپ نے اپنے سونے کی کیفیت یہ بتائی ہے کہ آپ صوفہ پر بیٹھے بیٹھے
سو گئے۔ اور صوفہ کا گدہ اس قدر دبیز ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اخراج ریح کے
مفاصل ڈھیلے نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ اگرچہ گھنٹوں تک سوتے رہے ہوں۔ آپ
کا وضو نہیں گیا۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد اول میں ہے۔
ان نام متربعاً لا ینقض الوضوء اگر چار زانو بیٹھ کر سو گیا۔ تو ایسا سونا وضو کو

وکذا لونام متورکا وھو ان یبسط قدمیہ من جانب ویلصق الیتیہ بالارض ...اھ

نہیں توڑتا ہے اور اگر اسطرح سویا کہ اپنے دونوں پاؤں کو ایک جانب نکال لیا اور سُرین کو زمین پر رکھ دیا جب بھی یہی حکم ہے۔

وضو نہ ٹوٹنے کے لئے سُرین کا صرف زمین ہی پر رکھنا ضروری نہیں بلکہ تختہ غدہ (روئی کا سخت گدہ) اور زین وغیرہ پر ٹیک دینے کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ صاحب دلائلِ قاہرہ مؤید ملت طاہرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

ان المصرح بہ فی الخانیۃ نفسھا والکتب قاطبۃ انہ ان نام علی ظھر الدابۃ فی سرج اوکاف لاینتقض وضوئہ لعدم استرخاء المفاصل۔

فتاویٰ قاضی خاں اور دوسری معتمد کتابوں میں بھی اسکی وضاحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص سواری کی پیٹھ پر یعنی زین یا نمدہ پر سوگیا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ایسی صورت میں جوڑوں کے اندر نرمی اور کشادگی نہیں پائی جاتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم۔ ۲۵/نومبر ۱۹۸۵ء

احتلام سے کب غسل کب فرض ہوتا ہے

مسئلہ ۸۲۶: محمد عباس واجدی مسجد رضوی فرید الاسلام آمسٹرڈم
۱۴۰۹/۳/۱۱

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ اسلام وعلماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر خواب میں احتلام ہوتا ہوا دیکھے اور لذت بھی محسوس کرے لیکن بیداری کے بعد جسم یا کپڑے کسی طرح کی تری نہ پائے تو خواب دیکھنے والے پر غسل فرض ہے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ احتلام کا ہونا تو یاد نہیں ہے مگر جسم پر تری پایا جس سے گمان ہوا منی ہے۔ یا منی ومذی کے درمیان مشکوک رہا تو ان صورتوں میں غسل فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب　اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورتِ اولیٰ میں بالاتفاق غسل واجب نہیں اور صورتِ ثانیہ میں واجب ہے۔ ارشاد رسول مقبول علیہ السلام ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سُئِل رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الرَّجُل یجد البلل ولا یذکر احتلاما قال یغتسل وعن الرَّجُل یری انہ قد احتلم ولم یجد بللاً قال لاغسل علیہ۔ (ابن حبان وابوداؤد)	حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ جو بیدار ہونے کے بعد تری پائے اور اسے احتلام یاد نہ ہو؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ غسل کرے۔ اور اس شخص کے متعلق بھی سوال کیا گیا جسے احتلام تو یاد ہے لیکن تری نہیں پائی تو آپ نے ارشاد فرمایا اس پر غسل واجب نہیں۔

فتاویٰ بزازیہ مع الھندیہ میں ہے۔

احتلم ولم یر بللاً لاغسل علیہ اجماعًا۔	کسی شخص کو احتلام ہوا اور اس نے تری نہیں دیکھی تو اس پر بالاجماع غسل واجب نہیں۔

اور حلیہ میں ہے۔

وجوب الغسل اذالم یتذکر حلمًا وتیقن انہ مذیٌ او شك فی انہ منی اومذی قول ابی حنیفہ ومحمد (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما)	جب خواب یاد نہ ہو اور تری کے متعلق یقین ہے کہ وہ مذی ہے یا مذی ومنی کے درمیان وہ مشکوک ہے تو طرفین (امام اعظم امام محمد) کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں یہ بھی ہے

انتبہ ورایٔ علی فرشہ اوفخذہ المذی یلزمہ الغسل فی قول ابی حنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ تذکر اولم یتذکر۔	کوئی شخص خواب سے بیدار ہوا اور اپنے بستر یا ران پر تری (مذی) دیکھی تو امامین طرفین کے نزدیک اس شخص پر غسل واجب ہے چاہے احتلام کا ہونا یاد ہو یا نہ ہو۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

حکم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ارشاداتِ فقہاء علیہم الرحمہ کی روشنی میں آپکے دونوں سوالوں کا جواب واضح ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم و رسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

تولیہ بھیگو کر بدن پونچھ لینے سے غسل جنابت اتر گیا یا نہیں؟

مسئلہ ۸۲۷: ایل محمد یوسف گمان نوری مسجد آمسٹرڈم ۲۵-۱۱-۱۹۸۵ء

علمائے کرام و مفتیانِ عظام کا اس بارے میں کیا ارشاد گرامی ہے کہ سخت زکام (انفلوئنزا) کی صورت میں سرد و گرم پانی کا استعمال مزید نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ جب بھی میں زکام کی حالت میں غسل کرتا ہوں تو مرض مہینوں کے لئے لمبا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر نہانے کی حاجت ہو جائے تو گرم پانی سے تولیہ بھیگو کر سر سے پاؤں تک بدن پونچھ لینے سے غسلِ جنابت اتر گیا یا نہیں؟ اور حدث کی صورت میں اسی طرح اعضاء وضو کو پونچھ لینے کے بعد وضو کے لئے کفایت کرے گا یا نہیں؟ اور اسی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ سائل لطیف محمد یوسف

الجواب ۷۸۶/۹۲ اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعی سرد و گرم پانی کا استعمال آپکے لئے مضر اور تجربہ کی روشنی میں مرض کے بڑھنے کا سبب ہوتا ہے تو بجائے نہانے کے غسل و وضو میں آپ تیمم بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ آپ نے خود ہی لکھا کہ گرم پانی میں تولیہ بھیگو کر پورے بدن کو پونچھ لیا جائے۔ تو ایسی صورت میں بجائے تیمم کے آپ پورے جسم کو پونچھ لیا کریں کہ یہی ضروری ہے۔ یونہی وضو میں بھی اعضاء وضو کو پونچھ لیا کریں۔ ہاں اگر گرم پانی سے پونچھنا بھی نقصان دہ ہونے لگے تو تیمم کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حالتِ جنابت میں غسل ضروری ہے اگر غسل کرنا واقعی نقصان دہ

اور مرض کے طول کھینچنے کا سبب ہو تو پورے جسم کا مسح کرنا ضروری ہے۔ اور اگر مسح کرنا بھی نقصان دہ ہو تو تیمم ضروری ہے۔

زکام والوں کے لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سر کا بھیگونا نقصان دہ ہوتا ہو مگر جسم کا بھیگونا مضر نہ ہو تو ایسی صورت میں پورے جسم کا دھونا یا بھیگونا ضروری ہے اور سر پر مسح کرنے کی رخصت ہے۔ یعنی مریض کے ضرر کے مطابق شریعتِ مطہرہ اس کے لئے سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔

امام المحققین صاحب دلائلِ قاہرہ کثیرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ رحمۃ المولیٰ الغنی اپنے فتاویٰ مبارکہ (العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ) میں فرماتے ہیں۔

اِن ضرّ غسل راسہ لا غیرُ مسحہ وغسل سائر جسدہٖ وَاِن ضرّ الاغتسال بماءٍ باردٍ اغتسل بحارٍ اَو فاترٍ اِن قدر والّا یتیمّم اَو مسح راسہ وغسل بدنہ جسمًا یقتضیہ حالہ ۱۵ ص ۱۶۰/۱

اگر صرف سر کا دھونا نقصان دہ ہو تو سر کا مسح کرے اور دیگر اعضاء بدن کو دھولے۔ اور اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا نقصان دہ ہو تو گرم یا نیم گرم پانی سے غسل کرے اگر میسر ہو ورنہ تیمم کرے۔ یا سر کا مسح کرے اور باقی جسم کو دھولے۔ مرض کی جو کیفیت ہو اس کی رعایت کرے۔

امید ہے کہ آپ نے پورے طور پر مسئلہ کو سمجھ لیا ہوگا۔ اگر کوئی دقت ہو تو دوبارہ سوال کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفر لہ خادم الافتاء والخطیب نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ
۲۵ / نومبر ۱۹۸۵ء

عورتیں اگر بغیر جوڑا کھولے غسل جنابت کریں

مسئلہ ۸۲۸: امین عبد الرؤف، نارتھ آمسٹرڈم ۵-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتیں کبھی اپنے بالوں کو

بالکل کھلا ہوا رکھتی ہیں، کبھی چوٹی گوندھ کر (جعدہ) اور کبھی جوڑا باندھ کر (ضفرہ) بنالیتی ہیں سوال یہ ہے کہ غسل جنابت میں چوٹی یا جوڑا کا کھولنا ضروری ہے یا نہیں؟ کیا جوڑا باندھے ہوئے بھی غسل ہو سکتا ہے؟ بیّنوا وتوجروا

۸۶/۹۲ الجواب بعون المجیب الوھاب

جوڑا اور چوٹی کھولے بغیر بھی عورتوں کا غسل جنابت اتر سکتا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ام المومنین حضرت سیدتنا ام سلمیٰ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے بال گندھواتی ہوں کیا نہانے میں کھول دیا کروں؟ تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما یکفیكِ ان تحثی علی راسكِ ثلث حثیاتٍ	اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال لیا کرو یہی تیرے لئے کافی ہے۔

ابوداؤد شریف باب المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل میں ہے۔

امّا المرأة فلا علیها ان تنقضه لتغرف علی راسها ثلث غرفات یکفیها۔	عورت پر ضروری نہیں کہ اپنے گندھے بالوں کو کھولے۔ اس کے لئے کافی ہے کہ تین لپ پانی اپنے سر پر ڈال لے۔

اور مسلم شریف ہی میں سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد موجود ہے۔

لقد کنتُ اغتسل انا ورسولُ الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مِن اِناءٍ واحدٍ وما ازید علی اَن افرغ علی رَاسی ثلثَ افراغات (ص ۱۵۰)	فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے۔ اور میں اپنے سر پر صرف تین بار چلو سے پانی ڈالتی (جعد مبارک کو نہ کھولتی تھی)

ان احادیث کریمہ کی روشنی میں روشن تر ہوا کہ عورتوں کو جوڑے یا چوٹی کی حالت

میں اگر غسل واجب ہو جائے تو انہیں جوڑے اور چوٹی کھولنے کی ضرورت نہیں سارے جسم کو دھو کر سر پر تین لپ پانی بہائے غسل ہو جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

ماءِ قلیل کو پاک کرنے کا طریقہ

مسئلہ ۸۲۹: شاکر حسین شار دھا کرائیت بیورخ 22-8-1987

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ یورپ کے غسل خانوں میں عموماً پلاسٹیک یا سیمینٹیڈ چھوٹے چھوٹے حوض ہوتے ہیں جو کسی طرح بھی 10 × 10 (دہ دردہ) نہیں ہوتے۔ اگر وہ پانی سے بھرا ہوا ہو اور کوئی جنبی یا مُحدِث غسل یا وضو سے پہلے پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ یا پاؤں اس میں ڈال دے تو کیا اس پانی سے وضو یا غسل کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں کر سکتے ہیں تو اس ماءِ مستعمل کو قابلِ غسل و وضو بنانے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ کیونکہ اس قدر پانی کو ضائع کرتے ہوئے طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔

الجواب ۸۶/۹۲ بعون الجواد الوھاب

صورتِ مسئولہ میں حوض مذکورہ کا پانی مستعمل ہو گیا کہ خود پاک ہے مگر نجاستِ حکمیہ کے پاک کرنے کی صلاحیت اب اس میں باقی نہ رہی۔ پس اس پانی سے نہ تو غسل کر سکتے ہیں نہ ہی وضو۔ اور اگر کوئی کرے تو نہ اس سے غسل اترے نہ وضو کی پاکی حاصل ہو۔ جیسا کہ فتح القدیر باب الماءِ الَّذِی یَجُوْزُ بِہِ الْوُضُوْءُ وَمَالَایَجُوْزُ ص۸۲ جلد اوّل میں ہے۔

اِنْ وَقَعَ الْکُوْزُ فِی الْحُبِّ فَادْخَلَ یَدَہٗ اِلَی الْمِرْفَقِ لِاِخْرَاجِہٖ لَایَصِیْرُ مُسْتَعْمَلًا نَصَّ عَلَیْہِ فِی الْخُلَاصَۃِ۔ قَالَ	اگر لوٹا کنویں (پیٹی) میں گر پڑا اور اس کو نکالنے کے لئے اپنا ہاتھ کہنیوں تک کنویں میں ڈالنا پڑا تو پانی مستعملاً نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ "خلاصہ" میں منصوص ہے، بخلاف اس بات

بِخِلَافِ مَا لَوْ اُدْخِلَ یَدَہٗ لِلتَّبَرُّدِ لِعَدَمِ الضَّرُوْرَۃِ۔ — کہ اگر ہاتھ کو کنویں میں صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے ڈالا تو اس کا پانی مستعمل ہو جائے گا کیونکہ یہ ضرورت (شرعی) نہیں ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

جو پانی مستعمل ہو جائے اُسے پاک اور قابلِ استعمال (مطہر) بنانے کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ جتنا پانی حوض میں ہے اُس سے زیادہ مقدار میں طاہر و مطہّر پانی اس میں ملا دیا جائے تو سارا کا سارا پانی طاہر و مطہّر (قابلِ وضو و غسل) ہو جائے گا جیسے اس سے نجاستِ حقیقیہ کو پاک کیا جا سکتا ہے اسی طرح نجاستِ حکمیہ بھی پاک کیا جا سکتا ہے

۲۔ اس حوض کے پانی کو جاری پانی بنا دیا جائے یعنی حوض کے ایک طرف سے اس میں پاک پانی ملایا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے۔ اگرچہ ادخال و اخراج میں کمی بیشی ہو جب بھی وہ سب کا سب پانی طاہر و مطہّر ہو جائے گا کما فی الدّرّ المختار والرّدّ المحتار ص۱۲۴ ۔

غلبۃ المخالطِ لو مما ثلاً کمُستَعملٍ فبالاجزاء فانّ المُطلق اکثر مِنَ النّصفِ جازَ التطهیر بالکلّ والّا لا۔۔ — ملنے والے پانی کا غلبہ اگر ماءِ مستعمل کے مثل ہو تو اعتبار مقدار کا ہوگا۔ اگر ماءِ مطلق نصف سے زائد ہے تو سب سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔ ورنہ نہیں

بمجرد جریانہ بان یدخل مِن جانب ویخرج مِن اٰخر حال دخوله وان قلّ الخارج "بحر" ولا یلزم ان یکون ممتلاً اول وقت الدخول لانّہ اذا کان ناقصاً فدخل — صرف اس کے جاری ہونے سے۔ کہ ایک طرف سے داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے۔ اس کے داخل ہونے کی حالت میں۔ اگرچہ خارج کم ہو "بحر" یہ ضروری نہیں کہ داخل ہوتے وقت برتن بھرا ہوا ہو کیونکہ جب ناقص ہوگا اور پانی داخل ہو کر

الماء حتی امتلأ وخرج بعضہ طہر ایضا... | برتن بھر جائے پھر پانی اس سے نکل جائے تب بھی وہ پانی پاک ہو جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری وارد حال جامع مسجد پارا ماری بو سورینام جنوبی امریکہ

زیادہ ٹھنڈا یا گرم پانی کا استعمال وضو و غسل میں

مسئلہ ۸۳۰: ایل منگل آلمیرہ نیدرلینڈ ۱۹۸۹-۳-۷ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ یورپ میں اکثر و بیشتر ٹھنڈے اور گرم پانی کی ڈونلیں (کران) غسل خانہ اور باورچی خانہ میں استعمال کی جاتی ہیں۔ ٹھنڈا پانی اس قدر ٹھنڈا ہوتا ہے کہ بغیر گرم پانی کی ملاوٹ کے اس کا استعمال نہایت دشوار و مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ اور گرم پانی اس قدر گرم ہوتا ہے کہ اگر اس میں چائے کی پتی ڈال دی جائے تو چائے تیار ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس قدر ٹھنڈے یا گرم پانی سے وضو یا غسل درست ہے یا نہیں؟

الجواب $\frac{786}{92}$ اللھم ھدایۃ الحق والصواب

زیادہ ٹھنڈا یا زیادہ گرم پانی جس سے تکمیلِ سنّت نہ ہو سکے مکروہ ہے۔ اور اگر وہ تکمیلِ فرض ہی سے روکے تو اس کا استعمال حرام و بدانجام ہے۔ نہ اُس سے وضو ہو نہ غسل........ یہاں نیدرلینڈ میں جو گرم پانی نلوں کے ذریعہ آتا ہے وہ الیکٹرک یا گیس کے ذریعہ گرم کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو آفتاب کی گرمی سے گرم شدہ پانی کا ہے بلکہ ضرر رسانی میں وہ زیادہ ہے۔

آفتاب کی گرمی سے گرم شدہ پانی کا حکم احادیث کریمہ میں منصوص ہے ——

چنانچہ سننِ دارقطنی، بَابُ المَاءِ المُسَخَّن ص ۳۹ میں ہے۔

عَنْ اُمِّ الْمُوْمِنِیْنَ اَنَّھَا سَخَّنَتْ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاءً فِی الشَّمْسِ فَقَالَ لَا تَفْعَلِی | ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے دھوپ میں پانی گرم کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اے حمیرا!

یَاحُمَیْرَاءُ فَاِنَّہٗ یُوْرِثُ الْبَرَصَ۔	آئندہ ایسا مت کرنا کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔
عَنْ عُمَرَ الْفَارُوْق	دارقطنی نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
مَوْقُوْفًا لَا تَغْتَسِلُوْا بِالْمَاءِ الشَّمْسِ	سے موقوفاً یہ بھی روایت کی کہ تم لوگ دھوپ سے گرم کئے
فَاِنَّہٗ یُوْرِثُ الْبَرَصَ	ہوئے پانی سے غسل مت کرو کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا یورپ یا غیر یورپ میں جہاں دونوں نلیں ساتھ ساتھ ہوں۔ وہاں دونوں پانی کو آپس میں ملا لینا چاہئے۔ جب گرم پانی کی گرمی اور ٹھنڈے پانی کی ٹھنڈک ختم ہونے کے قریب ہو جائے اور استعمال کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے تو اس پانی سے بلا کراہت وضو و غسل کر سکتے ہیں۔

یورپ میں برص کی بیماری کثرت سے ہے جسکے وجوہات میں سے دو وجہ تقریباً عام ہے ایک تو سور کے گوشت اور چربی کا استعمال دوسرے نہایت گرم پانی سے غسل۔ العیاذ نا اللہ تعالیٰ وایاکم۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء، مدینۃ الاسلام ہالینڈ

غسل میّت کے بعد غسل کرنا

مسئلہ ۸۳۱ ۱۹۸۹-۳-۸: قربان علی امسٹردم مغربی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں میت کو غسل دینے والا شخص اگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے غسل نہیں کر سکا صرف وضو کر کے نماز جنازہ میں شریک ہو گیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ جبکہ میت کے غسل کا پانی (ماءِ مستعمل) غسال کے جسم اور کپڑے کے بعض حصوں پر پڑا ہو۔

۷۸۶/۹۲ **الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب**

میت کے غسل دینے والوں پر غسل کرنا نہ واجب ہے نہ فرض۔ بلکہ صرف مستحب ہے۔ کما فی الدّر المختار وغیرہ۔ کیونکہ موت اگرچہ عند الجمہور نجاستِ حقیقیہ کا سبب ہے جس میں استعمال کیا ہوا پانی ماءِ مستعمل ہی نہیں

بلکہ ناپاک ہے، لیکن عام فقہاء کرام کے نزدیک وہ نجاستِ حکمیہ ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے تو اس تقدیر پر جو پانی جسم میت سے گزر کر بہا یا غسل دینے والوں کے جسم یا کپڑے پر لگا وہ ناپاک نہیں بلکہ ماءِ مستعمل ہی ہے اور ماءِ مستعمل اگرچہ مطہر نہیں لیکن جہاں لگے گا اسے ناپاک بھی نہیں کرے گا۔ بنابریں علماءِ محققین کے نزدیک میت کے نہلانے والوں پر نہانا صرف مستحب ہے اور ترکِ استحباب مواخذہ کا سبب نہیں۔ لہٰذا شخص مذکور کی صحتِ نمازِ جنازہ میں کوئی کلام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام ہالینڈ

مُحدِث کی مونچھوں کے لگنے سے پانی مستعمل ہوتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۸۳۲: فیصل رحمت، دی ہیگ۔ ۲۰۰۱-۳-۳

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب نے اپنی مونچھوں کو قلندرانہ ہیئت اختیار کرنے کے شوق میں کافی بڑھالیا ہے کہ اس کی لمبائی تین سینٹی میٹر (تقریباً دو انچ) سے کم نہ ہوگی۔ جب وہ پانی پیتے ہیں تو مونچھ کے بالائی حصے پانی میں آجاتے ہیں۔ اور پانی کے بعض قطرے مونچھوں پر چپکنے لگے ہیں۔ ایسی صورت میں انہوں نے جگ (واٹرکانت) سے منہ لگا کر پانی پیا۔ تو باقی ماندہ پانی کو دوسرا شخص بطور تبرک استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس پانی سے وضو کرسکتا ہے یانہیں؟

۸۶/۹۲ الجواب هوالهادی الی الصواب

شرع شریف میں مونچھوں کو گھٹانے اور ڈاڑھی کو بڑھانے کا حکم صریح ہے "اَعْفُوا اللُّحیٰ وَقُصُّوا الشَّوَارِبَ" مونچھیں بڑھانا ہنود اور نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے جس کی مخالفت اہلِ اسلام کو لازم ہے۔ ارشادِ گرامی ہے خَالِفُوا الْیَهُوْدَ وَالْمُشْرِکِیْن۔ (الحدیث)

فتاویٰ ہندیہ (فصل فیما لا یجوز بہ الوضوء) ص ۲۵/۱ میں ہے

اِذَا اَدخَلَ الصَّبِیُّ یَدَہٗ فِی کُوزِ مَاءٍ اَو رِجلَہٗ فَاِن علم اَنَّ یَدَہٗ طَاھِرَۃٌ بِیَقِین یَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِہٖ وَاِن کَانَ لَا یَعلم اَنَّھَا طَاھِرَۃٌ اَو نَجِسَۃٌ فَالمُستَحَبُّ اَن یَتَوَضَّاءَ بِغَیرِہٖ وَمَعَ ھٰذَا لَو تَوَضَّاءَ اَجزَاہُ کَذَا فِی المُحِیط۔	اگر بچہ نے اپنے ہاتھ یا پاؤں کو کوزہ میں ڈالا تو اگر یہ یقین سے معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ پاک ہے تو اس پانی سے وضو جائز ہے۔ اور اگر یقین سے نہیں معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ پاک تھا یا ناپاک تو مستحب یہ ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کیا جائے اور اگر دوسرا پانی ہونے کے باوجود کسی نے اسی پانی سے وضو کرلیا تو جائز ہے۔ کذا فی المحیط۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ دارالافتاء مدینۃ الاسلام ہالینڈ

کھلیان کے اناج پر جانوروں کا پیشاب کردینا

مسئلہ ۸۳۴: مولانا محمد الیاس انجم علیم آباد اہیاری بہار (انڈیا) ۵-۱۱-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس مشینی دور میں بھی دیہاتوں کے اندر دھان یا ربیع وغیرہ کے دانوں کو ان کے پودوں سے چھڑانے (مالش یا دونی کرنے) کے لئے بیلوں یا سانڈھوں کا استعمال ہوتا ہے۔ اور مالش کے درمیان وہ جانور اناج ہی پر عموماً پیشاب، پاخانہ کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ اناج ایک دوسرے سے ملوث ہوتے رہتے ہیں۔ گویا پورے کا پورا اناج مشکوک بالنجاسۃ ہوجاتا ہے

لیکن جب مالش ختم ہوجاتی ہے تو کاشتکار اپنے اس مالش شدہ اناج میں سے دو چار کیلو (بنام رسولی یا صدقہ یا فقیرانہ) نکال کر علیحدہ رکھ دیتے ہیں کبھی وہ اناج تکیہ دار شاہ صاحبان کو دے دیا جاتا ہے اور کبھی فقیر، مسکین یا کسی مسجد و مدرسہ کو دے دیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ بنام رسولی اناج نہ تو عشر ہوتا ہے نہ ہی صدقۂ واجبہ۔ سوال یہ ہے کہ اس اناج کے نکال دینے سے بقیہ اناج جس پر جانوروں نے پیشاب اور لید کیا وہ شرعاً پاک اور لائق اکل ہوجاتا ہے؟ یا اس کے پاک

کرنے کا کوئی اور طریقہ ہے؟ کیا وہ اناج امام مسجد یا مدرسین مدرسہ کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ محمد الیاس انجم علیم آباد اہیاری ضلع دربھنگہ، بہار، انڈیا

۸۶/۹۲ الجواب بعون الملک الوھاب ھو الھادی الی الصواب

مسئلہ مذکورہ غالباً منصوص نہیں بلکہ قیاسی ہے اور مقیس علیہ وہ جزیہ ہے جس کی وضاحت محرر مذہب مہذب حضرت سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیر کبیر میں فرمائی، کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا جس میں یقینی طور پر ایک ذمی ہے جسے پہچانتے نہیں۔ اس کے علاوہ اس قلعہ میں تمام کفار حربی ہیں، شرعًا ان کفار کا قتل حرام ہے (اگرچہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کرتے ہوئے قلعہ بند ہو چکے ہوں) کہ مبادا اسی ذمی کا قتل نہ ہو جائے۔ ہاں اگر اس قلعہ میں سے بعض نکل بھاگیں یا کسی وجہ سے قتل کر دیئے جائیں تو اب باقی کا قتل کرنا جائز ہو جائے گا کیونکہ خروج یا قتل نے ذمی کی موجودگی میں شک پیدا کر دیا۔ اور یقین مجہول شک سے زائل ہو گیا۔ غنیۃ المستملی ص۲۴ میں ہے۔

إِذَا افْتَتَحْنَا حِصْنًا وَفِيهِمْ ذِمِّيٌّ لَا يُعْرَفُ لَا يَجُوزُ قَتْلُهُمْ لِقِيَامِ الْمَانِعِ بِيَقِيْنٍ فَلَوْ قُتِلَ الْبَعْضُ أَوْ أُخْرِجَ حَلَّ قَتْلُ الْبَاقِي لِلشَّكِّ فِي قِيَامِ الْمُحَرَّمِ۔	اگر ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں ایک ذمی ہے مگر معلوم نہیں وہ کون ہے، تو اس قلعہ میں رہنے والوں کو قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ مانع یقین موجود ہے۔ اور اُن میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا یا اس سے نکال دیا گیا تو باقی کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ محرم (ذمی) کی موجودگی میں شک ہے۔

٭ ٭ ٭

اسی بیانۂ قیاس پر سیر کبیر کے شارح حضرت علامہ اسبیجابی علیہ الرحمۃ نے کئی مسائل محدثہ کو قیاس کیا اور اس قیاس کو اپنے شیخ تاج الملۃ والدین امام احمد بن عبد العزیز کی طرف مرفوع کیا.... پس صورتِ مسئولہ میں جبکہ بیل وغیرہ کے پیشاب نے اناج کے ایک حصہ کو یقیناً ناپاک کر دیا مگر بعد میں متعین نہیں رہا کہ کون سا حصہ ناپاک ہے۔ پھر اسی اناج میں سے کچھ اناج ہبہ یا صدقہ کر دیا (خواہ کسی نام ہو)

تو وہ سارا اناج پاک ہوگیا، کیونکہ نجس اناج کی موجودگی میں شک واقع ہوگیا۔ اور اناج میں طہارت اصل ہے جو شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے "اَلْیَقِیْنُ لَایَزُوْلُ بِالشَّكِّ" اور یہ اصولِ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے۔ لہٰذا وہ اناج پاک بھی ہے اور لائقِ اکل بھی۔ جب وہ نکالا ہوا اناج عشر یا صدقۂ واجبہ نہیں تو بدل کے طور پر یا بصورت ہبہ امام و مدرس سب کو دے سکتے ہیں نہ انہیں دینے میں کوئی حرج شرعی ہے۔ نہ لینے میں کوئی قباحت۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ
نوری دار الافتاء، آمسٹرڈم۔ ہالینڈ۔

ماءِ مستعمل کا استعمال

مسئلہ ۸۳۵:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی معظم دینی مثلاً پیر و مرشد، استاذ دینی اور عالم دین کے غسل یا وضو میں استعمال کیا ہوا پانی جسے ماءِ مستعمل کہتے ہیں، مریدوں، شاگردوں یا معتقدوں کے لئے پینا اور اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں، دلیل میں صلح حدیبیہ کے موقع سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ماءِ مستعمل استعمال کرنا پیش کیا جاتا ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بعض عورتیں انتہاءِ عقیدت کی وجہ سے اپنے پیر یا عالم دین کے پاؤں کو دھوکر اس پانی سے آٹا گوندھتی ہیں تاکہ روٹی کھانے والے سارے لوگ اس سے برکت حاصل کرسکیں، یہ درست ہے یا نہیں؟ محمد اسلم لاموسیٰ، گجرات، پاکستان

الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب

حصولِ طہارت اور دفعِ نجاست کے لئے جو پانی استعمال کیا گیا یا حالتِ حدث میں جو پانی بدن کے کسی حصہ سے گزر گیا وہ ماءِ مستعمل ہے اس کے متعلق علماء احناف کے تین قول ہیں ۱۔ وہ نجاستِ غلیظہ ہے۔ ۲۔ وہ نجاستِ خفیفہ ہے۔ ۳۔ وہ طاہر

غیر مطہر ہے۔ یعنی وہ خود پاک ہے کہ بدن یا کپڑے کے جس حصہ پر پڑ جائے گا ناپاک نہیں کرے گا مگر خود وہ پانی وضو یا غسل کے لائق نہیں اور نہ ہی کسی ناپاکی کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ماءِ مستعمل کو حصولِ برکت کے لئے بھی پینا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ رشیدیہ وھو طاھر ولو من جنب وھو الظاھر ۔ اور وہ "ماءِ مستعمل" پاک ہے اگرچہ جنبی کا ہو اور یہی قول ظاہر ہے۔ لکن یکرہ شربہ والعجن بہ اھ ۔ لیکن اس کا پینا یا اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تحریمی ہے۔

درمختار کی اس عبارت پر علامہ ابن عابدین شامی نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا۔

واقرّہ النّھر بحمل الکراھۃ علی التحریمیّۃ لان المطلق منھا ینصرف الیھا ..... اور صاحب نہر نے اس کراہت کو کراہتِ تحریمی پر محمول فرمایا ہے۔ اسلئے کہ جب لفظ کراہت مطلق ذکر کیا جائے تو وہ کراہتِ تحریمی کی طرف لوٹتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور پر نور سید کائنات علیہ ازکی التسلیمات کے ماءِ مستعمل اور کلی شریف وغیرہ کا استعمال کیا جانا اور اس کے ایک ایک قطرہ کے حصول کے لئے صحابۂ عظام کا آپس میں لڑ جانا یہ ان تخصیصی واقعات میں سے ہے جو صرف حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات بابرکات کے ساتھ خاص ہے جیسے بعض مواقع پر آپ کے پیشاب مبارک یا جسم مبارک سے نکلے ہوئے بہتے ہوئے خون کا پیا جانا۔ اب ان واقعات کو کوئی کسی اور کے پیشاب یا بہتے ہوئے خون کی حلت کے لئے پیش نہیں کر سکتا ہے کیونکہ یہ سب خصائص کبریٰ سے متعلق ہیں۔ پس ماءِ مستعمل کو واقعۂ حدیبیہ پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ جو لوگ ایسی جرأت کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔

ماءِ مستعمل سے آٹا گوندھنا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ گزرا۔ ہاں اگر وہ عالم یا پیر محدث یا جنبی نہیں تھا تو اس کے پاؤں پر بہایا گیا پانی مستعمل نہیں ہوا۔ اور جب وہ مستعمل نہیں ہوا تو وہ غلیظہ، خفیفہ یا غیر مطہر بھی نہیں ہے بلکہ طاہر و مطہر ہے اس کو کام میں جہاں استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر نفیس طبیعت پر گراں نہ گزرے تو اس سے

آٹا بھی گوندھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ مجلس علماء ہیدرلینڈ
۲۷ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

بار بار غسل کرنا

مسئلہ ۸۳۶

کیا فرماتے ہیں حضراتِ مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ یورپ میں خواہ سردی کا موسم ہو یا گرمی کا اکثر لوگ دو دو بار تین تین یا کم از کم ایک بار غسل کرتے ہیں، کیا ایسے لوگ عند الشرع پانی کو فضول خرچ کرنے والوں میں شمار ہوں گے یا نہیں؟ اور کیا شریعت کے نزدیک ایسا کرنا جائز و درست ہے؟
محمد طاہر شار دھا لیلی ستاد

الجواب ۹۲۶ ـــــ ھو الہادی الی الصواب ـــــ
صفائی و ستھرائی یا گرمی کی وجہ سے ٹھنڈک حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں۔ اور اگر بدن نجس ہو تب تو طہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ غسل فرض اور سنت تو شریعتِ مطہرہ میں مامور ہے۔ ویسے بھی صفائی و پاکیزگی اسلامی شریعت میں محبوب و مطلوب ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَان" پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ ہاں یونہی جی بہلانے اور بے ضرورتِ شرعی وطبعی بار بار غسل کرنا کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے کہ تضیعِ اوقات کے علاوہ پانی کا اسراف (فضول خرچی) بھی ہے۔ حدیث پاک میں اس سے نہی وارد ہے۔ "لَا تُسْرِفُوْا فِي الْمَاءِ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى شَطِّ نَهْرٍ جَارٍ" کہ پانی میں اسراف مت کرو اگرچہ تم جاری نہر کے کنارے بیٹھ کر پانی کو استعمال کر رہے ہو۔
یہ ٹھیک ہے کہ یورپ کے غسل خانوں یا باورچی خانوں میں پانی کی کمی نہیں ہوا کرتی ہے لیکن کثرتِ استعمال سے اس کا میٹر تو زیادہ اٹھتا ہے جس کی وجہ سے پیسے زیادہ بھرنے پڑتے ہیں اور یہ مسلمانوں کا مالی خسارہ ہوا۔ پس پانی کے استعمال میں بھی احتیاط ہی شرع کو محبوب ہے۔ ضرورت محسوس ہو تو روزانہ بھی نہا سکتے ہیں اور بے ضرورت

صرف انہی غسلوں پر اکتفا کیا جائے جو شرع میں مامور ہے۔ مثلاً جنابت کا غسل، جمعہ وعیدین کا غسل اور اگر چاہیں تو غسل مستحب کو بھی اس میں شامل کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن ہیڈ رلینڈ

۱۵ ربیع النور ۱۴۲۵ھ

منی کے نکلنے پر غسل واجب کیوں؟

۸۳۷ **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ اگر گلاس دو گلاس پیشاب کیا جائے تو ادائے نماز کے لئے صرف وضو ہی فرض ہے لیکن دو چار قطرے اگر منی کے نکل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے اور منی ہی کی مثل اگر مذی یا ودی خارج ہو تو بجائے غسل کے صرف وضو ہی کیوں ہے؟ امید کہ تشفی بخش جواب دیکر مشکور فرمائیں گے۔ سائل:۔ اسلم گجراتی چودھری مقیم دی ہیگ، ہالینڈ۔

۹۲ الجواب ـــــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــــ

مطلقاً منی کے نکلنے سے آدمی جنبی نہیں ہوتا نہ اس پر غسل واجب ہوتا ہے بلکہ اس کا حکم بھی ودی یا مذی کی طرح ہے۔ یعنی ان سبھوں میں سے کسی ایک کے نکلنے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ ہاں غسل واجب ہونے کے لئے "علیٰ وجہ الدفق و الشہوۃ" منی کا شہوت کے ساتھ اچھل کر نکلنا یا نکلنے کی کوشش کرنا ہے جس سے تمام بدن میں جھرجھری آجائے بخلاف مذی وودی اور پیشاب وغیرہ کے کہ ان کے نکلنے میں نہ تو شہوت کا غلبہ ہوتا ہے نہ ہی وہ اچھل کر نکلتے ہیں اور نہ ہی ان کے نکلنے سے سارا بدن متمتع ہوتا ہے ـــــ جب یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی کہ جس منی کے اخراج سے غسل واجب ہوتا ہے وہ وہ ہے جس سے سارا جسم متمتع اور فیضیاب ہوتا ہے پس اسی نعمت الٰہی کے حصول کے بعد شکریہ کے طور پر پورے جسم کا غسل واجب ہوتا ہے۔

تفسیر روح البیان مصری جلد دوئم میں ہے۔

واجب غسل جمیع البدن منی کے نکلنے سے پورے جسم کا دھونا بالضرورت

بخروج المنی ولم یجب بخروج البول والغائط وانّما وجب غسل الاعضاء المخصوصة لاغیر بوجوہ۔ احدھا انّ قضاء الشھوة بانزال المنی استمتاع بنعمة یظھر اثرھا فی جمیع البدن وھو اللذة فامر بغسل جمیع البدن شکرًا لھٰذہ النعمة وھٰذا لا یتقرر فی البول و الغائط الخ.....

واجب ہو جاتا ہے جبکہ پیشاب اور پاخانہ کے ہونے پر پورے جسم کا غسل واجب نہیں بلکہ صرف بعض خاص اعضا کا ہی دھونا (وضو کرنا) ضروری ہوتا ہے۔ اسکی چند وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ منی کے نکلنے میں تکمیلِ شہوت اور حصولِ لذت ہے اور یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کا اثر پورے جسم کو متأثر بلکہ متمتع کرتی ہے جس سے جسم لذت یاب ہوتا ہے۔ اسی سبب شریعتِ اسلامیہ نے پورے جسم کو دھونے کا حکم دیا تاکہ اس نعمتِ الٰہی کا شکریہ ادا ہو۔ بخلاف اس کے پیشاب پاخانہ سے یہ لذّت واستمتاع حاصل نہیں ہوتی۔

(وایضًا فی البدائع الصنائع جلد اول) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۸رشعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

حدث اصغر سے غسل واجب کیوں نہیں؟

مسئلہ ۸۳۸:- حضرت مفتی صاحب قبلہ! السلام علیکم۔ ایک ضروری سوال یہ ہے کہ پاخانہ جو غلاظت ونفرت میں منی سے زیادہ غلیظ اور قابلِ نفرت ہے۔ اس کے نکلنے پر غسل واجب نہیں اور منی اگر شہوت کے ساتھ نکل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سوال تو غالبًا مہمل ہے مگر بجائے غصہ ہونے کے جواب باصواب سے نوازنے کی زحمت فرمائیں۔

میں آپ کا دیرینہ خادم۔ محسن صدیق ہوں آجکل کردوبہ (قرطبہ) اسپین میں مقیم ہوں۔ والسلام

الجواب ــــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــــ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیشاب، پاخانہ اور منی تینوں نجاستِ غلیظہ ہیں مگر پیشاب پاخانہ کے وقوع سے حدثِ اصغر (وضو ٹوٹنا) لاحق ہوتا ہے اور شہوت کے ساتھ منی کے اخراج سے جنابت (غسل کا لازم ہونا) لاحق ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدثِ اصغر کا وقوع بکثرت اور عام ہے اگر حدثِ اصغر کے وقوع پر غسل لازم قرار دیا جائے تو یہ آسانی و نرمی (الدین یسر وسھل) کے خلاف ہوگا۔ اور جنابت تو کبھی کبھی لاحق ہوتی ہے۔ اس پر غسل کا وجوب بندگانِ الٰہی پر گراں نہیں گزرے گا۔ بلکہ اخراجِ منی کے بعد جو اعصاب میں افسردگی اور طبیعت میں درماندگی قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج غسلِ بدن سے بہتر اور کچھ نہیں ہے۔ اسلئے شریعتِ مطہرہ نے اخراجِ منی کے بعد غسل کا حکم دیا ہے ۔۔۔۔ اور پھر اسلئے بھی کہ قرآن پاک میں احکام جنب سے متعلق مبالغہ کا صیغہ آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ہ جنابت کے بعد حکمِ طہارت میں بعض اعضاء کو خاص نہیں فرمایا گیا جیسا کہ وضو میں بعض اعضاء کو خاص کیا گیا ہے۔ اس سے روشن ہوا کہ پورے بدن کی طہارت شریعتِ مطہرہ کو مطلوب ہے جس کو غسل کہا جاتا ہے۔　　واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن۔ نیدرلینڈ

۸ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

مصنوعی دانت کے ساتھ غسل

مسئلہ ۸۳۹: کیا فرماتے ہیں علماء حقانی ومفتیانِ ربانی اس مسئلہ کے درمیان کہ آجکل یورپ وامریکہ میں لوگ بطور ضرورت یا بطور فیشن مصنوعی دانت لگانے لگے ہیں، جو قدرتی دانتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف وشفاف ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وضو یا غسل کے وقت ان دانتوں کو نکالنا ضروری ہے یا نہیں؟

دل روشن۔ آمسٹرڈم ہالینڈ۔

الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

ضرورتاً مصنوعی دانتوں کے لگانے اور اس کے استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج و قباحت نہیں ہے۔ وضو تو بہرحال ہو جائے گا کہ وضو میں کلی سنت ہے۔ اگر منہ میں پانی نہ بھی پہنچے تو کراہتاً ہی سہی وضو ہو جائے گا۔ البتہ غسل فرض میں کلی کرنی فرض ہے۔ اور کلی کا مطلب ہے منہ کے تمام اندرونی پرزوں، حلقوں میں پانی کا اچھی طرح بہ جانا۔ اگر وہ مصنوعی دانت اس طرح موزوں کئے گئے ہیں کہ وقتِ ضرورت نکال سکتے ہیں یا تھوڑی مشقت کے بعد نکل جاتے ہیں تب تو غسلِ فرض کے وقت ان کو نکالنا ضروری ہے۔ اور پانی کو کھلے ہوئے مسوڑھوں میں پہنچانا ضروری ہے۔ اور اگر مصنوعی دانت اس طرح فٹ کئے گئے ہیں کہ نکل نہیں سکتے یا نکالنا بہت دشوار ہے تو غسل ہو جائے گا اُسے نکالنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے "الضرورۃ تبیح المحظوراۃ"

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن۔ نیدرلینڈ

۷/ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

کافر کا جوٹھا

مسئلہ ۸۴۰:۔ اس مسئلہ میں ــــ حضرت مفتی صاحب قبلہ کا کیا ارشاد گرامی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امتیوں کے لئے ناپاک چیزوں کو حرام اور پاک چیزوں کو حلال فرماتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے وَيُحِلُّ عَلَيْهِمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ اب یہ بتایا جائے کہ کافر و مشرک کا جوٹھا مذہب حنفی میں پاک ہے یا ناپاک؟ اگر پاک ہے تو اس کا جوٹھا کھانا حلال و درست ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب سے نواز کر احسان فرمائیں گے۔ المستفتی۔ عبدل، راؤل حنیف شیخ۔ ہالینڈ

الجواب ـــــــ وھوالھادی الی الصواب ـــــــ

قرآنِ عظیم کے آیات و جمل کو نہایت احتیاط کے ساتھ صحیح صحیح لکھنا ضروری ہے

کہ مبادا تحریفِ قرآنی کا بھیانک الزام نہ آجائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اصل میں وہ جملہ مبارکہ جو سوالنامہ میں ہے یوں ہے "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ الاعراف (۱۵۷)

صورتِ مسئولہ میں یہ کہنا تو صحیح ہے کہ حلال وحرام کا اختیار اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو تفویض فرمایا ہے کہ وہ پاکیزہ اشیاء کو حلال اور ناپسندیدہ اشیاء کو اہلِ ایمان کے لئے حرام فرماتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن پاک چیزوں کو حلال نہیں فرمایا وہ بھی اہلِ ایمان کے لئے حلال ولائق اکل ہوجائے۔ مثلاً حلال پرندوں کی بیٹ عند الشرع پاک ہے مگر اس کا کھانا حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔ زمین سے نکلنے والی بیشتر اشیاء، مثلاً مٹی، پتھر، معدنیات وغیرہا کہ یہ سب پاک ہیں بلکہ پاک کرنے والے ہیں لیکن ان سب کا کھانا حلال وجائز نہیں۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے (سُؤْرُ الْآدَمِیِّ طَاهِرٌ) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سب کے جوٹھوں کا کھانا پسندیدہ اور لقمۂ تر بھی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کا جوٹھا کپڑے یا بدن پر لگ جائے اور اس کو صاف کئے بغیر کوئی نمازی نماز پڑھ لے تو اس نماز کو دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ قاعدہ کلیہ ہماری شریعت نے وضع نہیں فرمایا ہے کہ "کسی چیز کا پاک ہونا اسکے حلال ولائقِ اکل ہونے کو مستلزم ہے" یہ تو صرف اپنا وہم وخیال ہے جو باطل ہے.... کافر ومشرک بھی کہلانے کو آدمی ہیں اور ان کا جوٹھا مذکورہ معنیٰ میں پاک ہے (بشرطیکہ ان کے ہونٹوں پر شراب کا اثر نہ ہو نہ اُن کی مونچھیں اتنی لمبی ہوں جن پر شراب کا اثر رہ جاتا ہے) ان کا جوٹھا کپڑے یا بدن میں لگ جانے سے کپڑا یا بدن نجس نہیں ہوگا یہی حکم ان کے پسینے کا بھی ہے۔ باقی رہا اس کے جوٹھے کو لقمۂ تر سمجھنا تو یہ اس کام ودہن کے لئے مناسب وپسندیدہ نہیں جسے نغماتِ لاہوتی وسرمدی بوسے دے رہے ہوں اور عام مسلمانوں کے لئے بھی اس سے احتراز ہی مناسب ہے۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

معذور کے لئے شرعی سہولتیں

۸۴۱
مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلاً زید کو گیسٹیک کی بیماری ہے ایک عرصہ سے اس کا علاج کرا رہا ہے مگر کامل طور پر افاقہ نہیں ہوتا ہے۔ زید کی کیفیت یہ ہے کہ ہر چند منٹ پر ریاح (ہوا) خارج ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اتنا موقع اسے نہیں ملتا کہ وہ دو چار رکعت نماز بغیر ریاح خارج کئے ہوئے پڑھ لے۔ ایسی صورت میں زید کے نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور اس کے لئے شریعت میں کیا سہولت ہے؟ بینوا وتوجروا

سائل: اصغر علی ویلفریت عبدل عرف انبالر، آمسٹرڈم، ہالینڈ

۸۶/۹۲
الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصوا ـــــــ

ایسا شخص جس کا وضو بار بار ٹوٹ جاتا ہے خواہ ریاح کے نکلنے سے خواہ پیشاب کے قطرے آنے سے خواہ کسی زخم سے خون وغیرہ بہنے سے یا بار بار بھر منہ قے ہونے وغیرہ سے تو وہ عند الشرع معذور ہے۔ اس کو آپ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد اگر اس شخص کو اتنی مہلت نہیں ملتی ہے کہ وہ کامل وضو کرنے کے بعد اس وقت کی فرض نماز بغیر عذر کے لاحق ہوئے ادا کرے تو وہ شخص معذور ہے اور شریعت میں معذور کے لئے جو سہولتیں ہیں ان کا وہ مستحق ہے

یعنی اب جبکہ اس کا عذر ثابت ہوگیا تو وہ اس وقت تک معذور رہے گا جب تک نماز کا ایک وقت کامل عذر کے لاحق ہوئے بغیر نہ گزر جائے۔

معذور کے لئے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ ہر نماز کے پورے وقت کے لئے اس کا ایک ہی وضو کافی ہے۔ کہ پورے وقت میں اگر وہی عذر جس کے سبب وہ معذور قرار دیا گیا ہے سیکڑوں بار لاحق ہو جائے جب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ہاں اگر دوسرا ناقضِ وضو لاحق ہو جائے تو البتہ وضو جاتا رہے گا۔ مثلاً ایک شخص کثرتِ ریاح کی وجہ سے شرعاً معذور ہو گیا۔ پھر اس نے وقتِ نماز داخل ہونے پر وضو کر لیا۔ اور وقت نماز کے خارج

ہونے سے پہلے اگر اسے ایک قطرہ بھی پیشاب کا آگیا یا جسم کے کسی حصہ سے خون نکل کر بہہ گیا تو اس کا وضو جاتا رہا۔ صرف سببِ عذر وقت کے اندر اس کے وضو کو نہیں توڑے گا بقیہ جو بھی نواقضِ وضو ہیں سب سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ معذور ایک وضو سے جس قدر نوافل وسنن اور فرض نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے، قرآن عظیم چھو سکتا ہے، مسجدوں سے گزر سکتا ہے۔ جب نماز کا وقت نکلے گا تو معذور کا وضو بھی نکل جائے گا۔ دوسرے وقتِ نماز کے داخل ہونے پر اُسے دوسرا وضو کرنا پڑے گا۔ ھٰذہ المسئلۃ کلھا فی کتب الفقہ متوناً وشروحاً وحاشیۃً۔ واللّٰہ تبارک وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ

۳۔ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

مستحاضہ کی نماز

مسئلہ ۸۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو ہر ماہ مثلاً پانچ دنوں تک حیض آنے کی عادت ہے مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پانچ دنوں کی مدت گزر جانے کے بعد بھی چار پانچ دنوں تک تھوڑا تھوڑا خون آتا رہتا ہے۔ کیا ان دنوں میں بھی اس کی نمازیں معاف ہیں اور روزوں کی قضا کر سکتی ہے۔ اگر نمازیں معاف نہیں ہیں تو وہ نمازیں کس طرح پڑھی گی یعنی ہر نماز کے لئے غسل کرے گی یا غسل کا مسح؟ یا صرف وضو کے ساتھ نمازیں ادا کرلے گی؟ بیّنوا وتوجّروا

نوٹ:۔ استحاضہ کی حالت میں وہ ہمبستری کرسکتی ہے یا نہیں؟

فیصل حسین علی آپل دورن وست۔ ہالینڈ

۹۲ الجواب ــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــ

تمام عورتوں کے لئے حیض کے ایام برابر نہیں ہیں مگر کسی بھی عورت کو تین شب روز سے کم اور دس شب و روز سے زیادہ حیض نہیں آتا۔ اب جس کی جتنے دنوں کی عادت ہوگی وہی اس کے لئے وقت معتاد ہے۔ خون تین دنوں سے کم آئے یا وقت معتاد سے زیادہ

آئے دونوں صورتوں میں وہ استحاضہ ہے یعنی حیض کا خون نہیں ہے۔ بلکہ رگوں سے نکلنے والا خون ہے۔ جب ایّامِ مقررہ سے زیادہ خون بندہ کو آتا ہے تو وہ مستحاضہ ہے۔ مستحاضہ پر واجب ہے کہ حیض کے ایّام سے فارغ ہونے کے بعد غسل طہارت (جو فرض ہے) کرلے۔ پھر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے۔ اور ایک وضو ایک وقت کی تمام نمازوں تلاوتوں وغیرہ کے لئے کافی ہے۔ یعنی اس کے لئے وہی شرعی سہولتیں ہیں جو کسی معذور کیلئے ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

جَاءَت فَاطِمَةُ بِنتُ اَبِی حُبَیْش الی النبی صَلّی اللہ عَلیہ وسَلم فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللہِ اِنِّی استحَاضُ فَلَا اَطْهرُ اَفَادَعُ الصَّلٰوۃَ؟ قَالَ لَا۔ اِنَّمَا ذٰلِكَ عِرقٌ ولَیْسَ بِحَیْضٍ فَاِذَا اَقبَلَتْ حَیْضَتُكَ فَدَعی الصَّلٰوۃ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغسِلِی عَنكِ الدَّمَ ثُمَّ تَوَضَّئِی لِكُلِّ صَلٰوۃٍ حَتّٰی یَجِیئَ ذٰلِكَ الوَقْتُ،،

فاطمہ بنت حبیش بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مستحاضہ عورت ہوں پاک نہیں رہتی کیا میں نماز کو چھوڑ دوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں وہ تو رگ سے بہنے والا خون ہے حیض نہیں ہے۔ ہاں جب تم کو حیض آئے تو نماز چھوڑ دو۔ اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون کی نجاست کو دور کرنے کیلئے غسل کرلو۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کرو (اور نماز پڑھ لو) یہاں تک کہ حیض کا دوسرا وقتِ مقررہ آجائے۔

جس طرح کسی معذور کا وضو نماز کا وقت نکلنے سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح استحاضہ والی عورتوں کا وضو ٹوٹ جائے گا لیکن وقت داخل ہونے کے بعد جب اس نے وضو کرلیا تو جب تک وہ وقت باقی ہے اس وضو سے نماز فرض و سنت و نفل جس قدر چاہے پڑھ سکتی ہے، قرآن پاک کی تلاوت کرسکتی ہے اس کو بغیر حائل کے چھو سکتی ہے۔

نوٹ: حالتِ استحاضہ میں جہاں تک ممکن ہوسکے ہم بستری (مجامعت) سے بچنا احسن و اولیٰ ہے مگر کرلیا تو ناجائز و حرام نہیں ہے۔ زمانۂ رسالت علیٰ صاحبہا الصّلٰوۃ والسّلام میں بیویوں سے ان کے شوہر مجامعت فرماتے تھے جو اس کے جواز و حلّت کی دلیل ہے لہٰذا کراہت تنزیہی کے ساتھ اس حالت میں وطی کرنا

جائز ومباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۷ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

نائیلون کے موزوں پر مسح

مسئلہ ۸۴۳:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل بیشتر نیلون یا اونی سوتی موزے استعمال ہوتے ہیں۔ نیلونی موزے اس قدر مضبوط اور دیر پا ہوتے ہیں کہ بغیر جوتے کے اسے تنہا پہن کر میلوں میل پیدل چلا جاسکتا ہے اور وہ پھٹنے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح بعض اونی موزے بھی مضبوط اور ضخیم ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان موزوں پر سردی کے موسم میں مسح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس مسح کی وجہ سے چوبیس گھنٹے تک بغیر پاؤں دھوئے نماز ادا کرنے کی سہولت شرعی طور پر مل سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائل:۔ کبیر الدین بنگالی۔ مقیم حال آمسٹرڈم ویسٹ۔ ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــــ وھو الھادی الی الصواب ــــــــــ

مذہب حنفی کے مطابق جن موزوں پر مسح کرنا جائز و درست ہے وہ وہ موزے ہیں جو چمڑے سے بنے ہوں یا ان کا تلا چمڑے کا ہو۔ یا پھر ایسی دبیز (مثلاً کیرمیچ) چیز سے بنا ہو کہ اس پر مسح کرتے وقت پانی کی تری (نمی) قدم کی جلد تک نہ پہنچے۔

سائل نے جن موزوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی موزہ ایسا نہیں جن پر مسح کرنا شرعاً درست ہو۔

حضرت شیخ الاسلام برہان الملۃ والدین ابوالحسن علی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور آفاق تصنیف "ہدایہ اوّل" کتاب الطہارات میں تحریر فرمایا۔

ولا یجوز المسح علی الجوربین امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک غیر جلدی موزوں

عند ابی حنیفۃ الا ان یکون مجلدین او منعلین۔ پر مسح کرنا جائز نہیں ہاں جو موزے چمڑے کے ہوں یا انکا تلوا چمڑے کا ہو تو مسح جائز ہے۔

موزوں پر مسح صحیح ہونے کے لئے ایک اور بھی شرط ہے اور وہ یہ کہ موزے ایسے ہوں جو پنڈلی تک ہوں۔ خود بخود نیچے نہ آجائیں۔

واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۱ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

احکام شرع کا اجمالی بیان

احکام شرع کی قسمیں

مسئلہ ۸۴۴: مولانا سید عبد المنان جامعی روٹرڈم، نیدرلینڈ ۵-۱۲-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ احکامِ شرع کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ان کا علیحدہ علیحدہ حکم کیا ہے؟ امید قوی ہے کہ ہر قسم کو الگ الگ تحریر فرما کر اس کے حکم سے آگاہ فرمانے کی زحمت گوارہ کریں گے۔

الجواب بعون الملك الوهاب هو الهادى الى الصواب ۷۸۶/۹۲

اس باب میں ائمہ کرام مختلف ہیں اور کلام فقہا مضطرب ہے۔ مسلم الثبوت نے مشہور احکام شرع کی تعداد پانچ بتایا۔

واجب[1]۔ مندوب[2]۔ مکروہ[3]۔ حرام[4] اور مباح[5]

مگر یہ تقسیم احکام نہایت اجمالی اور مذہب شوافع کے ممد و معاون ہے کیونکہ ان کے نزدیک فرض و واجب اور سنت و نفل میں فرق نہیں ہے۔

اسی لئے بعض فقہاءِ احناف نے اپنے مذہب مہذب کی رعایت کرتے ہوئے احکامِ شرع کو سات قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ فرض[1]۔ واجب[2]۔ سنت[3]۔ نفل[4]۔ حرام[5] مکروہ[6] اور مباح[7]۔ اور اس کا ذکر بھی مسلم الثبوت میں موجود ہے۔

پھر فقہا متاخرین میں اہلِ تحقیق و تخریج حضرات (مثلاً صاحب درمختار، ردالمحتار، بحر الرائق اور منحۃ الخالق وغیرہم) نے احکامِ شرع کو نو قسموں پر تقسیم کیا اور ہر ایک کا حکم واضح کیا۔

لیکن سب سے عمدہ تحقیق انیق اور تصحیح و تطبیق امام اہلِ سنت مجدد دین و

ملت، صاحب حجۃ قاہرہ مؤید ملت طاہرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ رحمۃ الغنی کی ہے۔ انہوں نے اپنے فتاویٰ مبارکہ جلد اوّل میں احکام شرع کی ایسی تقسیم فرمائی جو تمام خلل واضطراب سے پاک اور اس باب میں گویا ایسا عطر مجموعہ ہے جو فقہاء احناف کے تمام نصوص وتصریحات پر مشتمل ہے۔ اور وہ یہ ہے

فرض[۱] ، واجب[۲] ، سنّت[۳] مؤکدہ ، سنّت[۴] غیر مؤکدہ، مستحب[۵]، حرام[۶]، مکروہ تحریمی[۷]
اساءت[۸] ، مکروہ تنزیہی[۹]۔ خلاف[۱۰] اولیٰ اور مباح[۱۱]۔

تقسیم بالا پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوا کہ جانب فعل (امر) میں احکام کی پانچ قسمیں ہیں جس کے بالمقابل جانبِ ترک (نہی) میں بھی پانچ قسمیں ہیں۔ اور ہر ایک قسم قسمِ اوّل کے بالمقابل اور نظیر ہے۔ اور گیارہویں قسم مباح خالص کی ہے۔ یعنی کل احکامِ شرع گیارہ[۱۱] ہیں جنکی اجمالی تعریف وحکم یہ ہے۔

(۱) **فرض**۔ وہ حکم شرع ہے جو بہ نص قطعی جزمًا ثابت ہو اور جس کو ادا کئے بغیر مسلمان بری الذمہ نہ ہو۔ اگر اس کا حکم کسی عمل میں ہے تو اسکے بغیر وہ عمل کالعدم اور باطل قرار پائے گا اس کا تارک خواہ عادتًا ہو نادرًا مستحق عذاب نار ہے۔ پھر اگر فرض فرض اعتقادی ہو تو اس کا منکر ائمہ حنفیہ کے نزدیک مطلقًا کافر ہے۔ اور اگر اس کی فرضیت عام وخاص پر روشن ہو تو ایسی فرضیت کا منکر اجماعًا قطعًا کافر ہے۔

(۲) **واجب**۔ وہ حکم شرع ہے جو دلائلِ شرع سے بطورِ ظنیت ثابت ہو۔ اگر وہ واجب اعتقادی ہے تو اس کا منکر فاسق وگمراہ ہے۔ اور اگر وہ واجب عملی ہے تو اس کی ادائیگی عمل میں ضرور ہے بغیر اس کے عمل ناقص اور واجب الادا رہے گا۔ عادتًا اس کا چھوڑنے والا مستحقِ عذابِ نار اور نادرًا چھوڑنے والا گنہگار ہے۔

(۳) **سنّتِ مؤکدہ**۔ جس کے کرنے کی تاکید سنت سے ثابت ہو یا سیدِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہمیشہ وہ عمل کیا ہو مگر بیانِ جواز کے

لئے کبھی اُسے ترک بھی فرمادیا ہو۔ اس کا چھوڑ دینا وجہ عذاب وعتاب ہے۔
یعنی عادتاً چھوڑنے والا مستحقِ عذاب اور نادراً چھوڑنے والا مستحق عتاب ہے
اور اسی کو اصطلاح میں اسائت بھی کہتے ہیں جو سنّتِ مؤکدہ کے بالمقابل ہے۔

④ **سُنّتِ غیر مؤکدہ:** اسی کو سنّتِ زائدہ بھی کہتے ہیں جس کے بجالانے کی تاکید سنّت سے ثابت نہ ہو خواہ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیشہ اس پر عمل فرمایا ہو یا نہیں۔ اس کو بجالانا ثواب اور چھوڑ دینا اگرچہ عادتاً ہو وجہ عذاب نہیں ہاں موروثِ نفرت وعتاب ہے۔

⑤ **مستحب۔** جس کی بجاآوری عند الشرع محبوب وپسندیدہ ہو اور اس کا ترک کر دینا عذاب وعتاب کا سبب نہ ہو۔ خواہ اس عمل نے سیّدِ کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات کی عملی زندگی میں باریابی حاصل کی ہو یا نہیں کسی عمل کے مستحب ومندوب ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کو ائمہ اسلام یا علماء کرام نے پسند فرمایا ہو اس کا کرنا وجہِ ثواب اور نہ کرنا وجہِ عتاب وسرزنش نہیں۔

نوٹ: یہ پانچوں وہ افعالِ شرعیہ ہیں جن کی بجاآوری شرع کے نزدیک مقصود ومطلوب ومحبوب ہے اور ان کے مقابل پانچ ممنوعاتِ شرعیہ ہیں جن کا ترک عند الشرع مطلوب ومحبوب ہے۔

⑥ **حرام:** یہ فرض کے بالمقابل ہے جس کی ممانعت پر نصِ قطعی ثابت ہو۔ لہٰذا اس سے بچنا ضروری (فرض) ہے۔ اور اس فعل کا مرتکب ہونا خواہ عادتاً ہو یا نادراً استحقاقِ عذاب کو لازم کرتا ہے کیونکہ شرعاً اس کا ارتکاب گناہِ کبیرہ اور فسق ہے۔

⑦ **مکروہِ تحریمی:** وہ ہے جس کی ممانعت دلائلِ شرعیہ سے بطور دلیل ظنی ثابت ہو۔ یہ واجب کے مقابل ہے۔ اس کا فاعل مستحق عذاب اور گنہ گار ہوتا ہے مگر اس کا گناہ حرام سے کم ہے۔ اگر کسی عبادت میں واقع ہو تو عبادت

کو ناقص بنا دیتی ہے لہٰذا اس عبادت کا اعادہ عند الشرع مطلوب ہے۔

(۸) **اساءت:** یہ مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کے درمیان گویا برزخ ہے یعنی تحریمی سے کچھ خفیف اور تنزیہی سے کچھ زیادہ فحش۔ لہٰذا یہ سنت مؤکدہ کے بالمقابل ہے۔ عادتاً اس کے فاعل پر عذاب اور نادراً اس کے فاعل پر عتاب ہے۔

(۹) **مکروہ تنزیہی:** وہ ہے جس کا کرنا شرع شریف کو پسند نہیں۔ لیکن اگر کوئی اس کا مرتکب ہو جائے تو وہ مستحق عذاب نہیں ہوگا۔ ہاں قابلِ سرزنش ہو سکتا ہے۔ یہ سنت غیر مؤکدہ کے مقابل میں ہے۔

(۱۰) **خلاف اولیٰ:** یہ مستحب کے مقابل ہے یعنی نہ کرنا بہتر ہے اور کر لینے پر کوئی عذاب وعتاب یا سرزنش نہیں۔

(۱۱) **مباح:** جس کی حلت وحرمت، وجوب وکراہت وغیرہا پر کوئی دلیل شرع موجود نہ ہو، جس کا کرنا اور نہ کرنا شریعت کے نزدیک برابر ہو۔ لہٰذا اس کے فاعل وتارک پر نہ ثواب مرتب ہوگا اور نہ عذاب وعتاب۔

بجملہ آخری امر بالمعروف کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ مستحب سے زیادہ اہم سنتِ غیر مؤکدہ ہے، اور سنتِ غیر مؤکدہ سے زیادہ اہم واکد سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور سنتِ مؤکدہ سے زیادہ ضروری واجب، اور واجب سے بہت زیادہ ضروری فرض ہے۔ اسی طرح نہی عن المنکر کی جانب بھی کہہ سکتے ہیں کہ خلافِ اولیٰ سے بُرا مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی سے زیادہ بُرا اساءت ہے اور اساءت سے بدتر مکروہ تحریمی ہے اور مکروہِ تحریمی سے زیادہ اور بڑا گناہ کا کام حرام ہے۔　والله تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ مسجد نوری آمسٹرڈم ہالینڈ

مفتی کی تعریف

مسئلہ ۸۴۵: مولانا سید عبد الستار جامی روٹرڈم
۲۶-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع ادام اللہ تعالیٰ ظلالہم علینا وعلی جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس مسئلہ میں کہ مفتی کسے کہتے ہیں ؟ اور اس کی علمی لیاقت کیا ہونی چاہئے ؟ آجکل عموماً کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل کو مفتی کا لقب دے دیا جاتا ہے اور عوام لقبی مفتی یا خاندانی مفتی اور اصل مفتی شرع میں فرق نہیں کرپاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے مفتی شرع کی ہتک ہوتی ہے۔ احکام شرع سے متعلق نہایت واضح اور روشن جواب نے سرفرازی عطا فرمایا میں نے اپنے جامعہ کے اساتذۂ کرام کو بھی دکھلایا جس کو پڑھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ کو ڈھیر سی دعائیں دیتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کی پُرخلوص غائبانہ دعاؤں کو قبول فرمائے اور آپ کے علمی وفنی فیضان کو عام سے عام تر کرے۔ آمین۔

طالب دعا۔ عبدالمنان جامعی

۷۸۶/۹۲　الجواب اللّٰھم اھدنا الصواب

اصل میں مجتہدین کرام ہی مفتی ہوتے تھے جن کو فقیہ کہا جاتا تھا اور جس کے اندر اجتہاد کی قوت یا اجتہادی بصیرت کا فقدان ہوتا اسے فقیہہ (مفتی) کہلانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ چنانچہ البحرالرائق جلد اوّل میں ہے۔

فلیسَ الفقیہُ الّا المجتَہِد　　کہ مجتہد ہی اصل میں فقیہہ (مفتی) ہوتا ہے
عندھُم وَاطلاقہ عَلی المُقلدِ　　اور غیر مجتہد (مقلد) پر فقیہہ کا اطلاق اگرچہ وہ
الحَافظ المسائِل مَجازًا　　مسائلِ شرعیہ کا حافظ ہو صرف مجازاً ہے۔

مفتی کے اندر اعلیٰ درجہ کی شرعی علمی لیاقت، حکیمانہ فکر و نظر اور مجتہدانہ بصیرت بایں معنیٰ ضروری ہے کہ وہ مسائلِ محدثہ میں اپنی اجتہادی بصیرت اور قوتِ علمیہ فقہیہ سے کوئی ایسی رائے قائم کرسکے جس کا ثواب خطا پر غالب ہو۔ صرف فقہی جزئیات ومسائل کے حافظ وعالم کو مجازاً تو مفتی کہا جاسکتا ہے لیکن علماء اصولیین کی نظر میں وہ مفتی نہیں ہوگا۔

لیکن آپ نے جس زبون حالی پر افسوس کا اظہار کیا ہے وہ جائے افسوس ہی

نہیں لائق مذمت ہے کہ جن حضرات کو شرعی علم سے کوئی مس نہیں مقصدِ شرع کا ادراک نہیں۔ بلاد و عباد کے احوال سے دور کا واسطہ نہیں انہیں نہ صرف مفتی وفقیہ کہا جاتا ہے بلکہ رئیس الافتاء، فقیہ النفس، مفتیٔ اعظم اور نہ معلوم کیا کیا کہا اور لکھا جاتا ہے۔ الامان والحفیظ۔

اعلیحضرت عظیم البرکۃ علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ مبارکہ میں بار بار اس اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ " تفقہ کا رکن اعظم مقصد شرع کا ادراک اور احوالِ بلاد و عباد پر نظر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نئے مسائل صرف عبادات وعقائد حِلت وحرمت طہارت ونجاست ہی سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ معاملات ومعاشرت، اخلاق و عادت اور اس سے بھی آگے سیاسی تصورات اور حکومتی انتظامات وغیرہا سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ پھر ان میں سے بہت سے معاملات کا حصہ بین الاقوامی قوانین اور اس کے اصولوں سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

اس لئے ایک مفتی ان احوال ومتعلقات سے بے نیاز ہو کر اور کسی گوشۂ تنہائی میں سو کر اپنے فرائض کو پورے طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ لہٰذا مفتی کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ ملکی اور بین الاقوامی قوانین اور اس کی تبدیلیوں پر بھی نگاہ رکھے۔ اور معاملاتی ومعاشرتی تغیرات کا بھی اسے علم ہوتا رہے۔ یعنی احوالِ بلاد وعباد سے وہ باخبر رہے۔

اعلیحضرت امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے مفتی کی ایسی جامع تعریف وتوصیف فرمائی ہے کہ اس کے بعد اس پر کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

" تفسیر وحدیث، اصول وادب، ہیئات وہندسہ، توقیت (بقدر ضرورت) کتب فقہیہ کا کثیر مشغلہ، اشغالِ دنیویہ سے یکگونہ فراغ، قلب اور توجہ الی اللہ، نیت لوجہ اللہ اور ساتھ ہی ساتھ توفیق من اللہ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطاء

واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے جوان شرائط کا جامع ہو اور اس بحرِ ذخار میں شناوری کرسکتا ہو وہ مفتی ہو سکتا ہے"۔ اھ

ان تمام خوبیوں کے علاوہ مفتی ہونے کے لئے اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ وہ کسی کہنہ مشق تجربہ کار مفتی کی خدمت میں رہ کر افتاء کے اسرار و رموز اور زبان و بیان کی نوک و پلک کی درستگی کا فن سیکھے۔ بایں ہمہ وہ اپنے کو مفتی نہیں بلکہ سچے دل سے ناقل سمجھے اور مفتیانِ کرام کا خادم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سے پہلے کا جواب آپ نے ملاحظہ فرمایا پسند آیا جس کے لئے مشکور ہوں۔ باری تعالیٰ آپ کے طفیل مجھے بھی سمجھ بوجھ کی دولتِ عظمیٰ سے نوازے آمین۔ وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیٰ حبیبنا وسیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلّم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ

خادم الافتاء، نوری مسجد آمسٹرڈم، ہالینڈ

نوٹ:۔ اگر مفتی، افتاء، اور فتویٰ وغیرہ سے متعلق آپ مزید معلومات حاصل فرمانا چاہتے ہیں نیز اصولِ افتاء وغیرہ سے پوری پوری واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو فقیر پُر تقصیر کی مختصر تالیف "الاصل الفقہی من افادات الرضوی" یعنی فتویٰ نویسی کے رہنما اصول، کا ضرور مطالعہ کریں۔

عبدالواجد قادری غفرلہ

کتابُ الصّلوٰۃ

(نمازوں کا بیان)

نیدرلینڈ کی بعض راتوں میں عشاء کا وقت نہیں آتا ہے

مسئلہ ۸۴۶ :- ارمان، نیدرلینڈ اسلامک سوسائٹی آمسٹرڈم ۱۹۸۶-۷-۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ وغیرہ چند یورپین ممالک میں تقریباً دو مہینے شفق ابیض کے غائب نہ ہونے کی وجہ سے نماز عشاء کی فرضیت و عدم فرضیت کے متعلق علمائے اہلسنت کے درمیان اختلاف ہوا۔ بعض علماء نے نمازِ عشاء بہ نیتِ قضا پڑھنے کا حکم دیا اور بعض نے شفقِ احمر کے بعد ہی نمازِ عشاء کی فرضیت کا قول کیا۔ آخرالذکر قول کی تحریری تائید یورپ میں مقیم اکثر علماء نے کی۔ بعض علماء نے توجوشِ تائید میں یہاں تک لکھا کہ "فرضیتِ عشاء کا قول (شفقِ ابیض کے غروب سے قبل) مسلکِ حق مذہب اہلسنت کے بالکل مطابق ہے اور اس کی فرضیت کا منکر حد شرع کو توڑنے والا اور منکر نماز ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ اس طرح تائید کرنے سے امام اعظم علیہ الرحمہ اور ان کے ہم مذہب کی عظمت خداداد تو مجروح نہیں ہوتی؟ اور کیا اس طرح تائید کرنے سے مؤیدین پر کوئی شرعی حکم تو نافذ نہیں ہوتا؟

الجواب ۷۸۶/۹۲ **اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصّواب**

واقعی یورپ کے چند ممالک بشمول ہالینڈ کی اڑسٹھ راتوں میں شفقِ ابیض نہیں ہونے پاتا ہے کہ سورج مائل بطلوع ہوجاتا ہے۔ یعنی صبح صادق ہوجاتی

ہے نمازوں کی فرضیت چونکہ وقت کے ساتھ مؤقت ومقید ہے جب وقت ہی نہیں آیا تو فرضیت کا سوال ہی نہیں ہوتا ہے جیسے عصر کے وقت میں مغرب اور مغرب کے وقت میں عشاء کی نماز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وقت نہ آنے کی وجہ سے ابھی وہ فرض نہیں ہوئی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں صاف صریح ارشاد خداوندی ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا ۝

(ایمان والوں پر وقت کے ساتھ نماز فرض ہے) اور یہ بھی مسلم ہے کہ امتِ مسلمہ پر روزانہ (چوبیس گھنٹے میں) پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ لہٰذا مذکورہ راتوں میں عشاء کا وقت مقدر ماننا پڑے گا اور اس کو بہ نیت قضا پڑھنی ہوگی۔ اس کی تقدیر یوں ہے کہ قربِ قیامت میں خروجِ دجّال کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ جس میں نمازوں کے اوقات کو مقدّر ماننے کا حکم حدیث پاک سے منصوص ہے۔ لہٰذا جن علماء کرام نے ان مخصوص راتوں میں عشاء کی نمازیں بہ نیت قضا پڑھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے مذہب حنفی کے مطابق صحیح حکم دیا۔ اور جن علماء نے اس حکم کی تغلیط کی یا اُسے مذہب مہذب حنفی کے یا مذہب اہلسنت کے خلاف کہا۔ یا ایسا حکم دینے والوں کو فرضیت نماز کا منکر (العیاذ باللہ تعالیٰ) کہا۔ دراصل وہی حضرات مذہب حنفیت کی حدوں کو پار کرجانے والے ہیں۔ کیونکہ شفقِ احمر کے غائب ہوتے پر امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہی نہیں۔

"کمافی فتاویٰ قاضی خاں والھندیہ قال ابوحنیفۃ رحمھما اللہ تعالیٰ ھو البیاض الذی یلی الحمرۃ حتّٰی لوصلی العشاء بعد ما غابت الحمرۃ ولم یغب البیاض المعترض الذی یکون بعد الحمرۃ ولا یجوز عندہ۔"

یہ عبارت قاضی خاں کی ہے جو شفق ابیض کی غیوبت سے قبل عشاء کی نماز کے عدم جواز پر صراحتًا دال ہے۔ اور یہ قول امامِ مذہب کا ہے۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں صاف وصریح ارشاد ہے۔

وَمَنْ لَمْ یَجِدْ وَقْتَ الْعِشَاءِ وَالْوِتْرِ بِاَنْ کَانَ فِیْ بَلَدٍ یَطْلُعُ الْفَجْرُ فِیْهِ کَمَا یَغْرُبُ الشَّفَقُ اَوْقَبْلَ اَنْ یَغِیْبَ الشَّفَقُ لَمْ یَجِبَا عَلَیْهِ هٰکَذَا فِی التَّبْیِیْنِ.

جن ملکوں میں شفق ابیض غائب ہوتے ہی یا غائب ہونے سے پہلے ہی صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے ان ملکوں میں نمازِ عشاء اور نمازِ وتر واجب نہیں ہے۔ ایسا ہی تبیین میں بھی ہے۔

بعض حضرات کا یہ دعویٰ کہ امام اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے مذکورہ قول سے رجوع فرمایا ہے مگر عند التحقیق آپ کا رجوع فرمانا صحیح نہیں ہے۔ کمافی فتح القدیر۔ درایں صورتِ حال مؤیدین حضرات کا ان جملہائے مذکورہ تائید کرنا جراءۃ علی الشریعۃ یا ناواقفیت پر دال ہے، انہیں اپنے تائیدی جملوں کے نازیبا کلمات سے رجوع کرتے ہوئے ان علمائے کرام سے معافی طلب کرنی چاہئے جنہوں نے صحیح مسئلہ کی وضاحت واشاعت کی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

نوٹ:۔ ممالک مذکورہ میں جب عند الامام عشاء، وتر کا وقت چند راتوں میں آتا ہی نہیں تو بجائے دوسرے ائمہ مذاہب کی تقلید کے حضرات صاحبین علیہما الرحمہ کے قول (شفقِ احمر کی غیوبت کے بعد) عشاء کا وقت مقدر مانا جائے اور اسی کے مطابق ان ممالک کا ٹائم ٹیبل (اوقات الصلوٰۃ) تیار کیا جائے۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری دار الافتاء، آمسٹرڈم ہالینڈ
یکم شوال ۱۴۰۶ھ

سوال ۸۴۶ کی تائید وتوثیق نائب مفتی اعظم تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب عرف ازہری میاں خلفِ اسعد اعلم حضور سیدی مفسر اعظم ہند ونبیرۂ امجد سیدی اعلیحضرت عظیم البرکت نے فرمائی۔ لیکن جب سوالِ مذکور بالا پر حضرت والا مدظلہ العالی سے جواب طلب کیا گیا تو مندرجہ ذیل جواب عنایت فرمایا جو نہایت معلوماتی اور مفید ہے لہٰذا اہلِ علم کے استفادہ کے لئے فتاویٰ یورپ میں شامل

کیا جا رہا ہے۔ (مُرتّب)

۷۸۶/۹۲ **الجواب**:۔ فی الواقع ہمارے امام اعظم ہمام اقدم سراج الائمۃ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب مہذب یہ ہے کہ عشاء کا وقت شفقِ ابیض کے غروب کے بعد شروع ہوتا ہے، اور یہی مذہب اجلہ صحابہ کرام مثل صدیق و ابو ہریرہ و عائشہ صدیقہ اور تابعی جلیل عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ بلکہ غالباً عامۃ الصحابہ کا یہی مذہب ہے اور شفقِ احمر کی روایت کو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا اور اس قول سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رجوع ثابت نہیں۔ اور قول امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی احوط ہے تو وہی من حیث الدلیل اقویٰ ہے جس سے بلا ضرورت عدول جائز نہیں۔ ردّ المحتار میں فرمایا۔

قوله (واليه رجع الامام) اى الى قولهما الذى هو رواية عنه ايضا وصرّح فى المجمع بان عليه الفتوىٰ وردّه المحقق فى الفتح بانه لايساعده رواية اودراية الخ وقال تلميذه العلّامه قاسم فى تصحيح القدورى ان رجوعه لم يثبت لما نقله كافة من لدن الائمّة الثلاثة الى اليوم من حكاية القولين ودعوى عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول. قال فى الاختيار الشفقُ البياض هو مذهب الصدّيق ومعاذ بن جبل وعائشة رضى الله تعالىٰ عنهم قلت رواه عبد الرزّاق عن ابى هريرة وعن عمر بن عبد العزيز ولم يرو البيهقى الشفق الاحمر الّا عن ابن عمر وتمامه واذا تعارضت الاخبار والآثار فلا يخرج

وقت المغرب بالشك كما فی الهدایه وغیرها
قال العلامة قاسم فثبت ان قول الامام هو
الاصح ومشی علیه فی البحر مؤیدًا له بما قدمناه
عنه من انه لا یعدل عن قول الامام الا لضرورة
من ضعف دلیل او تعامل بخلافه کالمزارعة
وفی السراج قولهما اوسع وقوله احوط ۔۔ ملخصًا ۔

اور جب قول امام سے بے ضرورت عدول جائز نہیں اور ضرورت مفقود ۔
اور یہ عذر کہ نماز کو قضا ہونے سے بچانا ہے ۔ ضرورتِ شرعیہ نہیں جس کے سبب
امام اعظم کے مذہب مہذب سے عدول جائز ہو ۔ حالانکہ وہی مِنْ حَیْثُ الدَّلِیل
اقویٰ ہے اس لئے کہ وہی احوط ہے ۔ جیسا کہ ابھی تصریح ردّ المحتار سے گزری اور
اس سے عدول میں مقتضائے احتیاط کا خلاف لازم آتا ہے ۔ اور وقت سے پہلے
نماز عشاء پڑھ لینے کا شبہۂ قویہ موجود ہے جس سے بچنے کی ضرورت ہے ۔ تو ثابت
ہوا کہ ضرورت بھی امام اعظم کے قول پر عمل کی طرف داعی ہے ۔ اور اس کے خلاف فتویٰ
محل نظر ہے ۔ اور اس کی تائید وہ بھی اس طور پر کہ یہ قول مسلکِ حقہ اہلسنت کے
بالکل مطابق ہے ۔ مبالغہ سے خالی نہیں ۔ اور دوسرے قول کی نسبت یہ تعریض بھی
اس سے ظاہر ہے کہ وہ معاذ اللہ مسلک اہلسنّت کے مطابق نہیں ۔ حالانکہ وہ قول
قولِ امام ہے ۔ اور اس قولِ مخالف پر فرضیتِ عشاء ایسی قطعی ماننا کہ قولِ مؤید
" اس کی فرضیت کا منکر حدِ شرع کو توڑنے والا اور منکر نماز ہے ،، بہت سخت ہے
کہ خلافیت میں نوبت بتکفیر مسلم پہنچاتا ہے ۔ اور تکفیر مسلم کا ہرگز یہاں کوئی محل
نہیں ۔ نہ اس کا یہاں ادنیٰ شبہہ موجود ۔ تو یہ سخت جرأت ہے اور ضرور امام اعظم علیہ الرحمۃ
والرضوان پر جسارت و بے باکی پہنچی ۔ علماء کرام تو یہ احتیاط فرمائیں کہ قائل کے کلام
جس کے ظاہری معنی کفری ہوں مگر اس میں کوئی پہلو وہ بھی ہو جو کفری نہ ہو تو وہ اس
کے کفر کا فتویٰ نہ دیں بلکہ منع فرمائیں ۔ درمختار میں ہے ۔

اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر وواحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ" ردّ المحتار میں ہے" لا یکفی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ خلاف و لو روایۃ ضعیفۃ اھ

اور جوش تائید میں مؤید صاحب کا یہ حال کہ ایک مسئلۂ خلافیہ میں جس میں کفر کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں، تکفیر مسلم پر جرأت فرمائیں اور امام اعظم کا بھی خیال نہ فرمائیں واللہ تعالیٰ ھو الھادی وھو تعالیٰ اعلم مؤید پر اس سے توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ۔ فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری قادری غفرلہ

مہر ازہری میاں

۶ ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ

مہر مرکزی دار الافتاء

قبلہ اگر سمتِ نقیضین پر واقع ہو

مسئلہ ۸۴۷ :- فیضان الرحمٰن سبحانی کرن تور کیرلا۔ ۲۶-۷-۲

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ زید دنیا کی ایسی جگہ پر ہے جہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت دونوں سمت سے برابر ہے یعنی جس جگہ کا طول ۱۴۰° ڈگری اور عرض 25.21 درجہ ہو (یہ جگہ بحر الکاہل میں ہے) اس جگہ سے زید کس رخ ہو کر استقبالِ قبلہ کرے گا؟ بطورِ نقشہ میں اسے واضح کئے دیتا ہوں تاکہ سوال کی وضاحت ہو جائے
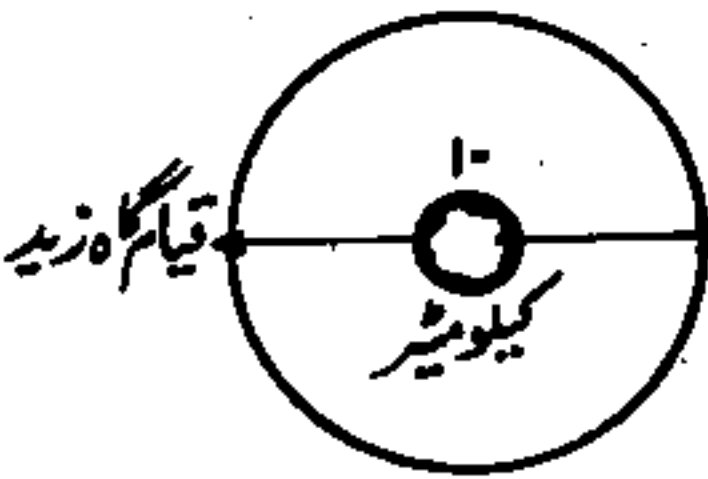
قیام گاہ زید — ۱۰ کیلو میٹر — کعبہ مکرمہ

سبحانی متعلم شرعی کالج مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ۔

الجواب ۸۶/۹۲

اگر وہاں پہلے سے سمتِ قبلہ متعین ہے تو اسی کا اتباع کیا جائے" کما فی ردّ المحتار علی الدر المختار" اور اگر سمت قبلہ متعین نہیں ہے تو مقامی دیندار

لوگوں سے سمتِ قبلہ معلوم کیا جائے کمافی الشامی ایضاً۔ اور اگر مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت میسر نہ ہو کر وہاں انسانی آبادی ہی نہ ہو اور احیاناً لوگ سیر و تفریح کی نیت سے وہاں پہنچ جاتے ہوں۔ تو جن قرائن و دلائل (مثلاً ستاروں اور چاند سورج کے ذریعہ یا اصطرلاب کے ذریعہ) سے قبلہ کا تعین ہو سکے کرے اور اسی کے مطابق عمل پیرا ہو۔

اور قرائن و دلائلِ معلومہ سے بھی قبلہ کا تعین نہ ہو سکے تو آخری صورت تحری کی ہے جس طرف دل جمے اور دل کا فتویٰ ہو اسی طرف نمازی کا قبلہ ہے۔

لیکن سائل کے سوال سے مفہوم ہوتا ہے کہ اسے سمتِ قبلہ معلوم ہے لیکن وہ ایسے مساوی اور معتدل مقام پر ہے جہاں سے دونوں مخالف سمتیں جہت قبلہ کے رُخ پر ہیں۔ اس صورت میں سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ دونوں سمتوں میں سے کس سمت نماز میں متوجّہ ہو؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق وہ دونوں سمتوں میں سے جس سمت بھی رخ کرے گا اس کی نماز ہو جائے گی "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ" کیونکہ صحتِ نماز کی شرط تو توجّہ اِلیٰ شَطرِ المسجدِ الحَرام ہے جو دونوں سمتوں میں سے ہر ایک سے حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ویسے اس مسئلہ کا تعلق اُصطرلاب سے ہے اگر ہمارے جواب سے آپ کو اطمینان نہ ہو تو مناسب ہوگا کہ اس فن کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے۔ برِصغیر ہند و پاک میں اب اس کے جانکار بہت کم رہ گئے ہیں جو بھی ہیں غنیمت ہیں ان سے معلومات حاصل کی جائے مثلاً انڈیا میں بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی اور خواجۂ علم و فن علامہ خواجہ مظفر حسن صاحب وغیرہما کو اس فن میں خاصا دسترس ہے خواجہ صاحب حصولِ علم و فراغت میں اگرچہ میرے ساتھی ہیں مگر میں ان کا احترام اپنے بزرگوں کی طرح کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے ذوقِ علمی کی بنیاد پر کئی ایسے فنون حاصل کئے جن کو انھوں نے پڑھا نہیں تھا انہیں میں سے اُصطرلاب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے

فیوض علمی کو عام فرمائے۔ آمین۔

کتبہ عبدالواجد قادری اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۲ رجادی الاخری ۱۴۲۳ھ

جہاں چھ مہینے کے دن ورات ہوں وہاں اوقات نماز کا تعین

مسئلہ ۸۴۸:۔ فیضان الرحمن سبحانی، کرنتور، کیرلا۔ ۲۶-۲-۲۰۰۳

کیا فرماتے ہیں علمائے ذی وقار ومفتیان والا تبار اس مسئلہ میں کہ اگر زید ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے اور ایسا غالباً دنیا کے انتہائی شمال وجنوب (نورتھ پول، ساؤتھ پول) میں ہوتا ہے جہاں کثرتِ برفباری کی وجہ سے انسانوں کا قیام قریب ناممکن ہے لیکن زید گرمی کے موسم میں بغرض تفریح وہاں پہنچ گیا تو وہ اپنی پنجوقتی نمازیں کس طرح ادا کرے گا؟

سائل سبحانی متعلم شرعی کالج مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب

اس سوال کا واضح جواب اُس حدیث پاک میں ہے جو علامات قیامت کے طور پر ارشاد ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دجّال کے خروج کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ الخ

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا۔ کیا اس طویل دن میں صرف پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ تو سیدِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا۔ نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کرنا۔ (بخاری ومسلم وغیرہما)

جب حدیث پاک میں ایک سال کی نمازوں کو اندازہ کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہوا تو چھ ماہ کی نمازوں کو بھی اندازہ ہی سے ادا کرنا ہوگا۔

اندازہ کے مختلف طریقے ہیں

مثلاً نمبر ۱ اَقْرَبُ الْاَیَّامِ الْمُعْتَدِلَہ کا اندازہ۔ یعنی چھ ماہ کی رات ہونے

سے پہلے جو رات و دن ایسا تھا جس میں پانچوں نمازوں کا وقت چوبیس[۲۴] گھنٹے میں جتنے جتنے وقفہ سے آتا تھا اسی وقفہ کا اندازہ لگا کر ہر ایک نماز کو وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا ہوگا۔

اس طرح چھ ماہ کی ایک رات میں تقریباً ایک سو ستہتر[۱۷۷] بار نماز مغرب اور اسی قدر نماز عشاء پڑھنی ہوگی۔ پھر اسی طرح دن کا بھی اندازہ لگا کر فجر و ظہر اور عصر کی نمازوں کا وقت مقرر کرنا ہوگا اور انھیں بھی تقریباً مقدارِ مذکورہ ہی میں ادا کرنا ہوگا۔

۲۔ اَقربُ المقامات کا اندازہ۔ یعنی گلوب کے جس فرضی خط پر وہ مقام (نورتھ پول اور ساؤتھ پول) واقع ہے اسی خط پر شمال یا جنوب میں (طولاً لا عرضاً) جو قریب ترین معتدل مقام ہو جہاں ہر پانچ نماز کا وقت اوقاتِ نماز کی علاماتِ شرعیہ کے مطابق آتا ہے۔ پس اسی کے ساعات و دقائق کا اندازہ لگا کر اپنے یہاں بھی اوقاتِ نماز کا تعین کرلیا جائے۔

نوٹ: اقربُ الایام المعتدلہ یا اقربِ المقاماتِ المعتدلہ میں اگر اوقاتِ نماز کی علاماتِ شرعیہ کا ظہور متمیز نہ ہو سکے جیسے یورپ امریکہ کے بعض ممالک میں چند ایام سرما کے اندر کسی شئے کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ دو چند تو بڑی بات ہے ایک چند بھی نہیں ہونے پاتا کہ سورج غروب ہو جاتا ہے۔ یا بعض لیالی گرما میں شفقِ ابیض کے غروب سے بہت پہلے صبح صادق جلوہ بار ہو جاتی ہے تو وہاں گھڑیوں سے بھی اوقاتِ نماز کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی وآلہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ
اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۱۲ر جمادی الاخری ۱۴۲۲ھ

نیدرلینڈ میں جمعہ و اعیاد

مسئلہ ۸۴۹: لیاقت علی دل محمد، آمسٹرڈم۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے بہت سارے ممالک جہاں کبھی بھی اسلامی قوانین کا حکومتی سطح پر اجراء نہیں ہوا، ان ملکوں میں جمعہ اور عیدوں کی نماز کے قیام کا کیا حکم ہے؟ جب کہ یہاں کی کسی حکومت نے اسلامی احکام پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو نہیں روکا۔ بلکہ اسلامی اعمال کی بجاآوری میں بایں طور مسلمانوں کی ممد ومعاون رہی کہ اگر پبلک کی کسی متعصب جماعت نے اسلامی عبادت گاہوں کی توڑ پھوڑ کرنا چاہی تو حکومتوں نے اس کی حفاظت کی اور توڑ پھوڑ سے بچایا۔ جواب باصواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ فقط۔

۸۶/۹۲

الجواب

جمعہ و اعیاد کی صحت و جواز اور قیام کے لئے اسلامی شہر ہونا ضروری ہے ممالکِ مذکورہ جہاں کبھی اسلامی سلطنت سایہ فگن نہیں ہوئی وہاں جمعہ وعیدین کی نمازوں کا قیام باطل ہے۔ ظہر کی فرضیت مسلمانوں کے سروں سے نہیں ٹلتی اور مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ نماز جمعہ کی وجہ سے وہ نمازِ ظہر سے بری الذمہ ہو گیا۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں۔

ہاں عامۃ الناس جو ان ملکوں میں قدیم زمانہ سے جمعہ وعیدین کی نمازیں پڑھتے آ رہے ہیں انہیں جمعہ سے نہیں روکا جائے کہ ممکن ہے وہ بدعقیدگی کا شکار ہو جائیں اور کبھی کبھی وہ جو خدا و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نام لیتے ہیں اس سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ علماء کو چاہئے کہ مصلحتاً اس مسئلہ کی وضاحت مجمعِ عام میں نہ کریں بلکہ حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ انفرادی طور پر مسلمانوں کو صحیح مسئلہ کی طرف بلاتے رہیں۔ کلموا الناس علٰی قدر عقولھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم ۶ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

نوٹ: سوال ۸۲۳ سائلِ مذکور کی طرف سے مرکزی دارالافتاء، رضانگر، بریلی انڈیا بھیجا گیا جس کا جواب نائب مفتئ اعظم، نبیرۂ امجد اعلیحضرت، خلفِ اسعد حضور مفسرِ اعظم، حضرت علامہ مفتی شاہ محمد اختر رضا خاں صاحب ازہری میاں نے اپنے قلم فیض

رقم سے عطا فرمایا جس کی تصویب و توثیق علامہ قاضی عبدالرحیم صاحب بستوی نے کی وھو ھٰذا۔　(مرتب)

۷۸۶/۹۲ **الجواب:** فرضیت وصحت وجوازِ جمعہ سب کے لئے اسلامی شہر ہونا شرط ہے۔ جو شہر اسلامی نہیں جیسے روس، فرانس کے بلاد ان میں نہ جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع و باطل و گناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ جہاں سلطنتِ اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ و عیدین جائز ہوں۔ اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائرِ اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں (فتاویٰ رضویہ جلد۳ ص۱۵-۱۶) اور دارالحرب میں سکونت مکروہ ہے جبکہ کوئی منفعت جائزہ دینی یا دنیوی مظنون نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری قادری غفرلہٗ
۱۷ رجادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ

مہر　الجواب صحیح والمجیب نجیح۔ واللہ تعالیٰ اعلم
قاضی عبدالرحیم بستوی غفرلہٗ

موسم سرما میں ہالینڈ کے اندر نماز عصر

مسئلہ ۸۵۰: فیروز احمد خاں آمسٹرڈم
۱۱-۶-۱۴۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے کئی ملکوں میں سردی کی مخصوص تاریخوں میں کسی مستطیل شئی کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل نہیں ہونے پاتا کہ سورج غروب ہو جاتا ہے (یعنی جس طرح گرمی کی مخصوص راتوں میں سورج اٹھارہ ڈگری کو مس نہیں کر پاتا کہ صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے) ظاہر ہے دریں صورت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ظہر کا وقت نہیں نکلتا اور عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دنوں میں عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی جائے گی یا پہلے؟ نیت قضا کی ہوگی یا ادا کی

یا پھر یہاں کے باشندوں پر ان دنوں کے عصر کی نماز فرض ہی نہیں ہے ؟۔
سائل: فیروز سکریٹری نوری مسجد نیدرلینڈ اسلامک سوسائٹی آمسٹرڈم

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورتِ مسئولہ میں نمازِ عصر کی فرضیت وعدم فرضیت کے باب میں علماء کرام کا اختلاف ہے جیسا کہ ان شہروں کے اندر ایامِ گرما کی بعض راتوں میں نمازِ عشاء کی فرضیت وعدم فرضیت کے باب میں۔ لیکن اس باب میں مختار ومناسب ومعتمد قول یہ ہے کہ عصر وعشاء کی نمازیں فرض ہیں اور نمازِ عصر کے لئے غروبِ آفتاب سے پہلے اندازہ سے وقت مقرر کرلیں (جیسا کہ نیدرلینڈ میں مقیم علماء اہلسنت نے حضرت استاذی المکرم بحرالعلوم مفتی سید افضل حسین صاحب مونگیری کے تعاون سے اوقات الصلوٰۃ ترتیب دیا ہے) اور انہیں اندازہ کردہ اوقات میں عصر وعشاء کی نمازیں ان مخصوص دنوں میں بہ نیت قضا پڑھ لیا کریں۔ درمختار میں ہے

(وَفَاقِدُ وَقْتِهِمَا مُكَلَّفٌ بِهِمَا فَيُقَدِّرُ لَهُمَا بِهِ يُفْتَى
الْبُرْهَانُ الْكَبِيرُ وَاخْتَارَهُ الْكَمَالُ وَتَبِعَهُ
ابْنُ الشِّحْنَةِ اهـ)

اور ردّالمحتار میں ہے

إِذَا عَلِمْتَ ذٰلِكَ ظَهَرَ لَكَ أَنَّ مَنْ قَالَ بِالْوُجُوبِ
يَقُولُ بِهِ عَلٰى سَبِيلِ الْقَضَاءِ لَا الْأَدَاءِ"

اس قولِ معتمد کی تائید حدیث اسراء سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد ہے کہ بالآخر پانچ نمازیں فرض رہیں اور اس میں کسی خطۂ زمین اور موسم کا فرق نہیں کیا گیا۔

اور اس حدیث پاک سے بھی اس قول مختار کی تائید ہوتی ہے جس میں دجال لعین کا ذکر ہے کہ اس کے خروج کا پہلا دن "یوم کسنۃ" دوسرا دن "یوم کشھر" تیسرا دن "یوم کجمعۃ" اور بقیہ ایام "کایامکم" ہوگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک دن کی

نمازیں کافی ہیں۔ تو حاکمِ شرع، شارع شریعت علیہ السلام والتحیت نے ارشاد فرمایا۔ "لَا اقدرُوا لہ" نہیں بلکہ اوقاتِ نماز کا اندازہ لگالینا ۔۔۔ حضرت علامہ محقق فتح القدیر میں اور علامہ شامی علیہما الرحمہ فتاویٰ شامی میں فرماتے ہیں فقد اوجب اکثر من ثلاث مائۃ عصر قبل صیرورۃ الظل مثلاً او مثلین وقس علیہ الخ

یعنی خروج دجال کے اس پہلے ایک دن میں سایہ کے ایک یا دو مثل ہونے تک تین سو سے زائد عصر کی نمازیں واجب ہوجائیں گی اور اسی طرح دوسری نمازیں بھی دوسرے وقتوں میں ...... ان تمام شواہد و دلائل کی روشنی میں یہ زیادہ مناسب رہیگا کہ ان دنوں میں جبکہ کسی شئی کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ دوگنا نہیں ہو پاتا۔ عصر کی نماز سورج ڈوبنے سے آدھ گھنٹہ قبل پڑھ لیا کریں۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری دار الافتاء، آمسٹرڈم
۱۱ رجادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ

شافعی امام کی اقتدا، کن صورتوں میں درست ہے؟

مسئلہ ۸۵۱: جمیع حنفی طلبہ مرکز الثقافۃ السنیہ
۶-۸-۲۰۰۱
۸۶/۹۲

ذو المجد والکرم والمحتشم حامئ سنت، ماحئ بدعت، پیرِ طریقت، مفتئ شریعت حضرت مفتی صاحب قبلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ،

ہم لوگ شمالی ہندوستان کے وہ طلبا، ہیں جو حصولِ علم کے شوق میں "مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ کیرلا" کے اندر زیرِ تعلیم وتربیت وتعلم ہیں۔ یہاں کے طلبا اور اساتذۂ کرام صدفی صد شوافع ہیں۔ ہم حنفیوں کو بھی نمازوں میں ان کی اقتدا واتباع کرنی پڑتی ہے۔ وضو کے بعض مسائل میں وہ حنفیت کی رعایت کرتے ہیں۔ مگر مندرجہ ذیل باتوں کی وجہ سے ہم لوگوں کی طبیعت متوحش رہتی ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟۔

(۱) امام صاحب کی ڈاڑھی حنفی حد شرع کے مطابق نہیں بلکہ چھوٹی ہے۔
(۲) امام صاحب مائک پر نماز پڑھاتے ہیں اور بیشتر مقتدی مائک ہی کی آواز پر رکوع وسجود کرتے ہیں۔
(۳) امام صاحب لوہے کی چین والی گھڑی (خواہ دستی ہو یا جیبی) استعمال فرماتے ہیں نماز اور غیر نماز میں بھی۔
(۴) سورۂ فاتحہ کے اختتام پر امام صاحب اتنا لمبا وقفہ کرتے ہیں کہ بآسانی ایک یا دو بار سورۂ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے۔
(۵) امام صاحب کے پیچھے پہلی اور دوسری صفوں میں کافی نابالغ بچے رہتے ہیں، اسکے پیچھے بھی بالغوں کی صفیں رہتی ہیں، وغیرہ وغیرہ

ان تمام باتوں کی وجہ سے ہم لوگوں کو شبہ رہتا ہے۔ اس لئے حضور والا سے گذارش ہے کہ مدلل جوابات عنایت فرماکر ہم لوگوں کو اطمینان بخشیں اور بتائیں کہ ہم لوگوں کی نمازیں ہوتی ہیں یا نہیں؟

سائلین: جمیع حنفی طلبا، مرکز الثقافۃ السنیہ، کرن تور، کالی کٹ، کیرلا، ہند

الجواب بعون الملک المجیب الوہاب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ،

فہم جواب سے قبل جن امور میں اشکال وشبہات ہیں ان کا جواب ذہن نشین کیا جائے تاکہ متعلق سوالوں کا جواب بآسانی سمجھ میں آجائے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ اِلَیہِ المَرجَعُ وَالمَآب۔

(۱) ڈاڑھی (ریش) کا ایک مشت طول وعرض میں رکھنا واجب ہے۔ حضرت محقق سیدنا عبد الحق بخاری محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں
"گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست (اشعۃ اللمعات ص۲۱۲)
اور ایک مشت یعنی چار انگل سے کم کرنا یا کرانا حرام ہے۔
کتب فقہ حنفی کی مشہور کتاب مع ردّ المحتار ص۲۶۱ میں ہے۔

یحرم علی الرجل قطع لحیتہ" وہو تعالیٰ اعلم

(۲) مائک (آلۂ مکبر الصوت) پر جماعت کی نماز پڑھانا مکروہ ہے کہ وہ سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (نصب مکبرین) کا ہادم اور اس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ پھر اس کی آواز بھی ضرورت سے زیادہ بلند ہوتی ہے جو خشوعِ نماز کے خلاف ہے۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝

مائک کی صدا پر ارکانِ نماز میں انتقالات سے متعلق علماء اہلسنت کے درمیان نماز کی صحت وعدمِ صحت کا مسئلہ ہر چند کہ مختلف فیہا ہے لیکن مائک کے انجینیروں اور اسکی معلومات رکھنے والوں کی راجح تحقیق یہ ہے کہ مائک سے نکلی ہوئی آواز متکلم کی بعینہٖ آواز نہیں ہے بلکہ صدا ہے یعنی جو آواز مائیکروفون میں داخل ہوتی ہے بعینہٖ وہی آواز نہیں نکلتی بلکہ اس میں مشینی طاقتیں (الیکٹرک کی رو) مل کر اس آواز کو بڑھا دیتی ہیں اور اب آواز صرف متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ متکلم ومشین کی مشترک آواز ہوتی ہے۔ لہٰذا فقہاء کرام نے وضاحت فرمائی کہ اس کی آواز صدا ہے (کسی چیز سے ٹکرائی ہوئی آواز) اور صدا پر نہ سجدۂ تلاوت واجب اور نہ ہی انتقالاتِ ارکان نماز درست۔ لہٰذا جماعت کی نماز میں اس کا استعمال چند در چند خرابیوں بلکہ فسادِ نماز کا باعث ہے۔

لیکن موجودہ دور میں عموم بلویٰ کی وجہ سے عام مسلمانوں کی نمازوں کے فساد کا فتویٰ دینا محتاط تقاضوں کے خلاف ہے لہٰذا اس مسئلہ پر اربابِ علم وفن صاحب تقویٰ وطہارت علماء کرام کو سر جوڑ کر بیٹھنے اور مثبت اقدام کی ضرورت ہے کیونکہ مائک کی ممانعت کا مسئلہ کوئی منصوص مسئلہ نہیں ہے اسی لئے اس میں اباحت کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) گھڑی کی زنجیریں (چین) خواہ چاندی کی ہوں یا سونے کی یا پھر وہ ہاتھوں میں استـ

کی جاتی ہوں یا جسموں میں لٹکا کر یا پھر گلوں میں سب مردوں کو حرام ہے اور دیگر دھاتوں کی بھی ممنوع ہیں کیونکہ سوناروں کے یہاں چین یکے از قسم زیورات ہے اور زیورات میں صرف ایک انگوٹھی بشرطیکہ صرف ایک نگ والی ہو اور ساڑھے چار ماشہ (چار گرام) سے زائد وزن کی نہ ہو مردوں کو حلال ہے۔ باقی زیورات کا استعمال حرام ہے۔ اور جن چیزوں کا استعمال ممنوع ہو انہیں پہن کر نماز ادا کرنا یا امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ھکذا فی احکام شریعت للامام احمد رضا قدس سرہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۴) عندالاحناف سورۂ فاتحہ کے اختتام پر اتنی دیر تک خاموش رہنا کہ تین بار سُبْحٰنَ اللّٰهِ کہا جاسکے ترک واجب ہے جو موجب سجدۂ سہو ہے۔ کما نص علیہ فی التنویر وغیرہ

(۵) صرف نابالغ ہونا قطع صف کو مستلزم نہیں ہاں اگر نابالغ کے ساتھ ناسمجھ (تقریباً ۶، ۷ سال کے) بھی ہوں یا اگر بالغ ہے مگر مجنون ہے تو اس پوری صف والوں کی نماز مکروہ ہوگی۔ کہ صبیانیت ومجنونیت وجہ قطعِ صف ہے اور قطعِ صف کراہتِ نماز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم ——— خلاصۂ جواب۔ شافعی امام اقتدا کے تین احکام ہیں۔

(۱) اگر وہ امام مذہب حنفی کے فرائض وشرائط نماز۔ اور شرائطِ وضو وامامت کی رعایت کرتا ہو اگرچہ واجبات وسنن کی رعایت نہ کرتا ہو تو اسکی اقتداء جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ قولہ ان یتقن للمراعات ای فی الفرائض من شروط وارکان فی تلک الصلوٰۃ وان لم یراع فی الواجبات والسنن کما ھو ظاھر سیاق کلام البحر وظاھر کلام شرح المنیۃ ایضاً صفحہ ۴۱۶۔ پھر اسی فتاویٰ شامی میں ہے " ان علم الاحتیاط منہ فی مذھبنا فلا کراھۃ فی الاقتداء بہ (صفحہ ۴۴۸) جوازِ اقتداء کی اس صورت میں بھی بعض امور کے اندر اس کا اتباع مکروہ ہے

مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہما میں ...... اور اگر مذکورہ رعایتوں کے باوجود وہ نماز وتر دو سلاموں کے ساتھ پڑھتا ہو یعنی دو رکعتوں کے بعد فصل کرتا ہو، تب بھی اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے "صح الاقتداء فیه بشافعی لم یفصله بسلام ..... لا ان فصله علی الاصح (شامی باب الوتر ص۴۴۵ ج۱)

(۲) اگر وہ امام فرائض و شرائطِ نماز حنفی اور طہارت کی رعایت نہیں کرتا تو اس کی اقتدا ہی جائز نہیں۔

(۳) اگر اس امام کے بارے میں رعایت و عدم رعایت کا کچھ بھی حال معلوم نہ ہو تو اس کی اقتدا مکروہ ہے۔ (کما فصله فی البحر الرائق ص۴۶ ج۲)

صورت مسئولہ میں جن پانچ باتوں سے متعلق سائلین نے وضاحت کی ہے ان میں اکثر ترک وجوب پر دال ہیں۔ ترکِ فرائض و شرائط پر نہیں۔ اور سنی صحیح العقیدہ شافعی کا واجبات و سنن میں حنفیت کی رعایت نہیں کرنا عدم صحتِ اقتدا کو مستلزم نہیں۔ لہٰذا جو نمازیں بصورتِ مذکورہ ان کی اقتدا میں ادا کی گئیں صحیح ہوئیں۔ البتہ اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت علیہ الرضوان والرحمۃ نے اس مسئلہ کی توضیح و تنقیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا " اگر اقتداء جائز بھی ہو تو افضل یہ ہے کہ مل سکے تو موافق المذہب کی اقتدا کرے" (فتاویٰ رضویہ ترتیب جدید ص۵۰۵ ج۱)۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۲۵ / اگست ۲۰۰۱ء

خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ و اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

شرائط امامت

مسئلہ ۸۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ۔

ہمارے شہر لیلی ستاد میں ایک طویل عرصہ سے ایک شخص جو زبانِ اردو اور قرآن شریف پڑھنے سے واقف ہے البتہ فن تجوید سے کماحقہ آگاہ نہیں ہے۔ امامت

کرتا ہوا آرہا ہے، محفلِ میلاد شریف، نیاز فاتحہ، اور دیگر امور دینیہ وہی انجام دے رہا ہے، البتہ تین سالوں سے ہم لوگوں نے ایک عالم کو ان کاموں کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ اور پرانے امام کو شہر کی اکثریت نے نائب امام کی جگہ پر مقرر کر دیا ہے چنانچہ امام صاحب کی غیر موجودگی میں وہ امامت کرتے ہیں۔ ادھر ایک عالم کا یہ کہنا ہے کہ مسجد کا نائب امام چونکہ قرآن شریف صحیح نہیں پڑھتے ہیں لہٰذا اگر کوئی اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز نہیں ہوگی، بلکہ اگر کسی عالم کی موجودگی میں مذکورہ نائب امام نماز پڑھائے تو کسی بھی مقتدی کی نماز نہیں ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ نائب امام مذکور کے پیچھے صرف عالم کی نماز نہیں ہوگی یا سارے مقتدیوں کی؟ جبکہ یہ عوام کا مقرر کردہ نائب امام ہے۔ بینوا وتوجروا۔

ارا کین مجلس الفردوس لیل ستاد ۶ رجولائی ۲۰۰۰ء

۸۶/۹۲

الجواب ـــــــــــ بعون الملک الوہاب

صحت امامت کے لئے مسائلِ طہارت و نماز کا جاننا اور قرآن پاک کا صحیح پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی عالم دین بھی تلاوتِ قرآن میں ایسی غلطیاں کرے جس سے معنیٰ بدل جائے یا حروف کی تبدیلی سے لفظ قرآن مہمل بن کے رہ جائے یا معنیٰ میں تغیر فاحش راہ پائے تو ان صورتوں میں خود اس کی نماز نہ ہوگی تو دوسرے مقتدیوں کی خواہ وہ عالم ہو یا عامی کیسے نماز ہو سکتی ہے؟ کیونکہ مقتدیوں کی صحتِ نماز کا دارومدار امام کی صحتِ نماز پر ہے۔ فان صلوٰۃ المأموم مبنیۃ علی صلوٰۃ الامام (فتاویٰ رضویہ)

صورتِ مسئولہ میں جس نائب امام سے متعلق استفسار ہے اگر وہ قرآن پاک ایسا پڑھتا ہے جس سے اس کی نماز ہو جاتی ہے تو اس کی اقتداء کرنے والے سبھی عالم و عامی کی نمازیں ہو جائیں گی اگرچہ دوسرے لوگ مخارج حروف کی ادائیگی میں اس سے زیادہ قادر و مشاق ہوں۔ ہاں عند الشرع محبوب و مطلوب اور افضل و اولیٰ یہ ہے کہ مخارجِ حروف کی ادائیگی زیادہ صحت کے ساتھ ادا کرتا ہو وہ احق امامت ہے۔

كما في فتاوى الرضوية " لان الامام كلما كان اكمل
كان افضل اه والله تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۔ ۲؍ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ ۶؍جولائی ۲۰۰۰ء
خادم الافتاء، القرآن اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

نماز میں صحتِ اعراب کا خیال

مسئلہ ۸۵۳ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی امام یا منفرد اپنی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت رَبِّ العَالَمِیْن، کو رَبَّ العَالِمِیْن پڑھے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے ۔ بینوا و توجروا

السائل، محمد ممتاز علی ۔ ایم کرامت علی ۔ لاماسٹراٹ ۱۲ 1338 HX آلمیرہ

۸۶/۹۲ **الجواب** ـــــــ بعون الملک الوہاب

تلاوت کے اندر چند طریقوں سے غلطیاں واقع ہوتی ہیں جن میں سے ایک اعراب کا بدل جانا بھی ہے ۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ بدل جانا اور بدل دینا میں بُعد المشرقین ہے ۔ اگر کسی تالیٔ قرآن نے عمداً قرآن پاک کے اعراب کو بدل دیا تو فسادِ نماز سے پہلے اس پر فسادِ ایمان کا حکم نافذ ہو جائے گا ۔ کیونکہ یہ تحریف ہے جو عند الشرع کفر ہے ۔ اور جب ایمان ہی نہیں تو نماز کیسی ؟ .... اگر سہواً اعراب بدل گیا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اعراب کے بدلنے سے اس لفظ یا عبارت کا معنیٰ فاسد ہوا یا نہیں ؟ اگر معنیٰ فاسد (خراب ہونا بگڑ جانا) نہیں ہوا تو نماز ہو جائے گی اور اگر معنیٰ فاسد ہو گیا ہو تو نماز نہیں ہو گی ـــــ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ تالیٔ قرآن کی زبان سے واقعی بدلا ہوا اعراب ادا ہوا ہے یا صرف سننے والوں کو بدلا ہوا معلوم ہوا اگر پڑھنے والے نے اعراب صحیح ادا کیا اور سننے والوں کو بدلا ہوا معلوم ہوا اگرچہ لفظ مسموع کا معنیٰ فاسد ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی کہ غلطی تالی کی نہیں بلکہ سامعین کی سماعت کی ہے اور اگر تالی کی زبان سے بدلا ہوا اعراب ادا ہوا ہے جس سے معنیٰ فاسد ہو جاتا

ہے تو نماز ہوگی ہی نہیں۔ اس نماز کا پھر سے پڑھنا فرض ہے۔ بلکہ بعض اعرابی غلطیوں پر تو کفر تک کا حکم نافذ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں تالیِ قرآن پر فرض ہے کہ صحتِ اعراب کی ہر ممکن کوشش کرے اور جب تک صحتِ اعراب وصحتِ مخارجِ حروف پر قادر نہ ہو جائے امامتِ نماز کی جرأت نہ کرے بلکہ صحتِ تلاوت پر قادر ہونے سے پہلے اپنی نمازیں بھی کسی صحیح خواں کی اقتدا میں ادا کرے۔

صورتِ مسئولہ میں عَالِمُ اور عَالَمُ کا فرق ہے۔ عَالَمُ کا معنیٰ ماسوا اللہ (ساری مخلوقات) اور عَالِمُ کا معنیٰ کسی چیز کی حقیقت جاننے والا ہے، عَالَمُ کی جمع حالتِ جر میں عَالَمِیْن اور عَالِمُ کی جمع عَالِمِیْن ہے اور یہ دونوں الفاظ قرآنی ہیں دریں صورت معنیٰ فاسد تو نہیں ہوا البتہ اس سے ربوبیتِ الٰہیہ کی یگونہ تحدید مفہوم ہوئی لہٰذا اس امام یا منفرد پر فرض ہے کہ اپنی اعرابی غلطیوں کی تصحیح کرے۔ صورتِ مذکورہ میں فسادِ معنیٰ متحقق نہیں ہوا تو اس کی نماز کے عدمِ صحت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ھٰکذا فی الفتاویٰ الھندیہ والرضویہ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والقضاء

القرآن اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ۔ ۴ جمل، دسمبر ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

امام اگر مکبّر بھی ہو

مسئلہ ۸۵۴ : ممتاز علی کرامت علی۔ ۹۵۶-۱۲-۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکبیر اقامت اگر امام خود کہہ رہا ہو تو مقتدیوں کو صفوں کی درستگی اور نماز شروع کرنے کے لئے کس وقت کھڑا ہونا چاہئے یعنی حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ پر یا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر؟

سائل: امام مسجد رضوی فرید الاسلام، رستن بلخ سٹراٹ، آمسٹرڈم

الجواب ـــــــــــ بعون الملکِ الوھاب

جب امام ہی تکبیر اقامت کہہ رہا ہے یعنی مؤذن وامامت کی ذمہ داری ایک ہی

شخص ادا کر رہا ہے تو جب تک تکبیر اقامت کے مکمل کلمات (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه تک) امام نہ کہہ لے اس وقت تک مقتدی کو صف کی درستگی یا نماز شروع کرنے کی نیت سے کھڑا نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ

ھکذا فی الھندیہ والمحیط	فتاویٰ ہندیہ اور محیط میں ہے کہ اگر مؤذن
"وان کان المؤذن والامام واحدًا	اور امام ایک ہی ہے پس اگر اس نے مسجد کے
فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون	اندر ہی تکبیر اقامت کہی تو قوم اسوقت تک کھڑی نہ
مالم یفرغ عن الاقامۃ۔	ہو جبتک وہ تکبیر اقامت سے فارغ نہ ہوجائے (ص۵۶)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۵ دسمبر ۱۹۹۵ء

تکرار سورت یا قرأۃ معکوس

مسئلہ ۸۵۵: قاری حفیظ الرحمٰن
۸۶۶-۷-۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر چار رکعتوں والی یعنی سنت نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ النّاس زبان پر جاری ہوگئی اور ایک یا دو آیتوں کے بعد اس کا خیال آیا تو کیا بقیہ تینوں رکعتوں میں سورۂ النّاس ہی پڑھے یا اس سے اوپر والی سورتوں کو ملائے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک عالم دین امام مسجد نے سورت تراویح میں پہلی رکعت میں سورۂ نصر اور دوسری میں عمدًا سورۂ اخلاص پڑھا تو اس سے نماز میں فساد یا کراہت آئی یا نہیں؟ المستفتی امام مسجد الکرم آمسٹرڈم ووست

الجواب ۸۶/۹۲

قرأۃ معکوسہ (ترتیب سورت کے خلاف پڑھنا) زیادہ سخت ہے تکرار سے لہٰذا اگر عمدًا بھی پہلی رکعت میں سورۂ النّاس کو پڑھا ہو تو بقیہ رکعتوں میں سورۂ النّاس ہی پڑھنا چاہئے۔

۲۔ نماز تراویح میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ فرض نمازوں میں ایسا کرنا مکروہ تنزیہی

ھکذا فی ردالمحتار والفتاوی الرضویہ ص۲۶۶ ج۳۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۱۹ جولائی ۱۹۸۶ء

نوری دارالافتاء، نوری مسجد آمسٹرڈم

نماز میں قرأتِ مسنونہ

مسئلہ ۸۵۶: لطیف یوسف گمان ۲-۳-۸۶ء

حضور مفتی صاحب قبلہ! اکثر اماموں سے سننے میں آتا ہے کہ فلاں نماز میں طوال مفصل اور فلاں نماز میں قصار مفصل پڑھنا چاہیئے۔ یہ سب کیا چیز ہیں؟ وضاحت کے ساتھ بتانے کی زحمت گوارہ کریں۔ ہوسکے تو مثالوں کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ ہم لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔ ایل یوسف گمان، نوری مسجد، آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹/۲ ھو الھادی الی الصواب

چند سورتوں کے مجموعہ کا نام طوالِ مفصل ہے۔ پھر چند سورتوں کے مجموعے کا نام اوساط مفصل ہے اور آخری چند سورتوں کے مجموعے کا نام قصار مفصل ہے یعنی چھبیسویں پارہ کی سورہ حجرات ۴۹ سے تیسویں پارہ کی سورۂ بروج ۸۵ تک کی تمام سورتیں طوالِ مفصل کہلاتی ہیں اور سورۂ بروج ۸۵ سے سورۂ بیّنہ ۹۸ تک کی تمام سورتیں اوساطِ مفصل کہلاتی ہیں جبکہ سورۂ بیّنہ ۹۸ کے بعد سورۃ الناس ۱۱۴ تک کی تمام سورتیں قصار مفصل کہلاتی ہیں۔

درمختار میں ہے:

من الحجرات الی اٰخر البروج طوالہ ومنھا الی اٰخر لم یکن اوساطہ وباقیہ قصارہ۔

سورۂ حجرات سے اخیر سورۂ بروج تک طوال۔ اور سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک اوساط اور بقیہ سورتیں آخر تک قصار کہلاتی ہیں۔

تنویرالابصار اور درمختار میں یہ بھی ہے کہ۔

یسن فی الحضر لامام ومنفرد طوال المفصل فی الفجر والظھر و

مقیم ہونے کی صورت میں امام ومنفرد دونوں کیلئے فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل اور عصر وعشاء میں

اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کی ایک پوری سورۃ کا ایک رکعت میں پڑھنا سنت ہے۔

اوساطہ فی العصر والعشاء و قصارہ فی المغرب ای فی کل رکعۃ سورۃ ۱۵

ائمہ مساجد کے کہنے کا یہی مطلب ہوا کہ مثلاً فجر وظہر میں ان سورتوں کو پڑھنا سنت ہے جو طوالِ مفصل ہیں اور نماز عصر وعشا میں ان سورتوں کو پڑھنا سنت ہے جو اوساطِ مفصل ہیں اور نمازِ مغرب میں ان سورتوں کا پڑھنا سنت ہے جو قصار مفصل کہلاتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ نوری دارالافتا، ۲، مارچ ۱۹۸۶ء

ترکستانی حکومت کے ائمہ کی اقتداء

مسئلہ ۸۵۷: فیصل رحمت آمسٹرڈم
۸۸۶-۵-۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کے اندر ترکی حنفی مسلمانوں کی درجنوں مساجد ہیں لیکن ان میں دو طرح کے امام ہیں۔ ایک وہ جن کو ترکی کی گورنمنٹ مقرر کرتی اور وہی ان کے مشاہرہ وغیرہ کا انتظام کرتی ہے۔ یہ ائمہ مساجد عموماً داڑھی نہیں رکھتے۔ اپنی گورنمنٹ کے فیصلہ کے مطابق عیدین وغیرہ کرتے ہیں خطبۂ جمعہ بھی وہی پڑھتے ہیں جو ان کی حکومت بھیجتی ہے۔ یعنی احکام شرع پر احکام حکومت کو عملاً فوقیت دیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ امام ہیں جن کو اپنے ملک سے عام ترکی مسلمان بلواتے ہیں وہ وہ ہوتے ہیں جن کو ترکی کی جماعتِ صوفیہ (عموماً نقشبندی حضرات) یہاں بھیجتے ہیں یہ ائمہ مساجد حنفی حد شرع کے مطابق ڈاڑھی رکھتے ہیں صوفیوں کے سے اوراد و اشغال میں مصروف رہتے ہیں ترکی کے متدین صوفی علماء کے فیصلوں کے مطابق عیدین کرتے ہیں حالات کے مطابق خطبۂ جمعہ وعیدین دیتے ہیں اور ہند وپاک کے علمائے احناف سے رابطے بھی رکھتے ہیں اور بحوث دینیہ میں شریک بھی ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے اماموں کی اقتدا میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فیصل رحمت۔ خیرن ستین نمبر۱۷ آمسٹرڈم

الجواب ۹۲/۸۶

صورتِ مسئولہ میں ترکی گورنمنٹ کی جانب سے مقرر کردہ اماموں کی اقتدا،
جائز نہیں کہ ترکِ واجب کی وجہ سے وہ فاسق معلن ہیں اور فاسقِ معلن کی امامت
مکروہِ تحریمی ہے جس کی اقتدا، میں پڑھی گئی نمازوں کا لوٹانا واجب ہے کما فی
فتاویٰ الحجۃ والغنیۃ وغیرھما من الاسفار الکثیرہ پھر موجودہ
ترکی گورنمنٹ اہلِ اہوا بھی ہے جس کے عیدین کا فیصلہ عموماً سعودی گورنمنٹ کے ماتحت
ہوتا ہے جس کو رویتِ ہلال یا اصولِ شرع سے کوئی واسطہ نہیں ہے اسکے فیصلوں
پر آنکھ بند کر کے عمل کرنا اہلِ ہوا ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اور اہلِ ہوا کی اقتدا ناجائز
ہے۔ فتح القدیر باب الامامۃ ص ۳۰۴/۱ میں ہے۔

لا تجوز الصّلوٰۃ خلف اھل الاھواء اہلِ ہوا کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

ہاں جو ائمہ مساجد حدِ شرع کے مطابق ڈاڑھی رکھتے ہیں اور دیگر اعتبار سے بھی
صالح امامت ہیں ان کی اقتدا، جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۱۳ ارمئی ۱۹۸۸ء

خادم الافتاء، ورلڈ اسلامک مشن نیدرلینڈ

خدمت امامت پر اجرت لینا

مسئلہ ۸۵۸ ۹۹-۸-۵ : حاجی محمد یوسف، مقیم، دی ہیگ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد
کے امام صاحب دو ماہ کی چھٹی لیکر مکان چلے گئے۔ اس مسجد کے صدر یا سکریٹری نے کسی
عالمِ دین سے عارضی طور پر نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی، دو ماہ گزرنے کے بعد
مسجد کی طرف سے اس عالمِ دین کو ایک رقم دیدی گئی جس کو انہوں نے قبول کرلیا۔ دوبارہ
سہ بارہ بھی ایسا ہی ہوا۔ یعنی عالمِ دین کو معلوم ہے کہ آمد و رفت کے اخراجات کے علاوہ

کبھی کچھ ملے گا۔ تو کیا وہ رقم اس عالم دین کے لئے حلال ہے اور اس عالم دین کی اقتداء میں نماز درست ہے؟ حاجی محمد یوسف مقیم مسجد غوثیہ دینہلاخ

الجواب ۸۶/۹۲

اذان وامامت اور تعلیم قرآن وفقہ پر اجرت کو علماء متاخرین نے ضرورتاً جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا اجرت امامت خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً جائز ہے۔ کما نصوا علیہ فی الکتب الکثیرۃ۔ صورت مسئولہ میں رقم مذکور عالم مذکور کے لئے جائز وحلال ہے اور اس کی اقتداء درست ہے۔ اسے اجارۂ فاسدہ نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ قرائن سے اجرت کی تعیین معلوم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری ۵/۶/۱۹۹۹ء

دارالافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

نماز اور لاؤڈ اسپیکر

مسئلہ ۸۵۹: مولانا نور احمد نیس، فرانس ۱۶-۸-۲۰۰۲ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ و اعیاد کی بڑی جماعتوں میں تکبیراتِ انتقالات کے لئے مکبرین کو قائم کرنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ بجائے مکبرین کے اسی کام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی صدا پر مقتدیوں کا رکوع وسجود کرنا صحتِ نماز کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ امید کہ ہر سوالات کے مدلل جوابات سے نواز کر تشکریہ کا موقع دیں گے۔

المستفتی: (مولانا) نور احمد حقانی، جامع مسجد اہلسنت حنفی نیس فرانس

الجواب ۸۶/۹۲ بعون الملک الوھاب

نماز عیدین کی بڑی جماعتوں کے لئے مکبرین کا نصب فرمانا سنت سے ثابت نہیں ہاں ظہر کی نماز میں ایک مرتبہ ۵ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۱ھ میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقتداءِ سید کائنات علیہ التسلیمات میں تکبیراتِ انتقالات کو بذاتِ خود عام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک پہنچانا ثابت ہے اس

وجہ سے اسے سنّتِ صدیقی کہہ سکتے ہیں، پھر اس فعل حسن پر سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا سکوت فرمانا نہ صرف اسکے جواز کی بلکہ استحباب واستحسان کی بیّن دلیل ہے۔ امام طحاوی کی روایت ہے۔

صَلّٰی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الظہر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی۔

اور مسلم شریف کی روایت ہے وھو قاعد وابوبکر یسمع الناس تکبیرہ کہ سرکار دو عالم نے یہ نماز بیٹھ کر پڑھائی اور حضرت ابوبکر، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر کی آواز لوگوں کو سناتے رہے ...... اور اسی حدیث پاک کے ذیل میں فتح الباری میں ہے ص۱۴۱ ان ھٰذہ القصۃ کانت فی ذی الحجہ سنۃ خمس من الھجرۃ، کہ یہ ۵ھ ماہ ذی الحجہ میں واقع ہوا۔

اور دوسرا واقعہ ماہ ربیع الاوّل شریف ۱۱ھ کا ہے کہ وصالِ مبارک سے صرف دو ایک دن قبل ظہر کی نماز کے وقت حضرت عباس اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کندھوں کو سہارا دیتے ہوئے مسجد نبوی میں تشریف لائے تو سیدنا صدیق اکبر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے حکم سے نماز پڑھا رہے تھے لیکن جب عین نماز ہی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو مصلّیِ امامت سے پیچھے ہٹنے لگے مگر امام المرسلین علیہ وعلیہم السلام نے اشارہ سے منع فرمادیا تو حضرت ابوبکر اپنی جگہ پر ٹھہر گئے پھر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مصلّیِ امامت پر جلوہ بار ہوکر نماز ظہر پڑھانے لگے حضرت ابوبکر جو امامت کی نیت فرما چکے تھے اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنے لگے اور آپ کی تکبیرات کی آواز سن کر اس آواز کو دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک پہنچانے لگے۔ بخاری شریف ص۹۵ میں ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجد من نفسہ خفۃ وخرج	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں افاقہ محسوس فرمایا تو حجرۂ عائشہ سے نماز ظہر کے

بین رجلین احدھما العباس لصلوٰۃ الظھر وابوبکر یصلی بالناس فلما رأہ ابوبکر ذھب لیتأخر فاومی الیہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بان لایتأخر فقال اجلسانی الیٰ جنبہ فاجلساہ الیٰ جنب ابی بکر قال فجعل ابوبکر یصلی وھو یاتم بصلوٰۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والناس بصلوٰۃ ابی بکر۔

(بخاری ص۹۵ ومسلم جلد اول ص۱۷۸)

لئے دو صحابیوں کو جن میں ایک حضرت عباس تھے، سہارا دیتے ہوئے مسجد نبوی کی طرف رخ فرمایا۔ درانحالیکہ حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت ابوبکر نے سرکار دو عالم کو دیکھا تو مصلیٰ امامت سے پیچھے ہٹنا چاہا، تو سرکارِ دو عالم نے پیچھے ہٹنے سے اشارتاً روک دیا۔ اور ان دونوں صاحبوں سے فرمایا مجھے ابوبکر کے بغل میں بیٹھا دو چنانچہ ان حضرات نے حضرت ابوبکر کے بغل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھا دیا۔ اب حضرت ابوبکر پیارے نبی علیہ السلام کی اقتدا فرمانے لگے اور دیگر نمازی حضرت ابوبکر کی۔

مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ وابوبکر یسمعھم التکبیر کہ حضرت ابوبکر عام مصلیوں کو تکبیراتِ انتقالات سناتے رہے۔ ص۱۷۹۔

ان حدیثوں سے مکبّر کے جواز و استحسان کا ثبوت ملتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب امام کے تکبیر کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچ سکے تو مقتدی اپنی تکبیرات کی آواز بلند کر سکتا ہے۔

لاؤڈ اسپیکر ایجاداتِ نو میں سے ایک نو ایجاد آلہ ہے جس کا حکم شرع شریف میں منصوص نہیں۔ لہٰذا اس کے ذریعہ نکلی ہوئی آواز کو صدا، بازگشت یا تلقین عن الخارج پر محمول کرتے ہوئے بعض علماء نے اسکے اتباع کو ناجائز اور مفسدِ نماز قرار دیا اور بعض علماء نے ذرا نرم گوشہ اختیار کرتے ہوئے اسے ہادم سنّت بدعت مکروہہ اور عبث قرار دیا جبکہ بعض علماء اس کی اباحت وجواز کے قائل ہوئے بلکہ مفید و معاون ہونے کی وجہ سے بڑی جماعتوں کے لئے اسے مستحسن گردانا۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان تاحین حیات نماز میں اس کے استعمال کو ناجائز و عبث اور اس کی صدا پر انتقالاتِ ارکان نماز کو مفسد نماز فرماتے رہے۔ ہند و پاک کے بیشتر علماء اہلسنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ

کی پیروی کرتے ہوئے اس کے عدم جواز کے قائل رہے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور مجاز و ماذون خلافت بحر العلوم حضرت علامہ مفتی سید افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ سابق صدر المدرسین دار العلوم رضویہ منظر اسلام بریلی شریف لاؤڈ اسپیکر پر نمازوں کے جواز و صحت پر فتویٰ دیتے رہے۔ ہند و پاک کے مقتدر اور صاحبانِ افتا، حضرات حضرت بحر العلوم کی پیروی میں اسپیکر کی صدا پر جواز و صحت کے قائل رہے فقیر ہیچمداں ۱۳۹۶ھ سے اب تک (۱۴۲۳ھ) مکبر الصوت اور اسکی صدا پر اقتدا، کا وہی حکم سائلین کو بتاتا رہا جو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا تھا۔ لیکن ہالینڈ میں مقیم علما، ہند و پاک اور ائمہ مساجد اتراک و مغاربہ کی آپسی بحث و تحیص کے بعد لاؤڈ اسپیکر سے متعلق یہ مآل و نتیجہ سامنے آیا کہ عالمی طور پر ممالک کے استعمال نے عموم بلویٰ کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اور جہاں اس مسئلہ میں شدت ہے وہاں عام طور پر مسلمانوں میں افتراق و انتشار ہے اور شریعت میں عموم بلویٰ کو نصوص کی حیثیت حاصل ہے۔

پھر لاؤڈ اسپیکر کا بدعتِ مکروہہ ہونا بھی اصولِ شرع کے مطابق ثابت نہیں کہ مکبرین کا نصب کرنا اور اس کا سنتِ نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوا کہ وہ ہادم سنت قرار پائے۔ باقی رہی اسکی آواز کا صدا ہونا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدا، پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں لیکن اگر کوئی سجدہ کرلے یا پوری جماعت آیت سجدہ کی صدا پر سجدۂ تلاوت کرے تو کیا یہ سجدہ کرنا ناجائز و گناہ ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ برصغیر کی پرانی بیشتر مسجدیں اور ترکی جو مسجدوں کا ملک ہے اس کی اکثر مسجدیں گنبد دار ہیں جن میں تلاوت کے علاوہ تکبیروں کی آوازیں بھی گونجتی ہیں اور مقتدی ان آوازوں یا امام و صدا کی مشترک آوازوں پر رکوع و سجود کرتے ہیں۔ لیکن آج تک کسی عالم دین یا مفتی نے مسجدوں میں گنبدوں کی تعمیر کو ناجائز نہیں کہا نہ ہی اسکی صدا پر پڑھی گئی نمازوں کو لوٹانے کا حکم دیا۔ لہٰذا احتیاط اس میں نہیں ہے کہ عامۃ المسلمین کی نمازوں کو فاسد قرار دیکر مسلمانوں کو گنہگار ثابت کیا جائے۔ بلکہ مسلمانوں کی بہی خواہی اور احتیاط اس میں ہے کہ نمازوں کو فساد اور مسلمانوں کو گنہگار ہونے سے بچایا جائے اسلئے میں اس میں بھلائی دیکھتا

ہوں کہ لاؤڈاسپیکر کے استعمال کو اذان وخطبات جمعہ واعیاد وغیرہم کی طرح نماز باجماعت (جبکہ امام کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچتی ہو) میں جائز قرار دیا جائے لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔

لاؤڈاسپیکر سے متعلق مقدمہ بالا تمہید اس کی آواز پر نماز کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے جواز وصحت کی جانب رہنمائی کرتا ہے اس لئے جو حضرات نماز میں اسے استعمال کرتے ہیں میں اسے منع کرکے عندالشرع زیر بار ہونا نہیں چاہتا کہ ممانعت دلیل شرع کی محتاج ہے اور اباحت کے لئے سکوت شرع کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری ۵ر جمادی الآخری ۱۴۲۳ھ
۱۶ر اگست ۲۰۰۲ء دارالافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

تراویح سے پہلے وتر

۸۶۰ مسئلہ: فیروز احمد ۱۸-۲-۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے رمضان المبارک میں عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی مگر تراویح کی چند رکعتیں نقض وضو کی وجہ سے چھوٹ گئیں۔ تراویح کے بعد وتر کی جماعت شروع ہوگئی اب زید چھوٹی ہوئی تراویح پڑھے یا وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے۔ خلاصہ جواب سے سرفراز فرمائیں۔ بینوا وتوجروا المستفتی حافظ فیروز احمد امام غوثیہ مسجد آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــــــ ھوالھادی الی الصواب

زید جب فرض عشاء جماعت سے پڑھ چکا ہے تو وہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں وہ وتر کے بعد پوری کرلے کیونکہ تراویح کا وقت عشاء کے وقت کے بعد سے صبح صادق تک ہے، یونہی وتر کا وقت بھی، لیکن تراویح وتر سے پہلے اور وتر کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔ نماز تراویح سے متعلق

فتاویٰ ہندیہ صلا، فتاویٰ قاضی خاں ص۱۱۱ اور تبیین الحقائق ص۱۷۸ میں ہے
والصحیح ان وقتها ما بعد العشاء الی طلوع الفجر قبل الوتر و بعده۔ صحیح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے خواہ وتر سے پہلے پڑھے یا بعد میں۔ اور منیہ شرح غنیہ میں ہے وهو المختار کہ یہی قول پسندیدہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری دار الافتاء ہالینڈ

۱۸ ربیع الاول شریف ۱۴۰۸ھ

فرض نمازوں کی قرأت

مسئلہ ۸۶۱: محمد شریف گلاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرض نمازوں کی ہر ایک رکعت میں ایک سورۃ کریمہ کا پڑھنا ضروری ہے؟ یا ایک سورۃ کی کچھ آیتیں پہلی رکعت میں اور کچھ آیتیں دوسری رکعت میں پڑھنی چاہئے۔ نیز یہ بھی واضح کیا جائے کہ فجر کے فرض میں کم از کم کتنی آیتیں اور زیادہ سے زیادہ کتنی آیتیں پڑھنی چاہئے؟

المستفتی: محمد شریف گلاب، امام سوا مسجد، ہالینڈ

۸۶/۹۲

الجواب ـــــــــــ هو المعین الی الصواب

فرض کی ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد (ان سورتوں میں سے جنہیں مختلف نمازوں میں پڑھنا مسنون ہے)، پوری ایک سورۃ کریمہ کا پڑھنا افضل و مستحب ہے "والافضل ان یقراء فی کل رکعة الفاتحه وسورة کاملة فی المکتوبة (عالمگیری ص۴۰) اور اگر ایک ہی سورۃ کی بعض آیتیں پہلی رکعت میں اور بعض آیتیں دوسری رکعت میں پڑھے یا دو سورتوں میں سے پڑھے جب بھی بلاکراہت جائز و صحیح ہے "ولو قراء بعض السورة فی رکعة وباقیها فی رکعة قیل یکره والصحیح انه لایکره (غنیہ ص۴۶۲)

فجر کی فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد دونوں رکعتوں کے اندر کم از کم چالیس درمیانی آیتیں (نہ بہت بڑی ہوں نہ بہت چھوٹی) اور زیادہ سے زیادہ سو آیتیں پڑھنی سنت مستحب ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو مقیم ہوں اور وقت میں وسعت ہو۔
البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۰، فتح القدیر اور منیۃ المصلی مع شرح غنیۃ میں ہے۔

" فالسنۃ فی حضر ان یقراء فی صلوٰۃ الفجر فی الرکعتین باربعین اٰیۃ وسطا ھو الادنیٰ وخمسین اوستین وھو الاوسط والاعلیٰ علی الزیادۃ علی الستین الی المائۃ (منیۃ ص ۳۰۶)

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، ربیع ۱۴۰۹ھ نوری دار الافتاء، آمسٹرڈم

نماز میں نبی علیہ السّلام کا نام سنکر درود پڑھنا

مسئلہ ۸۶۲: فیصل مدارن، آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے قراۃ جہری میں " وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا " پڑھا تو مقتدیوں کی زبان سے بے عزم وارادہ کے جہراً " اَللّٰهُ اَكْبَرُ " نکل گیا اور جب اسی امام نے دوسری رکعت میں " مَاكَانَ مُحَمَّدٌ " پڑھا تو سرًا اس نے صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا۔ پھر اس کے بعد " اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ " پڑھا اب امام کو تشویش ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ جب امام سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے عمداً درود شریف پڑھا تھا یا سہواً زبان سے نکل گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہ عمداً نہ سہواً بلکہ اسم گرامی سننے کے بعد عادتاً کہدیا اس میں میرے ارادہ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بدلائل شرعیہ جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

فیصل مدارن۔ عارضی امام مسجد غوثیہ رضویہ، ہالینڈ۔

۸۶/۹۲ **الجواب ھو الھادی الی الصواب۔** اَللّٰهُ اَكْبَرُ یا صیغۂ درود ایسا کلام نہیں

ہے جس سے نماز میں نقصان ہو۔ اگر ان کلماتِ مبارکہ کا صدور مقتدی یا امام سے عمداً بھی ہوتا تو فسادِ نماز کا حکم ہرگز نہیں دیا جاتا بلکہ زیادہ سے زیادہ خلافِ اولیٰ کہا جاتا، صورتِ مسئولہ میں جبکہ مقتدی نے بے ساختہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور امام نے عادۃً صلی اللہ علیہ وسلم کہا تو نماز صحیح ہوگئی کوئی خرابی نہیں آئی۔ فتاویٰ عالمگیریہ ص۱۰۵ میں ہے۔

ولوقال اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمدٍ اوقال اَللّٰہُ اَکْبَرُ لا تفسد صلوٰتہ بالاجماع ان لم یرد بہ الجواب اھ۔ اور دو صفحہ کے بعد اسی فتاویٰ میں ہے " ولوقراء رجل مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وصلّیٰ رجل فی الصلوٰۃ لا تفسد صلوٰتہ اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۶ شعبان ۱۴۱۴ھ

خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

مقتدی اگر امام کو جھوٹا گمان کرے

مسئلہ ۸۶۱: مولانا عبدالغفار نورانی
۱۴۲۲-۲-۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مقتدی کے گمان میں امام جھوٹا ہے تو کیا اس مقتدی کی نماز اس امام کی اقتداء میں درست ہے؟

سائل: عبدالغفار نورانی۔ سکریٹری جنرل مجلس علماء نیدرلینڈ

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی مسلمان سے متعلق بدگمانی حرام ہے اور اپنے امام سے بدگمان ہونا اشد نہایت بدانجام ہے۔ قال عزوجلّ " اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ "، ۔۔۔ تعالیٰ " وَلَا تَجَسَّسُوْا " لہٰذا اس مقتدی پر توبہ لازم ہے ۔۔۔ اگر اس شخص کا گمان اپنے امام سے متعلق صحیح ہو تو اس جھوٹے امام کی اقتداء ۔۔۔ مسلمان کو جائز نہیں۔ کہ وہ جھوٹ کے سبب عندالشرع فاسق و فاجر ہے۔ ۔۔۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام " اَلْکِذْبُ فُجُوْرٌ وَالْفُجُوْرُ یَجْرِیْ

اِلَی النَّارِ" اور فاسق وفاجر کو امام بنانا گناہ ہے اسکے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کو لوٹانا واجب ہے۔

اور اگر مقتدی مذکور کا گمان صحیح نہیں ہے اور صحتِ امامت کے شرائط امامِ مذکور میں موجود ہیں تو دیگر تمام مقتدیوں کی نمازیں اس کی اقتداء میں صحیح ہیں۔ مگر اس بدگمان مقتدی کی نماز اپنی بدگمانی کی وجہ سے واجب الاعادہ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۲ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ ۲۶ر اپریل ۲۰۰۱ء

امام اگر حروف کے مخارج میں امتیاز نہ کرے

مسئلہ ۸۶۴: حافظ وقاری غلام مصطفیٰ ربانی ۶-۴-۲۰۰۰ء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عالم صاحب ہیں جو امامت کرتے ہیں لیکن ان کا تلفظ صحیح نہیں ہے۔ جیم کی جگہ زاء کی آواز اور ظا کی جگہ جیم کی آواز نکلتی ہے۔ اسی طرح ھائے ھوز کی جگہ حائے حطی اور الف کی جگہ عین کی آواز نکلتی ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

۸۶۳/۹۲ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب

نماز کے صحیح ہونے کے لئے صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن عظیم کی قرأت ضروری ہے جب قرأت ہی صحیح نہیں تو عالمِ مذکور کی خود اپنی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اور جب اپنی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی ہے تو مقتدیوں کی نماز کب صحیح ہوگی؟

عالمِ مذکور فی السوال پر لازم ہے کہ وہ اپنی نماز صحیح کرنے کے لئے کسی صحیح خواں سے صحتِ مخارج کے ساتھ حروف کی ادائیگی کے طریقے سیکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے جب تک اس کی کوشش جاری رہے گی خود اس کی اپنی نماز جائز ہوگی۔ جب تک وہ صحتِ مخارج پر قادر نہیں ہوجائے اس سے پہلے وہ امامت نہیں کرسکے گا۔ اور اگر وہ بالجبر امامت کرنا چاہے تو قوم کو اس کی اقتدا کرنی جائز نہیں ہے۔ صاحب دلائلِ قاہرہ مؤیدِ ملتِ طاہرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ الغنی اپنے فتاویٰ میں ارشاد

فرماتے ہیں۔ "اگر (امام) ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنیٰ میں فساد آتا ہے مثلاً حروف کی تبدیل جیسے ع، ط، ص، ح، ظ کی جگہ ا، ت، س، ھ، ز، پڑھنا کہ لفظ مہمل رہ جائے یا معنیٰ میں تغیر فاحش راہ پائے جس طرح بعض جہال نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں...... تو ہمارے ائمہ متقدمین کے مذہب صحیح و معتمد پر مطلقاً خود اس کی نماز باطل ہے۔ کما حققہ ورجحہ المحقق فی الفتح، والحلبی فی الغنیۃ وغیرھما فی غیرھما اور جب اس کی اپنی نہ ہوگی تو قواعد داں وغیر قواعد داں کسی کی اس کے پیچھے نہ ہو سکے گی۔ فان الصلٰوۃ مبنیۃ علی صلٰوۃ الامام "ا ھ

پس صورتِ مسؤلہ میں کسی مقتدی کی نماز جائز نہیں جس جس نے پڑھی ہو سب کا لوٹانا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتا، مجلس علما، ہیدرلینڈ۔ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

اگر دو چار آدمی ملکر نماز پڑھیں تو کس طرح کھڑے ہوں

مسئلہ ۸۶۵: سبحانی، کالیکوت، کیرلا، ہند ۹-۱-۲-۲-۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض شوافع بلکہ اکثر شوافع جب کسی کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ازدیاد ثواب کی نیت سے اسکے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر دوسرا تیسرا شخص آتا ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اسی کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح کھڑے ہونے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟ شوافع حضرات سے پوچھنے پر وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ تو ایسا ہی ہے لیکن دلیل کی ہمیں خبر نہیں۔ اور احناف کے نزدیک یہی طرز عمل اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب سے نوازکر مشکور و ممنون فرمائیں گے۔

ایف سبحانی، مرکز الثقافۃ السنیہ۔ کیرلا۔

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

احناف کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اسی طرح ہے جیسا سائل نے بیان کیا کہ اگر تنہا نمازِ فرض پڑھنے والا امامت کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو بعد میں آنے والا اس کی اقتدا کر سکتا ہے لیکن اس کے لئے مسئلہ (شرعی طریقہ) یہ ہے کہ اگر مقتدی تنہا ہے تو امام کے داہنی جانب کھڑا ہو جائے ___ اور اگر مقتدی دُو یا دُو سے زائد ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں کیونکہ امام کے اغل بغل یا ایک ہی جانب دونوں کا کھڑا نا مکروہ ہے۔

اور اگر امام کے پیچھے جگہ نہ ہو تو امام کو آگے بڑھ جانا چاہئے اگر وہ آگے نہ بڑھے تو کسی طرح اشارہ کر دیا جائے تاکہ اس کو اطلاع ہو جائے اور وہ از خود آگے بڑھ جائے۔۔

......تنہا تنہا نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز بیس سے ستائیس درجوں تک (باختلافِ روایت) فضیلت و فوقیت رکھتی ہے۔ اور یہ امر محقق ہے کہ دو یا دو سے زائد اشخاص اگر ملکر نماز پڑھیں تو وہ عند الشرع جماعت کی نماز ہے۔ کما رواہ ابن ماجہ وامام احمد والطبرانی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اثنان فما فوقھما جماعۃ ورواہ امام احمد عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اثنان خیر من واحد، وثلثۃ خیر من اثنین، واربعۃ خیر من ثلثۃ، فعلیکم بالجماعۃ، ورواہ الامام محمد بن حسن شیبانی فی کتاب الآثار من استاذہ الکریم الامام الاعظم سیدنا ابی حنیفۃ النعمان عن سیدنا ابراھیم قال اذا زاد علی الواحد فی الصلوٰۃ فھی جماعۃ۔

محرر مذہب حضرت سیدنا امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ (قال وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ)

صحیح البہاری (مرتبہ ملک العلماء تلمیذ الرشید امام اہل السنۃ مجدد الملۃ علیہما الرحمہ) "باب بکم تکون جماعۃ" اور ابوداؤد ونسائی میں حضرت سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں کا مل کر نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے جیسا کہ امام احمد کی روایت سے بھی معلوم ہوا ہاتھ سے اشارہ کرکے آگاہ کردینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے تاکہ وہ تنہا نماز پڑھنے والا امامت کا قصد کرلے۔ ابھی آپ لوگوں کا ذوقِ تجسس بیدار ہے اور علمی مشغلہ بھی جاری ہے اگر خود سے تتبع کریں تو کثیر دلائل اکٹھا کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ۔ ۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

وتر کی نماز تین رکعتیں ہیں یا ایک رکعت

مسئلہ ۸۶۶ ۱۲-۰۶-۱۴۲۳ھ: طلباء حنفی مرکز الثقافۃ السنیہ کیرلا۔

کیا فرماتے ہیں علماء ذوی اوصاف ومفتیانِ احناف اس مسئلہ میں کہ زید چونکہ حنفی المذہب ہے۔ بہ یک نیت وتر کی تین رکعتیں پڑھتا ہے مگر بکر اس پر معترض ہے اور کہتا ہے کہ تین رکعتیں پڑھنا حکمِ رسول علیہ السلام کے سراسر خلاف ہے اب وہ اپنے دعویٰ پر یہ حدیث پاک پیش کرتا ہے "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال" لا توتروا بثلاث واوتروا بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلوٰۃ المغرب۔ لیکن جب زید حنفی نے اس حدیث شریف کے سننے کے بعد حضرت اُبَیّ ابن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ روایت پیش کی۔

"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث"، تو بکر کہنے لگا کہ امر درجہ میں فعل سے زیادہ قوی ہوتا ہے لہٰذا امر پر عمل ہوگا نہ کہ فعل پر؟! امید ہے جواب شافی وکافی عطا فرماکر ہم لوگوں کی مشکلات کو حل فرمائیں گے۔

طلباء حنفی، شرعی کالج مرکز الثقافۃ السنیہ، کیرلا، ہند۔

۷۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

نماز وتر باختلاف ائمہ واجب بھی ہے اور سنت بھی، مگر دلائل ظنی الثبوت کے پیش نظر اس کا وجوب ہی مؤکد و مرجح ہوتا ہے۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم کتب احادیث میں ہے۔

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حقّ واجب علےٰ کلّ مسلم	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وتر لازم و واجب ہے ہر مسلمان پر۔

ابوداؤد اور حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول الوتر حقّ فمن لم یوتر فلیس منّا۔	انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر پڑھنا ضروری ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا

قال قال رسولُ اللہِ صلیّ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اَلوتر واجب علیٰ کل مسلم	انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر کا پڑھنا واجب ہے۔

ان واضح اور غیر مبہم ارشاداتِ عالیہ کے علاوہ بھی درجنوں احادیث کریمہ کتب احادیث میں مرقوم و مروی ہیں جن سے نماز وتر کا واجب و مؤکد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال اختلاف ائمہ کی وجہ سے اگر کوئی احتیاطاً اس کی نیت میں واجب و سنت مؤکدہ کی قید نہ لگا کر صرف وتر کا ارادہ و نیت کرتا ہے تو وہ قابلِ اعتراض نہیں بلکہ بہتر ہے۔

وتر کی رکعات میں بھی ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے مذہب کی تائید و توثیق احادیث کریمہ سے کرتے ہیں۔ پھر ہر ایک مقلد و مقتدی اپنے اپنے امام کی تقلید و اقتداء میں اسی کی تفضیل و ترجیح کا بھی قائل ہے۔

لیکن اصول و انصاف یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ائمہ اور علماء راسخین کا اختلاف ہو جائے تو ایسی راہ اختیار کرنا افضل و مناسب ہے جس سے ممکن حد تک اختلاف علماء سے بچا جا سکے۔ مثلاً نماز تراویح احادیث کریمہ کی روشنی میں کسی کے نزدیک آٹھ رکعتیں ہیں۔ کسی کے نزدیک بارہ اور کسی کے نزدیک بیس رکعتیں تو بیس والے قول کو اختیار کرنا اس لئے افضل و مناسب ہے کہ اس میں اختلاف ائمہ کا رفع ہے۔ یعنی آٹھ اور بارہ والے اقوال از خود بیس میں داخل ہو گئے اور بیس والے قول کی بھی تائید ہو گئی۔ بخلاف آٹھ یا بارہ پر عمل کرنے سے کہ اس میں ایک دو اقوالِ ائمہ کا خلاف ضرور لازم آئے گا......

یہی حال نماز وتر کا ہے یعنی ایک یا تین رکعتوں کا ثبوت درجنوں احادیث کریمہ سے ہے اور بعض احادیث کریمہ کی روشنی میں تین سے زائد رکعتوں کا بھی ثبوت ملتا ہے (اپنی اپنی سمجھ کے مطابق) لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی تین سے زائد کا قول نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ ثواب ایک یا تین میں منحصر ہے۔ وتر کی تعدادِ رکعات سے متعلق ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و مذاہب کا جائزہ لیجئے تو حق واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ (وھی ھٰذا ملخصا)

مذہب مالکی: حضرت قاضی ابو الولید محمد بن رشد مالکی اندلسی (م ۵۹۵ھ) اپنی ممتاز و مطوّل تصنیف ھدایۃ المجتھد جلد اول میں فرماتے ہیں۔

قال مالک رحمہ اللہ استحب ان یوتر بثلاث یفصل بینھا بسلام (الی قولہ)	امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ تین رکعتیں وتر پڑھی جائیں اور ان میں سلام کے ساتھ فصل کیا جائے۔

فالوتر عنده على الحقيقة اما ان يكون ركعة واحدة ولكن من شرطها ان يتقدمها شفع واما ان يرى ان الوتر المامور به وهو يشتمل على شفع و وتر فانه اذا زيد على الشفع وترصار الكل وترًا۔

گویا امام مالک کے نزدیک وتر حقیقتاً ایک رکعت ہے لیکن اس کی ادائیگی کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں ہوں۔ ان کے نزدیک جس وتر کا حکم دیا گیا ہے وہ جفت اور طاق رکعتوں پر مشتمل ہے یعنی جب بھی دو رکعتوں پر ایک رکعت کا اضافہ ہو جائے گا وہ سب ملکر وتر ہو جائے گا۔

مذہب شافعی: ۔ ترجمانِ مذہب حضرت علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی علیہ الرحمہ (۶۷۶ھ) اپنی مشہور کتاب "شرح المہذب (بیروتی) جلد چہارم میں فرماتے ہیں۔

الوتر سنة عندنا بلاخلاف واقله ركعة بلاخلاف وادنى كماله ثلاث ركعات واكمل منه خمس ثم سبع ثم تسع ثم احدى عشرة وهى اكثر على المشهور فى المذهب"

وتر ہمارے نزدیک بالاتفاق سنت ہے اور وتر کم از کم بالاتفاق ایک رکعت اور اس کا درجۂ کمال کم سے کم تین رکعتیں ہیں، پھر اس سے زیادہ کامل پانچ، سات، نو اور گیارہ رکعتیں ہیں۔ اور گیارہ رکعتیں بنا بر شہرت ائمہ مذہب شافعی کے نزدیک سب سے زیادہ رکعتیں ہیں۔

مذہب حنبلی: ۔ مرجع العلما، حضرت علامہ امام عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) اپنی معتمد علیہ کتاب "المغنی" جلد ۱ ص ۴۴۷ میں فرماتے ہیں۔

ان احمد قال انا نذهب فى الوتر الى ركعة وان اوتر بثلاث او اكثر فلاباس

حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ وتر میں ہمارا مذہب ایک رکعت ہے اور اگر تین یا اس سے زیادہ رکعتیں پڑھی جائیں پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

مذہب حنفی: ۔ حضرت علامہ امام احمد شمس الدین محمد بن احمد المعروف امام سرخسی (۴۸۳ھ) اپنی مبسوط "کتاب المبسوط" ص ۱۶۴ میں فرماتے ہیں کہ

ان الوتر ثلاث رکعات لایسلم الا فی اٰخرھن عندنا (الیٰ قولہ) — وتر صرف تین رکعتیں ہیں کہ ہمارے نزدیک تیسری رکعت میں سلام پھیرا جاتا ہے (اس درمیان میں تین رکعتوں کے ثبوت میں تین حدیثیں بیان فرماتے ہیں)

رأیٰ عمر رضی اللہ عنہ سعداً یوتر برکعۃ فقال ماھذا "البتیراء"... وانما قال ذالک لان الوتر اشتہر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن "البتیراء" وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللّٰہ ما اجزأت رکعۃ قط ولانہ لو جاز الاکتفاء برکعۃ فی شئ من الصلوات لدخل فی الفجر قصر بسبب السفر..... — اور جب حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ تم کیسی دُم بریدہ نماز پڑھتے ہو؟ حضرت عمر نے یہ بات اسلئے کہی تھی کہ وتر کے بارے میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُم بریدہ نماز (ایک رکعت) سے منع فرمایا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں ہرگز ایک رکعت نماز کے جواز کا قائل نہیں ہوں۔ اگر ایک رکعت نماز شروع ہوتی تو سفر کی وجہ سے فجر کی نماز میں قصر کا حکم ہوتا اور فجر کی نماز ایک رکعت پڑھی جاتی......

البتیراء: دم بریدہ نماز (ایک رکعت) کی ممانعت احادیث کریمہ میں اس قدر کثرت سے ہے کہ ان سبھوں کو جمع کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ ہاں جس کو تفصیل درکار ہو وہ علامہ زیلعی کی نصب الرایہ، حافظ ابن حجر کی درایہ، علامہ عینی کی عمدۃ القاری، علامہ شوکانی کی نیل الاوطار، علامہ امام محمد بن حسن شیبانی کی مؤطا اور حافظ نور الدین ہیثمی کی مجمع الزوائد وغیرہا کتب شرعیہ کا مطالعہ کرے۔

اور جہاں تک وتر کے تین رکعت ہونے کی بات ہے اگر ائمہ اربعہ کے مذاہب کا انصاف سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ کسی نے بھی تین رکعت کی ممانعت نہیں کی بلکہ کسی نے تین رکعت کی طرف جواز کا اشارہ کیا تو کسی نے اسے کامل کا درجہ دیا۔ اور کسی نے تین پر عدم حرج کی مہر لگا دی ــــ البتہ مذہب حنفی اور اس کے ائمہ نے

ایک رکعت کی ممانعت ومخالفت کی اور اس کو احادیث کثیرہ سے ثابت کیا۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا راستہ اختیار کیا جائے جس میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی مخالفت لازم نہ آئے۔ اور وتر کی ایک رکعت پڑھنے میں باختلافِ روایت چاروں اماموں کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ وتر کے بارے میں مذاہب اربعہ کی یہ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) وھو یشتمل علی شفع ووتر (وہ جفت وطاق رکعتوں پر مشتمل ہے۔) عند المالکی۔ (۲) وادنیٰ کمالہ ثلاث رکعات (اس کا درجۂ کمال کم ازکم تین رکعتیں ہیں) عند الشافعی۔ (۳) وان اوتر بثلاث (اور اگر تین رکعتیں پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں) عند الحنبلی۔ (۴) انّ الوتر ثلاث رکعات (وتر کی صرف تین رکعتیں ہیں) عند الاحناف۔

اور اگر ایک رکعت پڑھنے میں مذاہب ثلاثہ کی شقِ اوّل کی تائید ہوتی ہے تو شقِ ثانی کی تردید ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر "صلوٰۃ البتیراء" جس کی ممانعت منصوص ومصرح ہے اس پر عمل کی جرأت ہوتی ہے۔ اور تین رکعت پڑھنے میں کسی کا خلاف لازم نہیں آتا۔ بلکہ ہر ایک کے قول ومذہب کے مطابق عامل عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔

سائل نے جس حدیث پاک کو وتر کی تین رکعتوں کے خلاف پیش کیا ہے اس کو حافظ علی ابن عمر (م ۳۸۵ھ) نے اپنے مجموعہ احادیث "سنن دارقطنی ص ۲۵" میں بروایت حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرمایا ہے لیکن یہ حدیث پاک ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے خلاف بھی ہے جیسا کہ ائمہ مذاہب کے اقوال سے ابھی ابھی روشن ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث ان احادیث کریمہ کے معارض وخلاف ہے جو اس سے زیادہ قوی اور ثقہ راویوں کی روایت سے مشہور ترین کتب احادیث میں مرقوم ومروی ہیں۔ مثلاً بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہا میں۔ تیسری بات یہ ہے کہ خود سنن دارقطنی میں اسکے خلاف روایتیں موجود ہیں۔ جس صفحہ پر یہ حدیث مسطور فی السوال دارقطنی میں مذکور ہے اس کے تین ہی صفحات کے بعد ص ۲۸ پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت معترض کو نظر نہیں آئی تعجب ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتر اللیل ثلاث کوتر النھار صلوٰۃ المغرب۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جیسے دن کے وتر (نماز مغرب) کی تین رکعتیں ہیں ویسے ہی رات کے وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

اس حدیث پاک نے "لاتشبھوا بصلوٰۃ المغرب" کا جواب بھی دے دیا کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے اندر تمام صفتوں فصلوں اور عادتوں میں متحد و یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مشابہت کے لئے کسی ایک صفت میں متحد ہونا کافی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص زید کو شیر کے مشابہ کہے یا لومڑی کے مشابہ بننے سے روکے" تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زید کو شیر کی طرح پنجہ، دم اور دانت وغیرہ بھی ہے۔ یا لومڑی کی طرح وہ شیر کے اردگرد چوکری بھرتا ہے، لومڑی کی طرح شیر کا پسماندہ کھاتا ہے، لومڑی کی طرح اپنے جسم کی بناوٹ رکھتا ہے وغیرہ۔ بلکہ اس مشابہت کا صرف یہ مطلب ہے کہ زید شیر کی طرح طاقتور جواں ہمت ہے۔ اور یہ کہ لومڑی کی طرح مطلبی خودغرض چالاک نہیں ہونا چاہئے۔

لاتشبھوا بصلوٰۃ المغرب میں اس تشابہ سے روکا گیا ہے کہ مغرب کی تیسری رکعت میں کسی سورت یا چھوٹی تین آیتوں کا ملانا واجب نہیں جبکہ وتر میں ملانا واجب ہے۔ عمداً اگر نہیں ملایا تو نماز ہی نہیں ہوگی اور سہواً نہیں ملا سکا تو بعدم سجدۂ سہو نماز نہیں ہوگی۔

تو وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے سے لاتشبھوا بصلوٰۃ المغرب کے حکم عالی کی پیروی ہو جاتی ہے جو ہر وتر پڑھنے والا کرتا ہے۔

اور حدیث مذکور (عن ابن مسعود) میں نماز مغرب سے مشابہت کا حکم ہے یعنی وہ بھی تین رکعتیں ہیں تو وتر بھی تین رکعتیں ہیں۔ لہٰذا مشابہت وعدم مشابہت دونوں طریق پر مسلمانوں کا عمل ہے۔

معترض کو "لاتوتروا بثلاث" تو یاد رہا مگر "اوتروا بخمس" وغیرہ یاد نہیں رہا۔ اگر واقعی

اُسے امرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے کا ذوق ہے تو اپنے ہی مذہب کے مطابق وہ وتر کی گیارہ رکعتیں پڑھا کرے۔

بکر (شافعی) صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ لاتوتروا بثلاث میں صیغۂ نفی کے ساتھ ممانعت ہے اور نہیٰ عن البتیرا میں نہی کے ساتھ ممانعت ہے اور نہی کی کثرت کے مقابلہ میں نفی شاذ ہے لہٰذا اب وہ خود ہی فیصلہ کرے کہ فوقیت واہمیت نفی کو حاصل ہے یا نہی کو؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء ہیذرلینڈ

اسلامک فونڈیشن ہیذرلینڈ۔ ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۴۲۳ھ

ہجڑے کی تجہیز وتدفین

مسئلہ ۸۶۷: غلام سرور خاں۔ ساؤتھ ہال، انگلینڈ۔ ۱۵-۸-۱۴۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہجڑا آدمی جو تقریباً تیس سال کا ہے اس میں عورت ومرد میں سے کسی ایک کی پوری پوری علامت نہیں ہے یعنی اس کو ڈاڑھی کے بال بھی نہیں ہیں اور پستان کا ابھار بھی نہیں ہے معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ پیشاب کرنے کا آلہ بھی عورت یا مرد کی طرح نہیں ہے۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کو مرد غسل دے یا عورت؟ کفن تین دیا جائے یا پانچ؟ جنازہ کی وہ مسنون دعائیں جو تذکیر وتانیث کی ضمیروں کے ساتھ ہیں ان میں مذکر کی ضمیریں استعمال کی جائیں یا مؤنث کی؟ امید کہ پوری وضاحت کے ساتھ جواب سے شادکام فرمائیں گے۔ المستفتی غلام سرور خاں، مسلم ریسٹورنٹ ساؤتھ ہال

الجواب ۸۶۷/۹۲ ھو المجیب الی الصواب

غالباً سائل کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر ہجڑے میں نر کی علامت واضح ہے تو اس کا حکم نر کا ہے اور اگر اس میں مادہ کی علامت واضح ہے تو اس کا حکم مادہ کا ہے یعنی تغسیل وتدفین وتکفین میں عورت ومرد کا فرق ملحوظ رکھا جائے گا اور ثنائیہ

جنازہ کی نیت ودعاء میں تذکیروتانیث کا امتیاز برتا جائے گا۔

اور اگر علاماتِ متعارضہ ظاہر ہوں یعنی کچھ علامتیں مرد کی اور کچھ عورت کی تو ایسوں کو فقہ کی زبان میں خنثیٰ مشکل کہا جاتا ہے اور خنثیٰ مشکل کا ظاہر روایت میں حکم یہ ہے کہ اُسے بجائے غسل کے تیمم دیا جائے پھر اگر اس کا تیمم دینے والا اس کا محرم (مرد عورت) ہو مثلاً باپ بھائی، ماں بہن تو اسے تیمم کرانے کیلئے ہاتھوں پر کپڑا وغیرہ لپیٹنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر تیمم کرانے والا غیر محرم ہو تو ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے، اور کفن عورتوں کی طرح پانچ عدد دیا جائے (عام عورتوں کو ریشمی کفن بھی دے سکتے ہیں لیکن خنثیٰ مشکل کو ریشمی کفن نہیں دیا جائے گا)۔ درمختار اور ردّالمحتار جلد اوّل میں ہے۔

ویتیمم الخنثیٰ المشکل لومراهقًا الخ شامی ص۱۰۷ — اور خنثیٰ مشکل جب قریب البلوغ ہو جائے تو اُسے تیمم کرائے۔

اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص۸۲ میں ہے۔

الخنثیٰ یکفن کماتکفن المرأۃ احتیاطًا ویجتنب الحریر الخ — خنثیٰ مشکل کو احتیاطاً عورتوں کی طرح کفن دیا جائے البتہ ریشمی کفن سے گریز کیا جائے۔

دعاء جنازہ تو عورت ومرد دونوں کے لئے ایک ہی ہے جب اس کو پڑھے تو کسی لفظ یا ضمیر کو ادل بدل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں اگر نماز جنازہ میں بعض وہ مسنون ومروی دعائیں پڑھی جائیں جن میں مذکر مؤنث کی ضمیریں ہیں جو عورت ومرد کے لئے الگ الگ ضمیروں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، تو خنثیٰ مشکل کے لئے مذکر کی ضمیریں استعمال کی جائیں گی کہ اصل تذکیر ہی ہے۔ اس لئے فقہ کی کتابوں میں کہیں خنثیٰ مشکلۃ نہیں کہا گیا بلکہ تذکیر ہی کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ ردالمحتار مع درمختار جلد خامس ص۵۳۶ میں ہے

لم یقل مشکلۃ لانہ لم یتعین احد الامرین فجاء علی الاصل وھو تذکیر۔

البتہ دفن کے وقت عورت کی طرح اس کی قبر پر پردہ کرلیا جائے گا اور ممکن ہوسکے تو اس کے محارم اسے قبر میں اتاریں گے۔ کمافی الشامی علی الدر المختار ص۵۳۶

وندب تسجیة قبرہ اور اسکی قبر کو کپڑے سے ڈھک دینا مستحب ہے

واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ ۱۵ ؍شعبان ۱۴۰۵ھ

نوری دارالافتاء، نوری مسجد، آمسٹرڈم

مردہ کا چہرہ کون کون دیکھ سکتا ہے؟

مسئلہ ۸۶۸ : ۔ عبدالجبار بیچن، دی ہیگ ۔ ۲۲-۴-۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میت کا دیدار مرد وعورت میں سے کون کون کر سکتے ہیں؟ تفصیل کے ساتھ بیان فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔ عبدالجبار بیچن دی ہیگ، ہالینڈ

SCHALKBURGERSSTRAAT 90 2372 AN - DENHAAG

الجواب ۸۶/۹۲ بعون الملک الوھاب

اصل یہ ہے کہ جس طرح مرد کا اجنبیہ عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں ایسے ہی عورت کا اجنبی مردوں کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ کما روٰہ الترمذی واحمد ابوداؤد عن ام المومنین سیدتنا ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مردہ عورت کے لئے اس کا شوہر اور مردہ مرد کے لئے اسکی بیوی بھی اجنبی ہے لِانقطاع النکاحِ بالموتِ" بایں ہمہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو دیکھ سکتا ہے اور بیوی اپنے مردہ شوہر کو دیکھ یا چھو سکتی ہے بلکہ غسل بھی دے سکتی ہے۔ کمافی الدرالمختار والمعتمداتِ الاسفار۔

یمنع زوجھا من غسلھا و مسھا لامن النظر الیھا علی الاصح وھی لاتمنع من ذلک الخ	شوہر کو منع کر دیا جائے گا بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے البتہ اسکو دیکھنے کی اجازت ہوگی صحیح قول کی بنا پر اور بیویوں کو غسل دینے اور چھونے کی اجازت ہوگی۔

اور موت سے جس طرح نکاح منقطع ہوتا ہے اسی طرح رشتہ ونسب بھی کمافی الحدیث الشریف ہاں وہ لوگ دیدار کرسکتے ہیں جن سے زندگی میں پردہ کرنا درست نہیں تھا مثلاً باپ دادا نانا، بھائی بھتیجا بھانجا، چچا ماموں بیٹا پوتا اور نواسہ وغیرہ۔

اور جن لوگوں سے پردہ کرنا حیات میں واجب تھا انہیں چاہیئے کہ میت کا دیدار کرکے اُسے اذیت نہ پہنچائیں کہ جن باتوں سے زندگی میں اذیت پہنچتی ہے ان سے بعدِ موت بھی اذیت پہنچتی ہے۔ اور وہ لوگ یہ ہیں جنہیں دیدارِ میت کی اجازت نہیں ملنی چاہئے۔ کفار ومشرکین، بدمذہب ومرتدین، چچا ماموں خالہ اور پھوپھی کے بیٹے، بہنوئی، دیور، جیٹھ اور جوان داماد وخسر وغیرہم۔ محرمات کی تفصیل کتب فقہ سے حاصل کریں کہ اسے یہاں نقل کرنا طوالت کا سبب ہے۔

اور وہ اجنبیہ عورتیں جو مرد سے اس کی زندگی میں پردہ کرتی تھیں یا پردہ کرنا ان پر واجب تھا ایسے مردہ مرد کا دیدار اجنبیہ عورتیں نہ کریں کہ اس سے مردہ کو اذیت ہوتی ہے۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں لان المیّت یتاذّی بمایتاذّی بہ الحیّ (جس سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مُردے بھی ایذا پاتے ہیں)۔ مختصر یہ کہ عورتوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ نامحرم اس کا دیدار نہ کرے۔ اور مردوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ اجنبیہ عورتیں اسے نہ دیکھیں۔ اور دونوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ رُونمائی کی وجہ سے نمازِ جنازہ یا تدفین وغیرہ میں تاخیر نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۳ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ - ۱۵-۷-۲۰۰۱ء

سوال نکیرین کے جواب میں عبدالقادر جیلانی کہنا

مسئلہ ۸۶: عابد علی۔ دی ہیگ ۱۴-۱۱-۲۰۰۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ واقعہ جو حضور غوث اعظم کے دھوبی سے متعلق ہے کہ جب اس کا انتقال ہوگیا تو قبر میں نکیرین نے اس سے مشہور سوالات کئے اور اس دھوبی نے تینوں سوالوں کے جواب میں "عبدالقادر جیلانی کہا" پھر اسکے لئے جنت کی کھڑکیاں کھول دی گئیں۔ اس واقعہ کی کوئی اصل ہے یا نہیں اور یہ کس کتاب میں ہے؟ حاجی خدابخش، آمسٹرڈم، ہالینڈ

الجواب ۸۶/۹۲ ھو الھادی الی الصواب

غالباً یہی واقعہ یا اس کے مثل "تفریح الخاطر" میں ہے لیکن اسکے بیان میں تحقیق ضروری ہے۔ یونہی مبہم طور پر بلا توضیح کے بیان کرنا خلاف احتیاط ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ وہو اعلم۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شریک ہونا

مسئلہ: ۸۷ عابد علی، دی ہیگ ۱۲-۱۱-۱۴۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مسلم کے جنازہ میں شریک ہونا اور تعزیت کے لئے اسکے یہاں جانا کیسا ہے؟ عابد علی، دی ہیگ۔

الجواب ۸۶/۹۲ ھو الھادی الی الصواب

غیر مسلم سے مراد اگر کافر مرتد ہے مثلاً قادیانی وغیرہ تو اسکے جنازہ و تعزیت میں جانا حرام حرام اشد حرام نہایت بدانجام ہے۔ اگر اسے مسلمان سمجھ کر (العیاذ باللہ) اس کے جنازہ و تعزیت میں کوئی شریک ہوا تو شریک ہونے والے پر نہ صرف خوف کفر ہے بلکہ اس پر تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح لازم ہے کہ مرتد کو مسلمان سمجھنا عند الشرع کفر ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اگر غیر مسلم سے مراد کافر اصلی ہے یعنی نسلاً بعد نسلٍ وہ کافر ہے اور اس سے مسلمان کو کوئی قربت نہیں یعنی نہ تو اس کا باپ ہے نہ بیٹا نہ بھائی وغیرہ تو اس کے بھی کسی کام میں خواہ جنازہ ہو یا تعزیت ہرگز شریک نہ ہو .... اور اگر اس سے قربت قریبہ ہے تو حق قرابت کی ادائیگی کے

لئے اس کے جنازہ کے ساتھ مگر دور دور چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور زبانی تعزیت میں بھی (جبکہ تاسف قلبی نہ ہو) حرج نہیں۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ویتبعہ جنازتہ من بعید۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیگ نیدرلینڈ

۱۴؍ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ ۹؍فروری ۲۰۰۱ء

مردے کو کب تک روکا جائے؟

قبر پر کوئی علامت قائم کرنا

۸۷۱-۸۷۲

مسئلہ محمد شریف گلاب زولہ ۱۴۱۵-۴-۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ اگر کوئی مسلمان وفات پائے تو اس کی میت کو کب تک روک سکتے ہیں؟ یعنی اسے جلد سے جلد دفن کر دینے کا حکم ہے یا اس کے رشتہ داروں کے آنے کا انتظار کیا جائے گا خواہ اس انتظار میں دو ایک دن کی دیر ہی کیوں نہ ہو جائے؟

۲۔ مسلمانوں کی قبر پر بطور علامت کوئی پتھر لگانا اور اس پتھر پر اس مردہ کا نام تاریخ پیدائش و وفات لکھنا جائز ہے یا نہیں دونوں سوالوں کا جواب حدیث پاک کی روشنی میں دیں۔ محمد شریف گلاب ۱۵۲ TE ۸۰۱۲ زولہ۔

۷۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

جب موت کا کامل یقین ہو جائے تو میت کو جتنی جلد ممکن ہو سکے اس کی منزل (قبر) تک پہنچا دینے کا اسلامی حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

عن عبد اللہ بن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)	حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی تم میں سے مرجائے تو اسے دیر تک مت روکو بلکہ اسے اس کی قبر تک جلدی پہنچا دو

اور بخاری ومسلم کی روایت ہے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعوا بالجنازۃ فان تک صالحۃ فخیر تقدمونھا الیہ وان تک سوی ذٰلک فشر تضعونہ عن رقابکم۔ (بخاری ومسلم)	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنازہ کو اسکی منزل تک پہنچانے میں جلدی کرو کہ اگر وہ نیک ہے تو بھلائی ہے اسکی جسکی طرف تم اُسے لے جارہے ہو اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو وہ ایک بُری چیز ہے جسے تم اپنی گردن سے اتار رہے ہو۔

اسی سلسلہ کی ایک اور روایت اس طرح ہے۔

عن حصین ابن وحوح ان طلحۃ بن البراء مرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فقال انی لاری طلحۃ الا قد حدث بہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا فانہ لاینبغی لجیفۃ مسلمان تحبس بین ظہرانی اھلہ۔ (رواہ ابوداؤد)	حضرت حصین ابن وحوح سے روایت ہے کہ طلحہ ابن براء بیمار ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے پھر ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ طلحہ کی موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ بعد موت مجھے اس کی خبر کردی جائے اور (تجہیز وتدفین میں) جلدی کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کی میّت کے لئے مناسب نہیں ہے وہ اپنے گھر والوں کے درمیان دیر تک رہے

اس مضمون کی اور بھی احادیث کریمہ ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مردہ کو زیادہ دیر تک نہیں روکنا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہوسکے جلد سے جلد اسے اُس کی قبر تک پہنچادینا چاہئے۔ تدفین موتیٰ کے لئے یورپ کے ممالک میں خاص کر چھٹی کے ایام میں دشواریاں ضرور ہیں اور اگر چھٹی کے ایام میں دفن ہی کرنا چاہیں تو برصغیر کی کرنسی میں لاکھوں روپیہ کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے اس سے دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں، اگر وارثانِ میّت اس خرچ کو بآسانی برداشت کرسکتے ہوں تو برداشت

کرنا ہی چاہئے کہ وہ قبر کا کرایہ تو مستقل طور پر ادا کرتے ہی رہتے ہیں اور اگر چھٹی کے دنوں میں تجہیز و تدفین کے المضاعف خرچ کو بآسانی برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں یا خرچ نہیں کرنا چاہتے ہوں تو شریعت اس کے لئے انہیں مجبور نہیں کرے گی کیونکہ میت کو پھولنے پھٹنے سے محفوظ رہنے کے لئے کمپنی یا گورنمنٹ ایسا انتظام کر دیتی ہے کہ نعش کو ہفتہ عشرہ تک کوئی نقصان نہ پہنچے۔ وھو تعالیٰ اعلم

جواب۲ :۔ جی ہاں قبروں پر بطور علامت پتھر لگانا جائز اور سنّت سے ثابت ہے پتھر پر میّت کا نام اور تاریخِ وفات وغیرہ لکھنا علمائے اسلام کے نزدیک جائز و مستحب ہے اور ممانعتِ کتابت کی حدیث منسوخ ہے۔ کما حققه الحاکم، علامتی پتھر لگانے پر یہ حدیث صحیح دلیل صریح ہے۔

عن المطّلب بن ابی وداعه قال لمّا مات عثمانؓ بن مظعون اخرج بجنازته فدفن امر النبی صلی الله علیه وسلم رجلًا ان یّاتیه بحجر فلم یستطیع حملها فقام الیه رسول الله صلی الله علیه وسلم وحسر عن ذراعیه قال المطّلبؓ قال الذی یخبرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم کانی انظر الیٰ بیاض ذراعی رسول الله صلی الله علیه وسلم حین حسر عنها ثم حملها فوضعها عند راسه وقال اعلم بها قبر اخی وادفن

حضرت عبد المطلب ابن وداعہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن مظعون نے وفات پائی تو ان کا جنازہ لاکر دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پتھر لانے کا حکم دیا مگر اسے اٹھا نہ سکا تو پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر تشریف لے گئے اور اپنی آستینیں چڑھائیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جس شخص نے مجھے اس واقعہ کی خبر دی وہ کہتے تھے کہ گویا میں ابھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی کہنیوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں کھولا۔ پھر اس پتھر کو خود ہی اٹھالائے اور قبر کے سرہانے رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگاتا ہوں اور انہیں کے پاس اپنے فوت ہونے والے گھر والوں

الیہ من مات اھلی (ابوداؤد) کو دفن کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد)

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون ہی کے قریب حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شہزادہ حضرت ابراہیم اور اپنی شہزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دفن فرمایا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام الہالینڈ

۵ر دسمبر ۱۹۹۶ء مطابق ۶ر ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

بے نمازی کی نمازِ جنازہ

مسئلہ ۸۷۳ :- امین قربان، نوری مسجد۔ ۸-۵-۱۴۰۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ مسلمان جس نے جان بوجھ کر اپنی نمازوں کو چھوڑا، روزوں کو ترک کیا مگر مسلمانیت کا دعویٰ کرتا رہا بالآخر اس نے خودکشی کر لی کیا اس کے جنازہ کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے؟ بعض علماء اور مفتیانِ کرام کا کہنا ہے کہ اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ صحیح مسئلہ سے آگاہ کریں۔ المستفتی :- امین قربان، نوری مسجد۔

۸۶/۹۲ **الجواب بعون الستار الوھاب** :- کثیر صحابہ کرام اور ائمہ حنبلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بے نمازی کافر ہے اور اس کے کفر کی تائید میں درجنوں صحیح حدیثیں ہیں۔ لیکن ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بے نمازی کافر تو نہیں البتہ فاسق فاجر مستحق عذاب نار وغضب قہار ہیں گرفتار اور سخت سزاؤں کا سزاوار ہے۔ اس نے اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے اپنا فرض ادا نہیں کیا۔ مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ اپنا فرض چھوڑ دیں مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ اس کو غسل وکفن دیں۔ نماز جنازہ پڑھیں اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں۔ درمختار باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے۔ ھی فرض علی کل مسلم مات، خلا اربعۃ بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب، ومکابر فی مصر لیلا، وخناق

ختق غیر مرۃ الخ ہر مسلمان مردہ کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے سوائے چار آدمیوں کے، باغی، ڈاکو جبکہ ڈکیتی کی حالت میں مارے جائیں، راتوں کو شہر میں غنڈہ گردی کرنے والا، اور گلا گھونٹنے والا جس نے کئی بار گلا گھونٹ کر لوگوں کو مار ڈالا ہو۔ علماء کرام اور مفتیانِ اسلام بغرض زجر و تنبیہ بے نمازیان خود اس جنازہ میں شریک نہ ہوں مگر عامۃ المسلمین کو جنازہ سے نہ روکیں تو اس میں حرج نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالواجد قادری غفرلہ ۸ رجب ۱۴۰۸ھ

نمازِ جنازہ اور دفن کے بعد دعاء کرنا

مسئلہ ۸۷۴:۔ فیصل ننھے خاں۔ آمسٹرڈم ۱۵-۵-۱۴۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جنازہ کی نماز ہو جانے کے بعد اسی میت کے لئے خصوصاً دعاء کرنی اور پھر میت کے دفن کر دینے کے بعد قبر کے ارد گرد کھڑے ہو کر یا کچھ دور چلنے کے بعد اسی میت کے لئے خصوصاً دعا کرنی از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب نمازِ جنازہ میت کے لئے دعاء ہی ہے تو پھر جنازہ کے بعد پھر دفن کے بعد پھر کچھ دور چلنے کے بعد بار بار دعاء کرنا عبث بلکہ خدا کی رحمت سے نا امیدی پر دال ہے۔ برائے مہربانی شرعی دلائل کے ساتھ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں نوازش ہو گی۔

فیصل کیراؤف مسجد نوری آمسٹرڈم، ہالینڈ۔

۸۶/۹۲ الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

دعاء وہ خصوصی عبادت ہے بلکہ مغز عبادت ہے کہ اس کا حکم و جواز زمان و مکان اور تعداد کی قید و بند سے آزاد ہے "وَادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" کسی آیت و حدیث، اجماع و قیاس سے مقاماتِ مذکورہ میں دعا کرنا ممنوع نہیں بلکہ ان مقامات پر دعاؤں کے عموم و شمول کی تائیدِ صریح ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ شرح الصدور مصری صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے ہیں۔

قد نقل غیر واحد الاجماع — متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ
علیٰ انّ الدعاء ینفع المیّت و — بیشک دعاء میّت کو نفع دیتی ہے اور اسکی دلیل
دلیله من القرآن قوله تعالیٰ — قرآن پاک سے یہ ارشاد خداوندی ہے۔
"وَالَّذِیْنَ جَاۤءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ — اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا — ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان
الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ" ؂ — بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

حضرت سیدنا ملا علی قاری علیہ الرحمہ "شرح فقہ اکبر مصری ص۱۱۸ میں فرماتے ہیں

انّ دعاء الاحیاء للاموات — بیشک زندوں کی دعائیں مردوں کے لئے
تنفع لهم۔ — نفع بخش ہیں۔
وقد توارث السلف واجمع — سلف صالحین اور خلف راشدین سب کا
علیه الخلف۔ — اس پر اتفاق واجماع ہے۔
اتّفق اهل السّنة ان الاموات — واستدلال کثیرہ کے بعد فرمایا) کہ اہلسنّت کا اس پر اتفاق ہے
ینفعون من سعی الاحیاء — کہ مردے زندوں کی سعی (دعاء استغفار) سے نفع اٹھاتے ہیں۔

بالفرض اگر دعاء سے متعلق یہ سب تصریحات ہمارے اسلاف کرام کے یہاں نہیں ہوتیں تو بھی ہمارے عمل کے لئے اسی قدر کافی ہوتا کہ اس کی ممانعت شرع شریف میں وارد نہیں ہے لیکن اندھے معترض کے اعتراض کو سامنے رکھتے ہوئے ان حقائق کا انکشاف ضروری معلوم ہوا جس سے ہمارے اسلاف کا دستورِ مسلّم معلوم ہو جائے ..... ورنہ معترض کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ دعاء کی تکرار و تعدد و تکثیر بہرحال مطلوبِ شرع ہے۔ ورنہ صرف دو رکعت نماز میں اپنی جگہ سے ہٹنے اور سلام پھیرنے سے پہلے بار بار کلماتِ دعاء کا ورد کیا جانا کیا معنی رکھتا ہے؟

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دعاؤں کی ترغیب و تاکید فرمائی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شب و روز، صبح و شام، ہر ساعت و آن دعاؤں میں مصروف رہا کرتے۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ "کشف الغمۃ مصری" ص۱۷۴ میں فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحث علی الدعاء والصدقۃ والقرب المھداۃ للاموات من اقاربھم واخوانھم و یقول ان ذٰلک ینفعھم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو ان دعاؤں، صدقوں اور نیکیوں کا شوق و ذوق دلایا کرتے جو اموات کے لئے بطور ہدیہ ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بھیجی جاتی تھی اور فرماتے تھے بیشک یہ سب انہیں نفع دیتا ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زندوں کی دعائیں مردوں کے لئے نہایت نفع بخش اور مشکل کشا ہیں لیکن اب وہ دلائل شرعیہ مطالعہ کیجئے، جن کی روشنی میں نماز جنازہ کے بعد خصوصی دعاء کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور بیہقی شریف میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ	جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔

بدائع الصنائع ص۳۱۱ میں ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر آئے وہ تنہا نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ صحابۂ کرام کی ایک جماعت تھی۔ جنازہ چونکہ موجود تھا اس لئے سیدنا فاروق اعظم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا چاہی تو نبی کریم رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم آقا نے ارشاد فرمایا۔

الصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَۃِ لَا تُعَادُ وَلٰکِنْ اُدْعُ لِلْمَیِّتِ وَاسْتَغْفِرْ لَہٗ	جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی ہاں اس میت کے لئے دعاء و استغفار کرلو۔

علامہ سرخسی کی مبسوط ص۶۷ مصری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جنازہ پر قدرے تاخیر سے تشریف لائے کہ نماز جنازہ ہو چکی تھی تو جنازہ کے قریب تشریف فرما ہو کر اس کے لئے دعاء استغفار فرمایا نیز اسی مبسوط

میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا فاروق اعظم امام العادلین کے جنازہ میں تاخیر سے حاضر ہوئے تو حاضرین سے فرمایا۔

ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء له
آپ لوگوں نے نماز جنازہ میں مجھ سے پہل کرلی تو ان کے لئے دعا کرنے میں مجھ سے پہل مت کیجئے۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد تنہا یا اتفاقاً دعا نہیں کی جاتی تھی بلکہ نماز جنازہ ہی کی طرح اہتمام اور جماعت کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دعا فرماتے تھے۔

علامہ ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں رقمطراز ہیں کہ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

ثمّ مشی حتّی اتاه وقال اللّٰهمّ عبدك وابن عبدك نزل بك الیوم فاغفر له ذنبه ووسع مدخله فانا لا نعلم منه الا خیرًا وانت اعلم به۔
پھر چل کر میت سے نزدیک تر ہوئے اور عرض کیا بارالٰہا! یہ تیرا بندہ اور بندہ کا بیٹا ہے آج تیری بارگاہ میں حاضر ہوا تو اس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ فرمادے میں اسکی بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا اور تو اسکے احوال سے زیادہ باخبر ہے۔

نماز جنازہ کے بعد جس طرح احادیث کریمہ سے مکرر دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح دفنِ میت کے بعد بھی احادیث پاک اور نصوص فقیہ سے دعا خاص کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن جو عمل ہی نہیں کرنا چاہے تو آپ اس کو ہزار سمجھائیے اور دلیل پر دلیل پیش کرتے رہئے اسے عمل نہیں کرنا ہے نہیں کرے گا۔ بلکہ عمل کرنے والوں کو ورغلانے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کو شیطانی تزویر اور بدمذہبوں کی فریب کاریوں سے بچائے۔ آمین۔

ابوداؤد شریف ص ۱۰۳/۲ ، بیہقی شریف ص ۵۶/۴ ، مستدرک ص ۲۷/۱ میں بجملہ متقاربہ یہی عبارت ہے مگر یہ کلمات بیہقی کے ہیں۔

كان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت قال
جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو ارشاد فرماتے۔ اپنے میت

استغفروا لمیتکم وسلوا له التثبیت فان الآن یسئل۔ کیلئے استغفار کرو، اور اسکے ثابت القول رہنے کیلئے خدا سے سوال کرو، اسلئے کہ وہ ابھی ابھی سوال کیا جائے گا۔

سراج المنیر شرح جامع الصغیر میں "التثبیت" کا معنی ہے ای اطلبوا له منه ان یثبت لسانه وجنانه لجواب الملکین" یعنی تم سب مل کر دعا کرو کہ نکیرین کے سوالوں کا جواب دیتے وقت اس کی زبان لڑکھڑانے سے اور دل متوحش ہونے سے محفوظ رہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت صحیح مسلم شریف ص۷۶ج۱ میں محفوظ ہے کہ

ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع به رسل ربی۔ دفن کے بعد میری قبر کے گرداگرد اتنی دیر تک ٹھہرے رہنا کہ اونٹ نحر (ذبح) کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جائے تاکہ میں تمہارے ساتھ انس حاصل کرتا رہوں۔ اور دیکھ لوں کہ منکر نکیر کو کیا جواب دیتا ہوں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں "استانس بکم" کی شرح اس طرح ہے "ای بدعائکم واذکارکم وقراتکم واستغفارکم" یعنی تمہاری دعاؤں، ذکروں، قرآن خوانی اور کلماتِ استغفار سے۔ ان احادیث کریمہ سے روشن ہوا کہ دفنِ میت کے بعد عزیز واقارب خصوصًا دعا، و درود خوانی، قرآن خوانی، اور کلماتِ استغفار میں اتنی دیر تک مشغول رہیں کہ سوالاتِ نکیرین ہو جائیں اور اس کا اندازہ وہی ہے جو وصیتِ بالا میں ارشاد فرمایا گیا۔

پھر یہ کہ صرف اس وقت دعا کرنے کو کافی نہ سمجھے بلکہ مسلسل میت کی بخشائش اور بلندیٔ درجات کے لئے دعا کی جاتی رہے تاکہ مُردوں کی دعا سے زندے اور زندوں کی دعا سے مُردے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

۱۵ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۴ھ

قبر پر اذان کہنا

۸۷۵ مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ہم سورینامی مسلمانوں میں نسلاً بعد نسلٍ یہ ہوتا آیا ہے کہ اپنے مردوں کو دفنانے کے بعد عام لوگ فاتحہ پڑھکر رخصت ہوجاتے ہیں مگر ایک دیندار آدمی ٹھہر جاتا ہے جو چند منٹوں کے بعد قبر سے قریب کھڑے ہوکر اذان پکارتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اب جبکہ پاک و ہند سے کچھ مسلمان یہاں ہالینڈ آکر مقیم ہوگئے ہیں اس اذان پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بدعت و ناجائز ہے۔

المستفتی: ابراہیم سدل معرفت حاجی فاروق، ایندہوفن

۸۷۶/۹۲ الجواب:۔ شریعتِ مطہرہ سے ہرگز اذانِ قبر پر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور کسی امر سے شریعت کا منع نہ فرمانا اس امر کے جواز کی دلیل ہے۔ پس جو حضرات دفنِ میت کے بعد قبر پر اذان کہتے ہیں وہ اپنے مردوں کو نفع پہنچاتے اور اپنے نامۂ اعمال میں ثواب کا اضافہ کرتے ہیں۔ جو اذان نہیں کہتے وہ کسی فرض و واجب کے تارک نہیں۔ البتہ فوائد نافعہ اور ثواب سے محروم ہوتے ہیں اور جو منع کرتے یا روکتے ہیں وہ مداخلت فی الشرع اور زبان کو بے لگام چھوڑنے کی وجہ سے شرعی گرفت میں آتے ہیں۔ امام اہلسنت مجدد دین و ملت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان نے اذان علی القبر کے جواز و استحسان پر احادیث کریمہ سے پندرہ اور عبارات فقہیہ سے درجنوں دلائلِ قاہرہ باہرہ پیش فرماکر اس کے فوائد کاملہ تامہ کو واضح فرمایا بلکہ آج سے سو سال پہلے خاص اسی مسئلہ کے استحسان و فوائد پر ایک رسالہ "ایذان الاجر فی اذانِ القبر" تحریر فرماکر عوام اہلسنت پر احسانِ عظیم فرمایا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ جزاءً کاملاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء، نوری دار الافتاء

۲۸ر دسمبر ۱۹۸۵ء

بغیر وضو کے اذان دینا

مسئلہ ۸۲۶: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ بغیر وضو کے اذان کہنے میں کوئی شرعی حرج ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے بے وضو کے اذان دیدی تو کیا اس اذان کو لوٹانا چاہئے؟ کیا اذان دینے کے لئے عالم ہونا شرط ہے؟
بیّنوا و توجروا

المستفتی: کریم اللہ شطاری غرناطہ (غرناطہ) اسپین

الجواب ۸۲۶/۹۲ ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

بغیر وضو کے اذان کہنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ اور جو اذانیں کراہت کے ساتھ ہوئیں ان کا اعادہ شرع کو محبوب ہے۔ حضرت شیخ علامہ حسن بن علی شرنبلالی علیہ الرحمہ نے نور الایضاح میں لکھا " ویکرہ التلحین واقامۃ المحدث واذانہ " کہ گا گا کر اذان کہنا اور بے وضو کی اقامت و اذان مکروہ ہیں۔
علامہ سید احمد طحطاوی حنفی علیہ الرحمہ نے "طحطاوی علی مراقی الفلاح" حاشیہ نور الایضاح میں عبارت بالا کی تائید میں یہ حدیث پاک پیش کی " لا یؤذن الا متوضی " باوضو شخص ہی اذان دے"۔

فقہاء کرام علیہم الرضوان نے جہاں جہاں مطلقاً لفظ کراہت استعمال فرمایا ہے عموماً اس کراہت سے مراد کراہتِ تحریمی ہے اور جو عمل کراہت مطلق کے ساتھ انجام دیا گیا ہو اس کو لوٹایا جائے گا۔ وھو المطلوب عند الشرع۔

اذان کہنے کے لئے مؤذن کا عالم دین ہونا شرط نہیں ہے البتہ اسے اوقات نماز کا عالم ہونا چاہئے یعنی وہ جانے کہ مثلاً نمازِ فجر کا وقت کب شروع ہوتا ہے، نماز ظہر کا وقت کب نکل جاتا ہے وغیرہ۔ فاسق کی اذان بھی مکروہ ہے خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہو اور اسکی کہی ہوئی اذان بھی لوٹائی جائے گی۔ حاشیہ شامی باب الاذان میں ہے
ویکرہ اذان فاسق ولو عالما: فاسق کی اذان مکروہ ہے اگرچہ وہ عالم ہو۔ (عبارت درمختار)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن۔ ہیدرلینڈ
۱۳ / صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

مسجد کے اندر اذان پکارنا

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی اذانِ اوّل مسجد میں دینا کیسا ہے؟ خطبہ کے وقت کی اذان پہلی یا دوسری تیسری صف میں کہنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا مفتی اشرف القادری صاحب جو بہت دنوں تک پاراماری بو (سرینام) میں رہ چکے ہیں وہ خطبہ کی اذان مسجد میں کہنے کو شدت سے منع کرتے ہیں کیا ان کا منع کرنا صحیح ہے؟

سائل :- حاجی جہام، پوترخیت ہالینڈ۔ جامعہ مدینۃ الاسلام دین ہاخ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

احادیث کریمہ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں کوئی بھی اذان خواہ پنجوقتی نمازوں کی ہو یا جمعہ وخطبہ کی مسجد میں دینا خلافِ سُنّت یعنی مکروہ ہے۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں صرف خطبۂ جمعہ کے وقت نمازِ جمعہ سے پہلے ایک اذان ہوتی تھی اور وہ اذان مسجد نبوی کے دروازے پر ہوتی تھی۔ تحویل قبلہ کے بعد جب دروازہ سمت مخالف میں بنایا گیا جب بھی وہ اذان دروازۂ مسجد کریم ہی پر ہوتی تھی۔ ابوداؤد شریف حصہ اوّل کتاب الصلوٰۃ باب الندا یوم الجمعۃ ص۱۶۲ میں ہے۔

عن السائب بن یزید قال کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔	حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبرِ اقدس پر تشریف فرما ہو جاتے تھے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی اسی طرح حضرت سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں بھی ہوتا رہا.....

پھر جب مدینۂ منورہ اور اس کے ارد گرد مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو جمعہ کے خطبہ سے پہلے مدینہ شریف کے بازار میں (مقام زورا) ایک اور اذان کا اضافہ ہوا۔ اور اس کے اضافہ

کا حکم حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا۔ دورِ عثمانی سے آج تک وہ اذان ہوتی آرہی ہے کسی صحابی کسی تابعی، کسی مجتہد، کسی امام یا کسی عالم دین نے اس کے مشروع ہونے کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا وہ سنت متوارثہ قرار پائی۔ اب اسے اذانِ اوّل کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد شریف ہی میں ہے۔

اخبرنی السائب بن یزید انّ	مجھے خبر دی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے
الاذان کان اوّلہ حین یجلس	کہ پہلے جمعہ کی اذان ہوتی تھی جبکہ امام خطبۂ جمعہ
الامام علی المنبر یوم الجمعۃ	کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا تھا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ
فی عہد النبی صلی اللہ علیہ	علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما
وسلم وابی بکر و عمر فلما	کے زمانۂ مبارکہ میں۔ پھر جب خلافت عثمانی کا
کان خلافۃ عثمان وکثر	دور آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے جمعہ
الناس امر عثمان یوم الجمعۃ	کے دن مقام زوراء پر تیسری اذان کا حکم دیا۔
بالاذان الثالث فاذن بہ علی	پھر اسی پر عمل ہونے لگا۔۔ الیٰ
الزوراء فثبت الامر علی ذلک اھ	یومنا ھذا۔

واضح رہے کہ حدیثِ سائب میں اذانِ اوّل کو تیسری اذان کہا گیا ہے یہ دراصل اقامت کے حساب سے ہے یعنی اقامت نماز سے متصل ہونے کے اعتبار سے اذانِ اوّل ہے اور اذانِ خطبہ اذانِ ثانی ہے اور اس سے پہلے کی اذان اذانِ ثالث یعنی تیسری اذان ہے۔ وہو اعلم۔

فقہ کی درجنوں قابلِ اعتبار و اعتماد کتابوں میں اذانوں کے خارج مسجد ہونے کا حکم اور داخلِ مسجد ہونے کی ممانعت و کراہت موجود ہے۔ بندۂ ناچیز نے ۱۹۵۸ء میں ایک مختصر رسالہ بنام "احیاء سنت" ترتیب دیا تھا جس میں فقہ حنفی کی معتمد علیہا کتبِ فتاویٰ کے حوالوں سے کسی بھی اذان کا خصوصًا اذانِ خطبہ کا داخلِ مسجد ہونا خلافِ سنت (مکروہ) واضح کیا تھا۔ جس کو بعد میں مخلص حضرات نے بڑے اشتہار کی شکل دے کر ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا۔

مختصر یہ کہ اذانِ خطبہ یا کسی بھی اذان کا پہلی یا دوسری تیسری صف میں ہونا یا حدودِ مسجد کے اندر ہونا مکروہ ہے۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر جلد دوئم باب صلوٰۃ الجمعہ ص۲۹ میں علامہ امام ابن الہمام کمال الملۃ والدین لکھتے ہیں۔

کراھۃ الاذان فی داخلہ ؛ کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت العلام مولٰینا مفتی اشرف القادری زید مجدہٗ اشرفہ اللہ تعالیٰ فی الدارین ایک جید سنی عالمِ دین اور مرشد طریقت ہیں وہ اگر مسجد میں اذان کو منع فرماتے ہیں تو احادیث وفقہ اسلامی کی روشنی میں منع فرماتے ہیں اور وہ اِس منع کرنے میں مُصیب ومثاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق گوئی کی دولتِ عظمیٰ ہر مسلمان خصوصًا علماء دین کو نصیب فرمائے آمین یا رب العالمین ببرکۃ النبی الکریم الامین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلےٰ آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام۔ دی ہیگ
۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ - ۱۸ ستمبر ۱۹۹۲ء

کیا ہر اذان کا جواب واجب ہے؟

مسئلہ ۸۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ کیا ہر اذان کا جواب دینا چاہئے یا صرف ان اذانوں کا جو نمازوں کے لئے دی جاتی ہیں؟ اس مسئلہ کو کئی مولویوں سے ہم نے دریافت کیا تو مختلف جواب ملتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اذانوں کا جواب عملی طور پر دینا واجب ہے۔ یعنی اذان سنکر مسجد کے لئے روانہ ہونا، یا اذان کے بعد نماز میں مصروف ہو جانا۔ لیکن آندھی کی اذان۔ یا نومولود کے کانوں میں اذان۔ یا بعد دفن عند القبر کی اذان کے بعد چونکہ کوئی نماز یا جماعت نہیں ہے لہٰذا اس کا جواب بھی نہیں سوال یہ ہے کہ یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟

محمد شبیر خدا بخش ہاردر دیک، ہالینڈ

الجواب ــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــ

جوابِ اذان سے متعلق احادیث متبرکہ اتنی عام ہیں کہ ان کا ظاہری تقاضا تمام

اذانوں کے جوابوں کو بھی ثابت کرتا ہے۔ اور جواب اذان کا وجوب عند الفقہا قولی طور پر بھی روشن ہے چنانچہ بحر الرائق ص۲۹۵ ۔ درمختار ص۳۷ اور عالمگیری ص۲۹ وغیرہا کتب فتاویٰ میں ہے والظاھر وجوبھا باللسان لظاھر الامر فی حدیث اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول الخ کہ ظاہر مذہب یہی ہے کہ اذان کے جواب کا وجوب قولی طور پر ہے جیسا کہ حدیث پاک کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ "جب تم مؤذن کی آواز سنو تو ویسے ہی کہو جیسا کہ وہ کہتا ہے۔

بہرحال یہ حکم وجوبی ہو یا استحبابی لیکن کسی خاص اذان کے ساتھ مقید نہیں ہے تو بے دلیلِ شرع اسے اذانِ نماز کے لئے متعین کر دینا بے اصل ہے۔

ہمارے معتمد علیہم مفتیانِ کرام کی آراء یہی ہے کہ خواہ آندھی کے وقت کی اذان ہو یا نومولود کے کانوں میں دی جانے والی۔ یا پھر دفن میت کے بعد کہی جانے والی اذانیں سب کا جواب دینا اس شخص پر ہے جو مؤذن کی آواز سن رہا ہے۔

فتاویٰ شامی ص۳۶۹ میں ہے۔

ھل یجیب اذان غیر الصلوٰۃ کالاذان للمولود لم ارہ لائمتنا والظاھر نعم ولذا یلتفت فی حیعلتیہ کما مر وھو ظاھر الحدیث	کیا نماز کے علاوہ والی اذانوں کا بھی جواب دینا ہے جیسے بچہ کی ولادت کے وقت کی اذان کا؟ میں نے اپنے ائمہ کرام کا اس سلسلہ میں کوئی ارشاد نہیں دیکھا لیکن ظاہر یہی ہے کہ ان سب کا بھی جواب دینا چاہئے اور اسی طرح ہر اذان میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں مڑنا چاہئے یہی ظاہری الفاظ حدیث کا مفاد ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ القوی دارالافتاء ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم ۔ ۷ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

اذان سے قبل درود وسلام

مسئلہ ۸۷۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

یورپ کی اکثر مسجدوں میں اذان پکارنے سے پہلے مؤذن " الصلوٰۃ والسلام علیک یارسولَ اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یانبیَ اللہ بلند آواز سے کہتا ہے۔ مسجد میں موجودہ حضرات بھی مؤذن کا ساتھ دیتے ہوئے ان کلمات کی تکرار کرتے ہیں ..... پھر اس کے بعد مؤذن اذان پکارتا ہے جس کا جواب حضار مسجد دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اذان یا تکبیر اقامت سے پہلے مذکورہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیا از روئے شرع درست ہے یا ناجائز و حرام؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اذان کا جواب صرف مسجد میں موجود لوگوں پر ضروری ہے یا دوسرے مسلمان پر بھی؟

محمد الیاس بولن اینڈ ہوفن۔ ہالینڈ

بینوا وتوجروا

۹۲/۶ الجواب ـــــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــــ

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ گرامی میں مطلقاً درود وسلام پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس حکم میں کسی خاص ہیئت یا وقت کی ممانعت نہیں ہے۔ اور حکم مطلق کو اپنی طبیعت سے مقید کر دینا اہلِ ایمان کا شیوہ نہیں۔ اذان واقامت کے وقت درود وسلام پڑھنے کی اباحت وجواز کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ اس کی ممانعت شریعت میں نہیں۔ اور اباحت وجواز حُسن نیّت کی وجہ سے استحباب کے دائرہ میں آجاتا ہے لہٰذا اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اذان سے پہلے یا بعد میں درود وسلام کا پڑھنا یا تکبیر اقامت سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔

جو اس کے عدم جواز یا حرام ہونے کا مدعی ہے دلائل وبراہین کا پیش کرنا اس پر لازم ہے۔ لِقولہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِی اھ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔

اذان کا جواب صرف مسجد میں حاضر باش مسلمانوں ہی پر نہیں بلکہ جو بھی مسلمان اذان کے کلمات سنیں سب پر جواب دینا ضروری ہے۔ ہاں اگر متعدد اور مسلسل اذانوں کی آوازیں آرہی ہوں تو صرف پہلی اذان کا جواب دینا ضروری ہے اور بس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن ہندرلینڈ
۲ ررجب المرجب ۱۴۲۵ھ

نام اقدس سنکر انگوٹھا چومنا

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان یا اقامت میں نام اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانا از روئے شرع شریف جائز و درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس پر عامل ہیں اور بعض حضرات منع کرتے ہیں دونوں میں کون صحیح ہے؟ حالت نماز یا حالت خطبہ میں اگر نام مبارک سُنا جائے تو سننے والوں کو درود شریف پڑھ کر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ بعض لوگ فاتحہ اور ایصال ثواب کے وقت جو قرآن مقدس کی مختلف بافضیلت آیات مبارکہ پڑھی جاتی ہیں اس میں نام مبارک آتا ہے اُس وقت نام مبارک سنکر درود پڑھنے اور انگوٹھوں کو چومنے آنکھوں سے لگانے کو منع کرتے ہیں کیا یہ منع کرنا صحیح ہے۔ امید کہ ہر ایک سوال کا علیحدہ علیحدہ جواب عطا فرماکر شکریہ کا موقع دیں گے۔ سائل: عبدالرؤف نورانی لکھم بیورکھ بلجیم ۲۶ ربیع ۱۴۲۳ھ

۹۲/۸۷ الجواب ــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــ

(۱) اذان واقامت کے کلمات میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سنکر درود وسلام پڑھنا پھر انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانا نہ صرف جائز و درست بلکہ مستحب ومندوب اور ہمارے اسلاف علیہ الرحمہ کا محبوب عمل ہے۔

فتاویٰ شامی باب الاذان کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ "صلی اللہ علیک یارسول اللہ" وعند الثانیۃ منھا قرت عینی بک یارسول اللہ" ثم یقول "اللھم متعنی بالسمع والبصر" بعد وضع ظفری	مستحب یہ ہے پہلی بار اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سنتے وقت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اور دوسری بار اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سنتے وقت قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہے پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھ کر اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ

الْاِبْهَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ فَاِنَّهٗ وَالْبَصَرِ کہے۔ جو ایسا کرے گا حضور اقدس عَلَیْهِ السَّلَام یَکُوْنُ قَائِدَ لَهٗ اِلَی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسکی قیادت الْجَنَّةِ "۔ (ص۲۹۳ رشیدیہ) فرماؤں گا جنت کی طرف جانے میں۔۔

اگر آپ کو اس کا تفصیلی جواب چاہئے تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا رسالہ مبارکہ "تقبیل الابہامین"، کا مطالعہ کیجئے جو فتاویٰ رضویہ شریف میں شامل ہے

(۲) جو حضرات نام اقدس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سنکر درود پاک پڑھتے انگوٹھوں کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں وہ بشارت بالا مذکورہ کے انشاءاللہ تعالیٰ مستحق ہوں گے۔ قیامت کے دن دخولِ جنت کے لئے مالک جنت ساقی کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی قیادت فرماتے ہوئے جنت میں لے جائیں گے اور جو اس سے منع کرتے ہیں وہ بشارت بالا سے محروم رہیں گے صحیح وہ ہے جو اسلاف کرام منعم علیہم حضرات کی روش پر چل رہا ہے۔ اور غلط وہ ہے جو ان کا مخالف ہے۔

(۳-۴) حالتِ نماز، تلاوتِ قرآن پاک، خطبہ جمعہ وغیرہا میں خاموش رہنے اور قرأۃ کو سننے کا حکم ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ جب قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو اُسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کئے جاؤ۔۔۔۔ اذا خرج الامام (ای للخطبۃ) فلا صلوٰۃ ولا کلام خطیب جب خطبہ دینے کے لئے منبر پر آجائے تو اس کے بعد نہ کوئی نماز ہے نہ ہی کوئی بات چیت ہے۔

اگر کوئی شخص تلاوت کے وقت یا حالتِ نماز میں درود وسلام پڑھنے لگا پھر انگوٹھوں کو چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگا تو قرآنی حکم کے خلاف عمل ہوا جو حرام ہے۔ یہی کام اگر خطبہ کے درمیان واقع ہوا تو حکم شرع اور آداب خطبہ کے خلاف ہوا جو ناجائز ہے لہٰذا جہاں جہاں ممانعتِ شرعی موجود ہے وہاں درود وسلام پڑھنے اور تقبیل ابہامین سے گریز کیا جائے گا اور جہاں شرع نے منع نہیں فرمایا وہاں اس پر عمل ہوگا کہ مستحب ہے۔

جو لوگ قل شریف کے وقت یا خطبہ کی اذان کے وقت یا خطبہ و نماز کے دوران ان باتوں سے روکتے ہیں صحیح کرتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ ہی نے منع فرمایا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

کھاتے وقت اذان کا جواب دینا

مسئلہ ۸۸۱:- کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ اگر اذان کے وقت کوئی مسلمان کھانا کھانے، افطاری کرنے، یا بیت الخلاء کے اندر قضائے حاجت میں مصروف تھا تو اس اذان کا جواب کس طرح اور کب دینا چاہیئے۔ یا اُسے اذان کا جواب دینے کی حاجت نہیں؟ جواب باصواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

نورالاسلام بٹ، آمسٹرڈم اوست۔ ہالینڈ

۹۶ الجواب ـــــــ هو الهادى الى الصواب ـــــــ

یہ سب اعذار شرعی ہیں لہٰذا ان لوگوں کو اذان کا جواب نہیں دینا چاہیئے۔ ہاں اگر کھانا کھانے، افطاری کرنے اور قضاء حاجت سے وہ اذان کے فوراً بعد فارغ ہو گئے ہوں تو جواباً کلماتِ اذان کو کہہ لیں اور اگر دیر سے فارغ ہوئے ہوں تو جواب دینے کی حاجت نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار کی شرح ردالمحتار میں لکھا۔

هل يجب بعد الفراغ من هذه المذكورات ام لاينبغي انه ان لم يطل الفصل فنعم وان طال فلا۔ (ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الاذان)	اعذار شرعی کے ختم ہونے کے بعد کیا معذورین جواب دیں گے یا نہیں؟ جواباً فرماتے ہیں کہ اگر اذان ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تو جواب دیں گے۔ اور اگر زیادہ دیر گذر گئی تو جواب نہیں دیں گے۔

٭ ٭ ٭

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ مجلس علماء نیدرلینڈ

۷ رشعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

تکبیر اقامت بیٹھکر سنے یا کھڑا ہوکر؟

مسئلہ ۸۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے حقانی و مفتیانِ ربانی کثر اللہ تعالیٰ امثالہم۔ اس مسئلہ میں کہ سورینام سے ہم لوگ ہالینڈ آکر مقیم ہوگئے ہیں لیکن سورینام یا ہالینڈ میں سنیوں حنفیوں کی کسی مسجد میں ہم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ تکبیر اقامت کے وقت امام یا مؤذن نماز کے لئے کھڑے رہتے ہیں۔ سبھی حضرات حیّ علی الصلوٰۃ سننے کے بعد کھڑے ہوتے ہیں اور اختتام تکبیر سے پہلے اپنی صفوں کو درست کرلیتے ہیں۔ پھر بھی امام صفوں کی درستگی کی تاکید فرماکر نماز شروع کردیتے ہیں..... ادھر چند برسوں سے جبکہ ہم لوگوں نے ہندوستان آنا جانا شروع کیا ہے تو وہاں دیکھا کہ سنیوں کی بعض مسجدوں میں تکبیر اقامت کے وقت امام و مقتدی بیٹھے رہتے ہیں اور حیّ علی الصلوٰۃ کے وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور بعض مسجدوں میں دیکھا کہ امام و مقتدی سب ہی تکبیرات سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے ہیں بلکہ جبتک امام اپنی جگہ پر کھڑا نہیں ہوتا ہے اس وقت تک تکبیر شروع نہیں کی جاتی ہے۔ ان لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرات بھی سنی ہیں قادیانی یا غیر مقلد نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنی حنفی ہونے کے اعتبار سے ہم لوگوں کا عمل صحیح ہے یا ہندوستان میں بعض مدعیانِ سنی کا؟ اگر دلائل شرعیہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں تو ہمارے وثوق و اطمینان قلبی کا زیادہ باعث ہوگا۔ ویسے آپ مفتی ہیں ہاں، نہ میں بھی جواب دیگر سبکدوش ہوسکتے ہیں اور ہمیں مطالبۂ دلیل کا حق نہ ہوگا۔ فقط

المستفتی حاجی محمد ابراہیم عبدل
صدر "انجمن" فیض الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

۷۸۶ / ۹۲ الجواب ـــــــــ ھُوَالھَادی اِلی الصَّواب ـــــــــ

ضابطۂ شرعیہ، عباراتِ فقہیہ اور سنّتِ سنیہ حضراتِ صحابۂ کرام و اسلاف عظام کے مطابق آپ لوگوں کا عمل صحیح و مستحب ہے اور جن مدعیانِ سنیت کا آپ نے ذکر کیا ان کا عمل غیر صحیح اور مکروہ ہے۔

جہاں تک مسئلہ مذکورہ کے دلائلِ شرعیہ و عقلیہ کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں

درجنوں کتابیں دلائلِ شرعیہ سے معمور ہیں۔ بندۂ ناچیز نے بھی "احیاءِ سنت" نامی رسالہ میں اس مسئلہ کو مدلل کیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہا

تکبیرِ اقامت کہنے کی مختلف صورتیں ممکن ہیں جیسے مکبّر و امام ایک ہی شخص ہو، یا مکبّر امام کے علاوہ ہو (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) پھر یہ کہ تکبیر کے وقت امام مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر، پھر تکبیر کے وقت امام مصلیٰ امامت پر مصلیوں مقتدیوں کے سامنے سے آتا ہے یا پیچھے یا اغل بغل سے یہ ساری صورتیں ممکن ہیں۔

اگر مکبّر و امام ایک ہی شخص ہے تو جبتک تکبیر کے کلمات پورے طور پر ختم نہ ہو جائیں نہ امام مصلیٰ امامت پر بڑھے اور نہ مقتدی نماز کے لئے کھڑے ہوں۔

فتاویٰ ہندیہ جزءِ اوّل مطبوعہ کوئٹہ پاکستان ص۵۷ میں ہے۔

وان کان المؤذن والامام واحدًا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامة اھ	اگر مؤذن اور امام ایک ہی شخص ہو اور وہ تکبیر اقامت مسجد کے اندر کہہ رہا ہے تو حاضرین اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جبتک وہ تکبیر اقامت سے فارغ نہ ہو جائے۔

اور اگر مکبّر و امام علیحدہ علیحدہ دو شخص ہیں تو تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود نہیں ہے اور تکبیر شروع ہو گئی پھر امام مصلیٰ امامت پر حاضرین کے سامنے سے آیا جیسا کہ مسجد نبوی شریف وغیرہ مساجد میں اس کا اہتمام ہے۔ تو جیسے ہی امام پر حاضرین کی نگاہ پڑے سارے حاضرین کو بیک وقت کھڑا ہو جانا چاہئے۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فکلما رأوہ قاموا لانه کما دخل المسجد قام مقام الامامة اھ	پھر اگر امام صفوں کے سامنے سے داخل ہو تو جس وقت مقتدی امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں اسلئے کہ جب امام مسجد میں داخل ہو گیا تو وہ امامت کی جگہ پر پہنچ گیا۔

اور فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کوئٹہ پاکستان الجزء الاول ص۵۷ میں ہے۔

وان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کما رأوا الامام اھ

اور اگر امام مسجد کے اندر صفوں کے آگے سے داخل ہوا تو سارے مقتدی کھڑے ہو جائیں جیسے ہی امام کو دیکھیں۔

پھر اگر امام اور مقتدی سب ہی مسجد میں موجود ہیں اور مکبّر نے تکبیر کہنا شروع کر دیا تو ابتداءِ تکبیر کے وقت کھڑا ہونا نہیں چاہئے بلکہ جب مکبّر حیّ علی الصلوٰۃ یا حیّ علی الفلاح پر پہنچے تو امام و مقتدی سب ہی کو نماز کے لئے کھڑا ہو جانا چاہئے یہی عبارات فقہیہ کا مفاد یہی ضابطۂ شرعیہ اور یہی صحابۂ و اسلاف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت سنّیہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری المعروف فتاویٰ ہندیہ جزءِ اوّل ص۵۷ مطبوعہ کوئٹہ پاکستان میں ہے۔

وان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانّه یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حیّ علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة و هو الصّحیح۔

اور اگر مؤذن (اور تکبیر اقامت کہنے والا) امام کے سوا کوئی دوسرا شخص ہے اور سارے نمازی امام کے ساتھ مسجد ہی میں موجود ہوں، تو تمام مقتدیوں کے ساتھ امام نماز کیلئے اسوقت کھڑا ہو جب مؤذن (مکبّر) حیّ علی الفلاح کہے۔ ہمارے تینوں علماء (امام اعظم ابوحنیفہ قاضی الاسلام امام یوسف، مدوّن مذہب امام محمد) کے نزدیک اور وہی صحیح ہے .....

فقہ کی مشہور کتاب درِ مختار میں ہے۔

والقیام لامام و مؤتم حین قیل حَیَّ عَلَے الْفَلَاحِ خلافا لزفر فعنده عند حَیَّ عَلَے الصَّلٰوۃِ

امام و مقتدی کا قیام (کھڑا ہونا) اسوقت ہے جبکہ حَیَّ عَلَے الْفَلَاحِ کہا جائے۔ امام زفر اسکے خلاف ہیں کیونکہ انکے نزدیک حیّ علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا ہے۔

فقہ کی معتمد و مستند کتاب "ملتقی الابحر" اور اسکی شرح "مجمع الانہر" میں ہے

واذا قال المؤذن فی الاقامة حیّ علی الصّلوٰۃ قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلاثة اھ

جب مؤذن اقامت میں حَیَّ عَلَے الصَّلٰوۃِ کہے تو اس وقت امام اور جماعت کے لوگ کھڑے ہوں ہمارے تینوں اماموں کا یہی مذہب ہے۔

کنز الدقائق میں اس عمل کو مستحب کہا گیا ہے۔

قوله والقيام لانه امر به يستحب المسارعة اليه اطلقه فيشمل الامام والماموم ان كان الامام بقرب المحراب اھ	یعنی حیَّ علَی الفلاح پر کھڑا ہونا اسلئے ہے کہ اقامت کہنے والے نے اقامت کا حکم دیا ہے تو کھڑے ہونے کیلئے اس وقت امام و مقتدی کو جلدی کرنا مستحب ہے یہ حکم اسوقت ہے جب امام مصلّی امامت کے قریب موجود ہو۔

اور اگر مقتدی حضرات مسجد میں موجود ہیں مگر امام موجود نہیں ہے اور تکبیر اقامت شروع ہوگئی پھر امام مقتدیوں کے پیچھے یا اغل بغل سے مسجد میں داخل ہوا تو ایسی صورت میں کھڑے ہونے کیلئے تکبیر کے ختم ہونے یا مکبّر کے حیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ یا حیَّ عَلَی الفَلَاحِ کہنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ امام جس جس صف سے گزرتا ہوا مصلّی امامت پر پہنچے گا ان صفوں کے مقتدیوں کو امام کو دیکھتے ہی کھڑا ہو جانا چاہئے۔

درمختار کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ فيقوم كل صف ينتهي اليه الامام على الاظهر	اگر امام مسجد میں نہیں ہے بلکہ اقامت کے وقت باہر سے مسجد میں داخل ہوا تو جس صف کے قریب سے گزرتا جائے اس صف والوں کو چاہئے کہ کھڑے ہو جائیں۔ قول اظہر یہی ہے

اور بدائع الصنائع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصر ص۲۰۰ میں ہے۔

وان دخل من وراء الصفوف فالصحيح انه كلما جاوز صفا قام ذلك الصف اھ	اور اگر امام تکبیر اقامت کے وقت صفوں کے پیچھے سے مسجد میں داخل ہوا تو صحیح یہ ہے کہ جس صف کے پاس گزرے اس اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں

اخیر میں دو باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اجمالی طور پر ہی مگر جواب مکمل ہو جائے اور سائل کی سمجھ میں پوری طرح بات آجائے۔

۱۔ بعض ائمہ احناف کے نزدیک حیَّ علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے کا حکم ہے جبکہ بعض ائمہ احناف کے نزدیک حیَّ علَی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا قول ہے ..... ان دونوں قولوں میں درحقیقت کوئی اختلاف و مغائرت نہیں ہے۔ بلکہ حیَّ علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا شروع کرے اور حیَّ علی الفلاح پر پوری طرح کھڑا ہو جائے پس دونوں قول پر عمل

ہو جائے گا۔ اگر اٹھنے میں جلدی ہوگئی جب بھی صحیح مذہب پر عمل ہوا اور تاخیر ہوگئی جب بھی۔

۲ اگر کوئی نمازی مسجد میں اسوقت داخل ہوا کہ مکبر نے تکبیر کہنی شروع کر دی ہے تو آیا وہ دوسرے نمازیوں کے اٹھنے کا انتظار کھڑے کھڑے کرے یا بیٹھ جائے اور دوسرے نمازیوں کے ساتھ حیّ علی الصلوٰۃ یا حیّ علی الفلاح پر کھڑا ہو؟ اس سوال کے جواب میں فقہاءِ اسلام نے فرمایا کہ اسے کھڑے کھڑے نماز کے شروع ہونے کا انتظار کرنا مکروہ ہے اسے چاہئے کہ ایسی صورت میں وہ مسجد کے اندر داخل ہوتے ہی بیٹھ جائے اور جب مکبّر حیّ علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو وہ کھڑا ہو۔

فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مکتبۂ ماجدیہ پاکستان جزء اوّل ص۵۷ میں ہے۔

اذا دخل الرّجل عند الاقامة يكره له الانتظار قائمًا ولكن يقعد ثمّ يقوم اذا بلغ المؤذن قوله حَيّ عَلَى الفَلَاح كذا فى المضمرات۔	اگر کوئی نمازی مسجد کے اندر تکبیر اقامت کے وقت داخل ہوا تو اس کے لئے نماز کے شروع ہونے کا انتظار کھڑے ہوکر کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن تکبیر میں حیّ علی الفلاح کہے ایسا ہی مضمرات میں ہے۔

میں نے آپکے سوال کے جواب میں یہ بھی کہا ہے کہ تکبیر اقامت کے وقت بیٹھے رہنا اور حیعلتان کے وقت کھڑا ہونا سنّتِ سلف اور سنّتِ صحابہ ہے اُس کا سنّتِ سلف ہونا تو عبارت فقہیہ بالا سے ثابت ہے۔ باقی رہا سنّتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہونا تو اس سلسلہ میں عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الاذان۔ باب متیٰ یقوم النّاس مطبوعہ بیروت ص۱۵۳ جلد۵ کی یہ عبارت سامنے ہونی چاہئے فرماتے ہیں۔

وكان انس رضى الله عنه يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصّلوٰة ۔ الخ	کہ حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہتا تھا۔

یہ وہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے مسلسل دس سال تک حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کرنے کا شرف حاصل کیا اور

آپ کے شبانہ یوم معمولات سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ان سے ایک ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں روایت ہیں۔ صرف بخاری و مسلم نے ان سے ایک سو اڑسٹھ حدیثیں لینے کا فخر حاصل کیا ہے۔ یہی وہ صحابی رسول ہیں جن کی آل اولاد حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مقبول دعاؤں کی چھاؤں میں پھلتی پھولتی رہی۔ آپ کے سامنے آپ کی اولاد کی تعداد تقریباً سو تھی۔ آپ بصرہ میں مقیم وہ آخری صحابی ہیں جن کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی جن سے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار ملاقات کا شرف حاصل فرمایا۔ (تہذیب، تذکرۃ الحفاظ)

عمدۃ القاری شرح بخاری کے اسی صفحہ کی ایک اور عبارت ذہن نشین کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

وفی المصنف کرہ هشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوٰۃ۔	اور مصنف میں ہے کہ حضرت ہشام بن عروہ مکروہ سمجھتے تھے۔ اقامت کے وقت قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو۔

مختصر یہ کہ صحابۂ کرام سے لیکر ائمہ متاخرین بلکہ صاحبانِ فتاویٰ حضرات تک کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ تکبیر اقامت کے شروع ہی سے نماز کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور یہ بھی نہیں کہا کہ حی علی الصلوٰۃ یا اس کے بعد کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا گیا ہے کہ تکبیر اقامت کے وقت امام اور مقتدی بیٹھے رہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح سے پہلے یا قد قامتِ الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے..... اس کراہت سے بچنے کے لئے ان تینوں قولوں میں سے کسی ایک پر عمل کر لینا گویا استحباب کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں دیوبندی مذہب کے لوگ کچھ زیادہ ہی شدت برت رہے ہیں کیونکہ ان کے بعض مولویوں نے صفوں کو سیدھی کرنے کا بہانہ بنا کر تکبیر اقامت کے شروع وقت سے ہی کھڑے رہنے کی اجازت دیدی ہے۔ جیسا کہ مولوی اشرف علی کے بعض فتاؤں۔ مولوی محمد شفیع دیوبندی کے "رفع الملامہ عن القیام عند اول الاقامہ" اور مولوی رشید احمد لدھیانوی کے "ارشاد الاتام بجواب ازالۃ الاوہام" رسالوں سے

ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن میں دیوبند مدرسہ کے ایک سابق مفتی اور استاذالادب مولوی اعزاز علی دیوبندی کی ایک ایسی عبارت پیش کردوں جو "مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری" ثابت ہو اور دیوبندیوں کے لئے راہِ فرار مسدود ہو جائے۔

نورالایضاح مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص۲۷ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

قولہ والقیامُ ای ومن الادب	قوم اور امام اگر محراب کے قریب ہوں (یعنی
قیام القوم والامام ان کان حاضرًا	مسجد میں موجود ہوں) تو ادب میں سے یہ
بقرب المحراب وقت قول	ہے کہ وہ اقامت کہنے والے کے قول حَیَّ عَلَی
المقیم حیّ علی الفلاح لان	الفَلَاح پر کھڑے ہوں، کیونکہ اقامت کہنے والے
المقیم فی ضمن قولہ ھذا	کے اس قول کے ضمن میں قیام کا حکم موجود ہے
امر بالقیام فیجاب	پس اس کا جواب دو (عملاً)

خدا کا شکر ہے دیوبند مدرسہ کے استاذالادب کو حیّ علی الفلاح کے وقت امام و مقتدی کے کھڑے ہونے کو ادب (مستحب) کہنے کی توفیق تو ملی۔ کاش کہ اسی ادب کو حاصل کرنے کے لئے اس مسئلہ کے اختلاف کو ختم کر دیا جاتا۔ واللہ تعالیٰ الموفق الی الصواب۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

مسجد اور اس کے متعلق مسائل

مسئلہ ۸۸۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ مسلم آبادی کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد تھی لیکن آہستہ آہستہ آبادی بڑھتی گئی اور نمازیوں کے لئے مسجد تنگ ہوتی گئی، برسات اور گرمی کے موسم میں نمازیوں کو ادائے نماز میں بیحد تکلیف ہونے لگی اور آبادی ایک جانب اتنی بڑھ گئی کہ وہ مسجد آبادی کے کنارہ پر آگئی، مسلمانوں کی متفقہ رائے سے موجودہ آبادی کے درمیان ایک وسیع و عریض

مسجد کی بنیاد ڈال دی گئی ہے اور اس کی تعمیر بھی شروع ہو چکی ہے۔ یہاں کی مسلم آبادی کو مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات شرعی طور پر درکار ہیں اور یہ کہ پہلی فرصت میں مدلل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

۱۔ ایک مسجد کے ہوتے ہوئے اگرچہ وہ نمازیوں کے لئے تنگ ہو دوسری مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ پرانی مسجد (جو تنگ اور ناکافی ہے) کو شہید کر کے اس جگہ دینی مدرسہ یا اسکول یا پنچایت گھر کی تعمیر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ پرانی مسجد کے کارآمد اور بوسیدہ سامانوں کو بیچنا، خریدنا اور اپنے مکان وغیرہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ فروخت شدہ سامان کی رقم نئی مسجد یا اسلامی مدرسہ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۵۔ نئی مسجد میں جو الیکٹرک پنکھے اور روشنی کا انتظام کیا گیا ہے کیا اس کے پنکھے اور دوسرے سامان ضرورت کے وقت امام صاحب یا مسجد کمیٹی کے دوسرے افراد اپنے گھر لیجا کر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

محمد سمیع الزماں خاں، شیب پور، جمہوریہ الہند

۹۷ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

۱۔ مسلمانوں کے اعداد و شمار اور اسکی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ایک آبادی میں متعدد مسجدیں تعمیر ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس بات کا خیال ہمیشہ رکھنا چاہئے کہ دوسری مسجد کی تعمیر کہیں پہلی مسجد کی ویرانی کا سبب نہ بن جائے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہو تو دوسری تیسری مسجدوں کی تعمیر حرام ہوگی کہ یہ مسجدیں پہلی مسجد کی ویرانی و خرابی کا سبب بن گئیں

قَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ۝	اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو مسجدوں میں ذکرِ الٰہی سے منع کرے اور اس کی خرابی میں کوشش۔

وَسَعٰی فِیۡ خَرَابِہَا "ویرانی میں کوشش کرنا" کی تفسیر معتمد علیہم مفسرین کرام کے نزدیک یہ ہے کہ یا تو مسجد کو منہدم کر دیا جائے یا اُسے نمازیوں سے محروم (معطل) کر دیا جائے۔ چنانچہ تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی میں ہے "وَسَعٰی فِیۡ خَرَابِہَا ای بالھدم او التعطیل" وہو اعلم

۲۔ جب کوئی جگہ ایک مرتبہ مسجد شرعی کے حکم میں آگئی تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو جاتی ہے اب اس کو ویران کرنا، اسے مسمار کر کے اس جگہ کوئی دوسری عمارت بنانا خواہ وہ عمارت مدرسہ و خانقاہ کے نام سے ہو یا اسکول و پنچایت کے نام سے حرام بدانجام ہے۔ چنانچہ ہدایہ، فتح القدیر، درمختار، شامی اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے (یہ عبارت درمختار کی ہے)

ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدًا عند الامام ابدًا الی قیام الساعۃ و بہ یفتی اھ

اور اگر کسی مسجد کا ماحول (ارد گرد) ویران ہو جائے (مسلمانوں سے خالی ہو جائے) پھر بھی امام اعظم کے نزدیک اسکی مسجدیت تا قیام قیامت باقی رہے گی۔ اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

سوالنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس آبادی میں مسلمانوں کی کثرت ہے لہٰذا پرانی مسجد کے ماحول میں جو مسلم آبادی ہے ان پر لازم ہے کہ وہ پنجوقتی نمازوں سے اس کو آباد و معمور رکھیں۔ ورنہ اس سزا کا انتظار کریں جو مسجد کو ویران کرنے والوں سے متعلق قرآن پاک میں بتائی گئی۔

لَہُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ وَّ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ۔

ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ وہو اعلم

۳۔ صحیح حدیث پاک میں اضاعۃ المال (مال کو برباد کرنے) سے منع فرمایا گیا ہے (بخاری ص ۹۵۵/۲) لہٰذا پرانی مسجد کا جو استعمال شدہ پرانا سامان ہے، یا جو مال بوسیدہ ہو گیا ہے اگر کوئی مسلمان اسے خرید کر کسی پاک جگہ میں لگانا چاہے تو خرید بھی سکتا ہے اور مقام اہانت سے بچا کر اسے لگا بھی سکتا ہے۔ اور نیت خیر کے ساتھ مسجد کی نفع رسانی کے لئے اسے بیچا بھی جا سکتا ہے۔

لیکن مسجد کے سامانوں کی خرید و فروخت کوئی فردِ واحد اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ کام مسجد کی کمیٹی کے آپسی صلاح و مشورے سے ہو یا قاضیٔ شہر کی اجازت سے اگر قاضیٔ شہر نہ ہو تو اعلم علماءِ بلد کی اجازت سے۔ پھر اگر فروخت شدہ اشیاء سے حاصل شدہ رقم کی ضرورت پرانی ہی مسجد کو ہو تو اولاً اس رقم کو پرانی ہی مسجد میں لگائی جائے اور اگر اس رقم کی حاجت پرانی مسجد کو نہیں ہے تو اس کو نئی مسجد میں بھی لگا سکتے ہیں۔

فتاویٰ شامی ص۵۱۲ جلد ۳ میں ہے۔

فیباع نقضه باذن القاضی	تو مسجد کا پرانا سامان قاضی کی اجازت سے
ویصرف ثمنه الی بعض	بیچ دیا جائے اور اس کی موصولہ قیمت مسجدوں
المساجد	میں لگا دی جائے۔

ہدایہ مع فتح القدیر درمختار مع ردالمحتار میں ہے۔

وان تعذر اعادة عینه الی	اشیاءِ مسجد کا استعمال اگر ان ہی جگہوں میں دوبارہ
موضعه بیع وصرف ثمنه	ممکن نہ ہو تو فروخت شدہ اشیاء کی قیمت اسی
الی الحرمة صرفاً للبدل	مسجد پر صرف کی جائے کہ گویا انہی اشیاء کا صرف
الی المبدل۔	کرنا ہے کیونکہ بدل مبدل عنہ کا عوض ہوتا ہے۔

۲ اگر پرانی مسجد کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو نئی مسجد کو دی جا سکتی ہے جیسا کہ ابھی فتاویٰ شامی سے گذرا۔ ہاں اگر موصولہ رقم کے خرد برد ہو جانے کا اندیشہ ہو اور پرانی مسجد کو اسکی حاجت نہ ہو تو مدرسۂ اسلامی کی ضروریات میں بھی اس رقم کو خرچ کیا جا سکتا ہے یا مدرسہ کے ارباب حل وعقد کے ذریعہ وہ رقم مدرسہ کو دی جا سکتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے

ینبغی متابعة المشائخ المذکورین	مشائخ مذکورین مثلاً علامہ ابوشجاع اور امام اطوانی
فی جواز النقل بلا فرق بین	وغیرہما کی اس باب میں پیروی کرنی چاہئے کہ ایک
مسجد او حوض کما افتی	مسجد کی اشیاء فروخت شدہ کی رقم دوسری مسجد
به ابوشجاع والامام	یا حوض میں لگانا جائز ہے جیسا کہ انہوں نے

الحلوانی الخ یہی فتویٰ دیا ہے۔۔

جب وقت ضرورت حوض میں اس رقم کے لگانے کا جواز ہے تو مدرسۂ اسلامی میں کیوں نہ ہوگا؟ وہو اعلم

۵ نہیں ہرگز نہیں۔ مسجد کا کوئی سامان امام یا مسجد کمیٹی کے افراد اپنے گھر لے جا کر استعمال میں نہیں لا سکتے کہ یہ حرام ہے اور مسجد میں بھی اتنی ہی دیر تک استعمال کر سکتے ہیں جتنی دیر عام نمازیوں کو استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر امام نے مسجد کے اندر درس و تدریس کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے تو مسجد کا پنکھا یا مسجد کی روشنی صرف اتنی ہی دیر استعمال کر سکتا ہے جتنی دیر عام نمازی استعمال کر سکتے ہیں۔

بحر الرائق ص۲۵۰ جلد ۵ میں ہے۔

متولی المسجد لیس لہ ان یحمل سراج المسجد الی بیتہ۔ اھ	مسجد کے متولی کے جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کا چراغ اپنے گھر میں لیجائے۔

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے

ان اراد انسان ان یدرّس الکتاب بسراجِ المسجد (الی ان قال) وفی ما زاد علیٰ ثلث اللیل لیس لھم تاخیر الصلوٰۃ فلا یکون لھم حق التدریس الخ	اگر کوئی شخص مسجد کی روشنی میں کسی کتاب کے پڑھانے کا ارادہ کرے۔ تو ایسا کرنے کی اجازت تہائی رات سے زیادہ کی نہیں ہے کہ عشاء مستحب کا آخری وقت ہے تو اسکے بعد مسجد کی روشنی میں اسے پڑھانے کا حق نہیں ہوگا۔

اور یہ حکم صرف مسجد کی روشنی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر وہ سامان (مال و متاع) جو مسجد کی ملکیت ہے اس میں ذاتی مفاد کے لئے کوئی تصرف نہیں کر سکتا ہے۔ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ۔

واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۸ رجب ۱۴۲۲ھ

عورتوں کا مسجد وغیرہ میں جانا

مسئلہ ۸۸۴:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمانۂ موجودہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے، عورتوں کو خواہ جوان ہوں یا بوڑھی نماز جمعہ وعیدین ادا کرنے کے لئے مسجدوں میں جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

زمانۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں عورتوں کو مسجدوں اور عیدگاہوں میں جانے کی اجازت تھی بلکہ جس عورت کے پاس اوڑھنی یا حجاب کے کپڑے نہیں ہوتے وہ اپنی سہیلیوں سے ادھار مانگ کر استعمال کرتیں اور مسجد نبوی یا عیدگاہ میں جاتی تھیں۔ موجودہ زمانہ میں ہماری بہو بیٹیاں حسب ضرورت دکانوں، بازاروں میں جایا کرتی ہیں۔ بلکہ اسلامی محافل (جلسۂ سیرت النبی، جلسۂ میلاد النبی، تبلیغی جلسہ دعوت اسلامی، حلقۂ ذکر، اسلامی درس، اور اعراس بزرگان دین وغیرہم) میں بے روک ٹوک جایا کرتی ہیں بلکہ بعض جلسہ وجلوس میں انہیں دعوت دیکر بلایا جاتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ادائے نماز کے لئے مسجدوں سے انہیں روکا جاتا ہے؟ جبکہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے" لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ" (کتاب الجمعہ) اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔

امید ہے کہ کافی شافی جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

سائل۔ محمد فیصل مدارن۔ ڈیفنتر۔ ہالینڈ

۹۲ الجواب ـــــــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــــــ

حکم شرع تو آپ بعد میں سماعت فرمائیں گے، چونکہ آپ نے ایک حدیث پاک یاد دلادی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ احادیث کریمہ ہی کی روشنی میں پہلے اپنے سوالوں کا جواب سمجھ لیجئے پھر ائمہ اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان احادیث مبارکہ سے جو عطر کشید فرمائی ہے اس کی خوشبو سے مشام ایمان کو معطر کرنے کی سعی کروں گا۔ وباللہ التوفیق

صحیح بخاری، باب الجمعۃ۔ باب ھل علی من لا یشھد الجمعۃ میں ہے۔

(۱) لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰہِ مَسَاجِدَ اللّٰہِ　　اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔

ابوداؤد شریف کتاب الصلوٰۃ۔ "باب ماجاء فی خروج النسآء الی المسجد" میں ہے۔

(۲) لَا تمنعوا نساء کم المساجد و بیوتھن خیر لھن　　مسجدوں سے اپنی عورتوں کو منع مت کرو۔ اور اُن کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

ابوداؤد شریف کتاب الصلوٰۃ۔ باب ماجاء فی خروج النسآء الی المسجد" میں ہے۔

(۳) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی بیتھا۔　　حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کا اپنے کمرہ میں نماز پڑھنا اس کے گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور کمرے کے گوشہ (چھوٹی کوٹھری) میں اسکا نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے اسکے گھر (کمرہ) میں نماز پڑھنے سے۔

ابوداؤد شریف کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النسآء الی المسجد" کی ایک روایت یہ بھی ہے۔

(۴) قال لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وھن تفلات　　ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو مسجدوں میں آنے سے مت روکو لیکن وہ اپنے عام استعمالی (میلے کچیلے) کپڑوں میں نکلیں۔

مسلم شریف جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ۔ باب خراج النسآء الی المسجد میں ہے

(۵) قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شھدت احداکن المسجد فلا تمس طیبًا۔　　ہم سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو کو ہاتھ نہ لگائے۔

مسلم شریف کتاب الصلوٰۃ ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

(۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ اصابت بخورًا فلا تشھد معنا العشاء الاخیرۃ　　رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔

اور اخیر میں ایک اور حدیث پاک سماعت کر لیجئے! جس کو صحیح مسلم شریف سے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ

⑦ تَقُوْلُ لَوْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل الخ	ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ جدت (بناؤ سنگھار) کو ملاحظہ فرما لیتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

ان تمام احادیث مبارکہ کو اگر سامنے رکھئے تو موجودہ زمانہ کی عورتوں (الا ماشاء اللہ) کا جو حال اور نت نئے فیشنوں کا جال ہے آپ کا دل خود پکار اٹھے گا کہ ائمہ اسلام نے ان پر جو ممانعت کا پہرہ بٹھایا ہے وہ اجازت استحبابی اور نہی تنزیہی کے مقابلہ میں زیادہ ضروری تھا۔۔۔

جیسا کہ اس کا کامل احساس صدر اول ہی میں حضرۃ ام المومنین سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ اور خلیفہ ثانی امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم اور بعض دوسرے صائب الرائے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ہو چکا تھا اور انہوں نے اجازت نبوی کے باوجود اس زمانہ مبارکہ کی ان عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکا جو عورتیں اسلامی پیکر کا نمونہ تھیں اور صحبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلا واسطہ فیضیاب ہو چکی تھیں کیونکہ حضرات مانعین کے سامنے احادیث کریمہ کی وہ روایتیں بھی تھیں جن میں عورتوں کو خلوت کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عورتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مرد لوگ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیکر ہم پر سبقت لے گئے ہیں ہم یہ ثواب کس طرح پائیں؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو عورت گھر میں بیٹھے گی وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا ثواب پا لے گی۔ (روح المعانی جلد ۲۱)

آج کل عورتیں جس قدر دیدہ زیب بلکہ نظر فریب لباسوں میں ملبوس ہو کر اور دلکش خوشبوؤں سے معطر ہو کر تقاریب، محافل اور بازاروں کے لئے نکلتی ہیں اگر خدانخواستہ یہی حال زمانِ سعادت نشان میں بھی ہوتا تو کیا انھیں مسجدوں اور عیدگاہوں میں جانے کی اجازت ہوتی۔ ہرگز نہیں جیسا کہ سیدہ طیبہ طاہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنا اظہار خیال فرمایا..... پھر یہ کہ نماز کا مقصد رضائے الٰہی اور ثواب کا حصول ہے جو عورتوں کو مسجد سے زیادہ اس کے مکان کے صحن میں اور صحن سے زیادہ مکان کے اندر اور مکان سے زیادہ خاص کمرہ میں اور کمرہ سے زیادہ کمرہ کے کسی گوشہ میں حاصل ہے پھر خواہی نخواہی اسے مسجد ہی میں جانے کی کیا حاجت ہے؟!

باقی رہا حصول علم دین کے لئے کسی مسجد کسی مدرسہ اور مکتب وغیرہ میں جانا اور کسی دیندار معلمہ سے علم دین حاصل کرنا یہ تو صرف جائز ومباح ہی نہیں بلکہ مسلمہ عورتوں کے لئے بھی ویسے ہی واجب ہے جیسے مردوں کے لئے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلمٍ ومسلمۃٍ" علم دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر ضروری ہے۔" اور جہاں تک سینما اور تھیئٹر ہاؤس وغیرہ میں جانے کا تعلق ہے تو یہ فاسقات عورتوں کا شیوہ ہے۔

ضرورتِ شرعی کی وجہ سے عورتیں بغیر محرم کے اپنے محلّے، اپنے شہر وآبادی اور بازار میں جا آسکتی ہیں۔ ہاں حالتِ مسافرت میں اسکے ساتھ شوہر یا کسی محرم کا ہونا لازمی و ضروری ہے۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۱۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

مخضّب اللّحیۃ وامامتہ

۸۸۵ مسئلہ، ماقولکم ایہا العلماء الدینِ المتین وحامل الفتیاء الشرع المبین رحمکم اللہ عزّوجل فی ھٰذہ الامر۔

انّ امامنا الصّلوٰۃ الجمعۃ خاصۃ۔ وھو یعمل فی معمل النصاریٰ و یخضّب اللّحیہ بالسّوداء فی کل الاسبوع۔ وھو یترک صلوٰۃ الظھر والعصر عمومًا و یترک صلوٰۃ المغرب احیانًا لعمل المعمل۔ ولٰکن اذا جاء فی الدار فیصلی صلوات الفوائت کلھا قبل صلوٰۃ الوقتیۃ۔

فھل لنا صلوٰۃ الجمعۃ وصلوٰۃ الوقتیۃ باقتدائہ صحیح جائز ام لا؟ بیّنوا وتوجروا

عیسیٰ بن ابان مغربی رباطی مقیم بالامستردام، ھولنڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــــــــ

الاختضاب بالسواد جائز للمجاھدین فقط ولغیرھم حرام کما ثبت مع صحۃ الحدیث بتحریمہ لغیر اھل الجھاد۔

فلہ الاختضاب بالسواد حرام۔ وترک الصلوٰۃ بغیر عذر حرام وتارکھا فاسق۔ والعمل فی معمل النصاریٰ اھل الخسارۃ لیس بعذر عند الشرع۔ فالامام المذکور مرتکب الحرام عمدًا متوالیًا فوجب اھانتہ علی المسلمین شرعًا۔ وفی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وھو حرام۔ کما قال الامام العلامہ لابن العابدین شامی فی فتاواہ جلد ۱ ص ۵۲۳ "لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم الاھانۃ شرعًا" وفی الغنیۃ اضافہ علیھا "وفیہ اشارۃ الی انھم لو قدموا فاسقون یأثمون"

فیا ایھا الاخی السّائل لاتصلّ باقتدائہ صلوٰۃ الجمعۃ وغیرھا من صلوات الخمس لان اقتدائہ اثم وفی ھولندہ صحۃ الصلوٰۃ الجمعۃ مشکوکۃ لفقد الشرط من شرائطھا

كعدم السلطان وبلد الاسلام۔ فعليك صلوٰة الظهر يا اخی !
وان اديت صلوتا فی اقتدائه فوجبت اعادتها والتوبه
علےٰ من صلی خلفه۔ واللہ تبارك وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری دارالافتاء مسجد نوری امسٹرڈم
۲۱ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

پندرہ سال کے حافظ کی امامت

مسئلہ ۸۸۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا گذشتہ سال جامعہ سے حافظ قرآن ہوا۔ قرآن پاک بہت ہی صحت کے ساتھ پڑھتا ہے نماز کا بھی پابند ہے۔ ابھی اس کی عمر پندرہ سال نو مہینہ کی ہے لیکن اس کو ایک سال پہلے سے احتلام ہوتا ہے جیسا کہ خود اسی حافظ کا بیان ہے۔ البتہ اب تک اس کے چہرے پر ڈاڑھی کا آغاز نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کی امامت کی صحت میں لوگوں کو شک ہے۔ خود ہمارے امام صاحب کا کہنا ہے کہ نمازِ تراویح کے لئے اس کی امامت درست ہے لیکن فرض وواجب نمازیں وہ نہیں پڑھا سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ حافظ مذکور کی امامت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو صرف نماز تراویح میں یا فرض وواجب تمام نمازوں میں؟ خلاصہ جواب سے مشکور وممنون فرمائیں۔　　　اسحٰق روزان۔ تیل بیورخ۔ ہالینڈ

الجواب ـــــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــــ

سوالنامہ کے مندرجات سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ حافظ مذکور عندالشرع بالغ ہے کہ اس کی عمر پندرہ سال مکمل ہو چکی اور یہ کہ وہ محتلم بھی ہے اور شریعت کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی ایک کا پایا جانا بالغ ہونے کے لئے کافی ہے۔ اگر وہ صحت تلاوت کے ساتھ ساتھ مسائلِ طہارت وصلوٰۃ سے بھی واقف ہے تو وہ صالح امامت ہے۔ ہر ایک نماز کی وہ امامت کر سکتا ہے۔ اس کی امامت پر لوگوں کا اعتراض جہالت ونادانی

ہے۔ اور امام مذکور کی جانب سے حافظ مذکور کی امامت کی تفریق بیجا ہے۔ جب اس کی اقتدا میں نماز تراویح درست ہے تو دوسری نمازیں بھی درست ہوں گی۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے۔

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال و الانزال (الی ان قال) فان لم یوجد فیهما فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی وقرره فی الدر...	لڑکے کے بالغ ہونے کی پہچان اس کا احتلام و انزال اور حاملہ کرنا ہے۔ اگر احتلام وانزال نہ ہو مگر اس کی عمر پندرہ سال ہو جائے جب بھی وہ بالغ ہے۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

امام ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے۔ صحیح البہاری ص ۴۶۵ میں ہے۔

ونهانا امیر المومنین عمر بن الخطاب) ان یؤمنا الا المحتلم	امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکے کی امامت سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ محتلم ہو جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

لا یؤم الغلام حتی یحتلم (کشف الغمۃ)	لڑکا امامت نہ کرے حتی کہ اُسے احتلام ہونے لگے۔

ان دونوں ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ علامتِ بلوغیت پائے جانے سے قبل کوئی لڑکا امامت نہ کرے۔ اور جب حافظ مذکور کے اندر بلوغیت کی علامت ایک سال قبل سے پائی جارہی ہے تو اس کی امامت میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ باقی رہا اس کے چہرہ پر ڈاڑھی کا نہ ہونا تو یہ عند الفقہاء شرط بلوغیت نہیں ہے۔ ہاں اگر ڈاڑھی ہوتی اور یہ اسے صاف کرادیتا تو مجرم تھا...... امرد کی امامت کو فقہاء کرام نے مکروہ تنزیہی لکھا ہے۔ مگر مکروہ تنزیہی کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی امامت ناجائز یا غیر صحیح ہے بلکہ اس کا مفاد صرف خلاف اولیٰ ہے۔ پھر اُس امرد کی امامت خلاف اولیٰ ہے جس کو دیکھ کر ذلیل و نفس پرست لوگ شیطانی اور شہوانی خیالات میں پڑتے ہوں لیکن حافظ صاحب مذکور سے متعلق سوالنامہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ ان کی امامت پر کراہت تنزیہی کا حکم

لگایا جائے۔ علامہ شامی اپنے فتاویٰ صـ۵۲۵ میں لکھتے ہیں۔

الظاهر انّها تنزيهية ايضًا و الظاهر ايضًا كما قال الرحمتي ان المراد به الصبيح الوجه لانه محل الفتنة (وفيه ايضًا) علّة الكراهة خشية الشهوة وهو الاظهر...	امرد کی امامت کا مکروہ ہونا قول ظاہر کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ علامہ رحمتی نے فرمایا کہ امرد سے مراد حسین وجمیل چہرہ والا ہے کہ محل فتنہ ہے۔ اور ردالمحتار ہی میں ہے کہ کراہت کی وجہ شہوۃ کے غالب ہونے کا خوف ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

اور فتح القدیر جلد اوّل صـ۳۰۷ میں ہے۔

ومرجعها... الى خلاف الاولىٰ	کراہت کا مرجع خلاف اولیٰ کی طرف ہے مطلق کی طرف نہیں۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ ۲ رشوال المکرم ۱۴۱۰ھ

اسکرٹ کے ساتھ نماز

مسئلہ ۸۸۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل عورتوں کی قمیص کا بازو ایسا بنتا ہے کہ پہننے کے بعد بازو کا ایک چوتھائی حصہ کھلا رہتا ہے اور اسکرٹ (SKIRT) میں بھی پنڈلی کا نیچلا حصہ کھلا رہتا ہے۔ ان دونوں لباسوں کے ساتھ نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟ 　بینوا وتوجروا

سعیدہ رمضان علی۔ ہیلفر سوم ہالینڈ

۷۸۶/۹۲ الجواب ——— ھوالھادی الی الصواب ———

پردہ عورتوں کے لئے واجب ہے خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں، اس میں سستی کاہلی جائز نہیں۔ اور خاص کر یورپ کے ملکوں میں مسلمان مرد اور عورتیں اسلام کا سفیر اور نمائندہ ہیں، جہاں انہیں اسلامی بنیادی اصولوں کو عمدگی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

عورتوں کو ایسے لباس کے ساتھ نامحرموں کے سامنے جانے کی اجازت ہی نہیں جس سے بے پردگی ہوتی ہو۔ پھر حالتِ نماز میں تو اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جن لباسوں کا ذکر سوالنامہ میں ہے اور جس سے بازو اور پنڈلی کا کچھ حصہ عریاں رہتا ہے اگر اس کے اوپر سے کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو مکمل بازو اور پنڈلی کو ڈھانک لے تو اس قمیص کے ساتھ عورت کی نماز باطل ہوگی اور اس اسکرٹ (سایہ، لہنگا) کے ساتھ بھی۔ اور اگر اسی حال میں اس کو کسی غیر محرم نے دیکھ لیا تو گنہگار بھی ہوئی۔ ہاں اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جواز کا فتویٰ ہوگا۔ لقولہ تبارک وتعالیٰ " لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اللہ تعالیٰ کسی ذات کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا (البقرہ) واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

نمازی کے جیب میں اگر تصویریں ہوں

۸۸۸ مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ دور میں تصاویر سے الگ تھلگ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ شاید باید ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا کہ حالت نماز میں اس کے پاس تصویریں نہ ہوں۔ یورپ کی بات تو الگ ہے۔ مسلم ممالک کہلانے والے مثلاً پاکستان، سعودی عرب اور عرب امارات وترکی وغیرہم میں نوٹوں اور سکوں پر وہاں کے سربراہوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور حالت نماز میں نمازیوں کے جیب اور منی بیگ میں وہ نوٹ اور سکے موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ سرفراز گلزار۔ آمسٹرڈم، ہالینڈ۔

۹۷ الجواب ——— ھوالھادی الی الصواب ———

تصاویر کھینچنے اور کھنچانے کی حرمت احادیث مشہورہ متواترہ سے ثابت ہے اور نصوصِ ممانعت کے ہوتے ہوئے بغیر عذر شرعی کے اس کی اباحت کی کوئی صورت

نہیں بنتی ہے۔ لہٰذا جن نام نہاد اسلامی ممالک کے سربراہوں نے اپنی رضا سے تصویریں کھینچوائیں اور انہیں عام کیا وہ سب اس حرام کے مرتکب ہوئے۔ ہاں اگر وہ سب اس کی اباحت کے بھی قائل ہوں تو اس کا حکم نہایت سنگین ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

ضروری کاغذات (نوٹ، ڈرائیونگ لائیسنس، دوکانوں یا درآمد برآمد کے لائیسنس، پاسپورٹ اور ویزا وغیرہم) اور سکّے وغیرہ جن پر ملکی قانون کے مطابق تصویریں ہوتی ہیں، ان سب کو جیب یا پرس میں رکھکر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ان چیزوں کو ساتھ رکھنے پر مجبور ہے اس لئے اس کا کوئی اثر نماز پر نہیں ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

حیض کی حالت میں نماز پڑھنا

مسئلہ ۸۸۹ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حیض والی عورتوں کے لئے کلمات طیبات اور تسابیح و اذکار کا ورد جائز ہے یا نہیں؟ کوئی حائضہ عورت درجنوں عورتوں کے ساتھ، مسائلِ دینیہ سیکھنے کے لئے ایک مجلس میں شریک ہوئی۔ دورانِ اجلاس جب نماز کا وقت آیا تو عورتیں نماز میں مصروف ہوگئیں اور وہ حائضہ عورت بھی شرم و غیرت کی وجہ سے دوسری عورتوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئی اور اُٹھ بیٹھ کرنے لگی۔ سوال یہ ہے کہ حائضہ کے لئے نماز میں شریک ہو جانا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

ہمشیرہ محمد شفیق نور خاں، نوردیک، لائیڈن

الجواب ۹۲/۴۶ ـــــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــــ

بیشک حائضہ عورتوں کے لئے کلمات اسلام، درود و استغفار اور تسبیح و اذکار کا پڑھتے رہنا جائز اور وجہ ثواب ہے بلکہ قرآنی آیاتِ دعائیہ بہ نیت دعا، پڑھنا بھی جائز ہے۔ البتہ تلاوتِ کلام پاک پھر اس کا چھونا، مسجد سے گزرنا اور نماز پڑھنا حالت حیض میں حرام ہے۔ کیونکہ اس کی شدید ممانعت احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انی لا احل المسجد لحائض ولا لجنب (رواہ ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں مسجد کو نہ تو حائضہ عورتوں کے لئے حلال کرتا ہوں اور نہ ہی جنبیوں کے لئے۔

نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کے دین میں کمی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَیست اِحدٰا کُنّ اِذَا حَاضَتْ لَا تَصُوْمُ وَلَا تُصَلِّیْ (بخاری)

کیا ایسا نہیں ہے کہ تم میں کی کوئی عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو نہ وہ روزہ رکھتی ہے اور نہ ہی نماز ادا کرتی ہے۔

حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

کنا نحیض علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوٰۃ (رواہ البخاری والمسلم)

عہد رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جب ہم عورتیں حائضہ ہوتی تھیں تو ہمیں روزہ کے قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

حیض چونکہ عموماً ہر ماہ عورتوں کو آتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر خاص رحم وکرم فرما کر اس سے نماز کا وجوب ختم فرما دیا تاکہ وہ مشقت میں نہ پڑیں البتہ روزہ بارہ مہینوں کے اندر صرف ماہِ رمضان المبارک میں فرض ہوتا ہے اس لئے برائے رحمت ومہربانی حیض کی حالت میں اس کو ساقط کر دیا اور بعد میں بحالت طہارت اس کے قضا کا حکم دیا۔

حائضہ عورتوں پر نماز روزہ، مسجد سے گذرنا اور قرآن حکیم کو چھونا، پڑھنا وغیرہ حرام ہے۔ صرف شرم وحیا کی وجہ سے یہ حرام باتیں عورتوں کو حلال نہیں ہو جائیںگی۔ اِنِ الحکم اِلَّا لِلّٰہِ، حکم تو صرف شریعت کا چلتا ہے جس عورت نے شرم وغیرت کی وجہ سے دکھلاوے کی اٹھک بیٹھک کی۔ اس نے شریعت کی دی ہوئی رعایت ورحمت کا عملاً انکار کیا اور اپنے ہم جنسوں کو دھوکہ دیا۔ وہ اپنے اس غلط فعل پر بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرے اور معافی

طلب کرے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۵ر شوال المکرم ۱۴۲۱ھ

نمازی کے آگے سے گذرنا

مسئلہ ۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین حاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے آگے قبلہ کی دیوار ہے اس کے اور دیوار کے درمیان کوئی سترہ نہیں ہے ایسی صورت میں ایک بچہ بار بار زید کے آگے سے آتا جاتا ہے۔ یا کوئی مصلی اپنی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے زید کے آگے سے گذر جانا چاہتا ہے تو کیا شرع کی طرف سے اُسے گذرنے کی اجازت ہے؟۔

مشتاق احمد بٹ۔ بیلرپلین۔ آمسٹرڈم زداُو۔ ہالینڈ

الجواب ـــــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــــ

شریعت کے نزدیک بچے، پاگل اور نیند میں سوئے ہوئے لوگ مرفوع القلم ہوتے ہیں یعنی ان پر شریعت کے احکام نافذ نہیں ہوتے۔ اگر بچے کسی نمازی کے آگے سے گذر جائیں تو اُن کے لئے معافی ہے۔ اور نمازی کی نماز میں بھی کوئی خرابی نہیں آئیگی ...... اگر قبلہ کی دیوار اور زید (مصلی) کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ خاشع مصلی کی نگاہ حالت نماز میں عادتاً دیوار تک نہیں پہنچ پاتی ہے تو دیوار کی طرف سے کوئی بھی آدمی گذر سکتا ہے۔ اور اگر اتنا فاصلہ نہیں ہے بلکہ پلکوں کو کشادہ کردینے پر دیوار تک نظر آجاتی ہے تو نمازی اور دیوار کے درمیان سے گذرنا جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے۔

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان یقف اربعین خیرٌ لہ من ان یمر بین یدیہ	اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والا جان لے کہ اس پر کیا گناہ ہے تو اپنے لئے چالیس (سال) تک ٹھہرے رہنے کو بہتر خیال کرے۔

اس حدیث پاک سے کسی نمازی کے آگے سے گذرنے کی شناعت معلوم کی جاسکتی ہے۔ محدثین کرام نے اربعین سے مراد اربعین سنۃ (چالیس سال) کیا ہے۔ واللہ تبارک تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ دارالافتا مجلس علما ہیدرلینڈ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

خطبۂ جمعہ اور اس سے متعلق مسائل

۸۹۱ مسئلہ: کیا حکم ہے شریعتِ اسلامیہ کا اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ اول و آخر عربی میں ہو مگر عوام مسلمین کو مسائلِ دینیہ سیکھانے کے لئے درمیان میں اگر مقامی زبان (مثلاً ڈچ، انگلش، اردو، پنجابی وغیرہ) استعمال کی جائے تو شرعی طور پر اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ درمیانِ خطبہ سامعین کو کسی دینی بات کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور تیسری بات یہ ہے کہ ایک نمازی ایسے وقت مسجد میں داخل ہوا کہ خطبہ کی اذان ختم ہورہی ہے اور خطیب خطبہ شروع کرنے والا ہے اور آنے والے شخص کو اسی وقت یاد آیا کہ آج اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو کیا وہ اسی وقت فجر کی قضا پڑھ سکتا ہے۔ امید ہے کہ تینوں سوالوں کا جواب باصواب عنایت فرماکر عنداللہ مشکور ہوں گے۔

سائل: مجیب الحق رجیب

سخیپول (ائیرپورٹ) ویسٹ آمسٹرڈم

۸۹۲ **الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ**

خطبۂ جمعہ میں کسی بھی غیر عربی زبان کی ملاوٹ سنت متوارثہ کے خلاف یعنی مکروہ ہے۔ ہر خطیب کو اس سے بچنا چاہئے اور اسی روش پر چلنا چاہئے جس پر خیر القرون کے خلفاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چلتے رہے۔

اگر مسائل دینیہ کی تعلیم صحیح معنوں میں مقصود ہے تو خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد اس کا صحیح وقت ہے۔ جن جن دلوں میں دین کی وقعت واہمیت ہوگی اور دین سیکھنے کا جذبہ ہوگا وہ خطبہ سے پہلے آجائیں گے یا نماز کے بعد ٹھہرے رہیں گے۔

۲۔ خطبہ سننا بھی عبادت ہی ہے اسی لئے فقہاء اسلام نے درمیانِ خطبہ سلام، کلام یہاں تک کہ تلاوت کلام پاک اور نماز سے بھی منع فرمایا ہے۔

منحۃ الخالق میں ہے۔

یکرہ الکلام حال الخطبۃ وکذا قرأۃ القرآن وکذ الصلوٰۃ وکذا مایشغل عن سماع الخطبۃ۔

خطبہ کے درمیان بات چیت کرنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا، نماز پڑھنا اور ایسے ہی ہر اس کام میں مشغول ہونا جو خطبہ سننے میں مخل ہو، مکروہ تحریمی ہے۔

اور شرحِ زاہدی میں ہے۔

یکرہ لمستمع الخطبۃ ما یکرہ فی الصلوٰۃ من اکل وشرب وعبث والتفات و نحو ذٰلک (وفی الخلاصۃ) کل ماحرم فی الصلوٰۃ حرم حال الخطبۃ اھ

خطبہ سننے والے کے لئے ہر وہ کام مکروہ تحریمی ہے جو نماز میں مکروہ ہے خواہ وہ کام کھانے پینے سے متعلق ہو خواہ کھیل کود سے خواہ اِدھر اُدھر متوجہ ہونے سے اور فتاویٰ خلاصہ میں ہے کہ جو کام حالتِ نماز میں حرام ہے وہ سب خطبہ سننے کی حالت میں بھی حرام ہے۔

۳۔ خطبہ کے وقت ہر نماز کی ممانعت ہے۔ مگر قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہے لہٰذا اگرچہ خطبہ ہو رہا ہو تو آنے والا شخص پہلے اپنی قضا نماز (نماز فجر) ادا کرے گا پھر خطبہ سنے گا۔ اور اگر آنے والا شخص بعونہٖ تعالیٰ صاحب ترتیب ہے تو جب تک وہ اپنی قضا نماز یا نمازوں کو ادا نہیں کرے گا خطبہ یا نماز جمعہ میں بھی شریک نہیں ہو سکتا ہے ہاں اگر ظہر کا وقت نکل جانے کا گمان غالب ہو تو ظہر کی نماز فرض پہلے پڑھ لے گا پھر بقیہ قضا پڑھے گا۔ واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

تراویح میں تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا

مسئلہ ۸۹۲ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ اکثر میں نے ختم تراویح میں

دیکھا ہے کہ حافظ صاحب جس رات کو قرآن پاک ختم فرماتے ہیں تو سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ شریف) کو بسم اللہ کے ساتھ تین بار پڑھتے ہیں۔ چونکہ دوسری نمازوں میں ایسا نہیں دیکھا جاتا ہے اسلئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز و درست ہے یا نہیں؟ جواب باصواب کے ساتھ تشفی فرمانے کی زحمت گوارہ کریں۔

سائل :۔ شیخ محمد شفیق ۔ آلمیرہ ہائن ۔ ہالینڈ

۹۲ الجواب ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

نماز تراویح چونکہ سنت ہے فرض نہیں۔ اور فرض وواجب نمازوں کے علاوہ میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی دوسری سورۃ کی تکرار (بار بار پڑھنا) ناجائز و مکروہ نہیں بلکہ اس کے استحسان میں علماء کرام اور ائمہ اسلام کا اختلاف ہے۔ یعنی بعض علماء نے اسے مستحسن مانا اور بعض نے مستحسن نہیں مانا۔ لیکن مستحسن نہیں ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنا ناجائز یا نادرست ہے۔ بلکہ صرف یہ کہ ایسا کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

غنیہ شرح منیہ میں ہے۔

لایکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل اوسع الخ	غیر فرض نمازوں میں کسی سورت کا بار بار پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ نفل کا معاملہ وسیع تر ہے۔

پھر اسی میں ہے۔

قراءۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ثلٰث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنها بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث هذا الشئ استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلا بأس به	ختم قرآن کے وقت سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے تین بار پڑھنے کو بعض مشائخ نے مستحسن نہیں جانا۔ ولیکن فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ اہل علم حضرات اور ائمہ کرام نے اسے مستحسن جانا ہے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

کتاب الزکوٰۃ

(زکات کا بیان)

نصاب، حولانِ حول، چند نصابوں کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے

مسئلہ ۸۹۳ :- حاجی محمد فاروق، اینڈہوفن، ہالینڈ
۷-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موجودہ اوزان (کیلو، کیلوگرام) میں کتنی چاندی یا کتنا سونا کا ایک نصاب بنتا ہے؟ حولانِ حول سے شمسی سال مراد ہے یا قمری! اگر کوئی مسلمان چند نصابوں کا مالک ہو تو سونا چاندی میں اس کی زکوٰۃ کس حساب سے کتنی نکلے گی؟ پوری وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں تاکہ نیدرلینڈ کے مسلمانوں کی آسانی کے لئے میں اس کا ترجمہ ڈچ زبان میں کردوں، اس طرح حضور کے ساتھ میں بھی ثواب میں شریک ہو جاؤں گا۔

آپ کا خادم: محمد فاروق صبور علی

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ۲۷-۸-۹۲ء

جو عاقل بالغ آزاد مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) ساڑھے سات (۷½) تولہ سونا یعنی رائج الوقت وزن میں ستاسی گرام سینتیس پوائنٹ (۸۷-۳۷) سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی (چھ سو گیارہ گرام باسٹھ پوائنٹ چاندی ۶۱۱-۶۲) کا تنہا مالک ہو یا ان چاندی سونا دونوں میں سے کسی ایک کا مالک ہو وہ شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک صاحبِ نصاب

کہلاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ساڑھے ستاسی گرام سونا (تقریباً) کا ایک نصاب ہوتا ہے یونہی چھ سو ساڑھے گیارہ گرام چاندی (تقریباً) کا ایک نصاب ہوتا ہے ـــــ ایک نصاب سے کم سونا یا چاندی یا اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں۔ یونہی ایک نصاب کے بعد جب تک نصاب کے پانچویں حصہ تک سونا یا چاندی نہ پہنچ جائے اس کے درمیانی وزن پر زکوٰۃ معاف ہے۔ جیسا کہ آنے والے نقشہ سے ظاہر ہوگا۔

حولانِ حول سے مراد قمری سال ہے جس کا حساب چاند سے ہوتا ہے عموماً تین سو پچپن دنوں کا ایک قمری سال ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں شمسی سال کا اعتبار نہیں ہے۔ ایک قمری سال گزر جانے کا نام حولانِ حول ہے۔ اور جب نصاب پر ایک قمری سال گزر جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت بھی نماز روزے کی طرح قطعی ہے اس کا منکر عند الشرع کافر اور اگر منکر نہ ہو لیکن صاحب نصاب ہو کر زکوٰۃ نہ نکالے یا زکوٰۃ نکالنے میں تاخیر اور بہانہ بازی کرے تو وہ شریعت کے نزدیک فاسق و فاجر اور مستحق عذاب الیم ہے۔

عامۃ المسلمین کے سمجھنے کے لئے میں چاندی سونا کی زکوٰۃ کا ایک نقشہ پیش کر رہا ہوں تاکہ اہلِ نصاب حضرات کو چاندی سونے کی زکوٰۃ نکالنے میں آسانی ہو اس نقشہ میں دو مقداروں کے درمیان جو مقدار نہیں لکھی گئی ہے اس کی زکوٰۃ معاف ہے مثلاً نقشہ کے پہلے خانہ میں ستاسی گرام سینتیس پوائنٹ سونا کی مقدار ہے جس کی زکوٰۃ دو گرام اٹھارہ پوائنٹ ہے اس کے بعد ایک سو چار گرام چوراسی پوائنٹ ہے جس کی زکوٰۃ دو گرام باسٹھ پوائنٹ ہے۔ اور ستاسی کے بعد ایک سو چار تک کوئی مقدار نقشہ میں نہیں ہے۔ لہٰذا درمیانی مقدار کی زکوٰۃ معاف ہے مثلاً کسی کے پاس ایک سو چار گرام سونا ہے تو اس کو صرف ستاسی گرام سینتیس پوائنٹ سونا ہی کی زکوٰۃ دینی ہوگی ـــــ اسی طرح نقشہ میں جہاں جہاں دو مقداروں کے درمیان کسی مقدار کی وضاحت نہیں ہے اس میں پہلی والی مقدار ہی کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

سونا کے ایک نصاب سے ایک کیلو سونا تک کی زکوٰۃ کا نقشہ

۵ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	سونا کی مقدار پوائنٹ گرام	۴ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	سونا کی مقدار پوائنٹ گرام	۳ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	سونا کی مقدار پوائنٹ گرام	۲ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	سونا کی مقدار پوائنٹ گرام	۱ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	سونا کی مقدار پوائنٹ گرام
۲۱-۳۰	۸۵۵-۸۴	۱۶-۶۰	۶۶۳-۸۸	۱۱-۷۹	۴۷۱-۷۱	۶-۹۹	۲۷۹-۵۴	۲-۱۸	۸۷-۲۷
۲۱-۸۳	۸۷۳-۳۱	۱۷-۳	۶۸۱-۳۴	۱۲-۲۳	۴۸۹-۱۸	۷-۴۳	۲۹۷-۱	۲-۶۲	۱۰۴-۸۴
۲۲-۲۷	۸۹۰-۷۸	۱۷-۴۷	۶۹۸-۸۱	۱۲-۶۷	۵۰۶-۶۵	۷-۸۶	۳۱۴-۴۸	۳-۶	۱۲۲-۳۱
۲۲-۷۱	۹۰۸-۲۵	۱۷-۹۱	۷۱۶-۸	۱۳-۱۰	۵۲۴-۱۲	۸-۳۰	۳۳۱-۹۵	۳-۴۹	۱۳۹-۷۸
۲۳-۱۴	۹۲۵-۷۲	۱۸-۳۴	۷۳۳-۵۵	۱۳-۵۴	۵۴۱-۵۹	۸-۷۴	۳۴۹-۴۲	۳-۹۳	۱۵۷-۲۵
۲۳-۵۸	۹۴۳-۱۹	۱۸-۷۸	۷۵۱-۲	۱۳-۹۸	۵۵۹-۶	۹-۱۷	۳۶۶-۸۹	۴-۳۷	۱۷۴-۷۲
۲۴-۲	۹۶۰-۶۶	۱۹-۲۱	۷۶۸-۴۹	۱۴-۴۱	۵۷۶-۵۳	۹-۶۱	۳۸۴-۳۶	۴-۸۰	۱۹۲-۱۹
۲۴-۴۵	۹۷۸-۱۳	۱۹-۶۵	۷۸۵-۹۶	۱۴-۸۵	۵۹۴-۰۰	۱۰-۰۵	۴۰۱-۸۳	۵-۲۴	۲۰۹-۶۶
۲۴-۸۹	۹۹۵-۶۰	۲۰-۰۹	۸۰۳-۴۳	۱۵-۲۹	۶۱۱-۴۷	۱۰-۴۸	۴۱۹-۳۰	۵-۶۸	۲۲۷-۱۳
۲۵-۳۲	۱۰۱۳-۷	۲۰-۵۲	۸۲۰-۹۰	۱۵-۷۲	۶۲۸-۹۴	۱۰-۹۲	۴۳۶-۷۷	۶-۱۲	۲۴۴-۶۰
		۲۰-۹۶	۸۳۸-۳۷	۱۶-۱۶	۶۴۶-۴۱	۱۱-۳۶	۴۵۴-۲۴	۶-۵۵	۲۶۲-۷

چاندی کے ایک نصاب سے ایک کیلو تک کی زکوٰۃ کا نقشہ

۳ زکوٰۃ کی مقدار پوائنٹ گرام	چاندی کی مقدار پوائنٹ ۔ گرام	۲ زکوٰۃ کی مقدار پوائنٹ گرام	چاندی کی مقدار پوائنٹ ۔ گرام	۱ زکوٰۃ کی مقدار پوائنٹ گرام	چاندی کی مقدار پوائنٹ ۔ گرام
۲۷-۵۲	۱۱۰۰ — ۹۰	۲۱-۴۱	۸۵۶ — ۲۶	۱۵-۲۹	۶۱۱ — ۶۲
×	×	۲۴-۴۶	۹۷۸ — ۵۸	۱۸-۳۵	۳۳ — ۹۴

نوٹ۔ اگر کسی کے پاس ستاسی گرام سینتیس پوائنٹ (۸۷/۳۷) ہی سونا ہو تو صرف ایک نصاب

کی زکوٰۃ دو گرام اٹھارہ ۲٫۱۸ پوائنٹ نکالنی ہوگی۔ اور اس سے کم سونا کا وہ مالک ہے تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح اگر چھ سو گیارہ گرام باسٹھ ۶۱۱٫۶۲ پوائنٹ سے کم چاندی کا مالک ہے تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

نوٹ ۲:۔ چاندی یا سونے پر جس دن سال پورا ہوگا اسی دن کے بازار نرخ کا اعتبار ہوگا۔ اگر سال کے اختتام سے پہلے یا بعد میں نکالی جائے تو ان دنوں کے نرخ کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً محرم ۱۴۲۴ھ کی بائیس تاریخ کو کوئی مسلمان صاحب نصاب ہوگیا تو اس نصاب پر ایک سال گزرنے کے بعد ۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ کو زکوٰۃ واجب ہوگئی اگر صاحب نصاب چاندی یا سونا ہی زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہے جب تو بازار بھاؤ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر کرنسی نوٹوں یا کسی دوسری اشیا میں زکوٰۃ دینا چاہے تو ۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ میں چاندی، سونا کا عام بازار بھاؤ معلوم کرنا ہوگا اور اس دن جو چاندی، سونا کا نرخ ہوگا اسی حساب سے کرنسی نوٹوں کی ادائگی کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الخطیب نوری مسجد آمسٹرڈم

۲ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

بینک میں جمع شدہ نوٹوں کی زکوٰۃ

مسئلہ ۸۹:۔ محمد عباس ہشیورتی فرید الاسلام ۱۵-۱۰-۱۹۹۱

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مسلمان کے پاس چاندی سونا کا نصاب نہیں صرف وہ کاغذی گلڈروں (نوٹوں) کا مالک ہے لیکن اس کے کاغذی نوٹ ہمیشہ بینک میں رہتے ہیں۔ حسب ضرورت کبھی کبھی وہ کچھ گلڈر بینک سے نکال سکتا ہے لیکن کچھ گلڈر میعادی طور پر (فکس ڈیپوزٹ) جمع ہیں جس کو میعاد پورا ہونے پر نکال سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس مسلمان پر زکوٰۃ و فطرہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو وہ کس طرح اور کب زکوٰۃ نکالے گا۔؟

خادم۔ محمد عباس

۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر ایک سال سے اتنے گلڈر (ہالینڈ کی کرنسی) بینک میں جمع ہیں جس سے چاندی کا ایک نصاب (یعنی چھ سو بارہ گرام چاندی) خریدا جا سکتا ہے۔ تو وہ مسلمان صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ و فطر واجب ہے۔ اور جب وہ حسب ضرورت بینک سے اپنی کچھ رقم جب چاہے نکال لینے پر قادر ہے تو سال تمام ہونے کے بعد ہی اُس پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب ہو جائے گی۔ اور ادائیگی میں تاخیر ہونے پر گنہ گار ہوگا۔

ہاں جو رقم کسی میعاد کی پابندی کے ساتھ جمع ہے کہ اس سے پہلے نکالنا ممکن نہیں یا ممکن تو ہے مگر نہایت دشواریوں کے بعد، تو اس میعادی جمع شدہ رقم کے ہر سال کے اختتام پر زکوٰۃ واجب ہوتی جائے گی۔ لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی اُس وقت واجب ہوگی جب وہ بینک سے روپیہ نکالنے پر قادر ہوگا۔

اور یہ ضروری نہیں کہ کل رقم نکالنے کے بعد ہی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی بلکہ اگر نصاب کا ایک خمس نکالنے پر بھی قادر ہوگیا تو اس خمس کی زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت واجب ہو جائے گی۔ والمسئلۃ کلھا فی کتب الاسفار کالدرر والغرر ورد المحتار۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام، دی ہیگ، ہالینڈ

بدمذہبوں کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۸۹۵ : مولانا مطیع الرحمٰن اشرفی، گوپالپور
۲۱-۴-۱۴۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ و فطر کی رقموں کو دیوبندی وہابی، رافضی، خارجی، نیچری، قادیانی، مودودی، تبلیغی وغیرہم کے مدارس میں دینا درست ہے یا نہیں؟ اور دینے والوں کے ذمہ سے زکوٰۃ و فطرہ ادا ہوا یا نہیں؟ جو لوگ ان مدارس میں دیتے ہیں وہ یہ سوچ کر دیتے ہیں کہ وہاں بھی تو قال اللہ اور قال الرسول کی تعلیم ہوتی ہے۔ المستفتی: محمد مطیع الرحمٰن اشرفی گوپالپور ضلع سمستی پور۔

۸۹۲/۸

الجواب بعون الملک الوھاب

جماعاتِ مذکورہ فی السوال کے اکثر اکابر رہنما کے اقوال کفریہ خبیثہ پر علماء عرب و عجم نے کفر و ارتداد کا فتوی دیا اور فرمایا جو ان کے کفریات پر مطلع ہو کر ان کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی انہیں میں سے کافر و جہنمی ہے اور جماعاتِ مذکورہ کے متبعین کا حال اب تک یہی ہے کہ وہ اُن طواغیت کو اپنا ولی و رہنما اور دینی پیشوا گردانتے ہیں لہٰذا وہ سب کے سب غرقِ بالا میں سے ہیں۔ ان کی حمایت حرام اور اعانت نہایت بد انجام و عیہ آثام ہے۔ قال تعالیٰ عزوجل وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝ ان کے یہاں قال اللہ کی تعلیم عظمتِ الٰہی کے لئے نہیں بلکہ اہانتِ الٰہی اور کذبِ باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لئے ہے اور قَالَ الرَّسُول کا درس تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نہیں بلکہ (معاذ اللہ تعالیٰ) انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر معظمین کے عیوب نقائص تلاش کرنے کے لئے ہے۔ جو حال اسرائیل کے یہودیوں، حیفہ و ربوہ کے مرزائیوں کی تعلیم و تربیت کا ہے وہی حال ان گروہوں کی تعلیمات کا ہے۔ لہٰذا ان کے مدارس میں زکوٰۃ و فطرکی رقمیں دینا حرام اور ان کے دیئے سے فطرہ و زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر شرط ہے اور فقیر کا صاحب ایمان ہونا ضروری ہے اور وہاں تو ایمان ہی نہیں تملیک کیونکر متحقق ہو و تنویر الابصار ص ۹۳ میں ہے "لایجوز صرفہا لاہل البدع" واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والقضاء مجلس علماء ہیگ ہالینڈ

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ - ۱۲ جولائی ۲۰۰۱ء

کرایہ پر چلنے والی گاڑیوں اور مکانات پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

۸۹۳

مسئلہ: عابد علی، دی ہیگ ۱۴۲۲-۵-۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسلمان کے پاس اپنی رہائش کے علاوہ اور بھی مکانات ہیں جو کرائے پر لگے ہیں۔ اور استعمالی کار کے علاوہ دیگر کاریں

بھی ہیں جو ٹیکسی (کرایہ) میں چلتی ہیں تو کیا اُن مکانات کی مالیت یا کاروں کی قیمت پر بھی زکوٰۃ ہے؟ یا صرف ان کی آمدنیوں پر؟

المستفتی:۔ عابد علی بوساطت مجلس علما، نیدرلینڈ

۸۶/۹۲ الجواب بعون الملک الوھاب

وہ مکانات یا کاریں جو کرایہ پر چلتی ہیں یا کرایہ پر چلانے کے لئے خریدی گئی ہیں ان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہاں اگر اتنی آمدنی ہو جاتی ہے جس سے سونے یا چاندی کا ایک نصاب بن جائے اور اس آمدنی پر سال بھی گزر گیا ہو (حولانِ حول) تو اُس پر زکوٰۃ ہے۔ رہائشی مکان یا استعمال کے لئے لی گئی کاروں پر یا اس کی مالیت پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہاشمی حضرات مصرفِ زکوٰۃ کیوں نہیں؟

مسئلہ ۸۹۷:۔ محمد عمران علوی مسجد عابدین آمسٹرڈم ۱۲-۵-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالِ زکوٰۃ جن لوگوں کو دینے کی ممانعت ہے اس میں سرِفہرست ہاشمی مسلمان اور کفار و مشرکین آتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ساداتِ کرام کو کفار کے ساتھ کیوں گنایا جاتا ہے۔ جبکہ ایک قابلِ تعظیم ہے اور دوسرا لائقِ توہین! پھر زکوٰۃ کا مال ہاشمی سادات کو دینے سے کیوں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی؟۔

سائل:۔ خادم السادات محمد عمران علوی کیروف امام مسجد عابدین آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب

خنزیر اور آدمی دونوں کا گوشت حرام ہے ایک انتہائے نجاست کی وجہ سے، دوسرا انتہائے کرامت کی وجہ سے۔ اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے تو تعجب ہے کہ آپ کا سوال پھر اس کا جواب آپ کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دین کی اچھی سمجھ عطا فرمائے آمین۔

زکوٰۃ یہ اصل مال کا میل کچیل ہے جس کے نکال دینے سے سارا مال پاک صاف

ہو جاتا ہے۔ یہ انہی لوگوں کو دینا چاہئے جو اس کے مستحقین ہیں اور جس کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہاشمی حضرات نسبی اعتبار سے پاک و صاف طیّب و طاہر ہیں جنکے آباء و اجداد کی طہارت مسلّم و مؤکد و مبیّن ہے لہٰذا انہیں مال کا میل کچیل دیگران کے پاکیزہ خد و خال کو مندمل کرنے کی جرأت نہیں کی جائے گی۔ اسی لئے شریعتِ طاہرہ نے انہیں صدقاتِ واجبہ دینے سے منع فرمایا ہے اور یہ تاکید فرمائی ہے کہ اگر ہاشمی حضرات میں سے کوئی عسرت کی زندگی گزار رہا ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے پاک مال اور پاک کمائی سے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان کی خدمتِ عالیہ میں نذر گزارنا چاہئے۔ اگر وہ اس نذر کو قبول فرمالیں تو ہمارے لئے سعادت دارین کا سبب ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

صرف کاغذی نوٹوں پر زکوٰۃ و قربانی

مسئلہ ۸۹۸:۔ عاشق حسین دیلی سلیوتر سٹراٹ ۳۲

۲۲-۱۲-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کاغذی کرنسی جسے ہالینڈ میں گولڈن گلڈر (موجودہ یورو) کہا جاتا ہے وہ سونا کے مثل ہے یا چاندی وغیرہ معدنی قیمتی اشیاء کے؟

اگر کسی کے پاس اتنے گولڈن ہیں جس سے کئی نصاب چاندی کے خریدے جاسکتے ہیں لیکن سونا کا ایک نصاب بھی نہیں خریدا جاسکتا۔ تو ایسی صورت میں صرف کاغذی کرنسی رکھنے والا صاحبِ نصاب کہلائے گا یا نہیں؟ اور اس پر زکوٰۃ و قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا و توجروا۔

الجواب ۷۸۶ — ھو الھادی الی الصواب

سونا اور چاندی دونوں ثمن حقیقی و خلقی ہیں۔ جبکہ کسی ملک کی کاغذی کرنسی خواہ اس کا نام جو بھی ہو نہ ثمن حقیقی ہے نہ ثمن خلقی بلکہ موجودہ حالات کے تناظر میں زیادہ سے

زیادہ اُسے زرِ اصطلاحی اور ثمن عرفی کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی ایک مستند اور متقوم مال ہے جس کا خاص و عام میں لین دین ہوتا ہے۔ سونا چاندی سے متعلق امام اہلسنت مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

لَانَّهُمَا خلقا للثمنية ولا تبديل لخلق الله۔ (کفل الفقیہ)	چاندی، سونا ثمن ہونے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔

اور کاغذی کرنسی سے متعلق اسی "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" میں فرماتے ہیں۔

سلعة باصله لانه قرطاس و ثمن بالاصطلاح لانه يعامل به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة عليه تقديرات ثمنية بالثمن الاصلى كما علمت۔ فهو اصطلاح لامضائقة فيه الخ	اصل میں یہ (نوٹ) ایک متاع ہے اسلئے کہ یہ کاغذ کا ایک پرچہ ہے اور ثمن اصطلاحی ہے۔ اس لئے کہ اسکے ساتھ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ رقم جو اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ...... تو یہ ایک ثمن اصطلاحی ہے اس میں کچھ بھی مضائقہ نہیں۔

مختصر یہ کہ نوٹ نہ ثمن حقیقی ہے نہ ثمن مثلی ہے نہ ثمن دستاویزی وغیرہ ہے۔ اور نہ ہی سونا، چاندی یا کسی معدنی قیمتی اشیاء کے مثل و مشابہ ہے۔ ہاں وہ اپنے قدر و اہمیت کے اعتبار سے۔ سونا کے ساتھ مربوط کیا جا سکتا ہے ___ مگر شریعتِ مطہرہ کی نظر میں چونکہ چاندی بھی ثمنِ حقیقی ہے اس لئے خاص صدقۂ فطر کے باب میں وہ شخص صاحبِ نصاب کہلائے گا۔ جو اپنی کرنسی نوٹوں کے ذریعہ چاندی کا ایک مکمل نصاب خرید سکتا ہو کیونکہ اس میں فقراء کا نفع ہے اور فقہاء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے کہ جس صورت میں فقراء کا فائدہ زیادہ ہو اسی کو اختیار کرنا انسب ہے۔

جب چاندی کا ایک نصاب ان نوٹوں سے خرید سکتا ہے تو وہ صاحبِ نصاب ہے۔ حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

قربانی کے باب میں یہ دیکھا جائے گا کہ چاندی کے جتنے نصاب اس کے پاس ہیں اس کی زکوٰۃ کی رقم سے ایک چھوٹا جانور یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ خریدنا ممکن ہے یا نہیں اگر ممکن ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگی ورنہ نہیں ..... مثلاً کوئی شخص صرف اتنے نوٹوں کا مالک ہے جس سے چاندی کا الگ الگ دو نصاب (بارہ سو تئیس گرام چوبیں پوائنٹ چاندی) خرید سکتا ہے جس کی زکوٰۃ تقریباً ساڑھے تیس گرام چاندی ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ۳۰ گرام چاندی یا اس کی قیمت سے ایک سالہ بکری یا کسی بڑے جانور (جس کی قربانی ہوتی ہے) کا ساتواں حصہ خریدا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر خریدا جاسکتا ہے تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، نوری مسجد آمسٹرڈم ۲۲ ۱۲/۸۶ء

نوٹوں سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ ۸۹۹: ذاکر ننھے خاں، ویل سلیور سٹراٹ
۲۲-۱۲-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی آدمی سونا کے نصاب کا مالک ہو مگر اس کی زکوٰۃ نوٹوں میں نکالنا چاہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

الجواب بعون الوہاب ۷۸۶/۹۲

جی ہاں نوٹ بھی مالِ متقوم، ثمن اصطلاحی و عرفی ہے لہٰذا نوٹوں کے ذریعہ بھی زکوٰۃ و فطر کی ادائیگی ہوجائے گی خواہ فقیر و مسکین (مستحقین زکوٰۃ) اُن نوٹوں کو ابھی اپنے مصرف میں لایا ہو یا نہ لایا ہو۔ صرف اُن نوٹوں پر قبضہ ہوجانے یا ملکیت تفویض کردینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے صرف اباحت کافی نہیں۔ لہٰذا زکوٰۃ نکالنے والوں پر ضروری ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، نوری مسجد

عُشر بٹائی دار پر یا مالکِ زمین پر؟

۹۰۰ مسئلہ: عزیز الرحمٰن، نیس فرانس
۱۴۱۷-۲-۱۲

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ جن باغات اور کاشت کی اراضی کی پیداوار بٹائی پر منحصر ہے اس کا عُشر یا نصف عشر مالکِ زمین پر ہے یا بٹائی کرنے والے کاشتکار پر؟ یا دونوں پر؟ ...... اور عشر یا نصف عشر کاشت کے سلسلہ میں کئے گئے اخراجات وضع کرنے کے بعد ہے یا کل پیداوار پر؟ واضح جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

۸۶/۹۲ الجواب بعون الوهاب

باغات اور کاشت کی زمین میں مزدوروں کی مزدوری، ہل، بیل اور مشین کا خرچ اور اس کی سینچائی کی اجرت، علاقائی اصول وضوابطِ کاشتکاری کے مطابق زمین کے مالک یا بٹائی دار، یا دونوں ادا کریں گے ــــ البتہ عُشر یا نصف عشر ان دونوں (مالکِ زمین اور بٹائی دار) پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق نکالنا ضروری ہوگا۔

ہوسکتا ہے کہ مالکِ زمین مسلمان ہو اور بٹائی دار غیر مسلم، یا دونوں مسلمان ہو بہرحال دونوں پر عشر یا نصف عشر نکالنا واجب ہے تاکہ "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" پر عمل ہو جائے کیونکہ ان دونوں میں سے اگر ایک عُشر نکالتا ہے اور دوسرا نہیں تو زمین کے ذریعہ جس قدر رزق اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سب میں سے انفاق نہیں ہوا۔ اسی لئے فقہائے کرام نے ان سبھوں پر عشر یا نصف عشر واجب قرار دیا ہے جو زمین کی پیداوار میں حصہ دار ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

لاتحسب اجرة العمال ونفقة البقر وكري الانهار وغيرذلك فيجب اخراج الواجب من جميع مااخرجته الارض ......اھ	مزدوروں کی مزدوری، ہل بیل کا خرچ، سینچائی کی اجرت پیداوار سے محسوب نہیں ہوگی، زمین کی پیداوار سے جو کچھ حاصل ہوا اُن سب میں عُشر یا نصف عُشر نکالنا واجب ہے۔

اور بدائع ص۵۶ ج۲ میں ہے

والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما۔ پیداوار میں عشر واجب ہے اور جب پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہے تو عشر بھی ان دونوں پر واجب ہوگا۔

پھر اسی بدائع میں چند سطروں کے بعد ہے ولو عارھا من کافر فکذٰلک الجواب (یجب العشر علی المستعیر الکافر) عندھما لان العشر عندھما فی الخارج علیٰ کل حالٍ اھ والله تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، نوری دارالافتاء، آمسٹرڈم

زکاۃ میں دی گئی رقم کا اگر کچھ حصہ گورنمنٹ واپس کرے

مسئلہ ۹۰۱:- عابد علی بوساطت مجلس علما، نیدرلینڈ۔ ۱۶-۲۰۰۹-۱۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صاحب نصاب نے شرعی حساب سے اپنی زکوٰۃ ادا کردی۔ مثلاً ایک ہزار گلڈر پر پچیس ۲۵ گلڈر بطور زکوٰۃ نکال کر مستحقین زکوٰۃ کو دے دیا۔ تو اس پچیس گلڈر کا کچھ حصہ (٪۲۵) یہاں کا انکم ٹیکس آفس بغیر کسی مطالبہ کے واپس دیتا ہے۔ کیا صاحب نصاب گورنمنٹ کی اس واپس کردہ رقم کو لے سکتا ہے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: عابد حسین بیچن دی ہیگ

الجواب بعون الملک الوھاب ۹۲-۸-۶

صورت مسئولہ میں جو رقم یہاں کی گورنمنٹ یا انکم ٹیکس آفس نے اپنی خوشی یا قانون ملکی کے مطابق زکوٰۃ دینے والوں کو واپس کی، اس کا لینا صاحب نصاب کے لئے جائز ومباح ہے۔ اور اگر مطالبہ کے بعد ملے جب بھی جائز ہے۔ کما فی الھدایہ المال الذی حصل عن الحربی (بای طریق ای بلا غدر)، فھو مباح عند ابی حنیفہ رحمہ الله تعالیٰ علیہ ۔ والله تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا

قرض کی زکوٰۃ مقروض پر یا قرض دینے والے پر؟

مسئلہ ۹۰۲ :- حاجی محمد جہانگیر، غنی پور، ترونی۔
۲-۶-۱۴۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک کاشت کی زمین زید نے بکر سے ٹھیکہ پر لی اور اس کے بدلہ میں دس ہزار روپیہ بکر کو دیا۔ بکر نے ٹھیکہ کی کوئی میعاد مقرر نہیں کی بلکہ زید سے کہا کہ جب تک تمہارا روپیہ میں نہ لوٹادوں تم اس زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھاؤ۔ سوال یہ ہے کہ اس زمین سے نفع حاصل کرنا زید کے لئے ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا روپیہ جو بکر کے پاس ہے اس کی زکوٰۃ زید پر واجب ہے یا بکر پر؟ بیّنوا و توجروا۔ سائل، محمد جہانگیر، غنی پور، ترونی، بہار، انڈیا

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں نہ ٹھیکہ ہے نہ بٹائی بلکہ یہ صورت قرض ورہن کی ہے۔ بکر کی زمین دس ہزار روپے کے عوض زید کے پاس رہن ہے اور رہن سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز نہیں، اور قرض کا فائدہ سمجھ کر بکر کی زمین سے کچھ حاصل کرنا بھی جائز نہیں کہ اس کو فقہائے کرام نے احادیث کریمہ کی روشنی میں ربا شمار فرمایا ہے۔

زید کا روپیہ جو بکر کے پاس ہے اس کا مالک زید ہی ہے اس کی زکوٰۃ زید پر واجب ہوگی۔ لیکن ادائے زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب کل یا بقدر نصاب یا بقدر خمس نصاب رقم واپس ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیڈ لینڈ

کسی جامعہ یا مدرسہ کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۹۰۳ :- شکور، دی ہیگ، ہالینڈ
۶-۲-۱۹۹۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت علامہ ارشد القادری

صاحب زید لطفہ نے نہایت محنت وکاوش کے بعد ہالینڈ کے مشہور شہر دی ہیگ میں اپنے احباب ومخلصین کے تعاون سے ایک عظیم الشان عمارت خریدی جس میں جامعہ مدینۃ الاسلام کے نام سے ایک دینی ادارہ کو قائم فرمایا۔ چند برسوں کے بعد موجودہ عمارت کو فروخت کرکے اس سے کہیں زیادہ عظیم الشان دوسری عمارت خریدی اور اس میں جامعہ کا کام وسیع پیمانہ پر چلنے لگا۔ ہالینڈ کے مختلف شہروں کے علاوہ بلجیم وغیرہ سے بھی حفظ وقرأت اور درس تفسیر وحدیث کے لئے طلباء کا داخلہ جامعہ میں لیا گیا، ملک و بیرونِ ملک کے مدرسین وملازمین کا تقرر ہوا۔ اب وہ جامعہ ایک کمیٹی کے ذریعہ چل رہا ہے۔ بیرونی مدرسین وطلباء کے قیام وطعام اور دیگر آسائش کا انتظام بھی جامعہ ہی کی طرف سے جامعہ میں ہوتا ہے۔ جو طلباء یہاں زیرِ تعلیم ہیں سب خود کفیل ہیں کیونکہ گورنمنٹ انہیں وظیفے دیتی ہے اور ان کے والدین بھی فقیر ومسکین نہیں ہیں۔ پھر ان طلباء کے کھانے پینے اور رہنے کا اہتمام جامعہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ وفطر کی رقم جامعہ مذکور میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی دیدے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

سائل: شکور صاحب دین۔ دی ہیگ ہالینڈ

الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ ۹۲/۸۶

کسی بھی اسلامی مدرسہ، جامعہ، انجمن کو زکوٰۃ وفطر کی رقم اس شرط پر دینی جائز ہے کہ اس کا مہتمم یا سکریٹری اس رقم کو خاص تملیک فقیر مسلم میں صرف کرے۔ کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے کسی مسلمان فقیر یا مسکین کا اس مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کرنا ضروری (شرط) ہے بالفرض اگر جامعہ کے مہتمم نے مالِ زکوٰۃ وفطر سے صرف مطبخ چلایا اور اس کا کھانا فقیر ومسکین طلباء کو کھلاتا رہا پھر بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ کھلانے میں صرف اباحت کی صورت پائی گئی ملکیت کی نہیں اور یہاں ملکیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ وفطر کی رقم سے جامعہ یا مدرسہ دینیہ کی تعمیر فرش کا انتظام اور ملازمین ومدرسین کی تنخواہیں نہیں دی جاسکتی۔ اگر مہتمم و ناظم نے زکوٰۃ کے پیسہ سے یہ سب کام کیا تو وہ سخت گنہ گار مستحقین عذاب نار ہوئے اس پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور جس سے زکوٰۃ کی رقم لی ہے انہیں واپس کریں۔

زکوٰۃ اسوقت تک ادا نہیں ہوتی ہے جب تک کہ زکوٰۃ کی رقم مصارف زکوٰۃ میں نہ پہنچ جائے اور اس پر تملیک فقیر ثابت نہ ہو جائے۔

اگر یہاں کے مسلمان اپنی قوتِ بازو سے جامعہ کا تعاون نہیں کر سکتے ہیں اور اس کو اچھی طرح چلانے کی سکت نہیں رکھتے ہیں تو اللہ و رسول جل و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا مال بطریق حیلۂ شرعی اس کی بقا اور ترقی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی زکوٰۃ و فطرہ وغیرہ صدقاتِ واجبہ کسی نیک صالح بندۂ خدا کو جو مصرفِ زکوٰۃ بھی ہو بہ نیت زکوٰۃ دیکر اس کے ملک کر دیا جائے اور وہ بہ نیت ثواب غلہ جات یا کتابیں وغیرہ (جس جس چیز کی ضرورت جامعہ کو ہے) خرید کر جامعہ کے حوالہ کر دے۔ یا بطور چندہ جامعہ کو نقدی دیدے۔ پھر اراکین جامعہ جس طرح اور جس جائز کام میں چاہیں اسے خرچ کریں۔ اس طرح زکوٰۃ والوں کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور یہ دونوں فریق بھی ثواب کے مستحق ہوں گے۔ المسئلة الحيلة منصوصة فی الدر المختار و رد المحتار والمعتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری دارالافتاء ۱۹۹۶ء

مسجد کے بکس میں زکوٰۃ کی رقم دینا

مسئلہ ۹۰۴:۔ فرہاد گمان، بلاسیس سٹراٹ، آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ یورپ کے کئی ملکوں میں یہ رواج ہے کہ صاحب نصاب از خود فقرا اور مساکین کو تلاش کر کے زکوٰۃ نہیں دیتے نہ ان کے گھروں پر کوئی زکوٰۃ لینے کے لئے آتا ہے بلکہ اکثر مسجدوں میں ایک زکوٰۃ وفطرہ کا بکس رکھ جاتا ہے اور دوسرا مصالح مسجد کے چندہ کے لئے۔ صاحبِ نصاب حضرات اپنی اپنی زکوٰۃ وفطرہ کی رقمیں اس بکس میں رکھدیتے ہیں۔ اور عیدالفطر کے بعد مسجد کے ارکان اپنی صوابدید کے مطابق اس رقم کو مدارس و دارالیتمیٰ وغیرہ کو بھیجدیتے ہیں، یا کسی معتمد شخص کے ذریعہ جماعتِ فقرا و مساکین کے درمیان تقسیم کرا دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں صاحب نصاب حضرات کی زکوٰۃ وفطر ادا ہوتی ہے یا نہیں

اور یہ صورت شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ فرہاد گمان، بلاسیس سٹرٹ ایمسٹرڈم ہالینڈ۔

۷۸۶/۹۲ الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ادائے زکوٰۃ کے لئے کسی معتمد شخص کو یا کسی مسلم جماعت کو وکیل بنا دینا شرعاً جائز ہے لیکن زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوگی جبکہ وہ رقم کسی مسلم فقیر کی ملک میں پہنچ جائے۔ جن جماعتوں کو یا معتمد شخص کو اہل نصاب حضرات اپنی زکوٰۃ کا وکیل بناتے ہیں ان وکیلوں پر فرض ہے کہ جلد سے جلد زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر کے سبکدوش ہو جائیں مدارس و دار الیتامیٰ تک زکوٰۃ کی رقم بھیجنے میں اگر مزید خرچ ہو تو وہ خرچہ زکوٰۃ کی رقم سے وضع نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کمی کو وکیل اپنے پاس سے پورا کرے گا۔ زکوٰۃ میں صرف وہی رقم محسوب ہوگی جو مستحقین زکوٰۃ کے قبضہ میں آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواحد قادری، جامعہ مدینۃ الاسلام ہیگ

۸ ر صفر ۱۴۱۲ھ

نابالغ بچیوں کے زیورات پر زکوٰۃ

مسئلہ ۹۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ماں باپ نے سونے کے زیورات بنوا کر اپنی بیٹیوں کو ہبہ کر دیا تو ان زیورات پر زکوٰۃ ہے یا نہیں خلاصہ جواب دیکر مشکور ہوں۔ حاجی گلاب، زولہ، نیدرلینڈ

۷۸۶/۹۲ الجواب

اگر واقعی ماں باپ نے وہ زیورات بیٹیوں کی ملک میں دیدیئے تو اگرچہ وہ زیورات ہر ایک کی ملک میں بقدر نصاب یا اس سے زائد ہو اور اس پر سال بھی گذر گیا ہو ماں باپ یا نابالغ بیٹیوں میں سے کسی پر اسکی زکوٰۃ واجب نہیں۔ ماں باپ پر اسلئے نہیں کہ وہ انکی ملک نہیں ہے اور بیٹیوں پر اس لئے نہیں کہ نابالغ ہونے کی وجہ سے احکام شرع کی وہ متحمل نہیں جب بالغ ہو جائیں گی تو زکوٰۃ کا حکم ان پر عائد ہوگا۔ واللہ اعلم

عبدالواحد قادری خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام۔ دی ہیگ

۸ ر صفر ۱۴۱۲ھ

سونے چاندی کی زکوٰۃ اسکی قیمت میں ادا کرنا

مسئلہ ۹۰۶:۔ رالعہ مصباح النساء، فرینک فورٹ
۲۱-۱-۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سونے چاندی کے اتنے زیورات میرے پاس موجود ہیں جن کے پانچ نصاب بنتے ہیں، میں اپنے زیورات کی زکوٰۃ یورو کرنسی میں نکالنا چاہتی ہوں۔ لیکن دریافت طلب بات یہ ہے کہ زیورات کی قیمت زکوٰۃ نکالنے کے وقت کی معتبر ہے یا زیورات بنوانے کے وقت کی؟ کیونکہ جب تک قیمت کا صحیح تخمینہ نہ ہو زکوٰۃ کی صحیح مقدار نکالنی مشکل ہے۔ امید کرتی ہوں کہ صحیح صحیح جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔　رالعہ مصباح النساء۔ فرینک فورٹ، جرمنی

الجواب　اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب

جی ہاں جب چاندی یا سونے کی زکوٰۃ کسی کرنسی میں ادا کی جائے گی تو چاندی سونے کی قیمت کا معلوم ہونا ضروری ہوگا۔ چاندی سونے یا اس کے زیورات کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کی قیمت عندالشرع معتبر نہیں اور نہ ہی خریدگی کے وقت کی قیمت معتبر ہے بلکہ جس دن اس پر قمری سال کا اختتام ہوگا اس دن کی قیمت معتبر ہوگی۔ مثلاً کسی نے دس محرم الحرام ۲۳ھ کو اتنے زیورات خریدا جو ایک نصاب یا اس سے زیادہ ہے۔ آئندہ محرم سے پہلے پہلے اس شخص نے کچھ اور زیورات یا سونا خرید لیا تو ۹ محرم الحرام ۲۴ھ کو ان تمام زیورات یا سونا کی جو قیمت ہوگی ان ساری قیمتوں کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ اگر اس نے سال تمام سے پہلے زکوٰۃ نکال دی ہے تو سال تمام کے دن حساب کر لے، کم دیا ہے تو پورا کرے اور زیادہ دیا ہے تو آئندہ سال محسوب کرے۔

ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ وغیرھما من کتب الفقہ والفتاویٰ۔　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبدالواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ ۵ اپریل ۲۰۰۲ء

زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر

مسئلہ ۹۰۷: عابد رضا، بھونیشور، اڑیسہ ۲۱-۱-۱۴۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مدرسہ یا کسی اسکول کی عمارت بنوانے کیلئے زکوٰۃ کی رقم لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

عابد رضا۔ عابدہ مڈل اسکول الوڈیہہ بھونیشور (انڈیا)

۷۸۶ / ۹۲

الجواب

اسکول و مدارس یا عیدگاہ و مساجد میں تملیک کی اہلیت نہیں اور ادائے زکوٰۃ کیلئے تملیک فقیر مسلم شرط ہے لہٰذا ان عمارتوں میں زکوٰۃ کی رقم نہیں لگ سکتی ہے ہاں جہاں دینی ضرورت داعی ہو وہاں حیلہ کیا جاسکتا ہے مثلاً مسجد و مدرسہ کی عمارت کی شدید ضرورت ہے اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ کوئی اور آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے تو کسی مسلمان فقیر کو زکوٰۃ کی رقم بہ نیت ادائے زکوٰۃ دیکر یہ ترغیب دی جائے کہ وہ اس رقم سے مسجد یا مدرسہ بنوادے پھر وہ مسلم فقیر زکوٰۃ کی رقم کو اپنے قبضہ میں کرلینے کے بعد اس رقم سے عمارت بنوادے تو زکوٰۃ دینے والے کے علاوہ فقیر بھی ثواب کا مستحق ہوگا اور مسلمانوں کا ایک اہم کام بھی ہوجائے گا۔ والحیلۃ لہ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یامرہ بعد ذٰلک بالصرف الی ھٰذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقۃ ولذٰلک الفقیر ثواب بناء المساجد القنطرۃ اھ (شرح شرح الاشباہ ص۶۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ ۲۱ محرم ۱۴۲۲ھ

امام یا معلم کو بنام تحفہ، زکوٰۃ کی رقم دینا

مسئلہ ۹۰۸: میر حسن، حسن تیل بوخ، ہالینڈ ۸-۱-۱۴۲۰

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عید کے دن رشتہ داروں،

یا پڑوسیوں کے بچوں کو عیدی کے نام پر کچھ روپئے پیسے دیئے جاتے ہیں. یا امام و معلّم کو تحفہ کے نام پر روپئے پیسے دیئے جاتے ہیں. اگر دینے والا زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرلے تو اس طرح اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ جبکہ لینے والوں نے صرف عیدی یا نذرانۂ خلوص سمجھ کر لیا ہو۔ مدلّل جواب سے نوازنے کی زحمت گوارہ کریں۔

سائل: میرحسن جسونتیل یورخ

۸۶/۹۲ الجواب بعون اللہ الوھاب والیہ المرجع والمآب

بیشک وہ معلّم و امام یا پڑوسی و رشتہ دار جنہیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے ان کو بنام عیدی یا بنام تحفہ یا نذرانہ روپیہ پیسہ دینے اور ادائے زکوٰۃ کی نیت کرلینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔ خواہ لینے والوں نے عیدی یا تحفہ ہی سمجھ کر لیا ہو۔

بلکہ اگر زکوٰۃ دینے والوں نے ادائے زکوٰۃ کی نیت کی مگر زبان سے عیدی یا تحفہ کہہ کر دیا جب بھی زکوٰۃ ہی ادا ہوگی۔ خاص کر وہ حضرات جو مصرف زکوٰۃ ہیں مگر شرم و غیرت کی وجہ سے لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا، انہیں بجائے زکوٰۃ کے تحفہ تحائف ہی کے نام پر دینا افضل ہے مگر نیت ادائے زکوٰۃ کی ہو۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیکِ فقیر شرط ہے اور ناسمجھ بچوں میں قبضہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے اس لئے اگر زکوٰۃ کی رقم بچوں کو دی جائے تو ان کے کسی ولی اقرب کے ذریعہ مالِ زکوٰۃ پر ان کے لئے قبضہ ثابت ہوجانا چاہئے۔

خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الزکوٰۃ ص۲۴۳ میں ہے۔

لو دفع علی صبیان اقاربہ دراھم فی ایام العید یعنی عیدی بنیۃ الزکوٰۃ (الی) اوالی المعلم بنیۃ الزکوٰۃ اھ	اگر کسی نے عید کے دنوں میں اپنے رشتہ دار کے بچوں کو زکوٰۃ کی نیت سے عیدی دے یا زکوٰۃ ہی کی نیت سے معلّم کو دی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

غمز العیون البصائر کتاب الزکوٰۃ ص۲۲۱ میں ہے

العبرۃ لنیۃ الدافع لا لعلم	دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے جسے زکوٰۃ

المدفوع۔ جار ہی ہے اسکے علم کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور ردّالمحتار کتاب الزکوٰۃ ہی میں ہے۔

لااعتبار للتسمیۃ فلوا سماھا ھبۃ اوقرضا تجزیہ فی الاصح۔ نام لینے کا اعتبار نہیں۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کے مال کا نام ہبہ یا قرض رکھ دیا تب بھی اصح قول کے مطابق زکوٰۃ ہی ادا ہوگی۔

پس صورتِ مسئولہ میں بیشک زکوٰۃ ہی ادا ہوگی چاہے مالِ زکوٰۃ کا نام کچھ بھی رکھدیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ مسجد نوری آمسٹرڈم ۲۱ر فروری ۱۹۸۶ء

یورپ کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

مسئلہ ۹۰۹ ۱۲-۲-۱۴۱۶: سلیمان پشاوری نیس۔ فرانس۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرانس، جرمنی اور ہالینڈ وغیرہ یورپین ممالک میں لاکھوں ایکڑ زمین کاشت کیجاتی ہے جس کی کاشت عموماً غیر مسلم کرتے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں مسلمانوں نے بھی کاشت کی کچھ زمینیں گورنمنٹ سے لے رکھی ہیں۔ ان زمینوں میں سبزی ترکاری اور مختلف اناج نیز پھل فروٹ وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ دیگر کاشتکاروں کی طرح مسلمانوں سے بھی ان زمینوں کا سالانہ کرایہ گورنمنٹ وصول کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان ملکوں کی زمینیں عندالشرع عشری ہیں یا خراجی؟ لہذا اسکی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نصف عشر؟ کاشت کے ہر حصۂ زمین کو سیراب کرنے کے لئے پانی کے نلوں کا گورنمنٹ کی طرف سے انتظام ہے جس کا پیسہ زمین کے کرایہ کے ساتھ وصول کیا جاتا ہے۔ سائل: سلیمان، پاک گیرج نیس، فرانس۔

الجواب ۹۱۷ بعون الوھاب

ان ملکوں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ کہ نہ تو یہ زمین مسلمانوں کی مفتوحہ ہے مسلمانوں کی ملکیت اس پر مسلم ہے۔ نہ ہی مسلمان بادشاہوں نے بطورِ حسنِ سلوک

غیر مسلموں کو لوٹائی ہے ـــــ بہر دو صورت یہاں کی زمینوں کی پیداوار پر عشر واجب ہے کہ فرضیت عشر بے تقیید دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" وقد صرحوا الفقهاء بانّ فرضية العشر ثابته بالكتاب والسنّة والاجماع وبانه يجب فيما ليس بعشرى ولا خراجى۔" كمافى ردّ المحتار وفى فتاوى الرضويه مگر زمین کی جو تفصیل سوال میں ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے زمین اور پانی کا کرایہ کاشتکار کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس پیداوار پر عشر نہیں بلکہ نصف عشر ہے

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ ۱۲ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

سودی آمدنی خبیث ہے اس پر زکوٰۃ نہیں

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سودی کار بار (دینا ہے بجا) کرتا ہے وہ مسلم و غیر مسلم سب کے دیئے ہوئے قرض پر مختلف شرح سے نفع حاصل کرتا ہے اور منافع کی رقم کا حساب الگ تھلگ بھی نہیں رکھتا ہے یعنی سود مور دونوں رقموں کو ایک ساتھ رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں منافع کی رقم پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں جبکہ منافع کی رقم ہر سال کئی نصابوں کو پہنچ جاتی ہے۔ ایسا جواب عنایت فرمایئے کہ ہم کم پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں باسانی آجائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اچھا اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

سائل: مختار (عبدل) یونی سیف اسٹرٹ 5NZ برمنگھم (یوکے)

۹۲ الجواب ـــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــ

ان ممالک میں بھی مسلمانوں کو قرض دیکر اس سے منافع حاصل کرنا اصطلاحاً سود (ربا) ہے جو عندالشرع حرام ہے۔

عنْ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجھہ حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، "کل قرض جر منفعۃ فہو ربوا۔" حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا "ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کی جائے سود ہے۔" (کنز العمال)

اور ربا مالِ خبیث ہے جس کو لوٹانا واجب ہے۔ اس کا مالک مالک نہیں بلکہ غاصب ہے۔ اور جب ملکیت ثابت نہیں تو اس کی زکوٰۃ بھی نہیں۔ اگرچہ وہ مالِ خبیث نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب سے بھی زیادہ ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے۔۔ شخص مذکور فی السوال پر توبہ فرض ہے اور یہ بھی فرض ہے کہ جس جس مسلمان سے بنام منافع اس نے اپنے دیئے ہوئے قرض پر رقم وصول کی ہے۔ ان سب کو ان کی رقمیں واپس کرے اور اگر وہ لوگ نہ ملیں تو ان کے وارثوں کو حسب سہام شرعی دیدے اور اگر ان کے وارثین کا بھی اتہ پتہ نہ چلے تو ان تمام رقموں کو راہِ خدا میں صدقہ کر دے تاکہ اُن کی روحوں کو ثواب پہنچے اور اس غاصب سود خور کے گناہ میں کمی ہو۔ علامہ محمد امین عابدین شامی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

وکان الخبیث نصابا لایلزمہ الزکاۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلایفید ایجاب التصدق ببعضہ ومثلہ فی البزازیہ والقنیۃ اگر خبیث مال بقدر نصاب ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ اس (سود خور) پر سب مال کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ تو اسکے ایک حصہ کے صدقہ (زکاۃ) کر دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح یہ مسئلہ فتاویٰ بزازیہ اور قنیہ میں بھی ہے"

اب اگر اس نے اپنے مال سے سود کی رقم کا علیحدہ کرنا خاصا دشوار ہے تو جب سے اس خبیث مال کو طیب مال میں ملایا اس وقت سے لیکر ابتک جس قدر سال اس پر گزرے سال کی زکوٰۃ پورے مشترک مال پر واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔

وخلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ فتجب الزکوٰۃ۔ اھ اگر بادشاہ نے غصب کئے ہوئے مال کو اپنی ملکیت والے پاک مال میں ملا دیا۔ تو اس سارے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۳ ربجادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

فریج وغیرہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۱۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کے گھر میں اپنی ضرورت کے لئے واشنگ مشین (کپڑا دھونے کی مشین) فریج آئس بکس (کھانے پینے کے سامان کو ٹھنڈا رکھنے یا برف جمانے کی مشین) مائیکرو ویف (کھانا گرم کرنے کی مشین) وغیرہ موجود ہے۔ اور چاندی یا سونے کے زیورات کا نصاب بھی اس کے پاس موجود ہے تو کیا سامانِ مذکورہ کی بھی زکوٰۃ دینی واجب ہوگی؟ بینوا توجروا

سائل۔ خادم رسول۔ سوترمیر۔ ہالینڈ

الجواب ۹۲/۸۶ ——— هو الهادی الی الصواب ———

فی زماننا سامانِ مذکورہ کا شمار ضروریاتِ زندگی یا اثاث خانہ میں ہے جس کا استعمال متوسط گھرانوں میں عام ہوچکا ہے۔ مذکورہ سارے سامان مال تو ہیں مگر مالِ غیر نامی ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے اسکی ادائیگی

مسئلہ ۹۱۲، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص صاحبِ نصاب ہے، مگر ابتداءِ سال میں وہ ایک مخصوص رقم علیحدہ کرلیتا ہے اور جب مستحقین زکوٰۃ میں سے کوئی آجاتا ہے تو وہ اسی رقم میں سے اس کی مدد کرتا ہے اور جب کسی غریب مسلمان بچی کی شادی بیاہ ہوتی ہے تو وہ اُسی رقم میں سے اسکا تعاون کرتا ہے اور جب سال تمام ہوتا ہے بقیہ رقم کو بھی مستحقین میں بانٹ دیتا ہے، کیا اس طرح سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے؟ سائل:۔ خادم رسول، سوترمیر، ہالینڈ

الجواب ۹۲/۸۶ ——— هو الهادی الی الصواب ———

جب وہ صاحب نصاب ہے تو سال تمام ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ مستحقین زکوٰۃ کی شادی بیاہ میں اشیاءِ خورد ونوش یا اشیاءِ خانہ وپوشش

خرید کر اس کی ملکیت میں دے دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی سبکدوش ہوتا رہتا ہے اور فقراء و مساکین کی بروقت مدد بھی ہوتی رہتی ہے۔

سال مکمل ہونے پر صدقہ کئے ہوئے پیسہ کا حساب کرلے۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے کم صدقہ کیا ہے تو اُسے پورا کرے۔ اور اگر زیادہ صدقہ کر دیا ہے تو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں منہا کرلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۱ ربیع المظفر ۱۴۲۲ھ

مدرسہ یا انجمن کی رقم پر زکوٰۃ

مسئلہ ۹۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی دار العلوم یا مدرسہ یا انجمن میں عام مسلمانوں کی طرف سے امدادی فنڈ میں پیسے جمع ہوتے ہیں اسمیں زکوٰۃ و صدقات اور نفلی تبرعات کے علاوہ مدرسہ وانجمن پر وقف شدہ مکانات و آراضیات کی آمدنی بھی جمع ہوتی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ وانجمن کی جمع شدہ رقم پر (جن سے سیکڑوں نصاب بن سکتے ہیں) زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا اسحاق دوست علی رکامپن۔ ہالینڈ

الجواب ـــــــ ہو الہادی الی الصواب ـــــــ

مدرسہ وانجمن اور ان جیسے دوسرے فلاحی اداروں کی رقموں پر کوئی زکوٰۃ نہیں کیونکہ اُس جمع شدہ مال کا کوئی مالک نہیں ہے۔ اور جب کوئی مالک نہیں تو زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ وہ رقم تو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے جس کی حیثیت راہِ خدا میں وقف کردہ اموال کی ہے اور مالِ موقوف پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ

خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

بینک کے منافع پر زکات کی صورت

مسئلہ ۹۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے بینکوں میں جو میعادی یا غیر میعادی روپے جمع کئے جاتے ہیں ان روپیوں سے بینکوں کے ذریعہ مختلف قسم کی تجارت ہوتی ہے اور صنعت کے کارخانے چلائے جاتے ہیں۔ پھر اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ مختلف کارندوں اور مالکوں پر فیصد کے حساب سے تقسیم ہوتا ہے اور جس نفع کا مختصر حصہ بینک میں جمع کرنے والے حضرات کو بھی ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی کی اتنی مالیت بینک میں جمع ہے جس سے ایک نصاب مکمل ہو جاتا ہے تو اس مال پر جو منافع سال کے اخیر میں ملا، کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی؟ عثمان علیخاں۔ روٹرڈم۔ ہالینڈ

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــ هوالهادی الی الصّواب ـــــــ

سوال میں معاملہ کی جو صورت بیان کی گئی ہے اسے مضاربہ کہا جاتا ہے جس کا منافع کارندہ اور مالکِ مال دونوں کے لئے حلال ہے۔

سال کے اختتام سے پہلے جو نفع ملے گا نصاب کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ نفع کی رقم پر سال کا گزرنا وجوب زکوٰۃ کیلئے ضروری نہیں ہے۔ مثلاً نصاب کا سال یکم محرم کو تمام ہوتا ہے مگر ذی الحجہ کی ۲۹ تاریخ کو ہزار روپیہ نفع کا آگیا تو یکم محرم کو نصاب کے علاوہ اس ہزار روپیہ نفع کی بھی زکوٰۃ نکالنی ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بعض زمین کی زکوٰۃ واجب ہے

مسئلہ ۹۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اس لئے زمین خریدا کرتا ہے کہ جب قیمت زیادہ ہو جائے گی تو اس کو بیچ کر نفع حاصل کیا جائے گا۔ اب اگر ایسی کوئی زمین دو سال چار سال تک خریدنے والے کے پاس

رہ گئی تو اس زمین کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا
عثمان علیخان۔ روٹرڈم۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــ

جی ہاں جو زمین فروخت کرنے کے لئے خریدی گئی ہو وہ مال تجارت ہے اور سال تمام ہونے کے بعد مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ اگر وہ زمین دسیوں سال تک فروخت نہ ہو تب بھی ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی اور اس بات پر اجماع ہے کہ نقدی یا مال تجارت کی زکوٰۃ سالانہ ڈھائی فیصد (۲ ½) واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، "القرآن" اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۷ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۵ھ

مہر کی رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی زید سے ہوئی جس کی مہر ایک سونے کا کنگن (۵۰ گرام) اور پانچ سو ایرو نقد (یورپین کرنسی) مقرر ہوئی۔ کنگن مہر معجل میں زید نے اپنی منکوحہ کو نکاح کے بعد دیدیا اور نقدی چونکہ مہر مؤجل تھی اس لئے اب تک اس کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے۔

کنگن کے علاوہ کوئی اور زیور یا نقدی ہندہ کے پاس نہیں ہے اگر اس کو مہر مؤجل کی رقم مل جائے تو وہ صاحب نصاب ہوجائے گی۔ واضح ہو کہ نکاح کو ایک سال سے زائد ہوچکا ہے۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ مہر کی ملکیت بہرطور بیوی کو حاصل ہے مگر مہر کا کچھ حصہ اس کے پاس ہے اور کچھ حصہ شوہر کے قبضہ میں ہے تو کیا سال گذر جانے پر ہندہ کے اوپر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوجائے گی؟۔
سائل: محمد ایوب، ریاست علی۔ کامپن۔ ہالینڈ

۸۷/۹۲ الجواب ــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــ

بیشک مہر بیوی کا حق ہے مگر جس قدر مہر پر فی الحال اس کا قبضہ ہے وہ نصاب کو نہیں پہنچتی اور جو رقم اُسے صاحبِ نصاب بنائے وہ اس کے قبضہ میں نہیں ہے بلکہ دین ضعیف میں مستغرق ہے۔ پھر وہ اپنے شوہر (زید) کو اس کی ادائیگی کے لئے مجبور نہیں کرسکتی۔ پس صورت مسئولہ میں ہندہ پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ صاحب نصاب نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ شامی اور تنویر الابصار وغیرہ میں مبسوط کے حوالے سے ہے۔ دینٌ ضَعیفٌ وھو ما یکون بدلا عما لیس بمال کالمھر وبدل الخلع الخ اور قاضی خاں میں ہے

وفی الدین الضعیف لاتجب الزکوٰۃ مالم یقبض ماتی درھم ویحول الحول اھ

دین ضعیف میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک اس میں سے بقدر نصاب پر قبضہ نہ ہوجائے، اور اس پر سال نہ گزر جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا مجلس علما ہالینڈ

۹ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

فسّاق وفجّار کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ کوئی ایسا مسلمان جو شراب اور ہیروین کا عادی ہے۔ اپنی بیوی تک کی جائز کمائی کو ہیروین میں خرچ کردیتا ہے۔ اگر اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائل:۔ محمد رفیق منگل۔ ایخل دونک۔ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ **الجواب ــــــ** ھو الھادی الی الصّواب ــــــ

اگر وہ مسلمان مستحقین زکوٰۃ میں سے ہے یعنی فقیر مسکین وغیرہ ہے تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر مسلم شرط ہے اور جب وہ پائی گئی تو مشروط کا وجود یقینی پایا جائے گا

لیکن ایسے شخص کو جو گناہِ کبیرہ کا عادی ہو اور غالب گمان ہو کہ زکوٰۃ کی رقم کو بھی وہ اسی میں صرف کرے گا تو زکوٰۃ دینا لائق و مناسب نہیں بلکہ دینے والا گنہ گار ہوگا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ گناہ اور نافرمانی پر کسی کی مدد مت کرو۔

طحطاوی علی المراقی الفلاح ص۴۲۵ میں ہے۔

لاینبغی دفعها لمن علم انّه ینفقها فی سرف او معصیّة اھ	زکوٰۃ ایسے شخص کو نہیں دینا چاہئے جس کے متعلق علم ہو کہ وہ اُسے اسراف یا گناہ کے کاموں میں خرچ کرے گا۔

واللہ تعالٰی اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ القرآن اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ۔ ۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ۔ ۱۵ ستمبر ۲۰۰۲ء

کتاب الصوم
(روزوں کا بیان)

روزہ اور عیدین کا تعین تاریخ شمسی سے

مسئلہ ۹۱۸: حاجی عبد القیوم، انتورپ، بلجیم ۱۸-۲-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بلجیم اور ہالینڈ کی کچھ مسلم تنظیمیں (جن میں اکثریت انڈونیشین، مغربی اور کچھ ترکی مسلمانوں کی ہے) یہ سب روزے اور عیدین کے سلسلہ میں سعودی عرب کے اعلانات پر عمل کرتی ہیں۔

اور کچھ تنظیمیں (جن میں اکثریت سورینامی، ہندوستانی مسلمانوں کی ہے) ہالینڈ کے مقامی رویتِ ہلال کمیٹی کے فیصلوں پر عمل کرتی ہیں۔ اور چند جماعتیں (جن میں کچھ سورینامی اور اکثر پاکستانی مسلمان ہیں) آبزرویٹری اور انگلینڈ میں مقیم علماء کرام کے حکم کے مطابق عمل کرتی ہیں اور شمسی تاریخوں کے مطابق روزے اور عیدین کے ہفتوں، مہینوں قبل اُن کا تقرر کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً فلاں تاریخ کو پہلا روزہ یا عید ہے اور فلاں تاریخ شمسی کو بقر عید ہے۔

مذکورہ تینوں قسموں میں سے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق کون سی تنظیم یا جماعت ہے جواب دیکر مشکور وممنون فرمائیں۔ ارکانِ نور الاسلام، انتورپ، بلجیم۔

الجواب ۹۲/۶/۷ — هو الهادي الى الصواب

ہمارے علماء نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ ماہِ رمضان یا عیدین

کی آمد کے لئے ستاروں کے ماہرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ روزہ کا وجوب حدیث نبوی کے مطابق ماہِ شعبان کے اکمال یعنی تیس دن پورے ہونے پر یا انتیس ۲۹ شعبان کو ماہِ رمضان کا چاند ثابت ہو جانے پر موقوف ہے، صرف چاند کی ولادت (نیو مون) یا بجملہ دگر "انفصالِ شمس وقمر" کا علم ہو جانے پر نہیں ہے۔
چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور کتاب ردّ المحتار (العلامۃ الشامی لابن عابدین میں ہے۔

صرّح به علمائنا من عدم الاعتماد على قول اهل النجوم فى دخول رمضان لان ذلك مبنىّ على انّ وجوب الصّوم معلّق برؤية الهلال لحديث "صوموا لرؤيته"	ہمارے علماء نے صراحت فرمائی کہ دخولِ ماہِ رمضان کے سلسلہ میں اہل توقیت کا قول قابلِ اعتماد نہیں۔ کیونکہ روزے کا وجوب انتیسویں شعبان کو چاند کی رویتِ بصری پر موقوف ہے۔ جیساکہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔

حدیث شریف میں روزۂ رمضان کا وجوب رویتِ ہلال پر موقوف و مبنی رکھا گیا ہے تولیدِ ہلال یا علم ہلال کی سرے سے کوئی بات نہیں ہے۔ پھر بھی ہمارے بعض جدت پسند حضرات نے غالباً خارجی اثر کے دباؤ میں آکر یہاں رویت کا معنیٰ علم فرمایا اور اس بات کی کوشش کی کہ چلئے اگرچہ رویتِ ہلال (چاند کا سر کی آنکھوں سے دیکھنا) متحقق تو نہیں ہو سکا لیکن آبزرویٹری کے ذریعہ نیو مون (قران شمس وقمر) کا علم تو حاصل ہو گیا کہ دنیا کے کسی بھی خطۂ ارض کے افق پر چاند کی پیدائش ہو چکی ہے اس طرح حدیث نبوی "صوموا لرویته ای صوموا لعلمه" پر تو عمل ہو گیا۔ الامان والحفیظ۔

گر ہمیں ست مکتب و ملّا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

فقیر راقم الحروف عفی اللہ عنہ اہلِ علم حضرات کی بارگاہوں میں تو کچھ عرض کرنے کی جسارت نہیں رکھتا ہے۔ البتہ سائل کی معلومات میں غالباً اضافہ کے لئے یہ بتانا

ضروری سمجھتا ہے کہ۔ احکام شرع میں خصوصیت کے ساتھ استعمال ہونے والے الفاظ کے وہی معنیٰ ومفہوم حجت ہوتے ہیں جو قرنِ اوّل سے آج تک جمہور علماء کے درمیان متعارف ہیں۔ ورنہ دور کیوں جائیے؛ جس صوم کے وجوب کا رویت پر انحصار و وقف ہے۔ اُس صوم کا معنیٰ شرعی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے اپنے آپ کو باز رکھنا ہے۔ لیکن صوم صرف اسی معنیٰ میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے دوسرے معنیٰ بھی لغتوں میں موجود ہیں یہاں تک کہ قرآنِ عظیم میں بھی صوم کا معنیٰ عدم تکلم (نہ بولنا) ہے تو کیا کوئی مسلمان شرعی معنیٰ سے چشم پوشی کر سکتا ہے جو قرنِ اوّل سے آج تک عند العلماء متعارف ہے۔ حاشا وکلاّ۔ اسی طرح صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ وغیرہا اصطلاحاتِ شرعیہ کا حال ہے کہ اگر انہیں دوسرے معنوں میں محمول کیا جائے تو نظامِ شریعت ہی تتر بتر ہو جائے گا۔ گویا وہ ایک موم کا کھلونا ہے جب چاہا جیسا چاہا بنا لیا پھر بگاڑ دیا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ہاں رویت کا معنیٰ علم بھی ہوتا ہے مگر اس وقت جبکہ اس کے بعد دو مفعول موجود ہوں کیونکہ ایسی صورت میں رؤیت افعالِ قلوب میں شمار ہو کر متعدی بدو مفعول ہوتی ہے۔ اہلِ علم کے نزدیک یہ قاعدہ اگرچہ مشہور و معروف ہے مگر سائل کے سکونِ قلب کے لئے ایک معتمد علیہا حوالہ بھی حاضر خدمت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔

قولہ رُؤیتھما (بضم الراء وسکون الھمزۃ) وھو من رأی بالعین فیعدی الی مفعول واحدٍ واذا کان بمعنی العلم یتعدی الی مفعولین۔	رُؤیتھما میں (را پیش کے ساتھ اور ہمزہ جزم کے ساتھ ہے (رُؤی) جس کا معنیٰ سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہے کیونکہ متعدی بیک مفعول ہے (جیسے کہ رُؤیتھما میں صرف ایک مفعول ہے)، اور یہی رائی کا معنیٰ جاننے کے بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ متعدی بدو مفعول ہو۔
(عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۰ ص۲۹۵)	

لہٰذا جو حضرات صوموا لرویتہ میں رویت کا معنیٰ علم سمجھتے ہیں وہ دکھلائیں کہ اس میں دو مفعول کہاں پوشیدہ ہے؟ اور ہرگز نہیں دکھلا سکتے تو

تو اسلافِ کرام کا منہ کیوں چڑھاتے ہیں۔

شمسی تاریخوں سے قمری مہینوں کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دونوں کا مستقر و منزل ایک نہیں ہے اسی لئے ارشاد ہوا " لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ " پس جو لوگ قمری مہینوں کی ابتداء و انتہا کا حساب شمسی تاریخوں یا آبزرویٹری کی اطلاعات پر رکھتے ہیں وہ شریعت کو نہیں اپنی طبیعت کو امام و مقتداء بناتے ہیں۔

سعودی "ام القریٰ" کلینڈر کے مطابق اپنے روزے اور عیدین نیز دیگر تعطیلات کا تقرر کرتی ہے۔ تعطیلات کا تقرر کلینڈر کے مطابق کرنا یہ اس کی مجبوری ہو سکتی ہے لیکن روزے کی ابتداء و انتہا، پھر عیدین سعیدین کا تقرر علم ہیئت کے ذریعہ بنائے گئے کلینڈر کے مطابق کرنا اسلامی شرع کے خلاف ہے۔ لہٰذا مذکورہ دونوں صورتیں (آبزرویٹری کے اعلان و اطلاع کے مطابق یا سعودی اعلان کے مطابق قمری مہینوں کی ابتداء و انتہا اور اس کا تعین) شرعی طریق پر عمل کے قابل نہیں۔

رویتِ ہلال کمیٹی نیدرلینڈ کا ایک شعبہ مجلسِ علما بھی ہے جو بعض امور دینیہ اور رویتِ ہلال کا فیصلہ کرتی ہے۔ اگر وہ فیصلے حدودِ شرع میں رہ کر ہوتے ہیں تو وہ قابلِ تعریف و عمل ہیں۔

سائل نے ہالینڈ کی مسلم تنظیموں کو تین قسموں پر منقسم کیا ہے۔ اب جواب بالا کی روشنی میں اُسے خود فیصلہ کرنا ہے کہ کون کون سی تنظیم اسلامی اصولوں کے مطابق چل رہی ہے اور کون کون نہیں۔ جو تنظیمیں اسلامی اصولوں کے مطابق چل رہی ہوں یقیناً وہی حق پر ہیں اور انہیں کے ساتھ رہنے میں بہتری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ دارالافتاء، مدینۃ الاسلام ہالینڈ

جہاں چھ ماہ کے دن ہو وہاں روزہ کسطرح رکھیں

مسئلہ ۹۱۹: — محمد حسین سلیم، آمسٹرڈم ۱۴-۸-۲۰۰

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ از روئے شرع اسلامی روزہ نام ہے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے بچنے کا۔ لیکن نظام شمسی کے تحت جن علاقوں (نورتھ پول یا ساؤتھ پول) میں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں روزہ رکھنا کیونکر ممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی احکام سارے عالم کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے بعض خطے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ علاقہ میں اگر مسلم آبادی ہو یا کسی غرض سے مسلمان وہاں پہنچ جائے تو اس پر ماہِ رمضان المبارک کا روزہ فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو وہ روزہ کس طرح رکھے گا؟ بیّنوا بالدلیل وتوجروا عند الجلیل۔ حسین سلیم رضوی مسجد امسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اسلام کی وسعت سارے جہان کو محیط ہے لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا جس فرض کا شریعتِ اسلامیہ میں کوئی بدل ہے اور مکلف فرض کی ادائیگی سے معذور ہے تو اُسے بدل کی اجازت ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کے لئے حدث والوں کو غسل یا وضو فرض ہے لیکن اگر وہ پانی کے استعمال سے معذور محض ہو یا پانی ہی میسر نہ ہو تو اس کا بدل تیمم ہے۔ اسی طرح ایسا مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو یا ایسا ضعیف و ناتواں جس کی طاقت رفتہ کے لوٹنے کا امکان نہ ہو تو ان کے روزوں کا بدل فدیہ ہے "وَالَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ"۔

مقاماتِ مذکورہ میں جو مسلمان ماہِ رمضان میں موجود ہوں یا وہاں پہنچ کر مقیم ہو جائیں اور عاقل و بالغ بھی ہوں تو ان پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ لقولہ عزّوجلّ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" اور جب کسی عاقل بالغ مکلف مسلمان نے ماہِ رمضان پا لیا تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔ حضرت امام سرخسی کی مبسوط ص۳ میں ہے ان الصوم قد لزمہ لشھود الشھر" اور اگر روزہ رکھنا ممکن نہ ہو تو ہر روزہ کے بدلے میں ایک فدیہ مسکین، فقیر کو دیتا رہے اور جب ایسا موقع میسر آجائے کہ اب روزہ رکھ سکتا ہے تو ان دنوں کے روزوں کی قضا رکھ لے۔۔۔۔

دوسری صورت اس کی وہی ہے جو نمازوں کی ہے یعنی اقرب الایام یا اقرب البلاد کے شب و روز کا صحیح اندازہ لگا کر سحری اور افطاری کا صحیح وقت معلوم کریں اور روزے رکھیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کتاب الصلوٰۃ مسئلہ ٨٢٣ کا مطالعہ کیجئے۔ ویسے اس مسئلہ کی تائید و وضاحت فتاویٰ شامی ص ٢٣٥ اور طحطاوی علی الدر المختار ص ١٥٥ میں بھی ہے

"یقدرون فی الصوم لیلهم باقرب بلد الیهم
یمسکون الی المغرب باقرب بلد الیهم علیٰ
ماقاله الزرکشی وابن العمار"　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء، جامعہ
مدینۃ الاسلام۔ دی ہیگ۔

جن راتوں میں عشاء کا وقت نہیں آتا ان میں سحری۔

مسئلہ ٩٢٠ :- مولانا اسرار الحق صاحب اشرفی، دی ہیگ
١٤٠٦-٦-٩

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ اور ملحقہ ممالک میں گرمی کے موسم میں سورج ڈوبنے کے بعد تقریباً آسٹھ راتوں میں سورج اٹھارہ درجہ سے نیچے نہیں ہوتا یعنی ان ممالک میں شفقِ ابیض غروب نہیں ہونے پاتا کہ صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے ماہِ رمضان کے ان ایام میں امساک عن الاکل والشرب لصوم سحری) کا حکم کیا ہوگا؟ یعنی کب تک سحری کا شرعی وقت رہتا ہے؟

سائل (مولانا قاری) اسرار الحق اشرفی خطیب امام مسجد المدینہ فیض الاسلام دی ہیگ

الجواب ٩٢٠　هو الهادی الی الصواب

ان مخصوص راتوں کے لئے علمائے اہلسنت نے عشاء کا جو آخری وقت اندازہ سے مقرر فرمایا ہے وہی آخری وقت سحری کا بھی آخری وقت ہے۔ کیونکہ وتر اور سحری تابع ہے عشاء کے اس سے پہلے نہ وتر صحیح ہے اور نہ سحری۔ لیکن جن راتوں میں سورج اٹھارہ ڈگری سے نیچے نہیں جاتا کہ مائل بطلوع ہو جاتا ہے تو جس وقت سورج دونوں اٹھارہ

ڈگریوں کے درمیان آجائے تو اُس وقت مائل بطلوع ہونے سے پہلے سحری سے فارغ ہوجانا چاہئے۔ اور احتیاط اس میں ہے کہ اگر ان ایام میں سحری نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے جو کچھ کھانا پینا ہے سورج کے بارہ ڈگری پر پہنچنے سے پہلے (شفق احمر ختم ہونے سے قبل) کھاپی لیں اور بس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری۔ نوری دارالافتاء۔ آمسٹرڈم

۹ رجمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ

ہندؤں کے سامانِ افطاری سے افطار کرنا

مسئلہ ۹۲۱ :۔ کلیم الدین انصاری، ترونی قلعہ گھاٹ ۱۴-۸-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف کے دنوں میں بعض ہندو روزہ دار مسلمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں بلکہ افطاری وغیرہ کا اہتمام بھی اپنی سمجھ میں بہت احتیاط سے کرتے ہیں پھر افطاری کا سامان یا تو مسجد میں بھیجتے ہیں یا چند روزہ دار مسلمانوں کو اپنے یہاں بلاکر افطاری کراتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہندؤں کے یہاں کے بنے ہوئے سامان سے افطار کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور افطاری کا اہتمام کرنے پر ان ہندؤں کو کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ کلیم الدین انصاری ترونی بازید پور

الجواب بعون الملک الوہاب ۸۶/۹۲

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ سے مراد ان کے عقیدے کی نجاست ہے جس سے بچنا مسلمانوں پر اہم ترین فرض ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ عموماً مشرکین کا غسلِ جنابت ترکِ فرض کی وجہ سے نہیں اترتا تو اس وجہ سے بھی ان کے جوٹھے وغیرہ سے پرہیز کرنا احتیاط کا تقاضا ہے لیکن ان کی بنائی ہوئی چیزوں کے استعمال یا اشیاء خوردنی کے کھانے میں کوئی حرج وممانعت نہیں اور نہ ان کی بھیجی ہوئی چیزوں سے افطار کرنے کی ممانعت ہے باقی رہا ثواب تو عندالشرع ثواب اہلِ ایمان کے ساتھ مختص ہے۔ قال تعالیٰ "وَمَا لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۱۴ ر شعبان ۱۴۱۷ھ

روزہ اور ذیابیطس (شوگر)

مسئلہ ۹۲۲ :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مجھے شوگر (ذیابیطس) کا عارضہ ہے جس کی وجہ سے انسولین کا انجکشن روزانہ چار بار لینا پڑتا ہے اِدھر ماہِ رمضان بالکل قریب ہے، ڈاکٹروں نے تو روزہ رکھنے سے روک دیا ہے مگر مجھے آپ سے شرعی حکم معلوم کرنا ہے کہ کیا میں ماہِ رمضان کا روزہ رکھوں؟ اگر میں روزہ رکھنے میں ہلاک ہو گئی تو اس کا وبال میرے سر تو نہیں ہوگا؟ اور اگر میں روزہ نہ رکھوں تو ترکِ فرض کی وجہ سے جہنمی تو نہیں ہو جاؤں گی؟ امید کہ شافی جواب سے شادکام فرمائیں گے۔
۲۵-۸-۱۴۲۱ھ

ہمشیرہ شاکر۔ شاردھا۔ آمسٹرڈم

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

ماہِ رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت قطعی ہے۔ لقولہ عزّ وجلّ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" اور اس کی شدید تاکید احادیث کثیرہ سے ثابت ہیں۔

عرى الاسلام وقواعد الدين ثلثة عليهن أسس الاسلام۔ من ترك منهن واحدة فهو بها كافر حلال الدم شهادة ان لا اله الا الله والصلوٰة المكتوبة وصوم رمضان (رواہ ابو یعلی باسناد حسن)

ارشاد فرمایا کہ دین کے ستون تین ہیں (غیر صاحبِ نصاب و غیر مستطیع کیلئے) جن پر اسلام کی بنیادیں ہیں جس نے بھی ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دیا وہ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے۔ پہلا کلمۂ توحید کی شہادت دینا ہے، دوسرا نماز پنجگانہ اور تیسرا رمضان شریف کا روزہ رکھنا ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اربع فرضهن الله في الاسلام فمن جاء

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر فرض فرمایا ہے جو ان

بثلاثٍ لم یغنین عنه شیئًا حتی یاتی بهن جمیعًا الصلوٰة والزکوٰة وصیام رمضان وحج البیت۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

میں سے تین کو بجالائے وہ انکو کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گے یہاں تک کہ سب کو بجالائے وہ نماز، زکوٰۃ، ماہ رمضان کا روزہ اور کعبۃ اللہ کا حج ہے۔

اس وعید شدید کے سننے کے بعد کوئی مسلمان بغیر عذر شدید کے روزۂ رمضان چھوڑنے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔ ملحد ڈاکٹروں کے کہنے پر بھروسہ مت کیجئے خود تجربہ کرکے دیکھئے اگر روزے رکھنے سے مرض میں شدت پیدا ہوتی ہے تو یہ روزہ نہ رکھنے کے اعذار میں سے ہے آپ روزہ نہ رکھیں بلکہ ہر روزہ کے بدلے ایک فدیہ ایک فقیر و مسکین کو دے دیں۔ ایک فدیہ ایک صدقۂ فطر کی مقدار ہے۔ اور اگر روزہ رکھنے سے مرض میں اضافہ نہیں ہورہا ہے تو ضرور روزہ رکھئے کہ روزہ صحتِ جسمانی کا بھی ضامن ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روزہ کے طفیل صحت بھی مل جائے گی۔ لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "تصوموا تصحوا" (روزہ رکھو صحت حاصل کرو) المعجم الاوسط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

مسافتِ سفر اور روزہ نہ رکھنے کی رخصت

مسئلہ ۹۲۳:۔ محمد شریف دین پوس۔ نیدرلینڈ۔ ۸-۹-۱۴۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص رمضان المبارک کی صبح میں روزہ دار بیدار ہوا، لیکن اسے کسی کام سے آمسفورٹ جانا ضروری تھا اس آدمی نے ایک امام صاحب سے مشورہ لیا جو امام صاحب بنگلہ دیش سے تشریف لائے ہوئے ہیں اور ان کے پاس عالم، فاضل، ادیب اور مفتی کی سندیں بھی ہیں۔ امام صاحب نے کہا کہ اس مقام سے آمسفورٹ ساٹھ پینسٹھ کیلومیٹر ہے لہٰذا وہاں

جانے کے لئے شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ۶۰ / ۶۵ کیلو میٹر کے سفر کا اگر ارادہ ہو تو کیا وہ مسافر ہو جائے گا؟ پھر اگر اس شخص نے امام صاحب کے کہنے پر روزہ توڑ دیا تو اس کے لئے اور دونوں میں اس کی صرف قضا ہے یا قضا و کفارہ دونوں ہے؟ بینوا و توجروا۔ محمد شریف دین پوس، نیدرلینڈ۔

۹۲/۸۶ الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جس طرح رمضان المبارک میں بے عذر شرعی روزہ توڑنا حرام اور ماہ مبارک کی حرمت کو پامال کرنا نہایت بدانجام ہے اسی طرح کسی مسلمان کا روزہ تڑوانا بھی اشد حرام اور مستحق عذاب الیم و آلام ہوتا ہے۔ اگر اسلامی آئین و قوانین یہاں بذریعہ امارت نافذ ہوتے تو ایسے جاہل اماموں کو تعزیرًا موت تک کی سزا دی جا سکتی تھی۔ پھر بھی مسلمانوں کو رضاکارانہ طور پر اسلامی آئین کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اگر سماجی طور پر اسے تادیبی سزا نہیں دے سکتے تو قطع تعلق کر سکتے ہیں۔ یعنی ایسے نام نہاد اماموں سے اسلامی تعلقات ختم کر دیں۔ ہاں اگر وہ صدق دل سے توبہ کرلے اور امامت کی صلاحیت رکھتا ہو تو اُسے اس شرط پر امام بنا سکتے ہیں کہ اب وہ بے تحقیق کے کوئی مسئلہ نہیں بتائے گا۔

قرآن کریم نے اُن لوگوں کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی ہے جو حالتِ سفر میں ہیں یہ ہرگز نہیں ہے کہ ابھی سفر شروع نہیں ہوا اور روزہ کھانے کا اختیار ہو گیا۔ العیاذ باللہ " لقولہ تعالیٰ: وَاِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ اور سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھنا ہی افضل ہے، سوائے مجاہدین اسلام کے۔ خشکی راستے سے سفر کی مسافت ۵۷ ۳/۴ میل انگریزی ہے۔ جو موجودہ ناپ میں تقریبًا ۹۲ کیلو میٹر بنتا ہے۔ اس سے کم دوری کا سفر کرنے میں آدمی ہرگز مسافر نہیں ہو سکتا۔ شخص مذکور فی السوال نے اگر امام مذکور کے کہنے سے روزہ توڑ دیا ہو تو اس پر ایک روزہ قضا کے ساتھ دو مہینے لگاتار (۶۰ دن کا) کفارہ کا روزہ رکھنا اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا اور ایک

روزہ قضا کا رکھنا۔ اگر شخص مذکور مسافت سفر پر بھی جانے کا ارادہ کرکے روزہ توڑ دیتا جب بھی اس پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوتے۔

خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۵۴ میں ہے "المقیم اذا نوی السفر ثم افطر تجب الکفارۃ" اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے المسافر اذا تذکر شیئا نسیہ فی منزلہ فدخل فافطر ثم خرج قال علیہ الکفارۃ

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الخطیب مسجد طیبہ آمسٹرڈم

۸ رماہ رمضان ۱۴۱۲ھ

افطار کی دعا، کس وقت پڑھنی چاہئے؟

مسئلہ ۹۲۴ :- نثار علی لبسنو وغیرہ - آمسٹرڈم
۲-۹-۱۴۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ افطار کی دعا، ماثورہ (اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ) کس وقت پڑھنا چاہئے؟ ہالینڈ، جرمنی، بلجیم، انگلینڈ، فرانس اور یورپ کے بیشتر ممالک میں افطار سے پہلے اکثر مسجدوں میں جہاں افطاری کا اہتمام ہوتا ہے وہاں افطار سے پہلے فاتحہ خوانی ہوتی ہے پھر اجتماعی دعائیں ہوتی ہیں اور انہیں اجتماعی دعاؤں کے اخیر میں افطاری کی مذکورہ دعا، پڑھ کر افطار کر لی جاتی ہے پھر افطاری کے بعد نماز مغرب سے پہلے کھانا کھانے کے بعد کی دعا، پڑھی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ افطاری کی مذکورہ دعا، افطاری سے پہلے یا افطاری کے وقت یا افطاری کے بعد کس وقت پڑھی جائے؟ امید کہ واضح جواب سے مشرف فرمائیں گے کیونکہ اس بارے میں یہاں روزے داروں کے درمیان اختلاف ہے۔

نثار علی لبسنو، محمد علی سدل، نظام سوکھائی، آمسٹرڈم، ہالینڈ

۷۸۶ / ۹۲ **الجواب**　اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اس سوال کا کافی ووافی وشافی جواب فتاویٰ رضویہ شریف میں موجود ہے

تفصیل دلائل وہاں سے معلوم کر لینی چاہئے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ تینوں صورتوں کو علماءِ اسلام نے اپنی اپنی تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کسی پر بھی عمل کرنے میں شرعی مواخذہ نہیں ہے روزہ بہر سہ صورت ہو جائے گا۔ البتہ اگر روزہ دار اس دعاء کے ذریعہ استحباب بلکہ اتباعِ سنت کا بھی ثواب حاصل کرنا چاہے تو افطاری کے فوراً بعد اس دعاء کو پڑھے کہ دعاء کے تمام الفاظ بعد افطار ہی پڑھنے کے متقاضی ہیں۔ اور شرع شریف کا اصول ہے کہ الفاظِ منصوصہ کو بے ضرورت شرعی و مجبوری معنیٔ غیر پر محمول نہیں کیا جاتا ہے۔ اس دعاء کے الفاظ ماضی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً صُمْتُ (میں نے روزہ رکھا) اٰمَنْتُ (میں نے ایمان لایا) تَوَكَّلْتُ (میں نے بھروسہ کیا) اَفْطَرْتُ (میں نے افطار کی.....

اگر اس دعاء کو افطاری سے قبل پڑھی جائے تو واقعہ کے خلاف ہوگا کہ ابھی افطاری کی نہیں اور روزہ رکھ کر کہہ رہا ہے کہ میں نے افطار کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دعاء احادیث پاک میں اس طرح مروی ہے (۱) اذا افطر قال اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَعَانَنِی فَصُمْتُ وَرَزَقَنِی اَفْطَرْتُ (۲) اذا افطر قال اَللّٰھُمَّ لَكَ صُمْنَا وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْنَا (۳) اذا افطر قال ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ الخ یعنی ہر جگہ پہلے شرط پھر جزاء۔ اور شرط پر جزاء مقدم نہیں ہو سکتی اس سے روشن ہوا کہ افطاری پہلے ہے دعاء بعد میں۔ والحمد للہ علی ذلك۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء نوری مسجد آمسٹرڈم

۳ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

روزہ اور انجکشن

مسئلہ ۹۲۵: منجانب عالم فیضی، برمنگھم، انگلینڈ ۲۱-۱۲-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ روزہ کے دنوں میں انجکشن یا ٹیکہ لینے سے جبکہ انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں داخل کی جائے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جائے گا تو صرف قضا واجب

ہے یا قضاو کفارہ دونوں؟

اور اگر بذریعہ پائپ یا انجکشن کی سوئی کے سوراخ کے ذریعہ غذا معدہ میں پہنچائی جائے تو روزہ رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ اور ٹوٹنے کی صورت میں صرف قضا ہے یا قضا، وکفارہ دونوں؟ امید ہے کہ ہر دو سوالوں کا مدلل ومفصل جواب عطا فرماکر شکریہ کا موقع دیں گے۔ منیر عالم فیضی برمنگم، انگلینڈ۔

۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

فہم جواب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ روزہ کا رکن کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا ہے اور روزہ کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ اب اگر روزہ کا کوئی رکن فوت ہوجائے تو یقیناً روزہ بھی فوت ہوجائے گا لان انتقاض الشئ عند فوات رکنہ امر ضروری وذلک بالاکل والشرب والجماع۔ (بدائع الصنائع) ــــــ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ انجکشن یا ٹیکہ ارکانِ روزہ میں سے کس رکن کو توڑتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ جماع تو ہے نہیں تو اب اَکل وشُرب کا معاملہ رہ جاتا ہے اگر تحقیقاً یہ بات ثابت ہوجائے کہ انجکشن یا ٹیکہ اکل و شرب ہے یا کھانے پینے کا اطلاق اس پر صحیح ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر اکل و شرب کا اطلاق اس پر صحیح نہیں تو روزہ ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اکل وشرب کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ تک پہنچے اور اسے فائدہ پہنچائے۔ ہدایہ، فتح القدیر اور شامی میں ہے "وصول مافیہ صلاح البدن الی الجوف" اور جوف (معدہ) تک پہنچنے کے اصلی اور قدرتی پانچ ہی راستے ہیں۔ حلق، کان، ناک، مبرز (پاخانہ کا راستہ) مبال المرأۃ (عورت کے پیشاب کا راستہ) اور تشریح البدن کے مطابق جوف (معدہ) اور دماغ کے درمیان چونکہ قدرتی راستہ ہے تو جو چیز دماغ میں پہنچتی ہے وہ معدہ میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ پس جو چیز دماغ کے خلا میں پہنچے گی وہ معدہ میں بھی پہنچ جائے گی۔ جیسا کہ بحر الرائق اور شامی وغیرہما میں ہے والتحقیق ان بین

جوف الرأس وجوف المعدة منفذًا اصليًا فما وصل الیٰ جوف الرأس وصل الیٰ جوف البدن"، تو یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائیں وہ مفسد صوم ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ پائپ یا انجکشن کی سوئی کا اندرونی خودساختہ سوراخ منفذ کے حکم میں ہے یا نہیں؟ تو جزئیاتِ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی پانچوں راستوں کے علاوہ جائفہ اور آمہ کی طرح اگر کوئی اور راستہ بن جائے جس کے ذریعہ اصلاحِ بدن کی چیزیں دماغ یا معدہ میں پہنچائی جائیں تو اُن سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ کنز، تبیین اور بحر وغیرہا میں ہے "داوی جائفة او آمة بدواء ووصل الدواء الی جوفه او دماغه افطر"

(جائفہ اور آمہ ایسے زخم ہیں جس زخم کے سوراخ معدہ اور دماغ تک پہنچ جاتے ہیں کہ جب زخم کے سرے پر دوا رکھی جائے تو وہ دوا معدہ یا دماغ میں سوراخ کے ذریعہ پہنچ جائے)

انجکشن اور ٹیکہ کی دوائیں نہ تو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہیں اور نہ دماغ میں تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں مسام کے ذریعہ جسم اور معدہ و دماغ میں بھی سرایت کر جاتی ہیں تو مسام کے ذریعہ کھانے پینے یا اصلاحِ بدن کی چیزیں اگر جسم بلکہ معدہ میں سرایت کر جائیں تو شرعًا اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اگر بالفرض اس سے روزہ فاسد ہو جاتا تو ہر متوضی و غاسل کا روزہ فاسد ہو جاتا کہ پانی بہر حال مسام کے ذریعہ جسم بلکہ معدہ تک میں سرایت کرتا ہے۔ اسی لئے فتح القدیر میں اس کی وضاحت موجود ہے "المفطر الداخل من المنافذ کالمدخل والمخرج لامن المسام"

واضح ہوا کہ انجکشن یا ٹیکہ لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ معدہ ہی میں انجکشن یا ٹیکہ کیوں نہ لگوایا ہو۔ اور جب روزہ فاسد نہیں ہوا تو نہ قضا ہے نہ کفارہ۔

پائپ یا انجکشن کے ذریعہ کھانے پینے کی چیزیں معدہ میں پہنچانا یا سگریٹ و

چرس کا دھواں دماغ میں پہنچانا یقیناً مفسدِ صوم ہے اگر بحالت عذر و مجبوری طبیب حاذق کے کہنے کے مطابق پائیپ یا سوراخ دار سوئی کے ذریعہ معدہ میں کھانا پینا یا دوا پہنچائی گئی تو اس روزے کی قضا ہے کفّارہ نہیں۔ کمافی احکام القرآن واختلفوا فیما وصل الی الجوف من جراحۃ جائفۃ او امۃ فقال ابوحنیفۃ والشافعی علیہ القضاء اھ سگریٹ یا چرس اگر عمداً پیا ہو تو قضا و کفّارہ دونوں واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۱؍ دسمبر ۲۰۰۱ء

محتلمہ بھی بالغہ ہے

مسئلہ ۹۲۶: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میرے یہاں ایک بارہ سال کی بچی رہتی ہے جس کے جسم پر بالغ ہونے کی کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی اُسے حیض آتا ہے۔ البتہ اس نے دو ایک بار ایسا خواب دیکھا جس کی وجہ سے اسے احتلام ہو گیا۔ تو کیا ایسی صورت میں اس پر ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا فرض ہو جائے گا؟ احمد روزان۔ آمسٹرڈم

۹۲۶ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصّواب ـــــــ

صورتِ مسئولہ میں وہ بچّی جسے احتلام ہونا شروع ہو گیا ہے وہ عندالشرع بالغہ کے حکم میں ہے۔ حیض کا نہ آنا یا علامتِ شباب کا ظاہر نہ ہونا اس کی بلوغیت کے لئے مانع نہیں ہے۔ اس پر نماز روزے فرض ہو چکے ہیں۔ اگر بارہ سال سے کم عمر میں بھی احتلام ہونے لگے یا جاگتے میں خواہش کی وجہ سے انزالِ منی ہونے لگے جب بھی ایسی بچیاں بالغہ کے حکم میں آجائیں گی اور ان پر احکام شرعیہ کا نفاذ ہونے لگے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ

۱۷؍ رجب ۱۴۲۳ھ

روزہ اور حیض واستحاضہ

مسئلہ ۹۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماہِ رمضان میں میاں بیوی کو رات میں کس وقت تک ہمبستر ہونے کی شرعی اجازت ہے؟ اگر کسی عورت کا حیض صبح صادق سے پہلے بند ہو جائے مگر سورج نکلنے کے بعد وہ غسل کرے تو کیا اس پر اس دن کا روزہ ماہِ رمضان میں فرض ہو جائے گا؟ ایام حیض سے اگر زیادہ دنوں تک خون آتا رہے تو اُن زیادہ دنوں کا روزہ بھی رکھنا فرض ہے یا اس کی قضا کرے گی؟ تینوں سوالوں کا جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

سعود رحمت۔ آلمیرہ ستات۔ ہالینڈ

۹۲۷ الجواب ــــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــــ

۱۔ صبح صادق شروع ہونے سے پہلے پہلے میاں بیوی کے درمیان مجامعت کی شرعی اجازت ہے۔ قال تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۔	اب تمہیں اپنی بیویوں سے مباشرت کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے مقدر فرمادیا ہے اس کو تلاش کرنے کی … تو تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا (صبح صادق) سیاہ دھاگے (صبح کاذب) سے تمیز ہو جائے

اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہوا کہ ماہِ رمضان المبارک میں بیوی سے ہمبستری کی اجازت صبح صادق (اختتام سحری) تک ہے۔ وہو اعلم

۲۔ آیتِ مذکورہ ہی سے معلوم ہوا کہ اگر صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے اگر کوئی مسلمان جنبی اور ناپاک ہو پھر بھی اس پر روزہ رکھنا فرض ہے لہٰذا جس حائضہ عورت کا حیض صبح صادق ہونے سے پہلے منقطع ہو گیا ہو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا فرض ہے۔ ہاں تاخیر سے غسل کرنے کی وجہ سے نماز فجر قضا ہوئی جس کا گناہ اس پر ہوگا۔ وہو اعلم

۲۔ جب عادت سے زیادہ آیام گذر جائیں اور خون کا سیلان بند نہ ہو تو وہ استحاضہ ہے اور استحاضہ کی حالت میں نہ تو نماز معاف ہے اور نہ روزوں کی قضا کی اجازت ہے۔ لہٰذا عورت مذکورہ فی السّوال عادت کے آیام گذارنے کے بعد غسلِ طہارت کرے، ماہ رمضان کا روزہ رکھے اور ہر نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد تازہ وضو کر کے فرض و واجب و نوافل جس قدر چاہے اسی ایک وضو سے پڑھے۔
واللہ تبارکؐ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۱۷ر جمادی الآخرۃ ۱۴۲۲ھ

روزہ دار اور سونگھنے والی دوا

مسئلہ ۹۲۸ شریعت مطہرہ کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ ایک شخص برون خیتس (نمونیہ) کا شکار ہو گیا اور ڈاکٹر نے اس کے لئے ایک قسم کے نسوار کا انتخاب کیا جو دن میں کئی بار منہ یا ناک کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے۔ اگر ماہِ رمضان شریف میں اس کا استعمال کیا جائے تو روزہ رہے گا یا فاسد ہو جائے گا؟ جواب سے نواز کر میری مشکلات کو آسان فرمائیں۔
اسماعیل الٰہی بخش۔ دی ہیگ۔ ہالینڈ۔

الجواب ۹۲۸ ــــــــ هوالهادی الی الصواب ــــــــ
نمونیہ کے مریضوں کے لئے ہالینڈ کے ڈاکٹر حضرات جن دواؤں کا عموماً انتخاب کرتے ہیں ان میں "VENTOLIN" وغیرہ ہوتی ہے جس کو سانس کے ذریعہ جسم کے اندرونی حصہ میں پہنچائی جاتی ہے۔ لیکن وہ دوا نہ کھانے کی ہے نہ پینے کی اور نہ ہی اس پر کھانے پینے کا اطلاق صحیح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دوا معدہ یا دماغ میں بذریعہ سانس نہیں پہنچائی جاتی ہے بلکہ پھیپھڑوں تک پہنچانے کی سعی کی جاتی ہے۔ تو کھانے پینے کی نالیوں سے یہ دوا شکم کے اندر نہیں جاتی بلکہ ہوا کی نالیوں کے ذریعہ پھیپھڑے تک پہنچ جاتی ہے۔
تو اس کی مثال زیادہ سے زیادہ اُس ڈراپ کی سی ہے جو احلیل (پیشاب کا راستہ)

کے ذریعہ ٹپکائی جاتی ہے۔ یا اس انجکشن کی سی ہے جو گوشت میں دی جاتی ہے جو معدہ تک نہیں پہنچتی اور اگر بالفرض وہ معدہ تک بھی پہنچ جائے تو وہ کسی منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچی ہے۔ لہٰذا جس طرح انجکشن اور احلیل کے ذریعہ ٹپکائی گئی دوا مفسدِ صوم نہیں، دوا مذکورہ کا استعمال بھی مفطر و مفسدِ صوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم اسلامک فونڈیشن ہندر لینڈ

۱۱ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۳ھ

روزہ اور مانع حیض دوائیں

مسئلہ ۹۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ ماہ رمضان میں روزہ کی وجہ سے ایامِ حج میں طواف اور مسجد حرام میں داخل ہونے کی وجہ سے، یا زیارتِ اقدس کے وقت مسجد نبوی میں داخل ہونے میں رعایت کی وجہ سے اگر کوئی عورت ایسی دواؤں کا استعمال کرے جس کی وجہ سے حیض نہ آئے تو کیا حسنِ نیت کی وجہ سے ایسا کرنا ازروئے شرع جائز ہے؟

سائلہ: زینت الرسول معرفت نزہت فاطمہ، اسلامک انسٹی ٹیوٹ۔ عظیم آباد۔ بہار، انڈیا

۹۲۹ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

جہاں تک مانعِ حیض دواؤں کے جائز و ناجائز ہونے کا تعلق ہے تو چونکہ شریعت میں اس کی ممانعت یا اس کے عدم جواز کا کوئی جزیہ نہیں ہے اس لئے اس کا استعمال ناجائز و گناہ تو نہیں ہوگا۔ البتہ تقدیر الٰہی میں مداخلت اور بعض بیماریوں کو دعوت دینے کے مترادف ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا زیادہ مناسب ہے۔

ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اس عارضہ میں مبتلا ہوئیں تو حضور پُرنور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ ھٰذَا شَیْءٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ آدَم کہ یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔

اگر عورتیں حیض کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکیں یا طوافِ وزیارت نہ کر سکیں تو وہ عنداللہ جواب دہ نہیں ہوں گی اسلئے کہ یہی تقدیرِ الٰہی ہے اور مانع حیض دوائیں عورتوں کے رحم اور بچہ دانی پر بُرا اثر ڈالتی ہیں اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۱۳؍ جمادی الآخرہ ۱۴۲۴ھ

جہاں افطاری کے بعد ہی صبح صادق ہوجاتی ہے

مسئلہ ۹۳: کیا فرماتے ہیں علمائے حقانی و مفتیانِ ربانی اس اہم مسئلہ میں کہ ماہِ جون، جولائی میں یورپ کے اکثر ملکوں میں سورج غروب ہونے کے بعد شفق ابیض یا تو طلوع نہیں ہوتی اور بعض ملکوں میں طلوع ہوتی ہے تو اس کے غروب سے پہلے صبح صادق طلوع ہوجاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں روزہ کی ابتدا صبح صادق سے (تقریباً ایک بجکر چھتیس منٹ پر) ہوجاتی ہے اور اس کا اختتام غروب آفتاب (تقریباً دس سوا دس بجے) کے بعد ہوجاتا ہے۔ اس طرح روزہ تو مکمل ہوجاتا ہے لیکن نمازِ عشاء، تراویح اور سحری کا صحیح وقت نہیں ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد اگر فوراً صبح صادق طلوع ہوجائے تو ان ایام میں روزہ کس طرح رکھا جائے گا؟ تفصیل کے ساتھ جواب باصواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

سائل: افضل کمال۔ بروسیلز۔ بیلجیم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ هو الهادی الی الصواب ـــــ

جب ان ملکوں میں رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے تو یہاں رہنے والے مسلمان مرد و عورت بالغ، مقیم، صحتمند پر پورے ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا فرض ہے لقولہ تبارک وتعالیٰ۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ تو اے مسلمانو! تم میں جو اس مہینہ کو پائے اسے چاہئے کہ اس کا روزہ رکھے۔

سائل نے جن ملکوں کا تذکرہ کیا ہے بحمدہ تبارک و تعالیٰ ان ملکوں میں ہر چوبیس گھنٹے میں صبح و شام ہوتی ہے جس میں روزہ مکمل ہوتا ہے اور بعونہ تعالیٰ یہاں کے مسلمان باشندے روزے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان مہینوں میں بندۂ ناچیز نے بھی یہاں روزے کی لذت پائی ہے اور نومبر، دسمبر کے روزوں سے زیادہ لطف اٹھایا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

نماز عشاء اور تراویح سے متعلق یہاں مقیم علماء کرام نے اپنے اکابر کی مدد سے اور اپنے مسلسل تجربات کی روشنی میں نمازوں کا ٹائم ٹیبل (اوقات الصلوٰۃ) ترتیب دیا ہے ہر ملک کے مسلمانوں کو اپنے اپنے علماء کے ترتیب دیئے ہوئے اوقات الصلوٰۃ کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر کسی بات میں شبہ ہو تو مرکزی دارالافتاء کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔

جن ملکوں میں دس ساڑھے دس بجے رات میں سورج غروب ہوتا ہے اور ایک بجے رات کے بعد صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے ان ملکوں میں افطاری کے بعد بھی کھانے پینے کا اچھا موقع مل جاتا ہے ..... مگر جن ملکوں میں سورج ڈوبتے ہی صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے وہاں کے مسلم حضرات روزہ رکھنے کے معاملہ میں مریض کے حکم میں ہیں کہ شرعاً خوفِ ہلاکت بھی مرض کی طرح مبیح افطار ہے۔ چنانچہ درمختار مع ردالمحتار میں ہے۔

وخوف هلاك ونقصان عقل ولو بعطش اوجوع شديد۔	اعذار مبیحہ میں سے ہلاکت کا خوف اور عقل میں کمی واقع ہونا بھی ہے اگرچہ یہ بات پیاس اور بھوک کی شدت سے پیدا ہو۔

اور فتاویٰ عالمگیریہ ہندیہ میں ہے۔

ومنها العطش والجوع كذا اذا اخيف منها الهلاك ا /	اور اعذار مبیحہ میں سے بھوک پیاس ہی کی طرح ہلاکت کے خوف کا طاری ہونا بھی ہے۔

لہٰذا وہاں کے باشندے اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہوں یا طاقت تو رکھتے ہیں لیکن نہایت کمزوری واقع ہوتے یا ہلاکت کا خوف ہے تو وہ ان دنوں کی قضا معتدل ایام میں کریں۔ قال تعالیٰ ارشادِ الٰہی ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۝ — تم میں جو بیمار ہو یا حالتِ سفر میں تو ان ایام کی قضا وہ دوسرے دنوں میں کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ وارد حال نوری مسجد آمسٹرڈم
خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ۔ ۱۹ر شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

اکتیسواں روزہ

مسئلہ ۹۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان اپنی چھٹی گذارنے کے لئے ماہِ رمضان شریف میں انڈیا آگیا۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ دہلی میں گذارا۔ ۲۹ر رمضان کو شام کے وقت اُس نے عید الفطر کا چاند دیکھا اور اسی رات میں تقریباً ایک بجے انڈین ٹائم سے بذریعہ K.L.M طیارہ وہ ہالینڈ کے لئے روانہ ہوا اور تقریباً چھ بجے وہ ہالینڈ پہنچ گیا، جبکہ ہالینڈ کے مسلمان اُس وقت سحری کھا رہے تھے کیونکہ اُن دنوں میں سحری کا آخری وقت ساڑھے چھ، پونے سات بجے تک تھا۔ ہالینڈ کے حضرات علماء کرام و مفتیانِ عظام نے اس کی شہادتِ رویت کو تسلیم نہیں کیا۔ ایسی صورتِ حال میں اس شخص کو تیسویں رمضان المبارک کا روزہ رکھنا ضروری ہے یا اپنی رویت کے اعتبار سے پہلی شوال کا روزہ رکھنا حرام ہے؟ دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں جواب دیکر ماجور ہوں۔

باقر حسین۔ حسین علی۔ ہاردرویک۔ ہالینڈ

الجواب ۹۳۲/۸۶ ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

جب شخص مذکور اپنے وطنِ اصلی میں پہنچ گیا اور ابتداءِ روزہ کا وقت پالیا تو اُس پر اُس دن کا روزہ رکھنا فرض ہوگیا کیونکہ ایسی صورت میں عامۃ المسلمین کی موافقت ضروری ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔

الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والاضحیٰ يوم — روزہ کا دن وہی ہے جس دن عام مسلمان روزہ رکھتے ہیں اور عید الفطر اور قربانی کا بھی دن وہی ہے

تضحون اھ — جس دن عام مسلمان عید قربانی کرتے ہیں۔

اسی مضمون کی حدیثیں سنن بیہقی ۲۵۲/۴، سنن ابی داؤد ۳۱۸/۱، اور ابن ماجہ شریف ۱۲۰ وغیرہم کتب احادیث میں بھی ہیں۔ اور ان تمام حدیثوں کا مفاد یہی ہے کہ منفرد شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہ بنائے بلکہ اپنے آپ کو اجتماعیت میں ضم کردے چنانچہ فتح القدیر ۲۴۹/۲ میں ہے۔

ان الصوم المفروض یوم یصوم الناس والفطر المفروض یوم یفطر الناس اعنی بقید العموم اھ — روزہ رکھنا اس دن فرض ہے جس دن عامۃ المسلمین روزہ رکھتے ہیں اور عید الفطر اس دن واجب ہے جس دن عامۃ المسلمین عید مناتے ہیں یعنی عامۃ المسلمین کی قید ملحوظِ خاطر ہے۔

فقہاء کرام نے تو یہاں تک حکم دیا کہ عام منفرد مسلمانوں کی تو بات الگ ہے اگر مسلمانوں یا سلطانِ اسلام کی طرف سے مقرر کردہ قاضئ اسلام یا ملک بھر کی مساجد کا امام الائمہ بھی اپنے سر کی آنکھوں سے ماہِ شوال کا چاند دیکھ لے جب بھی وہ مسلمانوں کو عید الفطر کا حکم نہیں دے سکتا ہے اور اگر اسکے مقتدیوں نے اس کے کہنے پر عید کرلی تو سب فرض کے تارک اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے

لو رأی الامام وحدہ او القاضی وحدہ ھلال شوال لایخرج الی المصلی ولا یأمر الناس بالخروج اھ — اگر شوال کا چاند صرف امام شہر یا صرف قاضئ شہر نے دیکھا تو وہ صرف اپنے دیکھنے کی بنیاد پر نماز عید ادا نہیں کرے گا اور نہ لوگوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دے گا۔

بہرحال صورت بالا میں اس شخص کو تیسویں ماہ رمضان کا روزہ رکھنا ہوگا اور اگر اس کا تیس روزہ ہوچکا ہو تو اکتیسواں روزہ بھی رکھے کیونکہ ہالینڈ کے علماء کرام کے نزدیک نصاب شہادت پوری نہ ہونے کی وجہ سے ابھی ماہ رمضان شریف کا خروج متحقق نہیں ہوا ہے اور جب ماہ رمضان موجود ہے تو روزہ رکھنا فرض ہے۔

بحرالرائق ۲۶۶ اور تبیین الحقائق ۳۱۹ میں ہے۔

ان المنفرد برائیۃ ھلال رمضان اذا صام واکمل ثلثین یومًا لم یفطر الا مع الامام

شخص واحد نے اگر ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا شروع کیا یہاں تک کہ تیس روزے پورے ہو گئے پھر بھی وہ افطار نہ کرے مگر امام شہر (قاضی) کے ساتھ۔

واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۵-۲ ۱۴۱۷ھ

سحری کے لئے جگانے کا اہتمام

مسئلہ ۹۳۲:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر میں مدتِ مدید سے اختتام سحری سے پہلے روزہ داروں کو سحری کے لئے اٹھانے کا رواج ہے۔ جس زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر کا چلن عام نہیں ہوا تھا اس وقت لوگ ٹینہ بجا کر یا لاٹھی زمین پر مار کر سحری کے لئے لوگوں کو بیدار کرتے تھے۔ پھر اس میں حمد ونعت کے ترانے بھی گائے جانے لگے۔ اور جب لاؤڈ اسپیکر کا چلن عام ہو گیا تو محلہ محلہ کی مسلم کمیٹیوں نے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ خوابیدہ لوگوں کو بیدار کرنا شروع کیا پھر اسی لاؤڈ اسپیکر پر حمد ونعت اور ماہِ رمضان کی منظوم فضیلت بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعض لوگ اس طریقہ کو سراہتے ہیں اور بعض لوگ اس کو بدعتِ سیئہ یعنی ناجائز سمجھ کر روکنا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ از روئے شرع موجودہ طریقۂ بیداری جائز وصحیح ہے یا نہیں؟ جواب باصواب کا منتظر۔

سائل:۔ نور الحسنین محلہ بھیگو۔ دربھنگہ۔ بہار۔ انڈیا

الجواب ۹۳۲ ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

کسی اچھے کام کی انجام دہی کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر خواب سے بیدار کرنے کی سعی کرنا اچھا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" (نیکی اور پرہیزگاری پر مسلمانوں کی مدد کرو) اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا فرمان عالیشان ہے۔ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْيَنْفَعْ (تم میں سے جو مسلمان بھائی کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہے اسے چاہئے

نفع پہنچائے) نماز تہجد عام مسلمانوں کے لئے واجب یا فرض نہیں ہے پھر بھی زمانۂ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نمازِ فجر کی اذان سے پہلے ایک اذان دی جاتی تھی جس کو سنکر مسلمان نماز تہجد کے لئے بیدار ہو جاتے تھے اور انہی بنیادوں پر مسلم ممالک میں افطار و سحر کے لئے مسلمانوں کو بذریعہ سائرن یا بذریعہ توپ وغیرہ کے باخبر کرنے کا رواج ہے جس کو آج تک کسی مولوی نے ناجائز بدعتِ سیئہ نہیں کہا۔

صورتِ مسئولہ میں سائرن یا توپ کی گھن گرج نہیں ہے بلکہ حمد و نعت اور جائز نظموں پر مشتمل مسلمانوں کی آوازیں ہیں جس کو بدعتِ سیئہ کہنے کی جرأت وہی کرے گا جس کو حمد و نعت شریفین سے للٰہی دوری ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ہاں قافلہ والوں کو اس بات کا اچھی طرح خیال رکھنا ہوگا کہ آوازیں ضرورت سے زیادہ بلند نہ ہوں کہ بیماروں، طالب علموں اور غیر مکلفین کو اذیتیں محسوس ہوں۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ ○ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری دار الافتاء نوری مسجد امسٹرڈم

۱۴ ر شوال المکرم ۱۴۰۵ھ

شب قدر وغیرہ میں چراغاں

مسئلہ ۹۲۴۔ کیا فرماتے ہیں علماء ملتِ اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ شب قدر، شب برأت، شب معراج اور شب ختم تراویح وغیرہ میں مسجدوں کے اندر یا عام شاہراہوں پر چراغاں کرنا، فضول خرچی میں شامل ہوکر ناجائز و حرام ہے یا اہم دنوں کی اہمیت کا اظہار کر کے مباح و باعث اجر و ثواب ہے؟ بینوا و توجروا

ایس، ایم ریاض الحسن۔ البرٹ کیپ۔ آمسٹرڈم

الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب

معمول سے زیادہ روشنی کے متعدد وجوہات ہیں (۱) کسی جگہ لوگوں کی بھیڑ جیسے جلسہ و جلوس اور بارات وغیرہ کا ہونا (۲) لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت

ہونا جیسے بازاروں اور دوکانوں کا سینٹر وغیرہ ③ کسی اہم واقعہ کا اظہار مقصود ہونا جیسے عید میلاد النبی، شب معراج، شب برات، شب قدر، ختم قرآن پاک، یوم آزادی، بزرگوں کا ایام عرس وغیرہم ④ کسی اہم معاملہ کی اہمیت کا اظہار و اعلان مثلاً علماء کی دستار فضیلت اور حفاظ و قراء کی دستار کا جلسہ اگر رات میں ہو اور نکاح کا اعلان اگر رات میں ہو وغیرہ ⑤ اپنے مال و دولت یا اپنی بڑائی کا اظہار بذریعہ روشنی کرنا ...... پانچویں صورت اسراف میں داخل ہو کر ناجائز و حرام ہے مگر اول الذکر صورتوں کے جائز و مباح اور باعث اجر و ثواب ہونے میں کسی عامی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ مانعین حضرات اور بدعت کا وظیفہ پڑھنے والے ان تمام مواقع پر چراغاں کرنے میں سنیوں سے کم نہیں ہیں۔

شب میلاد النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چراغاں کے جائز ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ خود سید کائنات علیہ افضل الصلوات نے ارشاد فرمایا کہ: "میری ولادت کے وقت ایسی روشنی ظاہر ہوئی کہ میری والدہ نے اس روشنی میں ملک شام کے محلات کو دیکھا" (مشکوٰۃ المصابیح باب فضل سید المرسلین علیہ و علیہم السلام)

مخصوص راتوں میں مسجدوں یا مسلمانوں کی آمد و رفت کے راستوں کو چراغوں سے منور کرنا نہ صرف مباح بلکہ حسن نیت کی وجہ سے باعث اجر و ثواب ہے۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "تاریخ الخلفا" میں ابن عساکر سے نقل کیا اور انہوں نے اسمٰعیل بن زیاد علیہم الرحمۃ سے تخریج کی کہ

مرّ علی ابن ابی طالب علی المساجد فی رمضان وفیها القناديل فقال نور الله علی عمر فی قبره كما نور علینا فی مساجدنا۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان المبارک کے مہینے میں مسجدوں کے قریب سے گزرے جن میں قندیلیں روشن تھیں تو حضرت عمر کو انہوں نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ عمر کی قبر کو روشن فرمائے جیسا کہ انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

زمانہ مبارکہ میں مسجدوں کے اندر ماہِ رمضان میں چراغاں ہوتا تھا جس کو عام صحابیوں کے علاوہ خلیفہ راشد باب العلم فاتح خیبر سیدنا مولیٰ علی نے دیکھا اس کی تصویب فرمائی اور چراغاں کرنے والے کو دعا دی۔

حضور انور سید العالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد گرامی فرماتے ہیں۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔ تم پر میرا اور خلفاء راشدین کا طریقہ لازم ہے۔

نوٹ:۔ مخصوص راتوں میں آرائش وزیبائش کے لئے یا مسلمانوں کو سہولت پہنچانے کے لئے مسجدوں یا شاہراہوں پر جو روشنی ہوتی ہے وہ مسلمانوں کے عام چندہ سے ہونا چاہئے جو اسی کام کے لئے وصول کیا گیا ہو۔ مسجدوں، قبرستانوں اور مسلم تنظیموں کی رقمیں جو کسی اور کام کے لئے اکٹھی کی گئی ہوں چراغاں میں صرف نہ کیا جائے۔ کیونکہ چندہ کی رقم اسی کام میں لگانا ضروری ہے جس کام کے لئے وصول کیا گیا ہے۔

چراغاں سے اگر کسی دینی غرض کا حصول نہ ہو یا چراغاں حدِ اعتدال سے باہر ہو تو پھر اس کا حکم کچھ اور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری دار الافتاء نوری مسجد آمسٹرڈم

۲۷ رشعبان المعظم ۱۴۰۶ھ

ماہِ رمضان میں اعلانیہ کھانا پینا

مسئلہ ۹۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض مسلمان اپنے دفتروں میں عیسائیوں، یہودیوں کے سامنے رمضان شریف کے دنوں میں بے جھجک کھاتے پیتے رہتے ہیں ان کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے؟

ہارون رشید۔ وارد حال بیلجیم

الجواب ــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــ ۷۸۶/۹۲

ایسے لوگ شعارِ اسلامی کی کھلے عام توہین کرنے والے اور دین کا مذاق اڑانے والے ہیں۔ ایسے لوگ اگر بے عذرِ شرعی ماہِ رمضان کے دنوں میں روزے کھاتے ہیں تو حکومتِ اسلامیہ پر فرض ہے کہ اُنہیں قتل کر دے یا عمر قید کی سزا دیدے۔ کمافی الدر المختار فی کتاب الصوم۔

ولو اکل عمداً شہرة بلا عذر یقتل۔ — اگر کوئی مکلف مسلمان جان بوجھ کر ماہِ رمضان کے دنوں میں علی الاعلان کھائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

حدود و قصاص کی طرح ضروریاتِ دین کے منکرین و موہنین کی شرعی سزا حکومت اسلامیہ میں قاضی کی جانب سے جاری ہوتی ہے ــــ جہاں اسلامی حکومت نہیں وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے اسلامی قطع تعلق کریں تاکہ اس کے ساتھ وبال و نکال میں مبتلا نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ، خادم الافتاء والقضاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

شش عید کے روزے

مسئلہ ۹۳۵: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ماہِ رمضان شریف کے بعد شوال کے چھ روزے کا رکھنا واجب ہے یا فرض؟ اگر یہ روزے چھوٹ جائیں تو اس کی قضا آنے والے مہینوں میں رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ واضح جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی:۔ (حافظ) سجاد علی قادری، خطیب الغوثیہ اسلامک سینٹر مغربی امسٹرڈم الینڈ

الجواب ــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــ ۷۸۶/۹۲

ماہِ شوال کے چھ روزے (جس کو شش عید کے روزے بھی کہتے ہیں) نہ فرض ہیں نہ واجب بلکہ سنت ہیں جس کی ترغیب و فضائل احادیث کریمہ میں بہت

ہیں رسول اکرم سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد گرامی فرمایا "جس نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد ماہِ شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سال بھر کا روزہ رکھا،، (مشکوٰۃ المصابیح)

ان روزوں کا ماہِ شوال میں مسلسل یا فصل کے ساتھ دونوں طرح رکھنا درست ہے۔ ثواب میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی، یہ روزے چونکہ سنت ہیں اور سنت کے چھوٹ جانے کی قضا واجب نہیں۔ ہاں اگر کسی نے ماہِ شوال کے بعد ان روزوں کو رکھا تو اس کا شمار نفل روزوں میں ہوگا۔ شش عید کے روزوں کی فضیلت وہ نہیں پائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء "القرآن" اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۲۱ر شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

کتاب الحج

حج وزیارت کا بیان

بغیر محرم کے عورتوں کا سفر حج پر جانا

مسئلہ ۹۳۶: محمد عبد الحکیم بٹ بون، جرمنی
۱۲-۷-۱۹۹۰ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حج یا عمرہ کے لئے یا اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں جانے کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز دو چار گھنٹوں کا سفر بغیر محرم کے کرنا عفت مآب عورتوں کے لئے جائز ہے یا نہیں جبکہ ایک محرم یا شوہر نے اسے ایک ائیر پورٹ کے اندر تک پہنچایا۔ اور دوسرے ائیر پورٹ پر جہاز اترنے کے بعد اسے دوسرا محرم مل گیا۔ درآنحالیکہ راستہ میں امن وسکون اور جہاز میں حفاظت کا پورا انتظام ہے۔ اگر از روئے مذہب حنفی اس مسئلہ میں رخصت کی گنجائش ہو تو ایسی صورت نکالی جائے کہ عورتوں کا بغیر محرم کے دینی مفاد کے لئے سفر کرنا جائز ومباح ہو۔
سائل: محمد عبد الحکیم بٹ۔ اشاعت الاسلام جرمنی

۷۸۶ / ۹۲

الجواب هو المجیب الوهاب

مسافت سفر پر عورتوں کا بغیر محرم یا شوہر کے سفر کر کے تنہا جانا یا فاسق وفا[جر] محرم کے ساتھ جانا، یا نابالغ محرموں کے ساتھ جانا یا بقول بعض عورتوں کی جماعت کے ساتھ جانا، یا بے نفس ساٹھ ستر سال کے متدین بزرگوں کے ساتھ جانا سب ناجائز وحرام نہایت بدانجام خلاف مذاہب اسلام ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت بعض فتاؤں کے علاوہ فقیر کاتب الحروف نے اپنی کتاب "حج کے مسائل" اور "حیات مفسر[اعظم]"

میں کردی ہے مَنْ شَاءَ فَلْيَرجِعْ اِلَيْهِمَا ۔ یہاں ہوائی جہاز کے ذریعہ عورتوں کو بغیر محرم کے سفر کرنے میں جو مفاسد ہیں ان میں سے بعض مفاسد کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ احادیث کریمہ میں عورتوں سے متعلق وارد ممانعت کی عظیم حکمتیں ظاہر ہوں ھُوَالوَلِیُّ التَّوفِیق

(۱) شوہر یا محرم بیوی یا محرمہ کو سفر پر رخصت کرنے کے لئے ایئرپورٹ (ہوائی اڈہ) تک گیا، سیکورٹی نے ایئرپورٹ کے گیٹ پر ٹکٹ دیکھا اور مسافر کو اندر جانے کی اجازت دی۔ شوہر یا محرم وہاں سے واپس ہوگیا اب اندر کے تمام مرحلوں سے اسے بغیر محرم کے گزرنا پڑے گا، اور اجنبیوں کے ساتھ اس کا بات چیت کرنا ناگزیر ہوگا۔

(۲) اور اگر فرض کرلیں کہ شوہر یا محرم اس کے ساتھ ایئرپورٹ کے اندر چلا گیا، جہاں اس نے سامان کی جانچ کے بعد اُسے بک کرادیا۔ سیٹ نمبر کنفرم ہوگیا، گیٹ پاس بھی مل گیا تو کیا اب امیگریشن والے اس شوہر یا محرم کو بغیر اسی وقت کے ٹکٹ اور گیٹ پاس و پاسپورٹ کے ویٹنگ روم کی طرف جانے کی اجازت دے دیں گے؟ اب تو وہ اجنبیوں کے درمیان تنہا رہ گئی۔

(۳) فرض کیجئے امیگریشن والوں نے بھی اسے آگے جانے کی اجازت دے دی اور وہ ویٹنگ روم میں اپنی بیوی یا محرمہ کی عصمت کی حفاظت کرتا رہا اور کسی افتاد کی صورت میں وہ اس کا محافظ ثابت ہو سکتا تھا مگر کیا اب ویٹنگ روم سے جہاز میں بھی جانے کی اُسے اجازت مل جائے گی؟ تو اب وہ عورت کس کی نگرانی میں جہاز کے اندر داخل ہوکر اپنے سیٹ تک پہنچی؟

(۴) یہ بھی فرض کیجئے کہ اسے جہاز میں شوہر نے پہنچادیا وہ اطمینان سے سیٹ پر بیٹھ گئی اور شوہر واپس آگیا، اب یہ کیا ضروری ہے کہ اس کے اغل بغل کی سیٹیں خالی جائیں یا خواہی نخواہی ان سیٹوں پر عورتیں ہی آئیں۔ لہٰذا مظنون ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے پہلو بہ پہلو سفر کرے۔

(۵) اگر یہ بھی فرض کیجئے کہ ان کے اغل بغل شریف عورتوں ہی کو بیٹھنے کی جگہ ملی تو بھی

یہ کیا ضروری ہے کہ جو جہاز روانہ ہو چکا ہے وہ اپنی منزل پر پہنچ ہی جائے، وہ کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے لوٹ بھی سکتا ہے اور بعض غیر مانوس مقامات پر اتر بھی سکتا ہے اس وقت کی پریشانیوں اور عصمت وعفت کی حفاظت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

(۶) چلئے مان لیجئے کہ حفظ وامان کے ساتھ مقررہ ہوائی اڈہ تک جہاز پہنچ گیا، کوئی فضائی خرابی نہ ہونے یا حادثاتی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے جہاز خیریت کے ساتھ لینڈ بھی کر گیا۔ اب جو محرم اسے لینے کے لئے آنے والا تھا وہ کسی ناگہانی حادثہ کے سبب سے ایئرپورٹ نہیں پہنچ سکا۔ اس وقت اس کی کسمپرسی کا کیا حال ہوگا! اگر غور کیجئے تو اس طرح کی درجنوں حکمتیں سامنے آجائیں گی۔

عورتوں کے لئے محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت کی حکمتیں جان لینے کے بعد حضور پرنور عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وسعتِ علم اور قرآن پاک کے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا اندازہ ویقین ہوتا ہے۔ لوگ حج اور اشاعتِ دین کا نام لیکر عورتوں کے سفر کی رخصت تلاش کرتے ہیں۔ مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام حج ہی میں ممبر اقدس پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا! لا تسافر امرأة الامع ذی محرم "کوئی عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ"۔

یہاں دنوں کی قید نہیں ہے بلکہ مطلقاً سفر سے منع فرمایا گیا ہے اور منع فرمانے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سائل نے رخصت کی راہ نکالنے کی فہمائش کی ہے۔ سائل کے اندر یہ جرأت اس لئے پیدا ہوئی کہ علما کہلانے والے حضرات نے شریعت میں اس قدر پیوندکاریاں کی ہیں کہ عوام نے پیوندکاریوں کے مجموعہ کا نام شریعت سمجھ لیا ہے ورنہ یہ پڑھی لکھی عوام بھی جانتی ہے کہ منصوص مسائل تغیر وتبدیل کے اثرات قبول کرنے سے پاک ہیں وہ زمان ومکان کے بدلنے سے نہیں بدلتے بلکہ زمان ومکان کے احوال کو بدل دیتے ہیں۔ الاسلام یَعلُو ولا یُعلیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا جامعہ مدینۃ الاسلام

دی ہیگ ہیدرلینڈ ۱۲/۷/۱۹۹۰ء

حرام مال سے حج کرنا

۹۳۷ مسئلہ:۔ حبیب الرحمٰن، انت ورپن بلجیم۔ ۹۹-۱۰-۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نمازی مسلمان جو داڑھی بھی حدِ شرع تک رکھے ہوا ہے۔ شہر کا کلکٹر (D-M) ہے لیکن گورنمنٹ کی طرف سے اس کا مشاہرہ آتا ہے کہ وہ نہایت آسانی بلکہ فراخی کے ساتھ مع بال بچوں کے اپنی زندگی گزارتا ہے۔ مشاہرہ میں سے کبھی اتنی رقم پس انداز نہیں ہوئی کہ وہ اس سے سفرِ حج کے اخراجات پورا کر سکے۔ البتہ رشوت کے طور پر ملازمین کے ذریعہ لوگوں نے جو اس کو نقدی روپئے اور سونے چاندی کے زیورات دیئے اس کی مالیت لاکھوں کی ہے یعنی کئی بار وہ سفرِ حج کر سکتا ہے۔

ایسی صورت میں شخص مذکور پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر وہ حج کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ جواب باصواب سے نوازکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی:۔ حبیب الرحمٰن، انتورپن، بلجیم

الجواب ۹۲/۸۶ ھوالھادی الی الصواب

بر تقدیرِ صحت سوال شخصِ مذکور پر حج فرض ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حلال کی کمائی سے وہ اخراجاتِ سفر پورا نہیں کر سکتا۔ اپنی غیر حاضری کے ایام میں بال بچوں کے خورد و نوش اور رہائش کے واسطے بقدرِ ضرورت رقم گھر میں نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔۔

باقی رہا رشوت کی نقدی، زیورات کا لاکھوں روپئے میں ہونا۔ تو وہ مالِ مغصوب کی طرح ہے جو اس کی ملکیت نہیں اس پر واجب ہے کہ جس جس کا جس قدر زرِ رشوت ہے اس کی تلاش و تحقیق کرکے اسے واپس کرے۔

اگر اس نے کسی طرح اپنی تنخواہ میں سے حج کے لئے کچھ بچا یا پھر اس میں رشوت کا بھی کچھ پیسہ ملا دیا تو وہ حج قابلِ قبول نہ ہوگا بلکہ اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ جب ایسا شخص لبیک پکارتا ہے تو فرشتے اس کے

جواب میں یہ کہتے ہیں۔

لا لبیک لا سعدیک حتی ترد ما فی یدیک وحجک مردود علیک (ارشاد الساری)

نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت مقبول۔ جب تک حرام مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس نہ کردے۔ تیرا حج تجھی پر مردود ہے۔

جب حلال کمائی اس قدر اس کے پاس نہیں کہ حج کرسکے اور وہ حج کرنا ہی چاہتا ہے تو کسی سے بنیت ادائیگی قرض لیکر حج کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۸ رشوال المکرم ۱۴۰۹ھ

عورتوں کا فرضی محارم کے ساتھ حج کرنا

مسئلہ ۹۳۸:۔ فیاض عالم، دلیف سین، ہالینڈ ۵-۱۱-۱۹۹۸ء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حج کے موسم میں یہاں کئی لوگ حجاج کرام کی جماعت کو حج وزیارت کے لئے لے جاتے ہیں۔ مسائلِ حج، مقاماتِ حج، مقاماتِ زیارت وغیرہ سے حاجیوں کو آگاہ کرتے ہیں اور حج وزیارت کا شرعی طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ حجاج کرام کی جماعت میں بوڑھے، جوان، عورت ومرد سب ہی ہوتے ہیں۔ اکثر بوڑھی عورتوں کے ساتھ ان کے محارم یا شوہر نہیں ہوتے بلکہ حج میں لیجانے والے حضرات ہی فرضی محارم بن جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی محترمہ حج میں لیجانے والوں کو اپنا بھائی کہتی ہے کوئی چچا اور بیٹا کہتی ہے۔ بس انہی سب ناموں کے ساتھ وہ ویزا حاصل کرلیتی ہیں کہ میرے ساتھ مثلاً میرا فلاں بھائی یا فلاں بیٹا یا فلاں چچا وغیرہ جارہا ہے حالانکہ وہ حضرات نسبًا نہ بھائی ہوتے ہیں نہ بیٹا اور چچا وغیرہ۔ یہاں کے بیشتر مسلمان اس دھوکہ دہی کو معیوب اور خلافِ شرع سمجھتے ہوئے ان عورتوں اور حج میں لیجانے والے حضرات سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح سے عورتوں کو حج میں لیجانا، ان کا فرضی محرم بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جو لوگ ایسے حجاج کرام سے قطعِ

تعلق کرتے ہیں اور ایسی عورتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں وہ صحیح کرتے ہیں یا نہیں؟ ان عورتوں کا حج فرض یا نفل ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

فیاض عالم منیر عالم، ولف سیبن ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا کارِ ثواب ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. حج کے مسائل بتانا۔ مقاماتِ حج کی معلومات فراہم کرنا اور زیارت کے آداب سکھانا مطلوب و محبوبِ شرع ہے۔ حج میں لیجانا، حجاج کرام کی خدمت کرنا، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا بہت خوب بلکہ خوب سے خوب تر ہے۔

عورتیں جوان ہوں یا سنّو سالہ بوڑھی پھر سفر دنیاوی ہو یا دینی بہرحال مسافت سفر طے کرنے کے لئے ان کے ساتھ محارم یا شوہر کا ہونا لازم وضروری ہے جس کی تاکیدیں احادیث کریمہ اور کتب فقہ اسلامی میں آئیں (جسے تفصیل معلومات درکار ہو وہ کاتب الحروف کی کتاب "مسائلِ حج" اردو اور ڈچ کا مطالعہ کریں)

فرضی محارم بنانا نہ صرف حکومت کو دھوکہ دینا ہے بلکہ حکم شرع کے ساتھ بھی غداری ہے جس کا وبال لیجانے والے اور جانے والیاں سب پر ہے۔ خدا و رسول جل وعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ان نافرمانوں سے قطع تعلق کرنا ہی چاہئے۔ ایسی عورتوں کا حج فرض تو اتر جاتا ہے مگر وہ قدم قدم پر گنہ گار ہوتی ہیں اور حج نفل سرے سے تو ہوتا ہی نہیں کیونکہ نفل کی آرزو میں وہ حرام کا اقدام کرتی ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ان مسائل کی تفصیل فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت، اور فقہ اسلامی کی دوسری کتابوں سے معلوم کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ

بغیر احرام کے میقات سے گزرنا

مسئلہ ۹۳۹: ۔ حبیب الرحمن نوری۔ الکمار، ہالینڈ ۹-۱۱-۱۴۰۹

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص بغرضِ تجارت

وملازمت مکہ مکرمہ جاتا ہے عمرہ یا حج کا ارادہ نہیں ہے ایسی صورت میں اُسے میقات سے احرام کے ساتھ گزرنا چاہئے یا بغیر احرام کے بھی گزر سکتا ہے؟ اگر بغیر احرام کے گزر گیا تو مکہ شریف پہنچ کر اُسے کیا کرنا چاہئے۔ حبیب الرحمٰن نوری، بزم رضا الکمار، نیدرلینڈ

۸۶/۹۲ الجواب

مکہ مکرمہ میں حاضری احرام کے ساتھ ضروری ہے خواہ حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا تجارت وملازمت کا، یا کچھ بھی ارادہ نہ ہو۔ المبسوط میں ہے۔

لیس لاحد ینتھی الی المیقات اذا اراد دخول مکۃ ان یجاوزھا الا باحرام سواء کان من قصدہ الحج والقتال والتجارۃ

جس شخص نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی نیت کی خواہ حج وجہاد کی نیت ہو یا تجارت کی اسے بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں۔

فتح القدیر ص ۴۱/۳ میں ہے۔

ان جمیع الکتب ناطقۃ بلزوم الاحرام علی من قصد مکۃ سواء قصد النسک اولا اھ

تمام کتب فقہیہ میں وضاحت ہے کہ مکہ مکرمہ میں جانے کی نیت سے احرام میں ہونا لازم ہے خواہ مکہ شریف میں حاضری حج کے لئے ہو یا نہیں۔

اگر کوئی شخص بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو گیا تو اس پر عمرہ یا حج لازم ہو جاتا ہے پھر اگر وہ شخص حج یا عمرہ کا احرام وہیں باندھ لے تو اس پر ایک دم لازم آتا ہے۔ اور اگر احرام کے لئے کسی میقات کی طرف لوٹ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا مگر میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کی وجہ سے اسے توبہ کرنی ہوگی۔ وتفصیلہ فی البدائع۔ واللہ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ، دار الافتاء القرآن۔ ۷ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ

چند طوافوں کی نماز ایک بار پڑھنا

مسئلہ ۹۴۰ :۔ مزمل حسین فریدی، بریڈفورڈ
۱۲۰۴-۱۴۰۹۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا ہر طواف (سات چکر) کے

بعد دو رکعت صلوٰۃ الطواف پڑھنا واجب ہے؟ یا چند طوافوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی مرتبہ طواف کی نماز پڑھ لینا کافی ہے۔ اور کیا دو یا تین طوافوں کے بعد دو رکعت نمازِ طواف ہی کافی ہے؟ تینوں سوالوں کا جواب درکار ہے۔

مزمل حسین فریدی، بریڈفورڈ، انگلینڈ

۸۶/۹۲ الجواب

جی ہاں ہر طواف کے بعد جب وقت مکروہ نہ ہو دو رکعت نماز طواف کا پڑھنا واجب ہے۔ چند طوافوں کو اکٹھا کر کے سب کی نماز ایک ساتھ پڑھنا مکروہ ہے جبکہ وقت مکروہ نہ ہو اور اگر طواف وقتِ مکروہ میں کیا۔ مثلاً فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک یا عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک یا وقت استوا سے وقت زوال تک تو ان صورتوں میں جتنے طواف کئے گئے سب کی نماز طواف وقت مکروہ نکلنے کے بعد یک وقت بالاجماع مکروہ نہیں۔ کمافی الشامی ص ۲۲۳ ۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔

یکرہ عندھما الجمع بین اسبو عین او اکثر...... وفیہ ایضا ... والخلاف فی غیر وقت الکراھۃ اما فیہ فلا یکرہ بالاجماع اھ

کہ دو یا زیادہ طوافوں کی نماز کو جمع کرنا شیخین کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور اسی شامی میں یہ بھی ہے کہ یہ اختلاف غیر وقت کراہت میں ہے لیکن وقت کراہت کی وجہ سے کئی طوافوں کی نماز کو ایک ساتھ پڑھنا بالاتفاق مکروہ نہیں

دو یا تین طوافوں کے بعد دو یا تین دوگانہ پڑھنا واجب ہے ایک دوگانہ سب کے لئے کافی نہیں۔ واللہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

شوہر یا محرم اگر درمیانِ سفر فوت ہو جائے

مسئلہ ۹۴۱ :- محمد شریف دل روشن، آمسٹرڈم ۱۱-۷-۱۴۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ ربانی وعلمائے حقانی اس عورت کے بارے میں

جو اپنے شوہر کے ساتھ ہالینڈ سے براہِ دمشق سفرِ حج پر روانہ ہوئی، دمشق پہنچ کر اس کا شوہر راہیِ ملکِ عدم ہوا اور قافلہ میں اس کا کوئی محرم بھی نہیں ہے جس کے ساتھ وہ سفر جاری رکھ سکے اور دمشق میں بھی کوئی آشنا نہیں جس کے یہاں قیام کر سکے تو ایسی صورت میں وہ عورت کیا کرے؟۔ یا کسی عورت کا محرم جدہ پہنچ کر مر گیا، کیا وہ جدہ سے واپس آجائے یا ادائے حج کے لئے مکہ چلی جائے؟

محمد شریف دل روشن دل محمد، آمسٹرڈم، نیدرلینڈ

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ دونوں عورتیں بلاءِ عظیم میں گرفتار ہو گئیں اللہ تبارک و تعالیٰ رحم فرمائے اور خلاصی کی راہ دکھلائے۔ پہلی عورت ایسی جگہ پہنچ گئی ہے جہاں سے دونوں جانب مسافتِ سفر ہے اور دونوں جانبوں میں سے کسی جانب کو سفر کے لئے بے محرم کے اختیار کرنا حرام ہے۔ اگر عزت و آبرو کے ساتھ دمشق میں رہنا میسر ہوتا تو اسے کسی محرم کے آنے تک یا دوسرا نکاح کرنے تک دمشق میں رہنے کا حکم دیا جاتا مگر شہر دمشق میں اس کا کوئی شناسا نہیں تو اس مجبوری و ضرورت میں اسے مذہب غیر کی تقلید کی وقتی اجازت مل سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق وہ اپنے قافلہ میں معتمد و ثقہ عورتوں کو تلاش کرے اور ان کے ساتھ سفر کو جاری رکھے یا وطن واپس آجائے۔ دونوں اختیار ہے۔

اور جو عورت جدہ پہنچ کر بے شوہر ہو گئی اسے بے محرم کے وطن واپس لوٹنا حرام ہے۔ البتہ مکہ معظمہ جدہ سے سفرِ شرعی کی دوری پر نہیں ہے لہٰذا مکہ معظمہ چلی جائے اور حج کے بعد وہیں ٹھہرے تا کہ اس کا کوئی محرم اس کو لینے کے لئے وطن سے پہنچ جائے اور اگر محرم نہ ہو یا جانے آنے کے لئے تیار نہ ہو یا آنے جانے کے لئے تیار ہے مگر وہ بے خوف ہے دین کا کوئی پاس لحاظ نہیں ہے تو اس عورت کو چاہئے کہ کسی سے نکاح شرعی کرے اگرچہ صرف سفر طے کر کے اپنے گھر پہنچنے کے لئے۔ اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو پہلی عورت کی طرح بحالتِ مجبوری و ضرورت اسے بھی مذہب غیر پر عمل کرتے ہوئے اپنے وطن

آجانا چاہئے ...... جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

كما فى فتاوى الرضويه۔ وكانت لكن ابانها زوجها اومات عنها ولو فى مصر وليس بينهما وبين مصرها مدة سفر رجعت ولو بين مصرها مدة وبين مقصدها اقل مضت اھ

کہ کسی عورت کو اثناء راہ شہر میں شوہر نے طلاق بائن دیدی یا وہ انتقال کر گیا اور اس عورت اور اس کے وطن کے درمیان مدتِ سفر نہیں ہے تو وہ لوٹ آئے۔ اور اگر وطن کے لئے مسافتِ سفر ہے اور مقصد سفر کے لئے مسافتِ سفر نہیں تو سفر جاری رکھے۔

لیکن اس رخصتِ شرعی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنی صوابدید پر کسی عذر کو ضرورت مان لیا یا کسی عام مجبوری کو ضرورت مان لیا اور مذہب غیر پر عمل کر لیا۔ شرعی طور پر جب تک ضرورت متحقق نہ ہو مذہب غیر پر عمل جائز نہیں اگرچہ مذاہب اربعہ برحق ہیں لیکن جو جس مذہب کا مقلد ہے اس پر اسی کی تقلید واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۱ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

شوہر کی اجازت کے بغیر حج میں جانا

مسئلہ ۹۴۲ :۔ سید نوراللہ بریڈفورڈ۔ انگلینڈ
۱۴۱۸-۹-۱۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت پر حج فرض ہے مگر اس کا شوہر بے گو ہر نہ اس کے ساتھ حج میں جانے کو تیار ہے اور نہ ہی اُسے اس کے بھائی بھاوج کے ساتھ جانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت سوچتی ہے اگر میں حج نہ کروں تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار بنتی ہوں اور اگر بے اجازت شوہر حج میں چلی جاتی ہوں تو حج تو ادا ہو جائے گا مگر اس کے باوجود شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے گنہگار اور مستحق نار بنتی ہوں۔ اب وہ عورت عجیب مخمصہ میں ہے کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے وہ آپ کے دارالافتاء سے رجوع کرتی ہے اور

امید کرتی ہے کہ کوئی شرعی مناسب حل نکال کر شادکام فرمائیں گے۔

المستفتی: سید نور اللہ ابن سید عطاء اللہ شاہ وارد حال بریڈفورڈ انگلینڈ

۸۶/۹۲ الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

واقعی عورت مذکورہ مجبورہ کا شوہر بے گوہر ہے کہ وہ فرائض الہیہ کی ادائیگی میں مداخلت کر رہا ہے۔ حج فرض ہو جانے کے بعد فوری طور پر اس کی ادائیگی واجب ہے اور تاخیر گناہ کبیرہ۔ اور شوہر مذکور اپنی بیوی کو گناہ کبیرہ کے دلدل میں ڈھکیلنے کی بھول کر رہا ہے پھر حسن اتفاق سے اس عورت کو سفر حج کے لئے قریبی محرم بھی میسر ہے۔ معلوم نہیں آئندہ ایسا سنہری موقع ہاتھ آتا ہے یا نہیں اسلئے شوہر مذکور کو چاہئے کہ برضا ورغبت اپنی بیوی کو سفر حج میں جانے کی اجازت دیکر خود گناہ سے بچے اور اپنی بیوی کو گناہ سے بچائے۔ بالفرض اگر شوہر مذکور اجازت نہ دے تو حج چونکہ فرائض الہیہ سے ہے جسکی ادائیگی جلد از جلد واجب ہے اس عورت کو شرعی طور پر اجازت ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ساتھ سفر حج پر چلی جائے اور فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو، صورت مسئولہ میں شوہر کی اجازت کے بغیر سفر حج کرنا گناہ و نافرمانی نہیں بلکہ یہ حق شریعت مطہرہ نے اسے دیا ہے۔

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ — نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے (مسند احمد بن حنبل)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں

"جبکہ عورت پر حج فرض ہے اجازت شوہر کی ہرگز حاجت نہیں" فان الاصح ان افتراض الحج فوری۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

معطر ماکولات ومشروبات اور محرم

مسئلہ ۹۴۳: محمد رفیق۔ ہورن

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ مکہ شریف میں بحالتِ احرام ایک معلم صاحب کی دعوت میں میں نے شرکت کی۔ دسترخوان پر نوع بنوع کھانے اور مشروبات چنے ہوئے تھے جس کی زعفرانی ومشکی خوشبو دسترخوان کے علاوہ ماحول کو معطر کر رہی تھی حجاج کرام نے شکم سیر ہو کر کھایا پیا۔ تو سوال یہ ہے کہ ان خوشبودار چیزوں کے استعمال سے محرم حضرات پر دم لازم ہوا یا نہیں؟ اور عمداً کھایا پیا تو توبہ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

سائل:۔ محمد رفیق بنگالی ہورن، نیدرلینڈ

۸۶/۹۲

الجواب بتوفیق الملک الوہاب

اگر مشروبات میں خوشبو ملا کر اُسے پکایا گیا ہو تو اس کا حکم بھی پکائے ہوئے کھانوں کی طرح ہے کہ محرم کے لئے اس کا پینا جائز اور پینے والے محرم پر دَم یا صدقہ نہیں۔ اسی طرح جن کھانوں میں زعفران، عرق گلاب، عرق کیوڑہ وغیرہ خوشبو ملایا گیا ہو اور پھر اسے پکا لیا گیا ہو تو پکانے سے چونکہ اس کا وجود مختلط ہو کر ختم ہو گیا تو اب اس کے وجود کا اعتبار نہ رہا اور اس کا کھانا محرم کے لئے جائز ومباح ہو گیا۔

صورتِ مسئولہ میں جو خوشبودار کھانا مُحرموں نے کھایا اس کی وجہ سے وہ شرعی مجرم نہیں ہوئے، نہ ہی ان پر کوئی صدقہ وغیرہ واجب ہوا۔ مشروبات میں اگر پھلوں کا جوز ہو یا پکایا ہوا مشروب ہو تو اس کے پینے میں بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔ البتہ پھل یا اس کے جوز کا خوشبو کیلئے سونگھنا منع ہے لیکن کھانے پینے میں خوشبو لینا مقصود نہیں ہوتا ہے اس لئے وہ شرعاً حرام نہیں ہے۔

شرح لباب مع ارشاد الساری، فصل فی اکل الطیب وشربہ ۲۱۲ میں ہے

الطیب اذا خلطه بطعام قد طبخ فلاشیٔ علیه اتفاقا یوجد ریحه اولا۔ لانه بالخلط و الطبخ یصیر مستهلکا فلا یعتبر وجوده اصلا۔	خوشبو اگر ایسے کھانے میں ملائی جسے پکا لیا گیا ہو تو اس کے کھانے سے بالاجماع محرم پر کوئی شئے لازم نہیں ہوگی خواہ اسکی خوشبو باقی ہو یا باقی نہ ہو۔ کیونکہ وہ ملنے اور پکنے کی وجہ سے ہلاک (ختم) ہو گئی اب اسکے وجود کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

واللہ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہندرلینڈ

۱۸ رجب ۱۴۱۹ھ

حج ٹیکس اور اس کا حکم

مسئلہ ۹۴۴: محشر نظامی، مکہ مکرمہ ۱۵-۱۰-۱۷۹

کیا فرماتے ہیں علمائے ربانی و مفتیانِ حقانی اس مسئلہ میں سعودی گورنمنٹ نے ہر حاجی پر ایک حج ٹیکس عائد کر دی ہے جسکی ادائیگی ہر حاجی پر لازم ہے بغیر اسکے ادا کئے ہوئے سعودی امبیسیاں ویزا نہیں دیتی ہیں.... سوال یہ ہے کہ مقدس عبادت کے نام پر مسلمانوں سے بالجبر ٹیکس وصول کرنا اور ٹیکس نہ دینے والے مسلمانوں کو حج کی سعادت سے محروم کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز یہ ٹیکس وجوب حج کے لئے ممانعت کا سبب تو نہیں؟

سائل: محشر نظامی، شارع خالد بن ولید، مکۃ المکرمہ

۷۸۶/۹۲ الجواب بعون الملک الوھاب

حافظ حقیقی نجدی بلاؤں سے مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے آمین. فرض الٰہی کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں پر ٹیکس لادنا مسلمانوں پر ظلم و جبر اور مسجد حرام نیز دیگر شعائر الٰہیہ کی زیارتوں سے روکنا ہے جو نہایت درجہ حرام اور عذاب قہار کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (کیا انہیں اطمینان ہے کہ اللہ ان عذاب نہ کرے گا حالانکہ وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں)

حجاز مقدس پر ظلم و جبر کے ساتھ غاصبانہ قبضہ کرنے والے نجدی درندے عنقریب جبار و قہار مالک کی گرفت شدید میں آنے والے ہیں. کہ ایسوں کے لئے شہنشاہِ عرب عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بد دعائیں موجود ہیں۔ مسلم شریف میں ہے

اَللّٰهُمَّ من ولی من امر امتی شیئًا فشق علیهم فاشقق علیه.... الٰہی! میری امت کے نام پر جو شخص بالجبر حاکم بن بیٹھے پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال

مسلمانوں پر حج ٹیکس لاد کر واقعی اس نے مسلمانوں کو مشقت میں ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہ آمدنی اس کے لئے حرام ہے۔ پھر بھی اگر ادائے فرض کے لئے بادلِ ناخواستہ یہ ٹیکس مسلمانوں کو دینا پڑتا ہے تو مسلمان معذور ہے۔ کرم الٰہی سے امید ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس ٹیکس کا نفاذ اگرچہ وجوب حج کے لئے مانع نہیں مگر مسلمانوں کو ایک حج فرض کے بعد محتاط ہو جانا چاہئے کہ ایک بڑے گناہ کی جھولی میں چھوٹی نیکی ڈالنے کے لئے سعی نہ کریں اور اس طرح نجدیوں بدمذہبوں کا مالی تعاون بھی ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ مذہب اہلسنت کو مٹانے کی مسلسل نت نئی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مکرو فریب اور بدمذہبیت سے مسلمانانِ اہلسنت کو بچائے۔ کتبہ عبدالواحد قادری نوری دارالافتاء، ایمسٹرڈم

۱۵ر شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

زیارت اقدس کا احسن طریقہ

مسئلہ ۹۴۵ :- اشفاق احمد، اوسلو
۱۳-۱۱-۱۴۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روضۂ انور علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے وقت زائرین کو کتنی دوری پر، کس طرح کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر سلام پیش کرنا چاہئے؟ روضۂ انور کی مبارک سبز جالیوں سے چپک کر نجدی سپاہی کھڑے رہتے ہیں جو زائرین کو بوسہ لینے یا چومنے سے روکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا جالیوں کو چومنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

اشفاق احمد خاں۔ اوسلو، ناروے

۷۸۶
۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

وہ مبارک سبز جالی جو روضۂ مقدسہ کی جنوبی (سمت قبلہ) دیوار میں لگی ہے اس سے کم از کم دو میٹر کے فاصلہ پر اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ مزار پُرانوار کی جانب اس کا چہرہ رہے اور قبلہ شریف کی طرف پیٹھ رہے۔ پھر اس طرح اپنے دونوں ہاتھوں

کو باندھے جس طرح نماز کے لئے باندھتا ہے۔ یعنی داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی کلائی پر رہے۔ آنکھیں شرم وندامت سے جھکی ہوئی ہوں بلکہ گریاں ہوں۔ اور تصور میں سامنے روحِ کائنات علیہ افضل الصلوات جلوہ بار و متوجہ ہوں۔ پھر نہایت شیریں آواز میں لجاجت کے ساتھ صیغہائے درود وسلام اپنی زبان پر جاری کرے اور یقین جانے کہ اس کا سلام کلام، اس کی حاضری، اس کی حالتِ ظاہری اور کیفیاتِ باطنی سب کچھ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعطائے الٰہی عزوجل سنتے دیکھتے اور جانتے ہیں۔ ارشاد الباری باب زیارۃ سید المرسلین ص۳۲۸ میں ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم	بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیری حاضری
بحضورك وقیامك وسلامك	تیرے قیام وسلام یعنی تیرے تمام
ای بل بجمیع افعالك واحوالك	افعال واحوال اور سفر وحضر سے
وارتحالك ومقامك	باخبر ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری ص۲۱۵ میں ہے

یقف کما یقف فی الصلوٰۃ — حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے

اور لباب وشرح لباب ص۳۳۷ میں ہے

واضعا یمینہ علی شمالہ — دست بستہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہو

جب تک ذوق وشوق ساتھ دے درود وسلام کے نذرانے پیش کرتا رہے

اخیر میں شفاعتِ کبریٰ اور بار بار حاضری کا سوال پیش کرے۔ پھر دوست واحباب جنہوں نے سلام پیش کرنے کی ذمہ داری دی ہے ان سب کی طرف سے سلام و گذارشات پیش کرے۔

سبز جالیوں سے جو بے ادب پیٹھ لگائے کھڑے رہتے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ

زمین شور سنبل بر نیارد ٭ دراں تخم عمل ضائع مگرداں

ہاں خود ان مبارک جالیوں کو اپنا گنہ گار ہاتھ یا ہونٹ لگانے کی جرأت نہ کرے

کریں بھی کمالِ ادب کے خلاف ہے۔ یہی کیا کم کرم نوازی ہے کہ اپنے قرب خاص میں بلا کر سلام وکلام کو سماعت فرمایا اور احوال وکیفیات کو دیکھا۔ پھر اس تعظیم وتکریم کا موقع عنایت فرمایا جس سے تعظیم کرنے والا بھی بے خبر ہے۔ فصلوات اللہ تعالیٰ وسلامُہٗ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ابدًا سرمدًا

اعلیحضرت دریائے فضل وکرامت علیہ الرحمت فرماتے ہیں

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں ∴ اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

رَزَقَنَا اللہُ تَعَالیٰ وَاِیَّاکُمْ زِیَارَتَہٗ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہ وسلم مع اہتمامِ الشرع وکمالِ الادب۔ واللہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۱۳؍ ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ

مسجد نبوی اور پُرسوز اذانِ بلالی

مسئلہ ۹۴۶ :- شبیر علی خاں، آلس میر، ہالینڈ ۱۷-۵-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ بالا مقام اس واقعہ کے بارے میں کہ ایک مولوی مقرر صاحب نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد جب حضرت بلال نے شام سے آکر مسجد نبوی میں اذان پڑھی تو پورے شہر پاک میں کہرام مچ گیا اور اس اذان کو سنکر جوانانِ مدینہ خواہ پردہ نشین ہی کیوں نہ ہوں سب اپنے اپنے گھروں سے باہر آگئیں۔ کیا یہ واقعہ تاریخ کی روشنی میں صحیح اور سچ ہے؟ اگر صحیح ہے تو حوالجات کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں اور اگر صحیح نہیں ہے تو ایسے مقرر مولوی کی کیا سزا ہونی چاہیئے جو شہر رسول کی پردہ نشیں عورتوں سے متعلق یہ بیان کرے؟

شبیر علی خاں آلس میر

۹۴۷ الجواب ــــــــ بعون الوہاب ــــــــ

جی ہاں تاریخ اسلام، کتب احادیث وسیر کی روشنی میں یہ واقعہ صحیح ہے۔ حضرت

امام ابن عساکر نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس واقعہ کو روایت کیا۔
حضرت علامہ امام سبکی نے شفاء السقام میں، اور علامہ ابن حجر نے الجواہر المنظم میں اس واقعۂ مذکورہ کی سند کو جید فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب وصالِ محبوب علیہ السلام کے بعد اپنی مستقل سکونت ملک شام میں اختیار کرلی۔ تو ایک شب خواب میں سرور کائنات روحی لہ الفداء علیہ التحیۃ والثناء کی زیارتِ اقدس سے مشرف ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے سنا۔

ماهذه الجفوة يابلال اما آن لك ان تزورني يابلال۔ اے بلال! یہ کیا جفا ہے؟ اے بلال!! کیا ابھی تیرے لئے وہ وقت نہ آیا کہ تو میری زیارت کو حاضر ہو۔

اس خواب سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ لرزاں و ترساں بیدار ہوئے اور فوراً مزار پُرانوار کی زیارت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ جب شرفِ حضوری سے مشرف ہوئے تو قبر انور سے لپٹ کر رونے لگے اور اس کی خاک شریف کو اپنے چہرہ پر مل کر اسے روشن و تابناک بنانے لگے۔ اسی اثناء میں دونوں شہزادے (حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت بلال نے انہیں سینے سے لگاکر پیار فرمایا۔ شہزادوں نے فرمایا ہم تمہاری اذان کے مشتاق ہیں۔ حضرت بلال تعمیلِ حکم کے لئے مسجد نبوی کی چھت پر اسی جگہ گئے جہاں سے زمانۂ اقدس میں اذان پکارا کرتے تھے۔ جس وقت اپنی پُرسوز آواز کے ساتھ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا پورے مدینہ میں لرزہ پڑگیا، اور جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا تو کنواری جوان لڑکیاں پردوں سے نکل آئیں۔ یہ سب بیخودی اور وارفتگی شوق کے عالم میں ہوا
شفاء السقام میں ہے کہ انتقال پُرملال کے بعد سے اب تک مدینہ منورہ میں ا[illegible] رونے اور بیخودی کا سماں کبھی نہ بندھا تھا۔ واللّٰہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری خادم الخطیب مسجد طیبہ آمسٹرڈم

۱۷/ مئی ۸۸ء

بعض حالات میں تصاویر مقطوع کی اجازت

مسئلہ ۹۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل پاسپورٹ، ویزا لائیسنس اور امتحانات وغیرہم کے لئے ان تصاویر کو گورنمنٹ کے محکموں نے ضروری قرار دیا ہے جن سے پاسپورٹ ہولڈرز وغیرہ کی خاص پہچان ہو سکے۔ اور بغیر تصویر کے کاغذاتِ مذکورہ کا اجراء قانونی طور پر ممکن نہیں یا بہت مشکل ہے۔ ایسی صورتِ حال میں پاسپورٹ یا ویزا کے لئے یا مختلف قسم کے لائیسنس کے لئے کاغذی تصویر کی اجازت ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازنے کی زحمت کریں۔

سائل: محمد شفیق کامل، بارسلونا، پاک محمدی مسجد، اسپین۔

۹۴۷ الجواب ــــــ هو الهادی الی الصواب ــــــ

جاندار کی تصاویر کی حرمت دشناعت شرع اور اصولِ شرع سے واضح اور روشن ہے۔ جس پر دلائل و براہینِ کثیرہ موجود ہیں۔ اور غیر جاندار کی تصویریں بنانی، اگر لہو ولعب کے قبیل سے نہ ہوں تو جائز و مباح ہے۔

علماء کا اختلاف دراصل اس میں ہے کہ جاندار کے جسم کے ایسے حصّہ کی تصویر، جو دوسرے حصّوں سے علیحدہ ہو کر زندہ نہ رہ سکے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کمر کے نیچے دونوں پاؤں کی تصویریں۔ سینے کے اغل بغل سے دونوں ہاتھوں کی تصویریں جس کی ضرورت ڈاکٹروں کو علاج کے سلسلہ میں پڑتی ہے۔ اسکے جواز میں بھی شک نہیں کہ اگرچہ یہ آدمی (جاندار) کے جسم کے بعض حصوں کی تصویریں ہیں مگر یہ ایسے حصوں کی تصویریں ہیں جو جسم سے علیحدہ ہو کر زندہ نہیں رہ سکتے۔

اسی طرح ہاتھ پاؤں کے ساتھ سینے سے نیچے کی تصویر یا آدھے سینہ سے چہرہ اور سر کی تصویر علیحدہ علیحدہ (مصوّر) زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور جو حصہ جسم سے علیحدہ ہو کر زندہ نہیں رہ سکتے اس حصّہ کی تصویر کی اجازت عند الحاجت ہونی چاہئے۔

(جسم کے علیحدہ علیحدہ حصوں کی تصویروں کو ویڈیو کیسٹ کے ریز (الیکٹرک

شعاعوں) پر قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ ان شعاعوں کا مقصود ہی مکمل جاندار کی تصویروں کا وجود میں لانا ہے۔

پاسپورٹ، ویزا وغیرہ کے لئے ایسے فوٹو استعمال کئے جاتے ہیں جو سر سے لیکر سینہ کے اوپری حصہ تک ہوتے ہیں۔ اگر انسان کو نصف سینہ سے کاٹ دیا جائے تو وہ انسان زندہ نہیں رہتا ہے تو گویا یہ فوٹو کسی بے جان جسم کا فوٹو قرار پائے گا جس کی شرع میں عند الحاجۃ اجازت ہے۔ جاندار کی تصویر کی حرمت بیان فرماتے ہوئے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔

فاصنع الشجر ومالا نفس لہ — تو شجر وحجر اور ایسی چیز کی تصویر بناؤ جس میں جان نہ ہو۔

اور صحیح مسلم ص ۲۰۲/۲ وبخاری ص ۲۹۶/۱ میں ہے۔

کل شئ لیس فیہ روح — ہر ایسی چیز کی تصویر جس میں روح نہیں جائز ہے

فتح الباری شرح بخاری ص ۳۳۲/۱ میں جاندار کی تصویر کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

غیرت عن ھیئاتھا اما بقطعھا من نصفھا او بقطع راسھا۔ اھ — تصویر کی ہیئت کو اس کے نصف زیریں کاٹ کر یا اس کے سر کو قلم کرکے بدل دیا جائے تو اس کا حکم حرمت بدل جائے گا۔

المصوّرون کی شرح میں فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۲ میں ہے۔

لصورۃ حیوان تام۔ — جاندار کی تصویر کامل حرام ہے

وخرج بالحیوان غیرہ کشجر — حیوان کی قید لگانے سے غیر حیوان کی تصویر نکل گئی جیسے درخت

وبالتام مقطوع نحو رأس — اور تام کی قید لگنے سے ایسے اعضاء بریدہ انسان کی تصویر

ممالا یعیش بدونہ — کا حکم بدل گیا جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہتا ہے۔

حاجت اور بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے معتمد علیہم علماء کرام نے مذکورہ ضروری کاغذات وغیرہ کیلئے تصاویر مقطوعہ کی اجازت دی ہے۔ لیکن اس اجازت کو حد حاجت ہی میں رکھنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ مجلس علماء ہند لینڈ

۳ر شعبان ۱۴۱۲ھ

حج تمتع کے احرام کے بعد طواف وسعی

۹۲۸ مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حج کے موسم میں، میں گھر سے نکلا تو عمرہ کی نیت سے احرام باندھا اور مکہ مکرمہ پہنچکر میں نے عمرہ کیا اور احرام کھول دیا۔ پھر ۸ر تاریخ ذی الحجہ کو صبح کے وقت حج کا احرام اپنے ہوٹل ہی میں باندھا اور منیٰ شریف کے لئے روانہ ہوگیا۔ نماز ظہر کی اذان سے پہلے میں منیٰ پہنچ گیا تو میرے دوستوں نے کہا کہ احرام میں داخل ہوجانے کے بعد تمہیں طواف وسعی یا کم از کم طواف کرکے منیٰ آنا چاہئے۔ یہ تم سے غلطی ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ اس غلطی کے ازالہ کے لئے کیا کفارہ یا جرمانہ دینا ہوگا؟ واضح فرمائیں۔

اسرائیل نوری۔ خرونیگن ہالینڈ۔ وارد حال، مکہ شریف

۹۲۸ الجواب ـــــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــــ

صورت مسئولہ میں آپ متمتع ہوئے یعنی ایک ہی سفر میں ایک احرام سے پہلے عمرہ پھر دوسرے احرام سے حج کیا۔ اور متمتع کے لئے احرام کے بعد نہ طواف ہے نہ سعی۔ بلکہ اس کے لئے صرف طوافِ زیارت ہے جو فرض ہے اور اس کی ادائیگی قربانی و حلق کے بعد ہوتی ہے۔ ہاں اگر کسی متمتع نے حج کے احرام میں داخل ہونے کے بعد ایک نفلی طواف اور اس کے ساتھ سعی بھی کرلیا۔ تو طوافِ زیارت (افاضہ) کے بعد اسے سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔

لیس علی المتمتع طواف قدوم — متمتع حاجی پر طواف قدوم نہیں ہے۔

اور جب آپ سے کوئی غلطی (جنایت) نہیں ہوئی تو کفارہ (دم، صدقہ، بدنہ) کا بھی سوال نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چند نماز طواف کو جمع کرنا

۹۲۹ مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بعد نماز فجر

وقت میں وسعت کی وجہ سے دو یا تین طواف کر لیا جائے اور واجب الطواف نماز وقت کراہت کی وجہ سے ادا نہ کی جائے تو تینوں دوگانہ سورج نکلنے کے بعد ایک ساتھ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی کراہت تو نہیں آتی؟
جواب کا منتظر۔ عبدالشکور براہیمی۔ موریشیش۔ وارد حال مکہ مکرمہ

۸۶/۹۴ الجواب ــــــ هوالهادی الی الصواب ــــــ

نماز طواف۔ طواف مکمل ہو جانے کے بعد علی الفور واجب ہے جبکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ اور اگر اس کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو جب بھی پڑھے گا ادا ہی ہوگی قضا نہیں ہوگی کیونکہ اس کی ادا وقت کے ساتھ مؤقت نہیں ہے۔ وقت کراہت میں نمازیں مکروہ ہیں طواف نہیں۔ لہٰذا جو طواف وقت مکروہ میں کیا گیا اس کی نمازیں وقت کراہت نکل جانے کے بعد پڑھنا بالاجماع مکروہ نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمتہ رد المحتار میں فرمایا

والخلاف فی غیر وقت الکراهة امافیه فلا یکره بالاجماع	غیر وقت کراہت کے چند طوافوں کی نمازوں کے جمع کرنے میں اختلاف علما ہے لیکن وقت مکروہ کی چند طواف کو ایک ساتھ پڑھنا بالاجماع مکروہ نہیں۔

فتاویٰ شامی ص ۲۴۳/۱ ہی میں ہے۔

یکرہ عندهما الجمع بین اسبوعین او اکثر۔	حضرات شیخین کے نزدیک دو یا زیادہ طوافوں کی نماز کو غیر وقت مکروہ میں جمع کرنا مکروہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن ہینڈ ہالینڈ
۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

اذانِ فجر سے پہلے مزدلفہ سے گزرنا

مسئلہ ۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرفات سے بذریعہ بس مزدلفہ کے لئے ہالینڈ کے حاجیوں کا قافلہ روانہ ہوا جو آہستہ آہستہ مزدلفہ

کی طرف بڑھتا رہا۔ روشنی کی کثرت اور بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ مزدلفہ کب آیا اور گذر گیا اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ صبح صادق ہوئی یا نہیں ہوئی۔ البتہ جب قافلہ کی بس منیٰ میں پہنچ گئی اور اکثر حاجی اپنی اپنی قیام گاہ میں آگئے تو منیٰ کی بڑی مسجد میں نمازِ فجر کی اذان ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں حاجیوں کا وقوفِ مزدلفہ ہوا یا نہیں؟ کیا صورتِ مذکورہ میں وقوفِ مزدلفہ معاف ہے؟ یا دم دینا لازم آئے گا؟ خلاصہ جواب دیکر شکریہ کا موقع دیجئے۔

قاری فیض الرحمٰن قادری، سابق امام وخطیب مسجد طیبہ آمسٹرڈم۔ نزیل منیٰ شریف

۹۲/۸۶ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

مزدلفہ میں وقوف کا وقت صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد سے آفتاب نکلنے کے وقت تک ہے۔ اس درمیان اگر حدودِ مزدلفہ میں چند منٹوں کا بھی قیام پایا گیا یا وہاں سے گزرتے ہوئے چند منٹ لگ گئے تو قیام مزدلفہ متحقق ہو گیا۔ اور حاجی وقوفِ مزدلفہ سے بری الذمہ ہو گیا۔

اگر حاجیوں کی بس حاجیوں کو لیکر صبح صادق کے بعد مزدلفہ کی وادیوں سے گزری ہو تو تمام سوار حاجیوں کا وقوفِ مزدلفہ پایا گیا۔ خواہ حاجیوں کو مزدلفہ یا صبح صادق کا علم ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ اس وقت حاجی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہو یا خوابِ گراں میں بہر صورت وقوف متحقق ہو جائے گا۔

لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری ص۱۴۷ میں ہے۔

الوقوف بها واجب واول وقته طلوع الفجر الثانی من یوم النحر واخره طلوع الشمس منه فمن وقف بها قبل طلوع الفجر او بعد طلوع الشمس لا یعتد به وقدر الواجب

مزدلفہ کا وقوف واجب ہے۔ اس کا اول وقت دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق طلوع ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ اور آخری وقت سورج نکلنے تک ہے۔ تو جو شخص صبح صادق سے پہلے یا سورج نکلنے کے بعد وہاں ٹھہرا اسکے ٹھہرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ وقوف مزدلفہ کی مقدار تھوڑی

منه ساعة وركنه فكينونته	دیرہے۔ اور اس کا رکن مزدلفہ میں موجود ہونا
بمزدلفة بفعل نفسه او غيره	ہے خواہ اپنے عمل سے یا غیر کے عمل سے۔ وقوف کی
نواه اولم ينو، علم بها اولم يعلم	نیت ہو یا نہ ہو۔ مزدلفہ کا علم اسے ہو یا نہ ہو۔

منیٰ شریف یا مکہ مکرمہ زادہما اللہ تعالیٰ شرفًا و تکریمًا۔ کی مسجدوں میں اوقاتِ نماز کے نقشوں کے مطابق اذانیں ہوتی ہیں۔ فجر کی اذان طلوعِ صبح صادق کے ساتھ ساتھ یا دو چار منٹوں کے بعد ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ قافلہ حجاج کی بس تقریبًا آدھ گھنٹہ پیشتر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف گذر گئی کیونکہ دسویں ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ تک اس قدر بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے کہ بعض بعض بسیں دو تین گھنٹوں میں منیٰ پہنچتی ہیں، پھر ہالینڈ کے حاجیوں کی قیام گاہیں منیٰ کے دور دراز گوشوں میں ہوتی ہیں ان تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا شریعت مطہرہ کے مزاج سے زیادہ قریب ہے کہ اس قافلہ میں جتنے تندرست اور جوان لوگ تھے ان سب پر دم واجب ہے اور ان میں جو بہت بوڑھے، کمزور، بچے اور کمزور دل عورتیں تھیں وہ سب معذور ہیں ان پر دم یا صدقہ واجب نہیں۔

اسی شرح لباب مع ارشاد الساری میں ہے۔

ولو ترك الوقوف بها فدفع ليلاً	اور اگر مزدلفہ کا وقوف چھوڑ کر رات ہی میں حاجی واپس آگیا
فعليه دم الا اذا كان لمرض او ضعف	تو ایسی صورت میں دم لازم ہوگا ہاں اگر کوئی مریض ہو یا کبرسنی
بنيه من كبر او صغر او يكون امرأة	وکم عمری کی وجہ سے کمزور ہو، یا ایسی خاتون ہو جو بھیڑ بھاڑ سے
تخاف الزحام فلاشئ عليه۔اھ	بہت ڈرتی ہو تو اب ان پر کوئی شئے (دم، صدقہ) لازم نہ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، نزیل المکۃ المکرمہ شارع خالد بن ولید

۱۵، ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ

رمیٔ جمار کے لئے نائب بنانا

مسئلہ ۹۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم حاجیوں کے قافلہ

کا میر قافلہ ایک صالح العقیدہ عالم دین ہے۔ عرفات و مزدلفہ کے وقوف کے بعد جب ہم لوگ منیٰ لوٹے تو بہت زیادہ تھک چکے تھے۔ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ تھک گئی تھیں۔ انہوں نے میر قافلہ کو رمی جمار کے لئے اپنا نائب بنایا اور میر قافلہ نے سب عورتوں اور بوڑھے مردوں کی طرف سے شیطانوں کو کنکریاں ماردیں۔ پھر ایسا ہی گیارہ تاریخ کو بھی کیا۔ مگر بارہ تاریخ کو عورتوں اور بوڑھوں نے بھی خود سے کنکریاں ماریں۔ اب یہ بتایا جائے کہ رمی جمار ادا ہوا یا نہیں!۔ بینوا و توجروا۔ حاجی ایف مدارن صدر فریدالاسلام آمسٹرڈم۔ نزیل فندق العزیز، مکہ شریف

الجواب ــــــــ هو الهادی الی الصواب ــــــــ

تھکاوٹ عذر شرعی نہیں ہے اور بغیر عذر شرعی کے رمی جمار کے لئے کسی کو اپنا نائب بنانا جائز نہیں ہے۔ عذر شرعی ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے کنکری مارنے کی طاقت ہی نہ ہو، یا بیہوشی کا طاری ہونا ہے، یا ایسا بچہ و دیوانہ جس کو کنکری مارنے کا شعور ہی نہ ہو۔

لیکن جس بیمار کو کسی سواری کے ذریعہ جمرات تک لیجایا جا سکتا ہے یا کندھے پر کوئی لے جا سکتا ہے اس کے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ سواری یا کندھے پر جائے اور خود سے رمی جمار کرے یا رمی جمار کے لئے کسی سے مدد لے۔ مثلاً ہاتھ میں کنکری تو لے سکتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے جمرہ پر مار نہیں سکتا ہے تو کوئی شخص اس کے ہاتھ کو پکڑ کر جمرہ کی طرف جھکا دے تاکہ کنکری جمرہ کو لگے یا جمرہ کے قریب پہنچ جائے ......
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا بیمار جو قیام و قعود پر قادر نہ ہو بیٹھکر نماز پڑھتا ہو اس کو رمی جمار کے لئے کسی کو اپنا نائب بنانا درست ہے۔ اور جو خود قیام و قعود کر سکتا ہے اسے اپنا نائب بنانا جائز نہیں کیونکہ وہ خود کنکریاں مار سکتا ہے۔ امام اہل سنت مجدد دین وملت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں شرح لباب سے ناقل ہیں۔

یرمی بنفسہ فلا تجوز النیابۃ	رمی خود کرے قدرت کے باوجود نائب بنانا
القدرۃ وتجوز عند العذر	درست نہیں ہاں عذر کے وقت جائز ہے اگر کسی

فلو رمی عن مریض لایستطیع الرمی بامرہ او مغمیٰ علیہ ولو بغیرامرہ او صبی غیرممیز او مجنون جائز۔ والافضل ان توضع الحصی فی اکفہم فیرمونہا ای رفقہاہم فقی الحاوی عن المنتقیٰ عن محمد۔ اذا کان المریض بحیث یصلی جالساً رمی عنہ ولاشیٔ علیہ اھ

نے ایسے مریض کے کہنے پر رمی کی جو طاقت نہیں رکھتا۔ یا بیہوشی طاری تھی۔ اگرچہ اس نے رمی کا حکم نہ دیا ہو یا جس بچہ کو شعور نہ ہو یا دیوانے کی طرف سے رمی کردی تو جائز ہوگی۔ افضل یہ ہے کہ کنکری معذوروں کے ہاتھوں میں رکھ دیئے جائیں اور انکے دوست احباب رمی کردیں۔ فتاویٰ حاوی میں منتقیٰ کے حوالے سے حضرت امام محمد کی روایت ہے کہ جب مریض اس حال میں پہنچ جائے کہ نماز صرف بیٹھکر ادا کرتا ہو پھر اسکی طرف سے کسی نے رمی کردی تو اس پر کوئی شئے (صدقہ یا دم) لازم نہ ہوگی

پھر اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ شرح لباب کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

ولعل وجہہ انہ اذا کان یصلی قائماً فلہ القدرۃ علی حضور المرمی راکباً او محمولاً فلا یجوز النیابۃ عنہ اھ

شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ جب وہ کھڑے ہوکر نماز ادا کرسکتا ہے تو اسکے لئے جمرات تک جانے کی قوت بھی ہوگی خواہ سوار ہوکر جائے یا کوئی اسے اٹھاکر لیجائے تو ایسی صورتیں میں اسکو اپنی طرف سے کسی کو نائب بنانا درست نہ ہوگا

صورتِ مسئولہ میں نیابت صحیح نہ تھی لہٰذا نائب کا ان سب کی طرف سے جمار کرنا لغو و فضول ہوا۔ دس اور گیارہ تاریخوں میں جو عورت مرد بے عذر شرعی رمی نہیں کرسکے وہ سب واجب کے تارک ہوئے اور ان سبھوں پر ایک ایک دم واجب ہوا۔ اگر بارہویں تاریخ کی رمی کے ساتھ ساتھ وہ سب دس گیارہ تاریخوں کی رمی کا اعادہ کرلیتے تو ثواب کا مستحق ہوتے۔ مگر دم کا وجوب ان کے سروں سے نہیں اترتا اس دم کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت اور تاریخ مقرر نہیں ہے جب بھی دم دیا جائے گا ادا ہی ہوگا قضا نہیں۔ البتہ دم کے لئے حدودِ حرم متعین ہے۔ دوسری جگہوں میں ہزاروں دم دیئے جائیں ادا نہ ہوگا۔ درمختار کتاب الحج ص۱۸۳ میں ہے۔

یتعین الحرام لامنیٰ اھ ‏ دم شکر اور دم جبر کیلئے حرم شریف کی

ای لدم شکر وجبر الخ شرط ہے منیٰ کی نہیں۔

وضاحت: دم شکر کے لئے تاریخوں کی قید ہے (۱۰/۱۱/۱۲ ذوالحجہ) مگر دم جبر کے لئے تاریخوں کی کوئی قید نہیں، دم شکر سے مراد قربانی اور دم جبر سے مراد دم جنایات ہے جو واجبات حج کی خلاف ورزی پر پیش کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ وارد حال بمکان معلم عبدالرزاق و ابنائہ۔
شارع خالد بن ولید مکہ مکرمہ ۱۴/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ

کیا ہر حج کے بعد حاضری دربار اور چالیس وقت کی نمازیں ہیں

مسئلہ ۹۵۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان و پاکستان کے ہزاروں آدمی مکہ، طائف، جدہ اور ریاض وغیرہ میں بسلسلۂ ملازمت یا کاروبار رہتے ہیں انہیں وقفہ وقفہ سے حج کرنے کا موقع بھی ملتا ہے پوچھنا یہ ہے کہ کیا ہر حج کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ پر حاضری دینا اور مسجد نبوی میں چالیس چالیس وقتوں کی نمازیں پڑھنا ضروری ہے؟ امید ہے کہ جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں گے۔

وجیہہ احمد خان۔ طائف ٹیلی فون نمبر 00966.2.7324756

۹۵۲ الجواب ـــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــ

قرآن پاک میں اللہ رب العلمین جل جلالہ کا ارشاد۔ ارشاد مطلق ہے کسی علاقہ یا کسی مسلمان کے ساتھ مقید نہیں ہے نہ اس میں حل وحرم کا فرق ہے نہ عرب وعجم کا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ○	اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب وہ تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول انکی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں ہر مسلمان کے لئے اذن عام ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے بارگاہِ رسول علیہ السلام میں حاضر ہوکر پروانۂ مغفرت وشفاعت حاصل کرے خواہ وہ آفاقی ہو یا حرمی۔

پھر حضور اکرم سید العالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد بھی مکی وآفاقی سب کے لئے عام ہے من حج ولم یزرنی فقد جفانی کہ جس نے بھی حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کیا ...... اب اگر حج میں تکرار ہے تو زیارت میں بھی تکرار ہے۔ لہٰذا جب جب کوئی مسلمان حج کرے گا تب تب جفا سے بچنے کے لئے زیارت کرنی ہوگی۔ اسی لئے علامہ فاکہی مکی ۹۸۲ھ اپنی کتاب حسن التوسل فی زیارۃ الرسل (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں فرماتے ہیں۔

ومنه فيما يظهر الزيارة للمستطيع كلما حج بناء على مقتضى هٰذ الخبر ونحو فيتاءكد على نحو المكي اكثر من تاكده على غيره اھ	اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صاحب استطاعت جب بھی حج کرے تو اس حدیث اور دیگر احادیث کی بنا پر دربار نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں حاضری دے بغیر مکی لوگوں کی بہ نسبت مکی لوگوں کو اسکی زیادہ تاکید ہے (کیونکہ وہ پڑوسی ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ مقیم شیکہ، مکہ مکرمہ

۱۷ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

❄❄❄

کتاب الاضحیۃ

قربانی کے جانوروں کی عمریں

مسئلہ ۹۵۳: عبدالواحد، بزم رضا۔ الکمار، نیدرلینڈ ۲۱-۵-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عام مغربی مسلمان جو یورپ کے مختلف ملکوں میں مقیم ہیں بھیڑ اور دنبہ کی قربانیاں کرتے ہیں اور اکثر سورینامی مسلمان گائے اور بکرے کی قربانی دیتے ہیں۔ یہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ قربانی کے لئے گائے، بیل دو سال کے اور اونٹ پانچ سال عمر کے ہونے چاہئے۔ اور بھیڑ، بکرا بکری کم از کم ایک سال کے۔ یعنی اگر سال بھر ہونے میں دو ایک دن بھی کم ہے تو ان چھوٹے جانوروں کی قربانی نہیں ہوگی۔ لیکن ادھر دو چار سالوں سے یہ سننے میں آتا ہے کہ مغربی مسلمان چھ سات مہینوں کے بھیڑ، دنبہ اور بکرے کی بھی قربانی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا بھیڑ، بکری کے چھ مہینے کے بچے کی بھی قربانی ہوسکتی ہے؟ اور کیا یہ حدیث شریف سے ثابت ہے؟ عبدالواحد، بزم رضا الکمار، ہالینڈ

۹۲/۸۲

الجواب ــــــــــــــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

بیشک قربانی وعقیقہ کے لئے جانوروں کی جو عمریں آپ کو معلوم ہیں وہ شرعاً بالکل صحیح و درست ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ بھیڑ، بکری، بکرا کی عمر اگر سال بھر پورا ہونے میں چند گھنٹوں کی بھی کمی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ تنویر الابصار، منح الغفار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے ھو ابن خمس من الابل، وحولین من البقر والجاموس۔ وحول من الشاۃ اھ لہٰذا بکرا ہو یا بکری ہو یا دنبہ حولانِ حول (مکمل ایک سال قمری) سے پہلے اس کی قربانی نہیں ہوسکتی

ہاں اگر زیادہ عمر ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ اچھا ہے۔ تنویر الابصار مع درالمختار میں ہے
فلو ضحی بسن اقل لایجوز و باکبر یجوز و ھو افضل اھ
حدیث پاک میں جذعُ الضان (دنبہ کا شش ماہہ بچہ) کی قربانی کی اجازت بایں شرط مشروط ہے کہ وہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو، یعنی اگر اسے سال بھر کے دنبوں میں ملا دیا جائے تو اس ریوڑ سے اس چھ مہینے کے بچہ کو نکالنا خاصا مشکل ہو، جیسا کہ مسلم شریف، فتح الباری اور عینی وغیرہ میں حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

الضان، بھیڑ اور دنبہ دونوں کو کہا جاتا ہے جیسا کہ المنجد، منتہی الادب اور صراح وغیرہا کتب لغت میں ہے اور جذعُ چوپایہ کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کی عمر چھ ماہ سے دس ماہ تک اور ائمہ فقہا کے نزدیک سال بھر یا اس سے زیادہ ہو۔ صرف ہمارے امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے نزدیک جذعُ الضان سے مراد دنبہ کا چھ ماہی بچہ ہے جو فربہ ہو۔ اور حدیث پاک میں جذعُ الضان کے قربانی کی خصوصی اجازت ہے۔ فقہاء اسلام نے جذعُ الضان پر کافی بحث وتمحیص اور اختلاف آرا کے باوجود یہ نتیجہ نکالا کہ جذعُ الضان سے مراد دنبہ کا نہایت فربہ وہ چھ ماہی بچہ مراد ہے جو سال بھر کا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ جذعُ الضان معرف باللام عہدی کی طرف مضاف ہے لہذا اسے عام خانہ میں لاکر مضاف الی المعز (بکری) نہیں کیا جا سکتا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا قید لانہ لایجوز الجذع من المعز وغیرہ بلاخلاف کما فی المبسوط اھ

بھیڑ اور بکری یا بھیڑ اور بکرا دور سے پہچانا جاتا ہے کہ دونوں کی نوعیت میں واضح فرق ہے لیکن بھیڑ اور دنبہ کی تمیز ذرا مشکل ہوتی ہے ہاں قریب سے دیکھنے کے بعد تمیز کرنا آسان ہوتا ہے ان دونوں میں خاص فرق یہ ہے کہ بھیڑ کی دُم سیدھی اور قدرے لمبی ہوتی ہے اور دنبہ کی دُم پر گول نما چکتی ہوتی ہے جس کو عربی میں اَلْیَۃ کہتے ہیں جس کی تثنیہ اَلْیَانْ اور جمع اَلَایَا ہے۔ درمختار ہی میں ہے کہ۔ و یصح الجذع

ذُو ستۃِ اشھرٍ من الضأن قال صاحب الطحاوی الضأن مالہ الْیَۃ اھ جس الضأن کے چھ ماہی بچہ کی قربانی جائز ہے اسکے بارے میں امام طحاوی نے فرمایا کہ وہ ہے جس کے چکی ہوتی ہے .... لیکن بھیڑ یا بکرے کو چکی نہیں ہوتی تو اس کی قربانی بھی جائز و صحیح نہیں ہوگی۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ چھ سات مہینوں کے بچے خواہ بھیڑ بکری کے ہوں یا غیر فربہ دنبہ کے ہوں اس کی قربانی جائز و صحیح نہیں۔ اخوان المغاربہ کا چھ ماہہ بھیڑ بکری کے بچوں کی قربانی کے لئے احادیث کریمہ سے جواز کی سند لینا صحیح نہیں مغالطہ یا جہالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیڈ لینڈ

۲۱-۵-۱۴۲۲ھ

قربانی کے مذبوحہ جانور کے پیٹ سے اگر بچہ نکلے

مسئلہ ۹۵۴:۔ فیضان الرحمٰن سبحانی۔ کیرلا ۱۲-۵-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے قربانی دی۔ اور گائے یا کسی جانور کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ برآمد ہوا تو اب زید کہتا ہے کہ اس کو کھانا جائز ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے۔ فی حدیث ابی سعیدؓ الخدری قال۔ قلنا یا رسول اللہ انا ننحر الابل و نذبح البقر والشاۃ فنجد فی بطنھا الجنین۔ افنلقیہ ام ناکلہ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلوہ ان شئتم فان ذکاتہ ذکاۃ امہ۔ (رواہ ابوداؤد) تو اس حدیث کا کیا جواب ہوگا اور اس مردہ بچہ کا حکم کیا ہوگا؟ اور اگر بچہ زندہ ہے تو حکم شرع کیا ہے؟ المستفتی:۔ فیضان الرحمٰن سبحانی

شریعت کالج مرکز الثقافۃ السنیہ، کیرلا

۷۸۶ / ۹۲ الجواب ھو الھادی الی الصواب والیہ المرجع والمآب۔ زید کا دعویٰ کہ مذبوحہ جانور

کے پیٹ سے جو مرا ہوا بچہ برآمد ہوا اس کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور دلیل میں اس حدیث پاک کو پیش کر رہا ہے جسمیں مردہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلقاً "الجنین" کا لفظ ہے جس کا معنیٰ پوشیدہ، روپوش، مدفون، رحم مادر میں پرورش پانے والا چوپایہ کا بچہ وغیرہ ہے۔ یعنی یہ لفظ مردہ بچہ کے معنیٰ میں منحصر نہیں تو زید کی دلیل خلاف دعویٰ ہوئی۔

چونکہ شریعت مطہرہ نے حاملہ جانوروں کی قربانی بھی جائز رکھی ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ ذبیحہ کے بعد مذبوحہ مادہ جانور کے بطن سے بچہ برآمد ہو اور وہ بچہ زندہ یا مردہ دونوں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے "الجنین" کا لفظ استعمال ہوا یعنی ایسا بچہ جو ابھی رحم مادر میں مدفون ہے اور ناظرین کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اگر وہ ذبح کے بعد برآمد ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب ارشاد فرمایا کلوہ ان شئتم فان ذکاتہ ذکاۃ امہ یعنی اسکے کھانے کو فرض و واجب، سنت و مستحب قرار نہ دیکر طبیعت کے رجحان پر منحصر فرمادیا کہ دل چاہے تو کھاؤ نہ چاہو تو نہ کھاؤ۔ اور آگے کا جملہ بتا رہا ہے کہ "الجنین" زندہ ہے لہٰذا فرمایا "فان ذکاتہ ذکاۃ امہ" اگرچہ اس کا مفہوم حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے مگر وہ حکم الٰہی عزوجل کے خلاف ہوگا لہٰذا شارحین حدیث اور محشی حضرات نے اسکی تقدیر یوں بیان کی "کما ان امہ تحتاج الی ذبح یحتاج الجنین الیہ" یا "کان التقدیر ذکاۃ الجنین کذکوۃ امہ" یعنی جیسے اس کی ماں لائق اکل ہونے کیلئے ذبیحہ کا محتاج تھی ویسے ہی الجنین بھی لائق اکل ہونے کے لئے ذبیحہ کا محتاج ہے۔ یہ معنیٰ اگرچہ جملہ مبارکہ کا تقدیری معنیٰ ہے پھر بھی تقدیم و اولیت اسی معنی کو ہونا چاہئے کیونکہ اس معنیٰ میں حکم قرآنی اور اصول مذہب دونوں کی موافقت ہے۔ ارشاد ربانی ہے "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ"، اگر جملۂ مذکورہ فی الحدیث کو حقیقی معنیٰ پر محمول کیا جائے تو اس حکم ربانی کی مخالفت لازم آتی ہے کہ قرآن پاک نے تو مردار کو حرام کیا مگر حدیث پاک نے حلال کیا۔ پھر اصول مذہب مہذب "لا یکون ذکاۃ نفس ذکاۃ نفسین" کہ ایک جانور کا ذبیحہ دو

یا کئی جانوروں کے لئے کافی نہیں ہے" کی بھی مخالفت لازم آئے گی۔ اسلئے شارحین حدیث اور فقہائے کرام نے جس طرح حدیثوں کو سمجھا اسی طرح سمجھنے میں سلامتی ہے ورنہ بقول حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ "الحدیث مضلۃ الا الفقھاء" جو ہدایت کا سرچشمہ ہے وہی گمراہی کا ذریعہ ہو جائے گا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ وایاکم من تفسیر بالرائے ومعرفۃ الاحادیث بالرائے"

رہی یہ بات کہ اگر الجنین مردہ ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ شروح احادیث اور کتب فقہیہ میں اس کا جواب احادیث کریمہ ہی کی روشنی میں موجود ہے ...... جن فقہاء اور ائمہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث مذکور کے جملۂ مذکورہ کو حقیقت پر محمول کیا ہے ان کے نزدیک اگر مومن کی نفیس طبیعت اس کے کھانے پر مائل ہو سکے تو اسے کھائے اور طبیعت نہ چاہے تو نہ کھائے ــــ اور جن فقہاء وائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس جملۂ مبارکہ کو تشبیہ پر محمول فرمایا وہ قرآنی موافقت کو سامنے رکھتے ہوئے بغیر ذبیحہ کے اسے کھانا حرام فرماتے ہیں اور ذبیحہ کے بعد طبیعت کے میلان پر منحصر کرتے ہیں دل چاہے تو کھائے دل چاہے تو صدقہ کر دے اور کوئی کھانے کو تیار نہ ہو تو دفن کر دے اور اگر چاہیں تو بغیر ذبیحہ کے بھی زندہ صدقہ کر سکتے ہیں۔ وان خرج حیا فذبح یوکل والیہ ذھب امام الائمۃ ابوحنیفۃ النعمان رضی اللہ عنہ واذا خرج میتاً لایوکل بل ھو حرام کما فی شرح ابوداؤد وفی رد المحتار ودر المختار والبھار وغیرھا من کتب الاسفار والعلم عند اللہ الغفار وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علی النبی المختار وعلیٰ الہ واصحابہ الاخیار

کتبہ عبدالواجد قادری، خادم الافتاء، اسلامک فونڈیشن ہیڈر لینڈ ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۴۲۳ھ

چرم قربانی کسی انجمن کو دینا

مسئلہ ۹۵۵: خالد رضا قادری دربھنگہ۔ ۲۴-۵-۱۴۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں کسی ایسی انجمن میں دے دینی جائز ہے یا نہیں جس انجمن کی طرف سے لاوارث اور مسافر مردوں کی تجہیز و تدفین میں ان کھالوں کی قیمت لگائی جاتی ہو۔ یا پھر ان پیسوں سے مسجدوں میں جائے نمازیں، بدھنے اور جھاڑو وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہو یا پھر انہی پیسوں سے بارہویں گیارہویں شریف کے جلسوں کا اہتمام و انتظام کیا جاتا ہو۔ امید کہ مدلل شرعی جواب سے نوازکر عند اللہ ماجور ہوں گے۔ فقط سائل:۔ خالد رضا قادری۔ انجمن خدام ملت دربھنگ

۸۶/۹۲ الجواب هو الموفق الی الصواب

قربانی کی کھالوں کا شرعی حکم وہی ہے جو اس کے گوشت کا ہے۔ جیسے اس کا گوشت خود استعمال کر سکتے ہیں، عزیز و اقربا کو دے سکتے ہیں۔ دوست و احباب کو دے سکتے ہیں۔ مدرسہ و انجمن اور مسجد کے امام و مؤذن کو دے سکتے ہیں اسی طرح اس کی کھال بغیر بدلے اور بیچے ہوئے اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں، عزیز و اقربا کو دے سکتے ہیں، مدرسہ و مسجد اور انجمن کے منتظمین کو دے سکتے ہیں اب وہ لوگ اگر چاہیں تو بعینہ اس کھال کو اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں یا اسے بیچ کر جس نیک کام میں چاہیں لگا سکتے ہیں۔ ہاں صاحب قربانی نے اگر گوشت یا کھال کو پیسے کے عوض بیچ دیا تو اس کی قیمت اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا ہے بلکہ اس قیمت کو فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا پڑے گا۔ قربانی کی کھالوں سے متعلق یہی شرعی اصول و ضابطہ ہے۔

کمافی الهداية واللحم بمنزلة الجلد فی الصحيح وفی الدر المختار۔ فان بيع اللحم او الجلد به اى بمستهلك او بدراهم تصدق بثمنه۔ اور صدقہ کا مصرف قرآن پاک میں واضح ہے انما الصدقٰت للفقراء والمساكين (الآیۃ)

انجمن مذکور فی السوال کو قربانی کی کھالیں دینی جائز و درست اور ثواب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ

خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ۔ ۱۴/ جمل

چرمِ قربانی مسجد میں دینا

مسئلہ ۹۵۶:۔ (مولانا) محمد مطیع الرحمٰن گوپالپوری ۲۱-۳-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں قربانی کے چمڑے کسی مدرسہ میں دے دیئے جاتے ہیں اور مدرسہ والے اسے بیچ کر مدرسین کی تنخواہیں دیتے ہیں، مدرسہ کی عمارت کی مرمت کراتے ہیں یا جو غریب و امیر طلبہ مدرسہ کے دارالاقامہ میں رہتے ہیں ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں۔ کیا چرم قربانی کی رقم سے یہ سب کام کر سکتے ہیں؟

دوسرا ضروری سوال یہ ہے کہ یہاں کی مسجد مخدوش ہو چکی ہے۔ اتنا پیسہ چندہ سے اکٹھا نہیں ہوتا ہے کہ اس کی مرمت کرائی جائے۔ لہٰذا یہاں کے باشندوں کا خیال ہے کہ امسال سبھی لوگ اپنی اپنی قربانی کی کھال مسجد کے سکریٹری یا امام کو دیدیں اور سکریٹری صاحب اس چرم کو بیچ کر مسجد کی مرمت کرا دیں۔ کیا از روئے شرع ایسا کرنا جائز ہے؟۔ جواب کا منتظر:۔ بندہ مطیع الرحمٰن اشرفی

الجواب ۸۶/۹۲

چرم قربانی کا حکم زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ جیسا نہیں بلکہ قربانی دینے والے کو اختیار ہے خواہ بعینہٖ اسے باقی رکھتے ہوئے اپنے کام میں لائے۔ مثلاً جائے نماز یا بچھونا وغیرہ بنائے یا کسی نیک کام کے لئے دیدے یا اپنے کسی دوست احباب کو ہدیہ کردے ـــــ اگر صاحبِ قربانی نے اپنی قربانی کے جانور کی کھال مدرسہ کو دیدی تو منتظمین مدرسہ اسے فروخت کرنے کے بعد جس نیک کام میں چاہیں اس کی قیمت لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر قربانی کرنے والوں نے قربانی کی کھال مسجد کے سکریٹری یا امام کو دے دیا تو امام و سکریٹری اسے فروخت کر کے اس کی آمدنی سے مسجد کی مرمت کرا سکتے ہیں کیونکہ وہ صدقہ واجبہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی صاحبِ قربانی نے قربانی کے جانور کی کھال اپنی منفعت کے لئے بیچا تو اسکے لئے جائز نہ ہوا اور اس جرم میں اسے بدلہ میں

ملی ہوئی رقم کا صدقہ کردینا ضروری ہوا۔ اور اگر کسی نیک کام میں لگانے کے لئے خود بیچا ہے تو گنہ گار نہ ہوا البتہ اس رقم کو کسی بھی نیک کام میں لگادے۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ مجلس علمائے نیدرلینڈ

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

خصّی شدہ بکروں کی قربانی

مسئلہ ۹۵۷:۔ محمد مجیب، پچھم ویہار، دہلی، انڈیا ۳-۶-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانوروں کے جسم میں فوطہ ایک مستقل عضو ہے لیکن بعض بکروں یا بچھڑوں کے جسم سے وہ نکال دیا جاتا ہے۔ کیا ایسے بکروں یا بچھڑوں کی قربانی عندالشرع جائز ہے؟ اور کیا اس کے فوطوں کو نکال دینا اس کے لئے عیب نہیں ہے؟ اگر عیب نہیں ہے تو کیوں۔

طالب دعا:۔ مجیب۔ دہلی۔

الجواب اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ۸۶/۹۲

اگر مذکورہ بکرے اور بچھڑے مکمل سال یا دو سال کے ہیں اور کوئی عیب ان میں ایسا نہیں ہے جو مانع قربانی ہو تو ان بکرے اور بچھڑے کی قربانی نہ صرف جائز ہے بلکہ عندالشرع افضل ہے۔ کما فی الھندیۃ عن الخلاصۃ۔

والذکر منھا افضل اذا کان خصیًا۔ بکرا کی قربانی افضل ہے جبکہ وہ خصی شدہ ہو۔ وھٰکذا فی الدر المختار والھدایہ وفی شرح الوقایۃ وغیرھا۔

فوطہ چونکہ کھایا بھی نہیں جاتا ہے کہ اس کا نکال دینا تضییع مال قرار پائے، بلکہ نکال دینا نفع بخش ہے کہ اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور اس کا گوشت نسبتًا لذیذ ہوتا ہے اور تجربہ کی بنیاد پر اکثر خصی شدہ بکروں کا گوشت بھی بڑھ جاتا ہے جو مسکینوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ علامہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں۔

وکان ابراھیم یقول یزاد فی لحمہ بالخصاء انفع للمساکین ممایفوت بالانثیین اذلامنفعۃ للفقراء فی ذلک ھ اورجب فوطوں کانکال دینا عموماً نقصان دہ نہیں بلکہ فائدہ مند ہے تو اس کا شمار عیب میں نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۲ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۲ھ

خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

قربانی سے پہلے یا بعد میں حجامت بنواسکتے ہیں

مسئلہ ۹۵۸:۔ اسلام علادین۔ آمسٹرڈم
۱۹۸۵ء-۱۱-۱۴

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اپنے نام کی قربانی سورینام میں کرانا چاہتا ہوں لیکن میں بقرعید میں ہالینڈ کے اندر رہوں گا۔ اب یہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ قربانی دس ذوالحجہ کو ہوگی یا گیارہ بارہ تاریخ کو۔ سوال یہ ہے کہ مجھے حجامت کب بنوانی چاہئے؟ آیا بارہ تاریخ کے بعد یا اس سے پہلے ہی؟ جواب دیکر میرے ذہنی خلجان کو دور کریں۔ والسلام۔ حاجی علادین۔

الجواب ۸۶/۹۲

قربانی دینے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ماہ ذی الحجہ شروع ہوجانے کے بعد سے نمازعیدالاضحیٰ تک اپنا ناخن نہ ترشوائے حجامت نہ بنوائے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی قربانی کے ذبیحہ کا انتظار کرے ہاں اگر نمازِ اضحیٰ کے بعد خود قربانی کرے تو اس دن پہلی چیز جو کھائے وہ اسکی اپنی قربانی کا گوشت ہو۔ لیکن جب آپ کی طرف سے ہالینڈ میں نہیں بلکہ سورینام میں قربانی ہو رہی ہے تو اسی دن اسی وقت اس کا گوشت کھانا ممکن نہیں۔

بہرحال آپ کی قربانی چاہے کہیں بھی ہو جائز و درست ہے۔ آپ کو چاہئے کہ بقرعید کی نماز کے بعد اپنی حجامت بنوالیں چاہے قربانی، قربانی کی تینوں تاریخوں میں سے جس تاریخ میں ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

البتہ حج کرنے والوں کے لئے منیٰ کی قربانی میں ترتیب واجب ہے کہ پہلے رمی ہو پھر قربانی پھر حلق یا قصر (بال منڈانا یا کترواتا) اگر حاجی خلاف ترتیب عمل کرے گا تو دم واجب ہوگا۔ شاید اسی مسئلہ کی وجہ سے آپ کو ذہنی خلجان ہے لیکن غیر حاجیوں کو غیر منیٰ میں یہ پابندی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری مسجد نوری آمسٹرڈم ہالینڈ

۱۴، نومبر ۱۹۸۵ء

قربانی کی کھال معلم کو عوض میں دینا جائز نہیں

مسئلہ ۹۵۹ :۔ شکور بیچن۔ ہارلیم ۶-۵-۱۹۸۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں بچوں کو پڑھانے لکھانے کے لئے ایک میاں جی کو رکھا گیا ہے اس شرط پر کہ گاؤں میں جتنی قربانی ہوگی ان تمام قربانی کی کھالیں آپ کو دیدی جائینگی اسکے علاوہ بچوں کے سرپرستوں سے ہر ایک بچہ کے لئے پانچ روپیہ ماہوار آپ کو ملے گا۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنا ہے کہ قربانی کی کھالیں میاں جی مذکور کو دینا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ شکور بیچن ہارلیم ہالینڈ

الجواب ۷۸۶/۹۲

قربانی کی کھالوں کا وہی حکم ہے جو اس کے گوشت کا ہے کما فی الھدایۃ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح صحیح قول پر قربانی کے گوشت کا وہی حکم ہے جو اس کی کھال کا۔

اور قربانی کا گوشت کسی کام کے عوض میں دینا جائز نہیں۔ گاؤں کے لوگوں نے میاں جی کو قربانی کی کھال دینے کی شرط پر رکھا ہے یہ شرط باطل ہے۔ اگر یہ شرط نہ رکھی جاتی اور یونہی استحساناً گاؤں والے اپنی قربانیوں کی کھالیں انہیں دیدیتے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ مسجد نوری آمسٹرڈم ہالینڈ

چرم قربانی کی رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے

مسئلہ ۹۶۰: نورالدین بھوانی آمرسفورٹ ہالینڈ۔
۶-۹-۱۹۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی قربانی کی کھالوں کو بیچ ڈالا ہے اب اس رقم کو کیا کرے آیا اپنے مصرف میں لے آئے یا صدقہ خیرات کر دے

نورالدین بھوانی۔ آمرسفورٹ

۸۶/۹۷ الجواب

چرم قربانی بیچ کر اس کی رقم کو اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔ وہ صدقہ کی جائیگی اور اس کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔ کمافی الدرالمختار

فان بیع اللحم او الجلد بدراھم تصدق بثمنہ۔

قال تبارک وتعالیٰ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (الآیۃ)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء، مدینۃ الاسلام

دی ہیگ ۴ر ستمبر ۱۹۹۶ء

حاملہ گائے کی قربانی

مسئلہ ۹۶۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گابھن (حاملہ) گائے کی قربانی جائز ہے یا نہیں ___؟

محمد علی گمان جستو۔ پارا ماری بو۔ سورینام۔ جنوبی امریکہ

۸۶/۹۷ الجواب ___ ھوالھادی الی الصواب

اس حاملہ گائے کی قربانی جس کے بچہ میں ابھی تک جان نہیں پڑی ہے۔ بالاتفاق جائز و درست ہے۔ مگر جان پڑ جانے کے بعد اس کی قربانی امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

بہرحال قربانی دونوں صورتوں میں ہو جائے گی. لیکن اگر حمل کا علم پہلے سے ہو جائے تو اس جانور کی قربانی نہ دینا اولیٰ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری باب الذبائح میں ہے۔

شاۃ او بقرۃ اشرفت علی الولادۃ قالوا یکرہ ذبحہا لان فیہ تضیع الولد وھذا قول ابی حنیفۃ.... کذا فی فتاوی قاضی خان۔	بکری یا گائے جس کے جننے کا وقت قریب ہو گیا ہو. کہا کہ اس کا ذبح کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں بچہ کو ضائع کر دینا ہے اور یہ قول حضرت ابو حنیفہ کا ہے.... جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

واضح رہے کہ اس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے. کیونکہ فتاویٰ عالمگیری نے قول امام اعظم کو فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے پیش کیا ہے اور حضرت امام قاضی خاں قول ضعیف میں قالوا فرماتے ہیں، جیسے دوسرے شارحین و محشی حضرات قول ضعیف میں قیل، یقال وغیرہ فرماتے ہیں. پس یہاں یکرہ کو کراہت مطلقہ (تحریمی) پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲ ر شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

جس جانور کو پیدائشی دُم نہ ہو

مسئلہ ۹۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کی عمر ایک سال سے زیادہ کی ہے لیکن نہ اُس کو دُم ہے اور نہ کان تو کیا اس کی قربانی ہو سکتی ہے. اگر قربانی نہیں ہو سکتی تو کیا عقیقہ ہو سکتا ہے؟ بینوا و توجروا

عطاء النبی۔ دیرنہ۔ دورن۔ ہالینڈ

۹۶۲ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

پیدائشی طور پر دُم یا کان کا نہ ہونا قربانی کے لئے عیب نہیں ہے کہ اسکی ممانعت

ہو۔ حضرت علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ صفحہ ۲۸۲ میں فرمایا " ذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ انہ یجوز" اصل میں حضرت ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ وہ جائز ہے اور علامہ قاضی خاں فرماتے ہیں۔

والشاۃ اذا لم یکن لھا اذنٌ	بکری جس کو پیدائشی طور پر کان اور دُم نہ ہو تو
ولا ذنب خلقۃ یجوز۔ قال محمد	اسکی قربانی امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔ امام محمد نے
لا یکون ھٰذا ولو کان لا یجوز الخ	فرمایا کہ ایسا ہوتا نہیں اور اگر ہو تو اسکی قربانی جائز نہیں

حضرت قاضی خاں کا لا یجوز پر یجوز کو مقدم کرنا ترجیح واختیار کی دلیل ہے جیسا کہ قاضی خاں کے خطبہ میں تصریح فرما چکے ہیں۔ جس جانور کا عقیقہ ہو سکتا ہے اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے۔ عقیقہ و قربانی کے جانور میں کوئی فرق نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء " القرآن "
اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۲ر شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

قربانی کے جانور کو خرید کر بیچ ڈالنا

مسئلہ ۹۶۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک گائے خریدی۔ گائے فربہ اور خوبصورت تھی قربانی کرنے والوں نے زید سے کہا کہ اس گائے کو ایک سو پچاس ۱۵۰ روپیہ منافع لیکر میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ اور اگر چاہو تو ایک یا دو حصہ اس میں تم بھی رہو۔ چنانچہ زید اس کے لئے راضی ہو گیا۔ منافع لیکر گائے کو بیچ ڈالا، اور اس گائے میں خود بھی دو حصہ رہ گیا۔ کیا اس صورت میں اُس کی قربانی صحیح ہوگی؟ اور منافع لیکر اس کو فروخت کر دینا جائز ہوا؟ بینوا وتوجروا

نصرت حسین علی رضا بستوی مقیم شارع ناصر دوبئی U-S-E

الجواب ۹۶۳ ــــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــــ

گائے میں سات حصوں تک کی قربانی درست ہے۔ زید نے اس میں دو حصہ لیا اور بقیہ لوگوں نے پانچ حصے لئے تو سب کی طرف قربانی درست ہو جائے گی۔

خریدی ہوئی گائے کو نفع لیکر بیچنا بالکل جائز و درست ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ۔ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کر دیا ہے۔ بلکہ اگر زید نے اس گائے کو قربانی کرنے کیلئے بھی خریدا ہوتا جب بھی اسکو منافع کے ساتھ بیچ ڈالنا اسکے لئے جائز ہوتا۔

کمافی المبسوط ص۱۳ واذا اشتریٰ اضحیۃ ثم باعہا فاشتریٰ مثلہا فلابأس بذالک۔ اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور خریدا پھر اسے بیچ ڈالا اس کے بعد پھر اسی کی طرح دوسرا جانور خرید لیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء " القرآن " اسلامک فرنڈیشن

نیدرلینڈ۔ ۹، ذی قعدۃ الحرام ۱۴۲۴ھ

جس بکری کا دودھ سوکھ گیا ہو اسکی قربانی

مسئلہ ۹۶۴: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کو بچہ ہوئے صرف چار مہینہ گزرا ہے مگر اس کا دودھ سوکھ گیا ہے۔ بکری کے مالک کا ارادہ ہے کہ اس کی قربانی کر دی جائے۔ کیا ازروئے شرع اسکی قربانی جائز و درست ہے؟

سائل: رشید احمد نوری، برمنگم وارد حال آمسٹرڈم

الجواب ۹۶۴ ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

جی ہاں اُس بکری کی قربانی جائز و درست ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۳۲۱ میں ہے والتی لاینزل لہا لبن من غیر علۃ۔ اس (گائے) کی قربانی درست ہے جس کا دودھ بغیر کسی بیماری کے اترنا بند ہو گیا ہو۔ اور شامی ص۲۸۳ میں ہے

وذکر فیہا جواز التی لاینزل لہا لبن من غیر علۃ۔ اور ایسے جانور کی قربانی کے جواز کا ذکر ہے جس کا دودھ بغیر کسی بیماری کے اترنا بند ہو گیا ہو۔

قربانی کا جانور جس قدر فربہ اور بے عیب رہے اسی قدر وہ بہتر اور مستحب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم " القرآن " اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ۔ یکم ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

کتابُ النّکاح

نکاح وطلاق کا بیان

کیا نکاح کی صحت کے لئے کفاءۃ ضروری ہے؟

مسئلہ ۹۶۵: ـ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ نکاح کے لئے کفائت (برابری)
۱۴-۳-۱۷ھ
ضروری ہے یا نہیں؟ یہ برابری لڑکی کے لئے چاہئے یا لڑکا کے لئے؟
بالغہ کے لئے یا نابالغہ کے لئے؟ کن کن باتوں میں برابری ضروری ہے؟ تفصیل سے
جواب دینے کی زحمت قبول فرمائیں۔ المستفتی: خواجہ محمد الیاس معرفت عبدالستار، ہیم بورگ، جرمنی
۷/۸

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصّواب،

جی ہاں نکاح کی صحت وجواز کے لئے کفائت (میاں بیوی میں برابری) ضروری
ہے کہ فقہائے کرام نے غیر کفو سے نکاح کو ناجائز و باطل قرار دیا ہے۔ کما فی الدّر المختار

یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ
اصلاً وھو المختار للفتویٰ
لفساد الزمان الخ

غیر کفو میں نکاح کے ناجائز ہونے کا فتویٰ
دیا جائے گا فساد زمانہ کی وجہ سے اور فتویٰ
کے لئے یہی قول مختار ہے۔

کفو سے مراد یہ ہے کہ مرد عورت سے نسب[۱]، اسلام، پیشہ[۳]، حریت، دیانت[۵]
و مال[۶] وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح کرنا عورت کے خاندان والوں کیلئے
باعث عار اور بے عزتی کا سبب بن جائے۔ مذکورہ چھ باتوں میں سے اگر ایک بات
کے اندر بھی مرد میں کمی فاحش ہے تو وہ اس عورت کا کفو نہیں ہوگا جو اس ایک بات
میں مرد سے بہت زیادہ ہے۔ مثلاً باعتبار نسب۔ عورت عربی النسل ہے، مرد
عجمی النسل ہے۔ (غیر متدین عالم)

۱۔ باعتبار نسب	عورت قریشی ہاشمی ہے ۔	مرد غیر قریشی ہے
۲۔ باعتبار اسلام	عورت باپ دادا سے مسلمان ہے ۔	مرد خود مسلمان ہوا ہے
〃 〃	عورت کا دادا بھی مسلمان ہے	مرد کا باپ مسلمان ہوا
۳۔ باعتبار پیشہ	عورت کا باپ تاجر یا فیکٹری والا ہے	مرد یا مرد کا باپ چمڑا پکانے والا یا جوتا سینے والا ہے۔
〃 〃	عورت کے یہاں عطر فروشی کا کاروبار ہے	مرد کے یہاں سڑکوں کی صفائی کا
۴۔ باعتبار حریت	عورت کے خاندان میں غلامی نہیں ہے	مرد غلام ہے یا اسکے خاندان میں غلا
۵۔ باعتبار دیانت	عورت کا خاندان اسلام کا پابند متقی و پرہیزگار ہے	مرد میں یا مرد کے خاندان میں فسق و فجور عام ہے
〃 〃	عورت سنیہ یا اس کا خاندان سنی ہے	مرد کے یہاں مسلک و مذہب کی پاسداری نہیں ہے

(اور اگر مرد بد مذہب ہے تب تو نکاح کا سوال ہی نہیں ہے کفو تو بڑی بات ہے)

۶۔ باعتبار مال	عورت کے ماں باپ مالدار ہیں	مرد نفقہ اور مہر معجل دینے پر بھی قادر نہ

(لڑکے کا باپ ماں اگر مالدار ہے تو لڑکا بھی مالدار سمجھا جائے گا)

مذکورہ باتوں میں اگر مرد عورت کی برابری کا نہیں تو ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ درمختار باب الولی کی عبارت سے مفہوم ہوا۔

کفائت صرف مرد کی طرف سے لی جاتی ہے عورت چاہے کم درجہ کی ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس کا نکاح جائز و صحیح ہوگا۔ اوپر کی مثالوں میں اگر عورت کی جگہ مرد اور مرد کی جگہ عورت فرض کیا جائے تو نکاح جائز و نافذ ہے۔

کفائت بالغہ اور نابالغہ دونوں کے لئے چاہئے اگر کسی بالغہ عورت کی اجازت سے اس کے کسی قریبی رشتہ دار یہاں تک کہ اس کے بھائی نے غیر کفو سے نکاح کر دیا تو فقہ اسلام کا محتاط و مختار فتویٰ یہی ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ خیریہ میں باب الاولیاء والاکفیاء صفحہ ۲۵/۱

سئل فی بکر بالغة زوجها اخوها من غیر کفو باذنها اجاب نزویجه لها باذنها کتزوجها بنفسها وهی مسئلة من نکحت غیر کفوء بلا رضا اولیاءها افتی کثیر بعدم انعقادہ اصلاً وهی روایة الحسن عن ابی حنیفة ففی المعراج معزیا الی قاضی خان وغیرہ والمختار للفتوی فی زماننا روایة الحسن اھ

سوال کیا گیا کہ کسی باکرہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے اسکی اجازت سے غیر کفو میں کردیا تو اس کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ سوال کے جواب میں صاحب فتاویٰ نے فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہی ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا۔ تو یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفوء میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر کرنے کا ہوا۔ فقہاء کرام نے اس نکاح کے اصلاً منعقد نہ ہونے پر ہی فتویٰ دیا اور اسکی بنا امام حسن کی وہ روایت ہے جو انہوں نے امام اعظم سے کیا۔ معراج میں اس روایت کو امام قاضی خاں وغیرہ کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے لئے امام حسن کی ہی روایت مختار ہے۔

ہمارے اس دورِ انحطاط میں بھی عامۃ المسلمین نے اس دینی شرعی مسئلہ سے چشم پوشی کی ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہو رہا ہے کہ نکاح کے چند دنوں کے بعد ہی زوجین میں ناچاقی اور رنجش شروع ہو جاتی ہے اور معاملہ تفسیخ نکاح تفریقِ زوجین اور طلاق و علیحدگی تک پہنچ کر غیر مسلم کورٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ خاص کر یہ وبا یورپ امریکہ میں عام ہے مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو اس وباء مہلک اور بلاءِ مسموم سے بچائے آمین۔ وصلی اللہ تبارک و تعالیٰ علی سید العالمین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
نوری دارالافتاء آمسٹرڈم ہالینڈ

بھائی کے ہوتے ہوئے چچا ولی نہیں ہو سکتا!

مسئلہ ۹۶:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ ہے اس کے چچا نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح ایسی فیملی میں کر دیا جس

کی بدعملی، شراب نوشی، جوابازی وغیرہ لوگوں میں مشہور ہے۔ جبکہ ہندہ ایک سنی
نمازی گھرانے کی لڑکی ہے۔ ہندہ کا بھائی خالد بھی اس نکاح سے راضی نہیں ہے
وہ چاہتا ہے کہ اس نکاح کو فسخ کرادے اور کسی اچھی فیملی میں اس کا دوسرا نکاح
کردے۔ کیا اسلامی شریعت کی رو سے اس کا نکاح ختم کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا
شوہر طلاق دینے کے لئے کسی طرح راضی نہیں ہو رہا ہے۔

المستفتی:۔ محمد خلیل داؤد، الجمیعۃ الاسلامیہ بارسلونا

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ هوالهادی الی الصواب

بالغہ عورت پر چچا تو چچا بھائی کو بھی جبری ولایت حاصل نہیں۔ پھر بھائی کے
ہوتے ہوئے چچا ولی نہیں ہو سکتا۔ پھر جس لڑکے سے نام نہاد نکاح ہوا وہ ہندہ
کا کفو نہیں ہے۔ لہذا بر تقدیر صحت سوال نکاح مذکور منعقد ہی نہیں ہوا۔

کنزالدقائق میں ہے۔

لاتجبربکربالغۃعلی النکاح۔ — بالغہ باکرہ لڑکی پر کسی کو نکاح کے معاملہ میں ولایت اجبار حاصل نہیں۔

اور قاضی خاں ص۱۵۵ فتح القدیر ص۱۸۷ اور ردالمحتار ص۳۰۸ کے علاوہ تنویرالابصار
والنظم من التنویر (ویفتی) فی غیرالکفوء بعدم جوازہ اصلاً وھوالمختار للفتویٰ (لفساد الزمان) — عبارت تنویرالابصار کی ہے کہ غیر کفو میں اصلاً نکاح کے عدم جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا فتویٰ کیلئے یہی مختار ہے فساد زمان کی وجہ سے

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فسخ نکاح کی ضرورت نہیں نہ اس کے لئے قضاء قاضی
ضرورت ہے۔ مظلومہ ہندہ مذکورہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے کفو
نکاح کرے اور یہ نکاح اس کا دوسرا نہیں بلکہ پہلا نکاح ہوگا کیونکہ نام نہاد
مذکور نکاح ہی نہیں ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

اجمعوا علی انہ لایجوز ذٰلك من غیرالاب والجد ولامن — فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ دادا کے غیر کفو میں کیا ہوا نکاح (خواہ بحکم قاضی

القاضی، کذا فی فتاویٰ قاضی خان ؂ اھ
ہوا ہو، جائز نہیں ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ جامعہ مدینۃ الاسلام، دی ہیگ
۷ر ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

کفو میں برادری کا اعتبار ہے یا نہیں؟ انصاری اور شیخ آپس میں کفو ہیں یا نہیں

مسئلہ ۹۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ساجدہ انصاریہ بانو نے اپنی مرضی سے اپنا نکاح بغیر اپنے ولی سے پوچھے ہوئے بطریق شرع محمدی ایسے لڑکے کے ساتھ کر لیا جو اسلام، دیانت، چال چلن اور پیشہ کے اعتبار سے اس کا کفو ہے مگر برادری کی حیثیت سے دونوں دو ہیں مثلاً ایک انصاری ہے دوسرا شیخ صدیقی ہے۔ اور اس انصاری و صدیقی ہونے کا ثبوت بھی کسی کے پاس نہیں ہے صرف علاقائی رواج اور نام نہاد نام ہے اور ساجدہ مذکورہ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا کہ اس کے سرپرست حضرات اس کا نکاح انصاری فیملی کے ایک ایسے گھرانے میں کرنا چاہتے تھے جس کا پیشہ گداگری ہے۔ سوال یہ ہے کہ برادریوں کے جو نام سماج یا کسی گورنمنٹ نے رکھا ہے وہ نکاح میں معتبر ہے یا کفو میں نسب سے مراد کچھ اور ہے؟

انصاری اور شیخ آپس میں کفو ہیں یا نہیں؟ ساجدہ مذکورہ کا نکاح صحیح و لازم ہوا یا نہیں؟
المستفتی: حسیب الحسن شیخ، فرینک فورٹ سینٹرل (جرمنی)

۸۷/۹۲ الجواب

شرع پاک، رسم و رواج، آئین و قانون، حکومت و سلطنت پر راجح و غالب ہے۔ شرع پاک کا حکم ہی تاقیامت جاری و ساری رہے گا اسکے علاوہ سارے قانون اور رسم و رواج تتر بتر ہو جائیں گے۔ لقولہ عزوجل اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ

(حکم صرف اللہ ہی کا ہے) شریعت مطہرہ نے نسب میں قریش کے تمام خاندانوں کو ایک دوسرے کا کفو مانا ہے، قریش کے علاوہ عرب کی تمام برادریاں اور قبیلیاں خواہ وہ انصار ہوں یا مہاجر ایک دوسرے کے کفو ہیں عجمی عجمی کا اور عربی عربی کا کفو ہے بلکہ عجمی النسل عالم عربی النسل کا کفو ہے کیونکہ شرافت علمی شرافت نسبی پر فوقیت رکھتی ہے جن کے قریشی نسب ہونے کا کوئی ثبوت شرعی نہیں بزعم خود وہ فلاں فلاں شرافتِ نسبی کے حامل ہیں وہ (وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ) کے زمرے میں ہیں۔ ان کی شرافت کا اندازہ انکی دیانت، پیشہ اور چال چلن سے لگایا جاسکتا ہے۔

شرع میں کفو کا معنی مذہب مہذب کی پابندی، نسب کی شرافت، پیشہ کی عظمت، چال چلن میں نیک نامی کے اندر برابری ہے۔ برادریوں کے نام پر سماج وسوسائٹی یا کسی گورنمنٹ نے قوموں کو تتر بتر کردیا ہے اسمیں ان کی اپنی مصلحت ومفاد ہے۔ اسلام سے اس کا تعلق نہیں۔ اسلام نے خاندان وقبائل کو صرف وجہ تعارف بنایا ہے یہ شرافت وذلت کی بنیاد نہیں۔ شرافت وذلت کی بنیاد تو تقویٰ ودیانت یا عدم تقویٰ ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔

قریش کا جو بھی خاندان عجم میں ہے وہ ایک دوسرے کا کفو ہے۔ عجم میں جو بھی حضرات داخل اسلام ہوئے اور وہ سب عجمی النسل ہیں انہیں ایک دوسرے کا کفو ہونا چاہئے مگر وہ جن بزرگوں کے ہاتھوں پر ایمان لائے اور آپس میں ایک دوسرے کی ولاء کی وصیت کی تو وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں، یورپ، امریکہ افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں چونکہ ذات پات نہیں ہے صرف قبیلوں کا اختلاف آپسی تعارف کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ تمام عجمی ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ برصغیر میں ذات پات کا اختلاف بہت پرانا ہے اور وہاں والے شرافت ورذالت کا انحصار اسی پر رکھتے ہیں لہٰذا علاقائی حیثیت سے عرف کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ شرافت

ور ذالت میں شریعت نے عرف کا اعتبار کیا ہے فلہٰذا جو قومیں اسلام لانے سے پہلے شریف سمجھی جاتی تھیں وہ سب اسلام لانے کے بعد بھی عرفاً شریف سمجھی جائیں گی۔ اور اسی طرح ان کی اولاد و امجاد بھی۔ لیکن دیانت و پیشہ وغیرہ میں وہ اگر اتنے کم ہوجائیں کہ ان سے نکاح کرنا عورتوں کے خاندان کے لئے وجہ ننگ و عار سمجھا جانے لگے تو وہ شریف زادیوں کا کفو نہیں ٹھہریں گے۔ صورت مذکورہ میں ساجدہ کا نکاح صحیح و لازم ہوگیا اگر اس کے سرپرست حضرات اس کی مرضی کے خلاف اسی کی نام نہاد برادری میں نکاح کر دیتے تو شرعاً نکاح نہیں ہوتا۔

درمختار میں ہے

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی۔ اھ

ولی کی مرضی کے بغیر بھی بالغہ آزاد کا نکاح نافذ ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ص ۲۸۷ ۔ ۱

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح شرعاً نافذ ہے۔

کتبہ عبدالواحد قادری خادم ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

۱۳ ر ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ وارد حال پاک محمدی مسجد جرمنی

بیوی اگر عدت طلاق میں ہو تو اسکی بہن یا بہن کی بیٹی سے نکاح

مسئلہ ۹۶۸:۔ سہیل انور، وارد حال پاک محمدی مسجد، جرمنی ۳۱-۱۰-۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی زاہدہ کو طلاق دیدی اور ابھی وہ عدت طلاق میں ہے تو ایسی صورت میں زید زاہدہ کی بہن کی بیٹی یا زاہدہ کے بھائی کی بیٹی سے اپنا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔ یا زید کی بیوی زاہدہ مرگئی جس کا ابھی چالیسواں بھی نہیں ہوا ہے تو کیا اس درمیان میں زید اس زاہدہ کی بہن کی بیٹی یا بھائی کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے نواز کر اجر آخرت کے مستحق بنیں۔ سائل:۔ محمد سہیل انور

الجواب ۸۶/۹۲ هوالهادی الی الصواب

جن دو عورتوں کا بیک وقت ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جیسے دو بہنوں کو، پھوپھی بھتیجی کو اور خالہ بھانجی وغیرہ کو، اسکو عدت کے اختتام سے پہلے بھی نکاح میں لانا حرام ہے۔ لہٰذا زید کی مطلقہ زاہدہ جب تک عدت میں ہے اسکی بہن، بھتیجی، بھانجی سے زید کو نکاح کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ اجتماع نکاح کے مرادف ہے۔ ...... البتہ زید کی بیوی زاہدہ کے مرتے ہی نکاح کلیۃً منقطع ہو گیا اور مرد پر چونکہ عدت نہیں ہے لہٰذا زاہدہ مذکورہ کے مرتے ہی زید اس کی بہن بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کرسکتا ہے۔ عقود الدریہ میں ہے۔

لعدم الجمع نکاحا ولاعدۃ — نکاح اور عدت میں جمع نہ ہونے کی وجہ سے

اذلاعدۃ علی الرجل — کیونکہ مرد پر عدت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲۱ رشوال المکرم ۱۴۱۵ھ

حرمت مصاہرت

مسئلہ ۹۶۹ :- نورالعین عباسی برمنگھم ۱۵-۱۱-۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی سالی کے ساتھ زنا کرلیا۔ اب اسے سخت ندامت و پشیمانی ہے۔ اس نے بعض علمائے دین کے حضور حاضر ہو کر توبہ واستغفار بھی کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو گئی یا اس کے نکاح سے نکل گئی؟ یا اسے کچھ کفارہ دینا پڑے گا تاکہ وہ اسکی بیوی رہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ یورپ میں قریبی رشتہ دار عورتوں سے اظہار محبت کے لئے بوسہ لینا یہاں کی تہذیب میں داخل ہے۔ اگر آپس میں بوسے نہ لیں تو دلوں میں کدورت پنپتی ہے اور شکوہ شکایت کا موقع ملتا ہے۔ ایک نوجوان نے

اپنی ادھیڑ عمر ساس یا تقریباً جوان خلیہ ساس کا بوسہ لیا لیکن بوسہ لینے کے بعد اس کے چہرہ سے پریشانی ظاہر ہوئی، دوستوں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ساس اور خالہ ساس دونوں کو بوسہ لیتے وقت میرے آلہ میں انتشار ہوا اور مجھے لذّت محسوس ہوئی اب میں سوچتا ہوں کہ یہ کسی بڑے گناہ کا سبب تو نہیں ہوا؟ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ساس کو بوسہ لیتے وقت داماد کی جو یہ کیفیت ہوئی کہیں اس فعل سے اس کی بیوی حرام تو نہیں ہوگئی۔ امید کہ واضح جواب سے نوازنے کی سعی فرمائیں گے۔

سائل: نور العین عباسی برمنگھم۔ انگلینڈ

۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب

سالی سے زنا اشد حرام نہایت بدانجام ہے لیکن اس بدفعلی کی وجہ سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی نہ اُس کے نکاح سے نکلی اور نہ ہی اس پر کچھ کفارہ دینا آتا ہے۔ اس کا کفّارہ یہی ہے کہ وہ صدق دل سے توبہ واستغفار کرے اور دوبارہ اس کام کا خیال تک دل میں نہ لائے جب اس نے علماء کو گواہ بنا کر توبہ کر لیا (اگرچہ اس کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اسے ایسا کرنا بھی نہیں چاہیئے تھا) تو رحمتِ خداوندی سے امید ہے کہ اس کے گناہ دُھل گئے ہوں گے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَاذَنْبَ لَہٗ (الحدیث)

آلہ میں انتشار ہونا یا لذت محسوس ہونی شہوت کی نشانی ہے اور بحالت شہوت ساس کو صرف چھو لینے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے بوسہ تو شہوت رانی کا ایک اہم حصہ ہے۔

لہٰذا صورتِ سوال میں اس نوجوان کی بیوی ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہوگئی لیکن جب تک متارکہ ہوکر عدّت نہ گزر جائے وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ اس نوجوان پر واجب ہے کہ اپنی اس بیوی سے متارکہ کرے جس کی ماں کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بوسہ لیتے وقت لذت محسوس کیا۔ متارکہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کہدے کہ میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ اب تو دوسرے نکاح کے لئے آزاد ہے۔ اور اگر وہ شخص متارکہ کے لئے

راضی نہ ہو تو اس کی بیوی کو چاہئے کہ وہ کسی قاضیٔ اسلام یا مرجع عالم دین کے پاس اس معاملہ کو لیجائے۔ ھٰذہٖ المسئلۃ کلھا فی کتب الفقہ

کتب عبدالواجد قادری غفرلہٗ جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۵؍ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

بوڑھی ساس کو شہوت سے چھونا؟

بارہ سالہ سوتیلے بیٹے کو شہوت سے چھونا

مسئلہ ۹۷: ہارون رشید جبلپوری

۱۲-۱-۱۴۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ساس یا دادی ساس کی عمر اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ نہ اسے جماع کی خواہش رہی نہ ہی شہوت آتی ہے ایسی صورت میں اگر اس کے داماد یا پوتا داماد نے شہوت کے ساتھ اسے چھولیا یا یورپ کے رسم ورواج کے مطابق ملنے کے وقت اسے بوسہ لے لیا تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو کر اس ساس کی بیٹی داماد پر حرام ابدی ہو جائے گی یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ زید کی دوسری بیوی اپنے بارہ سالہ سوتیلے بیٹے کے ساتھ ایک ساتھ سوئی ہوئی تھی اور بچہ کی بے خبری میں اس کے آلہ پر ہاتھ رکھا جس کی وجہ سے آلہ میں انتشار پیدا ہوا حالانکہ وہ بچہ ابھی نابالغ ہے پھر زید کی دوسری بیوی نے اپنے سوتیلے بیٹے کے آلۂ تناسل کو چوسا بھی ایسی صورت میں وہ زید پر حرام ہوگی یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

المستفتی:۔ ہارون رشید جبلپوری، وارد حال آمسٹرڈم ہالینڈ

۷۸۶/۹۲ الجواب

حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے کے لئے دونوں کا مشتہاۃ ہونا ضروری ہے اور جس عورت کا ذکر سوالنامہ میں ہے وہ عمرِ مشتہاۃ (نو سال) میں داخل ہو کر حدِ اشتہا کو اپنے اوپر ثابت کر چکی ہے لہٰذا اب خصوص اشتہا کا نہ ہونا اسے

مشتہاۃ سے الگ نہیں کرسکتی۔ پس صورتِ مسئولہ میں جب اس کے داماد نے شہوت کے ساتھ اسے چھولیا یا بوسہ لیتے وقت داماد کو شہوت آگئی تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اور اس کی بیٹی اس کے داماد پر حرام ابدی ہوچکی مگر نکاح سے متارکہ کے بعد میں نکلے گی۔ اور متارکہ کے بعد عدت گزار کر ہی دوسرا نکاح کرسکے گی۔

فتاویٰ عالمگیری ص۲۷۵ میں ہے۔

ولو كبرت المرأة حتى خرجت عن حد المشتهاة يوجب الحرمة لانها دخلت تحت الحرمة فلم تخرج بالكبر..... كذا في التبيين اھ وہو اعلم

بارہ سال لڑکا عندالشرع صاحب شہوت ہوجاتا ہے اور یورپ میں تو بارہ سال لڑکے عموماً حدِ بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حرمت مصاہرت یقیناً ثابت ہوکر زید کی نابکار بیوی زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوچکی ہے۔ کما في الهندية۔ وان انتشرت آلته بذٰلك وان كان رقيقا بحيث تصل حرارة الممسوس ثبت (الحرمة) كذا في الذخيرة اھ

وفي الهندية ايضا ”لافرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا او ناسيا او مكرها او مخطيا كذا في فتح القدير او نائما هٰكذا في معراج الدراية - والله اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ دارالافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

رضاعی بھائی کے بھائی سے نکاح

مسئلہ ۹۷۱ :- فیروزاحمد خاں ۱۴۲۱ھ-۱-۱۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب نے زید کے ساتھ زید کی ماں کا دودھ پیا اب زینب بالغہ ہوچکی ہے اس کے والدین چاہتے

ہیں کہ زید کے بڑے بھائی بکر کے ساتھ زینب کا اور زینب کی چھوٹی بہن کلثوم کے ساتھ زید کا نکاح کردیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ از روئے شرع ان دونوں نکاحوں کی اجازت ہے یا نہیں؟ ۔ فیروز احمد خاں

کراؤف امام مسجد بلال آمسٹرڈم ہالینڈ

الجواب ۷۸۶/۹۲

زینب اور زید کے تمام بھائی بہن (خواہ عمر میں بڑے ہوں یا چھوٹے) آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں لہٰذا زید کے کسی بھی بھائی (حقیقی یا اخیافی وعلاتی) سے زینب کا نکاح ایسے ہی حرام ہے جیسے اپنے حقیقی بھائی سے" یحرم من الرضاعة کما یحرم من النسب (الحدیث) وفی الهندیة، کل من تحرم بالقرابة والمهریة تحرم بالرضاع کذافی المحیط الرضی۔ البتہ زید کا نکاح زینب کی کسی بھی بہن سے ہوسکتا ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ حرمت نہ ہو کیونکہ زید نے زینب کی ماں کا دودھ نہیں پیا۔ لہٰذا اس کی رضاعت ثابت نہیں ۔ وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمۡ آیۃ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

بیوی کی رضاعی بہن سے نکاح

مسئلہ ۹۷۲:۔ حاجی عبدالقیوم جہانگیر ۱۴۲۲-۱۰-۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا تقریباً دس سال گزر جانے پر بھی یہ دونوں صاحب اولاد نہیں ہوسکے تو ہندہ کے مشورہ سے زید نے فریدہ کے ساتھ نکاح کرلیا دو تین برس گزر جانے کے بعد دورانِ گفتگو ہندہ نے کہا کہ فریدہ کے بڑے بھائی نذر علی کے ساتھ میں نے

فریدہ کی ماں کا دودھ پیا ہے۔ جب اس کی تحقیق کی گئی تو فریدہ کی ماں نے اس بات کی تصدیق کی۔ سوال یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور فریدہ زید کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ خلاصہ جواب عطا فرمائیں۔

سائل:۔ حاجی عبدالقیوم، دی ہیگ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب

صورتِ مسئولہ میں فریدہ ہندہ کی رضاعی بہن ہوئی۔ اور رضاعی بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا ویسا ہی حرام ہے جیسا حقیقی بہنوں کو فانّہ لایجمع بین اختین بنکاح ولا بوطی بملک یمین سواء کانتا اختین من النسب اومن الرضاع هٰکذا فی سراج الوهاج۔

ہندہ سخت و شدید گنہ گار ہوئی اس پر توبہ لازم ہے کہ اس نے زید کو حرامکاری میں پھنسایا۔ زید پر فرض ہے کہ فوراً فریدہ کو اپنے سے علیحدہ کردے اور خود اس سے علیحدہ ہو جائے اگر بالفرض علیحدہ ہونے پر راضی نہ ہوں تو وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان دونوں کو حرامکاری سے روکنے کیلئے جدائی کرائیں اگر اس پر بھی وہ نہ مانیں تو ان سب سے وہ اسلامی مقاطعہ کریں۔ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لین دین سب بند کریں۔ لقولہٖ تعالیٰ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

کتبہ عبدالواحد قادری۔ غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۲۶ر شوال ۱۴۲۲ھ

باپ دادا نے اگر غیر کفو میں نکاح کردیا

مسئلہ ۹۷۳:۔ محمد شفیق سائیں ۲۰-۲۰-۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی بالغہ یا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کب لازم و منعقد ہو جاتا ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد لڑکی اگر چاہے بھی تو اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی ہے؟ میرا یہ کوئی فرضی سوال نہیں ہے بلکہ ایک

شخص اس بات پر مصر ہے کہ اگر بالغہ یا نابالغہ کا نکاح کسی طرح بھی غیر کفوء میں ہو جائے تو لڑکی کو فسخِ نکاح کا اختیار رہتا ہے اور اس اختیار کو کوئی چھین نہیں سکتا ہے۔

سائل۔ محمد شفیق سائیں، تیل بورخ، ہالینڈ۔

۷۸۶/۹۲

الجواب

بالغ لڑکیاں اپنے نکاح کا اپنے کسی بھی ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہیں۔

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ الایم احق بنفسها من ولیها (مسلم ابوداؤد)

لیکن جب بالغہ یا نابالغہ کے باپ دادا نے کفوء یا غیر کفوء میں اس کا نکاح مہرِ مثل یا کمیٔ مہر (غبن فاحش) کے ساتھ کر دیا تو وہ نکاح لازم و نافذ ہو گیا۔ اب غیر کفوء میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اس نکاح کو نہ منکوحہ فسخ کر سکتی ہے اور نہ ہی قاضیٔ شرع بشرطیکہ اسکے باپ دادا کا سوء اختیار (غلط روی) مشہور نہ ہو۔

درمختار ص۱۹۲ میں ہے۔

لزم النكاح ولو بغبن فاحش بزيادة مهر او بغير كفوء ان كان الولي ابا او جدا ولم يعرف منهما سوء الاختيار

اگر باپ دادا نے اپنی ولایت میں نکاح کیا ہو تو اگرچہ مہر میں فحش کمی ہو یا غیر کفوء میں کیا ہو بہر دو صورت وہ نکاح لازم و نافذ ہو گا بشرطیکہ وہ دونوں پہلے ہی سے غلط روی میں مشہور نہ ہوں

شاید معترض کا یہ مطلب ہو کہ باپ دادا کے علاوہ اگر کسی دوسرے ولیوں نے بالغہ یا نابالغہ لڑکیوں کا نکاح غیر کفوء میں یا کفوء ہی میں مگر مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر دیا تو ان لڑکیوں کو بعد نکاح بھی بلکہ بعد دخول بھی فسخ نکاح کا اختیار رہتا ہے اور یہ اختیار چونکہ شرع شریف نے تفویض فرمایا ہے لہٰذا کوئی اسے چھین نہیں سکتا۔ اگر واقعی یہی مطلب ہے تو صحیح ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔

ان كان المزوج غير الاب و ابيه ولو الام لا يصح النكاح من غير كفوء او بغبن فاحش

اگر باپ دادا کے علاوہ نے غیر کفوء میں یا مہر میں زیادہ کمی کے ساتھ نکاح کر دیا تو نکاح بالکل صحیح نہیں ہو گا۔

اصلاً (باب الولی) ص۱۹۲ واللہ اعلم

عبدالواجد قادری - دارالافتاء (القرآن) آمسٹرڈم

۱۸؍شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

فاسق نمازی کی بیٹی کا کفو ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۷۴ :- اشفاق حسین
۱۲-۴-۱۴۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا فساد ہوا اور زید نے نہایت غیظ و غضب میں اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں بیک وقت بیک جملہ دیدیں۔ بعد میں دونوں ہی کو افسوس و ندامت ہوئی کیونکہ دونوں ہی بال بچے والے ہیں۔ ایک مفتی صاحب نے طلاق ثلاثہ واقع ہوجانے کا فتویٰ دیا اور بات حلالہ کی آئی۔ چنانچہ ہندہ نے ایک شخص سے نکاح کرلیا اور دونوں میں شب باشی بھی ہوئی۔ شخص مذکور مسلمان ہے مگر نماز کا پابند نہیں ہے چہرہ پر داڑھی بھی نہیں رکھتا اور کبھی کبھی شراب بھی پی لیتا ہے مگر مطلقۂ مذکورہ اگرچہ پنجوقتی نماز کی پابند نہیں مگر نماز پڑھتی ہے اور ایک پرہیزگار مسلمان کی بیٹی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مطلقۂ مذکورہ کا نکاح ثانی جو بطور حلالہ شخص مذکور سے ہوا۔ وہ نکاح از روئے شرع صحیح ہوا یا نہیں اور اب وہ عورت دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کرکے عدتِ طلاق گزار کر اپنے شوہر اول کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ صاف صاف آسان جملوں میں جواب تحریر فرمائیں کیونکہ اس معاملہ کو لیکر یہاں آپس ہی میں شدید اختلاف رونما ہوچکا ہے۔ بینوا وتوجروا

سائل :- اشفاق حسین ریٹائرڈ سی ایم اوسلو ناروے

الجواب ۹۲/۸۶

فاسق نہ تو صالحہ کا کفو ہے اور نہ ہی صالحین کی فاسقہ بیٹی کا۔ اور فاسق سے مراد فاسقِ معلن بھی ہے اور فاسق غیر معلن بھی۔ صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور معلن ہے

جو مطلقۂ ثلاثہ ہندہ کا کسی طرح کفو نہیں اگر ہندہ نے اپنی مرضی سے باپ کی اجازتِ صریحہ کے بغیر اس شخص سے نکاح کیا تو شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوا اور نکاحِ صحیح کے بغیر شب باشی یا مجامعت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح ہندہ اگر دسیوں بار نکاح کرے اور نام نہاد شوہر کے ساتھ صحبت کرے پھر بھی شوہر اوّل کیلئے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ نکاح صحیح نہ ہونے کی وجہ سے حلالہ صحیح نہیں ہوگا۔

درمختار میں ہے:

لیس فاسق کفوء الصالحۃ اوفاسقۃ بنت صالح معلنًا کان اولا علی الظاھر"	فاسق صالحہ کا کفو نہیں۔ نہ ہی صالح کی فاسقہ بیٹی کا خواہ وہ فاسق معلن ہو یا مخفی، ظاہر روایت پر یہی حکم ہے۔

اور ردالمحتار میں ہے

لایکون الفاسق کفوء البنت الصالحین۔ کمافی الخانیۃ	فاسق صالحین کی بیٹی کا کفو نہیں ہے۔ صفحہ ۳۲۰/۲

اور مطلقۂ ثلاثہ کے نکاح ثانی سے متعلق تو یہ خاص جزیہ درمختار میں موجود ہے

یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفوہ بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ	غیر کفو میں اصلاً نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے لہٰذا اگر تین طلاق والی نے اپنے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کیا جبکہ ولی کو اس کا غیر کفو ہونا معلوم ہو تو وہ پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی اس مسئلہ کو یاد رکھو۔

عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

۱۲/ ربیع الثانی شریف ۱۴۱۷ھ

پیشہ ور وکیل کسی شریف زادی کا کفو ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۷۵: عبدالشکور اصفہانی ــــ نکیری

۱۳-۲-۱۴۰۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک دیندار سنی گھرانے

کی لڑکی ہے جس کی شادی کی بات چیت ایک ایسے آزاد خیال گھرانے میں ہوئی جہاں دین ومذہب کی پابندی نہیں ہے اس گھرانے کا کوئی لڑکا وکیل ہے، کوئی ڈاکٹر ہے اور کوئی انجینئر، جب منگنی کے موقع پر لوگ لڑکے والوں کے یہاں گئے تو معلوم ہوا کہ لڑکا ایڈوکیٹ وکیل ہے جب اس لڑکے سے بات چیت ہوئی تو اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ وہ دینی معلومات بالکل ہی نہیں رکھتا ہے، نہ نماز پڑھتا ہے، نہ داڑھی رکھتا ہے۔ غلط سلط ہر قسم کے معاملات کی پیروی کرتا ہے۔

دینیات کے معاملہ میں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ وہابی، رافضی، دیوبندی، مرزائی سب کو صحیح مانتا ہے۔ نیز اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو برحق جانتا ہے اسی طرح اور بھی باتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ وکیل مذکور نجمہ مذکورہ کا کفو ہے یا نہیں؟ نجمہ کے والد اور دادا فوت ہو چکے ہیں البتہ اسکے چچا، بھائی اور ماں، ماموں وغیرہ موجود ہیں ان ولیوں کی مرضی کے بغیر اگر اپنی مرضی سے نجمہ وکیل مذکور سے نکاح کر لے تو از روئے شرع شریف نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اور اگر چچا، ماموں، بھائی کی مرضی سے کرلے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

عبدالشکور اصفہانی نکیری، سورینام۔ جنوبی امریکہ۔

۸۶/۷ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

وکیل مذکور کے اندر نجمہ مذکورہ سے بہت ساری عدم کفاءۃ کی باتیں موجود ہیں۔ عدم کفائت کی مذکورہ دسیوں وجوہات میں سے اگر ایک وجہ بھی اس کے اندر ہوتی تو وہ نجمہ مذکورہ کا کفو قرار نہیں دیا جاتا۔

کفائت تو بڑی بات ہے مذکورہ خرابیوں میں سے بعض خرابیوں کی علماء اسلام نے تکفیر فرمائی ہے۔ اور جب عند العلماء ایسے شخص کی تکفیر ثابت ہے تو کفو کا کیا سوال ہے؟ مرزائی، رافضی، دیوبندی، وہابی اپنے اپنے عقائد باطلہ کفریہ کی وجہ سے علماء عرب و عجم کے نزدیک کافر و مرتد اور جہنمی ہیں۔ ان کے باطل مذہب کو صحیح کہنا کفر و عذاب جہنم کا سبب ہے۔

من شك فی عذابه و کفره کفر — جو بدمذہبوں کے عذاب وکفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (حسام الحرمین)

اور شفا شریف میں ہے ص۲۷۱

نکفر من دان بغیر ملة المسلمین اووقف فیهم اوشك اوصحح مذهبهم وان اظهر مع ذلك الاسلام واعتقده الخ — دین اسلام کے علاوہ اگر کسی نے دوسرے مذہب کو اپنایا۔ یا دوسرے مذہب کے باطل ہونے میں توقف شک کیا یا ان مذاہب کو صحیح کہا تو ہم اس کی تکفیر کرینگے اگرچہ وہ اپنے لئے اسلام اور اسلامی معتقدات کا اظہار کرے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وکیل مذکور پر پہلے توبہ کرنا اور کلمۂ اسلام پڑھ کر داخلِ اسلام ہونا واجب ہے۔ اگر وہ اس سے انکار کرے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس سے اپنا اسلامی رشتہ منقطع کردیں اور اگر وہ اپنے قول بد تراز بول سے رجوع کرکے کلمۂ اسلام سے مشرف ہوجائے۔ پھر اپنی اصلاح اسلامی شریعت کے مطابق کرلے تو نجمہ مذکورہ کا کفو ہوسکتا ہے۔ موجودہ صورتِ حال میں جبکہ نہ وہ نماز پڑھتا ہے نہ ہی ڈاڑھی رکھتا ہے اور جھوٹے مقدمات کی پیروی کرتا ہے تو وہ نجمہ مذکورہ کا کفو نہیں ہے اگر نجمہ اپنی مرضی یا چچا، ماموں، بھائی کی مرضی سے موجودہ صورت حال میں وکیل مذکور سے نکاح کرلیتی ہے تو یہ نکاح مطلقاً اصلاً ناجائز ہوگا

ردالمحتار میں فتاویٰ خانیہ سے ہے۔ ص۳۲۰ ج۲

لایکون الفاسق کفوءً البنت الصالحین — فاسق شرفاء زادی کا کفو نہیں ہے۔

اور درمختار میں ہے۔

یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً — غیر کفو میں اصلاً نکاح کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ۔ ۱۲ر صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

قادری مسجد بیسمر سٹراٹ آمسٹرڈم

مشروط نکاح

مسئلہ ۹۷۶ :۔ (مولانا) قمر الزماں، مانچسٹر ۵-۳-۱۴۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کی آزاد فضا میں عام گھرانوں کے اندر نکاح وطلاق کا اہم سنگین مسئلہ گویا ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ نکاح کے چند دنوں کے بعد ہی زیادہ جوڑے بچھڑ جاتے ہیں کیونکہ رنگا رنگ کلبوں کی آزاد زندگی ان کے لئے سر شام گھر آجانے سے زیادہ رنگین ولطف اندوز ہے۔ یوں تو صنفِ نازک کو مردوں کے مقابلہ میں یہاں زیادہ ہی آزادی حاصل ہے لیکن کچھ مسلم گھرانوں کی لڑکیاں اپنی خلقی شرم وغیرت کی وجہ سے اندر ہی اندر تحلیل ہوتی رہتی ہیں۔ کیونکہ لڑکے کسی ایک نکاح کا پابند ہو کر رہنا پسند نہیں کرتے لیکن بیشتر لڑکیاں آج بھی اسلامی آئین کی پابندی کرتے ہوئے ایک وقت ایک ہی نکاح پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں لڑکی کے سرپرستوں کی طرف سے اکثر یہ مطالبہ ہوتا رہتا ہے کہ نکاح نامہ یا نکاح میں ایسی شرط موجود ہونی چاہئے کہ جب ناکح بد چلن ہو جائے، نشہ آور چیزوں کا استعمال کرنے لگے یا گوری چمڑیوں کے چکر میں پھنس جائے منکوحہ ناکح کے رحم وکرم پر معلقہ بن کر نہ رہ جائے بلکہ اسے بھی اسلامی حدود میں اپنی زندگی گزارنے کیلئے کچھ مراعات چاہئے تاکہ وہ اس مسموم وآزاد فضا میں کسی شرعی جوڑے کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا نکاح نامہ میں یا بوقتِ نکاح ایسی کوئی شرط از روئے شرع رکھی جا سکتی ہے کہ بوقت ضرورت شوہر بے گوہر کی طرف سے طلاق نہ ملنے کی صورت میں وہ (منکوحہ) طلاق کے نافذ کر لینے کا مختار ہو۔ ضابطہ یورپ میں اس کی ضرورت یوں بھی ہے کہ یہاں ترکی کے علاوہ تمام ملکوں میں غیر مسلم حکومتیں قائم ہیں جنکے غلبہ کی وجہ سے اسلامی عدالتوں کا قیام متعذر ہے۔

سائل :۔ قمر الزماں مدیر الدعوۃ الاسلامیہ مانچسٹر
سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

۷۸۶
۹۲ الجواب　اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

مالمسئول عنہا باعلم من السائل آپ کا مطالعہ فقیر کے مقابلہ میں بہت وسیع ہے۔ آپ جہاں ایک بالغ نظر مبلغ اسلام، مدبر و قائد، باصلاحیت مدرس اور مفکر ملت ہیں وہیں فقہ اسلامی اور فتاویٰ رضویہ پر آپ کی گہری نظر ہے۔ اگر آپ تلاش و تتبع فرمائیں گے تو اسکے جواز کی کئی شکلیں سامنے آئیں گی۔ لیکن ان شرائط خیار کو قبل از نکاح طے کرنا بے معنیٰ رہے گا کہ طلاق تابع نکاح ہے۔ ہاں تعلیقاً مشروط کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں طلاق صریح کے الفاظ ہونے چاہئے الفاظِ کنایہ سے کام نہیں چلے گا کیونکہ وہ وقت نہ تو غصہ وغضب کا ہوتا ہے نہ ہی مذاکرۂ طلاق کا اسلئے وہ اپنی نیت کے اظہار میں خیانت کا شکار ہوسکتا ہے۔ اسی طرح نیت طلاق بھی واضح وغیر مبہم ہونی چاہئے مثلاً یہ نہ ہو کہ اگر میں نے فلاں کام نہ کیا تو طلاق ہے یا طلاق نافذ کرلینے کا اختیار ہے کیونکہ اس جملہ طلاق کی نسبت کسی طرف نہیں ہے کہ کس کو طلاق ہے اور کس کو اختیارِ نفاذ ہے۔ لان التفویض تعتمد الملک اوالاضافة صورتِ مسئولہ میں بوقت ضرورت بہتر صورت یہ ہے کہ نکاح نامہ میں خیار طلاق کی وضاحت نہ ہو کیونکہ نکاح نامہ عموماً ایجاب وقبول سے پہلے مکمل کرلیا جاتا ہے (نکاح نامہ کا رواج اگرچہ حادث ہے مگر اکثر حالات میں مفید اور فیصل کی بنیاد بنتا ہے اسلئے اسے بدعتِ مباحہ کہہ سکتے ہیں)

بلکہ خیار طلاق کی تحریر الگ سے ترتیب دی جائے جس میں خیار طلاق صرف منکوحہ کی مشیت پر منحصر نہ ہو بلکہ ایک عالم دین اور دو دیندار حضرات (شخصیتیں مختص ہوں یا ہوں) کی موجودگی میں ان کی رضا سے عموم وقت کے ساتھ طلاق واقع کرلینے کا اختیار

پھر خیارِ طلاق کی تحریر پر دولہا کا دستخط، اور اس دستخط کی تصدیق پر دو معتبر شخصوں کے دستخط ہونے چاہئے تاکہ بوقتِ ضرورت اپنے دستخط کا منکر نہ ہوسکے

کیونکہ تفویض طلاق کا دارو مدار ملکیت یا اسکی طرف نسبت پر ہے (رضویہ)

درمختار فصل فی المشیۃ ص ۲۲۹ میں ہے۔

تقید بالمجلس لانہ تملیک الا اذا زاد متی شئت ونحوہ مما یفید عموم الوقت فتطلق مطلقاً۔

مشیت مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے کیونکہ یہ تملیک ہے لیکن اگر "جب چاہے" یا اسی کے مثل عموم وقت کیلئے موضوع الفاظ زیادہ کیا جائے تو مجلس کی قید کے بغیر مطلقاً طلاق واقع ہوگی۔

تفصیلات کے لئے فتاویٰ رضویہ کتاب الحج باب تفویض الطلاق کا مطالعہ فرمائیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۵ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ

خادم الافتاء ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

ملازمت پیشہ بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۷۷:- الور شریف یوتریخت ۵-۵-۱۴۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ وغیرہ ممالک یورپ میں میاں بیوی دونوں کو ایک خاص مدت تک کام کرنا چاہئے بے عذر عمر طبعی یا بے امراض جسمانی یوں ہی بیٹھ کر اپنی زندگی کے ایام نہیں گذار سکتے۔ ہاں اگر کام نہیں مل رہا ہے تو بات دوسری ہے۔ یورپ میں میاں بیوی دونوں کماتے ہیں اور اگر کام نہ ہو تو دونوں کو مشترکہ یا علیحدہ علیحدہ سوشل کی طرف سے یا خاک کی طرف پینشن کے محکمے سے اتنا پیسہ مل جاتا ہے کہ وہ دونوں آرام سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ یا رہنے کے لئے مکان دینا واجب ہے یا نہیں؟ بعض لوگ میاں بیوی کا پیسہ الگ الگ حاصل کرنے کیلئے دو مکانوں میں رہتے ہیں اور پیسہ دینے والے محکموں میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کے زن وشوہر کا تعلق ختم ہو چکا ہے اب ہم لوگ میاں بیوی نہیں ہیں...... کیا اس طریقۂ کار سے طلاق شرعی واقع ہو جاتی ہے اور یہ دونوں اجنبی اجنبیہ ہو جاتے ہیں؟ جواب سے نوازیں۔ شریف الور یوتریخت

۹۷۶ الجواب

شریعت طاہرہ مطہرہ نے بیوی کا نان ونفقہ اور اس کا سکنٰی اس کے شوہر پر واجب فرمایا ہے۔ اور کبھی کبھی اس سے جماع کرنا بھی واجب کر دیا ہے تاکہ وہ غیروں پر نگاہِ ہوس ڈالنے سے محفوظ رہے۔ گورنمنٹ اور اس کا انتظامیہ اگرچہ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے مگر دھوکہ دیکر اس سے ڈبل شوشل لینا حرام اور وجہ گناہِ کبیرہ ہے۔ دھوکہ دہی کے ساتھ ساتھ جھوٹ بولنا گناہ پر گناہ ہے لیکن اس گناہ کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان طلاق واقع نہیں ہوگی۔ وہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ اور دھوکہ دہی سے باز آنا چاہیئے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

من غشنا فلیس منا ؛ جو مسلمان دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

ولقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

والکذب یھدی الی الفجور جھوٹ نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے اور

والفجور یھدی الی النار نافرمانی جہنم میں پہنچاتی ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، نوری مسجد میسمر استرات آمسٹرڈم

۵/۵ ۱۴۱۲ھ

شوہر اگر دو سال تک بیوی سے جدا رہے

مسئلہ ۹۷۸ :۔ ایم، ایل، گمان آمسٹرڈم۔
۷-۹-۱۴۰۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بہت سارے ملازمت پیشہ حضرات جو سال دو سال کے لئے اپنے اہل وعیال سے دور رہتے ہیں۔ آیا وہ عند الشرع قابل گرفت ہیں یا نہیں؟ کیونکہ وہ اپنی بیوی کا حقِ زوجیت ادا نہیں کر پاتے ہیں اس طرح ممکن ہے کہ ان کی بیویاں غلط راہ

کا شکار ہو جائیں تو ایسی صورت میں شوہر ماخوذ ہوگا یا نہیں

سائل:۔ ایم، ایل گمان۔ آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

۷۸۶/۹۲ الجواب

بعد نکاح باتفاق علماء (بالاجماع) بیوی سے ایک بار جماع کرنا واجب وضروری ہے۔ کیونکہ یہ حق زن ہے۔ اگر شوہر ایک بار بھی جماع نہ کرے تو زوجہ کو عند القضاء، تفریق بین الزوجین کے مطالبہ کا حق شرعی طور پر حاصل ہو جاتا ہے ایسی صورت میں قاضی شرع مرد کو مزید ایک سال کی مہلت دے گا اگر ایک سال کے اندر اس نے جماع کر لیا تو قاضی کو بالجبر تفریق بین الزوجین کا حق نہیں اور اگر مہلت کے درمیان وہ جماع نہیں کر سکا تو زوجہ کے حسب مطالبہ قاضی تفریق کر دے گا اور انقضاء عدت کے بعد وہ کسی حلال مرد سے اپنا نکاح کر سکے گی۔

لیکن یہاں معاملہ جماع یا عدم جماع کا نہیں بلکہ سال دو سال بیوی سے جدا رہنے کا ہے۔ اگر کاروبار یا ملازمت کے سلسلہ میں برضاء طرفین یہ جدائی رہتی ہے تو چاہے جدائی کی مدت اور بڑھ جائے شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں چار مہینے سے زیادہ کی جدائی بیوی کے اذن و رضا کے بغیر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ بے عذر شرعی یا بے عذر صحیح چار مہینہ تک ترک جماع جائز نہیں ہے۔

ردالمحتار ص ۲۹۸ میں ہے۔

اعلم ان ترك جماعها مطلقا	واضح ہو کہ بیوی سے جماع مطلقاً ترک کر دینا
لایحل له صرح اصحابنا بان	حلال نہیں۔ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ کبھی کبھی
جماعها احیانا واجب دیانة	بیوی سے جماع کرنا دیانۃً واجب ہے لیکن قاضی
لکن لایدخل تحت القضاء،	کو پہلے جماع کے علاوہ کوئی اور جماع شوہر پر لازم
والالزام الا الوطأة الاولیٰ۔ ولم	کرنے کا حق نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے دوسرے جماع
یقدروا فیه مدة۔ ویجب ان لایبلغ	کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں فرمائی تاہم یہ مدت
مدة الایلاء الابرضاها وطیب	ایلاء کے وقفہ (چار ماہ) تک نہیں پہنچنی چاہئے مگر یہ

نفسها به اھ (ہذا فی فتح القدیر)　　کہ بیوی کی رضا و خوشی سے جسقدر وقفہ ہو جائے۔
اگر بیوی غلط روی کا شکار ہوتی ہے تو عند اللہ اور عند الشرع وہ خود اس کا جوابدہ ہے۔ شوہر پر اس کا وبال نہیں ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔　واللہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم
۷ رشوال المکرم ۱۴۰۷ھ

بیوی کو ماں اور شوہر کو باپ کہنے سے ظہار ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ ۹۲۹: ۔ محب الحسن نورانی (اسپین)
۲۲-۲-۱۴۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میاں بیوی کے درمیان چھوٹی موٹی باتوں کو لیکر جھگڑا اور گالی گلوج شروع ہوگیا۔ شوہر نے بیوی سے کہا۔ آج سے تم میری ماں ہو میں تمہارا بیٹا ہوں اب تو چپ ہو جاؤ۔ بیوی نے کہا ہاں ہاں تم میرے باپ ہو میں تمہاری بیٹی ہوں اب تو چپ ہو جاؤ بہرحال باپ بیٹی بننے کے بعد دونوں چپ ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ شوہر یا بیوی کے مذکورہ جملے استعمال کرنے کی وجہ کر میاں بیوی ایک دوسرے پر حرام ہوئے یا نہیں؟ اور اگر حرام نہیں ہوئے تو کوئی کفارہ ان پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

السائل: ۔ محب الحسن نورانی۔ رضانات اسٹریٹ ۲۲ ترانانہ (غرناطہ) اسپین

الجواب ۹۲/۸۶

میاں بیوی دونوں جھوٹ کے مرتکب ہو کر گنہ گار ہوئے۔ دونوں پر توبہ لازم ہے۔ قال تعالیٰ عزوجل

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا۔　بے شک وہ لوگ بری اور جھوٹ بات بکتے ہیں۔ (القرآن الکریم)

یعنی ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنم دیا۔ اور بیٹا وہ ہے جسے جنم دیا گیا۔ صورت مسئولہ میں نہ تو بیوی نے شوہر کو جنم دیا اور نہ شوہر اپنی بیوی کے بطن سے

پیدا ہوا۔ پھر بیوی نہ تو شوہر کے نطفہ سے ہے نہ شوہر کا نطفہ اس کے وجود کا سبب بنا۔ لہٰذا دونوں نری جھوٹ بکتے ہیں۔ اس شدید جرم شرعی کے باوجود نہ تو وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہوئے اور نہ ہی ان پر کوئی کفارہ عائد ہوا۔ ہاں اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ کی حقیقت کے مطابق اگر وہ فقرا و مساکین پر حسبِ استطاعت کچھ تصدق کردیں تو قبولیتِ توبہ کی زیادہ امید ہے۔ صورتِ مسئولہ میں بعض لوگوں کو ظہار کا شبہہ ہوتا ہے۔ لیکن ظہار سے متعلق یہ کلیّہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ بیوی کو ماں بہن بیٹی وغیرہا کہنے سے ظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ بیوی کو یا اس کے مخصوص اعضاء جسم کو جس کو بول کر پورا جسم مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً سر، گردن، پیٹھ، شرمگاہ، کو یا بیوی کے جسم کے جزو شائع۔ مثلاً ثلث، ربع، نصف کو کسی محارم ابدی (ماں، بیٹی، بہن، دادی، نانی وغیرہا) سے یا اس کے اعضاء مخصوصہ سے تشبیہ دینا ہے۔ جب تک تشبیہ نہیں پائی جائے ظہار نہیں ہوگا۔ کمافی درالمختار

هو تشبيه زوجته او ما يعبر به	بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے
عنها من اعضائها او تشبيه	ذات مراد لی جاتی ہو یا اس کے غیر معین حصہ
جزء شائع منها بمحرم عليه	جسم کو اپنے ابدی محرمات کے ساتھ تشبیہ
تابيد (باب الظہار ص۲۴۸ ج۲)	دینا ظہار ہے۔

اور اگر بیوی اپنے شوہر کو یا اس کے مخصوص اعضاء بدن کو جسے بول کر پوری ذات مراد لی جاتی ہو یا اس کے غیر معیّن حصۂ بدن کو اپنے محرم ابدی باپ، بیٹا، بھائی، دادا، وغیرہم سے تشبیہ دیدے تو بھی ظہار نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ اسے لغو اور بُری بات کہہ سکتے ہیں۔ کمافی الدرالمختار

وظهارها منه لغو فلا حرمة	بیوی کا اپنے شوہر کو اپنے محرموں کے ساتھ تشبیہ
وفى الهندية ولا تكون المرأة	دینا کلام لغو ہے اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔
مظاهرة من زوجها عند محمد	امام محمد کے نزدیک بیوی اپنے شوہر سے مظاہر

رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ والفتویٰ علیہ وھوالصحیح کمافی السراج الوہاج نہیں ہوتی۔ فتویٰ اسی پر ہے اور یہی صحیح ہے

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

۲۳ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

شوہر کی عدم موجودگی میں چار سال کے بعد بچہ پیدا ہوا

مسئلہ ۹۸۰: طاہر حسین واجدی، کیراف یونس واجدی بردوان (بنگال) ۱۸-۱-۱۴۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کلثوم کا شوہر محمد علی بسلسلۂ ملازمت پردیس چلا گیا۔ دو سال کے بعد اسے واپس وطن لوٹنا تھا لیکن فیکٹری کے آفیسروں نے ایسا چکر چلایا کہ وہ پانچ سال پورے ہونے پر وطن آسکا۔ ادھر محمد علی کے پردیس جانے کے چوتھے سال میں کلثوم کو بچہ پیدا ہوا۔ بعض لوگ اس بچے کو ولد الحرام کہتے ہیں اور بعض لوگ ثابت النسب کہتے ہیں۔ خود محمد علی شش و پنج میں ہے کہ اس بچہ کو کیا کرے۔ اور اس کی بیوی کلثوم اس پر حلال رہی یا حرام ہو گئی۔ واضح جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں نوازش ہوگی۔ طاہر حسین کیراف یونس پان دوکان لوڈیہ مارکیٹ سن ریلے۔ آسنول ضلع بردوان

الجواب ۸۶/۹۲

از روئے شرع شریف حمل کی اقل مدت چھ ماہ اور اکثر مدت کامل دو سال ہے کمافی سائر الکتب الفقہیۃ متوناً وشروحاً وہ بچہ محمد علی ہی کا ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنے بچہ کی صحیح پرورش کرے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "الولد للفراش وللعاھر الحجر" بچہ اس کا ہوتا جس کا یعنی جس سے نکاح صحیح ہوا، اور زانی کے لئے پتھر ہے۔ یعنی بالفرض اگر وہ زنا کا چوزہ ہے تو زناکار کے لئے بے فائدہ ہے۔ محمد علی مذکور اگر پچیس پچاس سال تک اپنی بیوی کلثوم مذکورہ سے دور رہتا اور اس مدت میں اس کی بیوی کلثوم کو بچہ پیدا ہوتا تو علمائے رسول علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے مطابق اپنے باپ ہی کا کہلاتا کیونکہ نکاح صحیح پچاس سال کے بعد بھی موجود ہے۔ شریعت مطہرہ نسب کی محافظت میں حد درجہ مبالغہ فرماتی ہے جبکہ عامۃ الناس کو اس کی پرواہ نہیں حالانکہ اس کی رعایت کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن ہیڈرلینڈ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

نئی دلہن کے پاؤں کے دھون کا حکم

مسئلہ ۹۸۱: حاجی محمد رفیق گمان پارہ ماری بو ۵-۳-۱۹۸۷ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب نئی نویلی دلہن شوہر کے گھر آتی ہے تو گھر کی بوڑھی پرانی عورتیں پانی سے بھرے لگن میں اس کو پاؤں رکھواتی ہیں، اور وہ مستعمل پانی مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکوا دیتی ہیں۔ کیا یہ ہندوانہ رسم ورواج ہے یا مسلمانوں کے لئے بھی ایسا کرنا جائز ومباح ہے؟ - بینوا وتوجروا

محمد رفیق گمان۔ سکریٹری جامع مسجد پارا ماری بو سورینام

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــ هوالمجيب الوهاب

یہ رسم ہندؤں کا مذہبی شعار نہیں ہے اور جو کسی دوسری قوم کا شعار نہیں اور ہماری شریعت اسلامیہ میں اس کے کرنے کی ممانعت بھی نہیں وہ مباح و عفو ہے۔ صاحب دلائل قاہرہ مؤید ملت طاہرہ سیدنا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں ارقام فرماتے ہیں۔ " دلہن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے ص ۵۹۵/۲ " اور اس پانی کو مستعمل کہنا بھی کلیۃً صحیح نہیں ہے کہ ممکن ہے دلہن باوضو ہو یا نابالغہ ہو، پھر یہ کہ پاؤں پانی میں ڈالا جانا از قبیل رسم ورواج یا از قبیل اعمال ہے نہ کہ از نوع عبادات وقربت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری۔ وارد حال جامع مسجد پارامارِ بو، سورینام
۵-۳-۱۹۸۷ء

مانعِ حمل دواؤں کا استعمال

مسئلہ ۹۸۲ ۱۹۹۳۶-۲۵-۷ :- ممتاز، آلمیرہ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مانع حمل گولیوں یا ترکیبوں کا استعمال مسلم عورتوں کو جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کی شرعی اجازت مل سکتی ہے یا نہیں؟ ممتاز۔ سید ال آلمیرہ

الجواب ۹۲/۸/۶

افزائش نسل منشا قدرت ہے اور تکثیرات کے اسباب و وسائل اختیار کرنا نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چاہت لہٰذا مانع حمل گولیوں یا ترکیبوں کا استعمال مسلم عورتوں کو جائز نہیں اور نہ مردوں کو ایسی دوا، و ترکیب کی اجازت ہے جس سے نسل کی تحدید ہو۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم یوم القیٰمۃ (وفی روایۃ) الانبیاء یوم القیٰمۃ۔ کثرت سے بچے جننے والی اور خوب محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو۔ میں تمہاری کثرت سے قیامت کے دن دیگر امتوں پر اظہار فخر فرماؤں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اپنی امت کی کثرت ظاہر کروں گا۔ اس مشینی دور میں جبکہ دنیا کی ساری قومیں ایک رائے اور ایک زبان ہو کر اسلامی کردار و عمل کو دہشت گردی سے تعبیر کر رہی ہیں اور مسلمانوں کے نام نہاد سربراہانِ مملکت انہی قوموں کی چمچہ گیری کر رہے ہیں، ایسی صورت حال میں امت مسلمہ کثرت کی محتاج ہے تاکہ وہ اجتماعی طور پر اسلامی کردار و عمل کا علی الاعلان مظاہرہ کر سکے اور دشمنوں کے مکر و فریب سے اپنی قوم کو بچا سکے۔ لہٰذا مسلمان عورت و مرد دونوں پر واجب ہے کہ مانع حمل گولیوں اور ترکیبوں سے اجتناب کریں کیونکہ

یہ ہمارے منصوص ومشروع مسائل کے خلاف...... ہاں اگر ضرورت اس کی متقاضی ہو مثلاً عورت کے رحم میں کوئی بیماری ہو یا حد سے زیادہ کمزوری ہو۔ یا آپریشن کی کثرت کی وجہ سے اب شکم یا رحم مزید آپریشن کا متحمل نہیں ہو سکے تو حسب ضرورت مانع حمل گولیوں یا تدابیر کا استعمال جائز ہے تاکہ اپنے آپ کو ہلاکت یا قرب ہلاکت سے بچایا جا سکے۔ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ
واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری خادم شرعی امور ورلڈ اسلامک مشن
ہالینڈ۔ ۲۵ / ۷ / ۱۹۹۳ء

رضاعت کی وضاحت

مسئلہ ۹۸۳ :۔ محمد شریف، آمسٹرڈم ۱۹۸۶-۱۱-۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی پھوپھی زاد بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کے حقیقی بھائی بکر نے اسی پھوپھی کا دودھ اپنی ایک سال آٹھ ماہ کی عمر میں پیا ہے تو کیا زید کی شادی بکر کی رضاعی بہن سے ہو سکتی ہے؟ یا بکر کے تمام بھائی بہنوں پر اس پھوپھی کی اولاد ذکور واناث حرام ہو جائے گی؟

بینوا وتوجروا۔ محمد شریف آمسٹرڈم نور کہ۔ ہالینڈ

الجواب ـــــــــ بعون الملک الوہاب ـــــــــ

بکر نے اپنی جس پھوپھی کا دودھ عمر رضاعت میں پیا ہے وہ پھوپھی بکر کی رضاعی ماں ہو گئی اور اس کے بیٹے بیٹیاں اس کے بھائی بہن نیز اس کا شوہر رشتہ کے اعتبار سے پھوپھا مگر دودھ کے اعتبار سے بکر کا رضاعی باپ ہو گیا۔ بکر کا نکاح اس پھوپھی کی کسی بیٹی پوتی سے نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا بھائی یا رضاعی ماموں ہوگا۔ قَالَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (نسب سے جن جن کا شمار محرمات میں ہے وہ سب رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں) مگر بکر کے بھائی زید وغیرہ پر وہ رضاعت مؤثر نہیں ہوگی کیونکہ

رضاعت صرف دودھ پینے والے یا دودھ پلانے والی (مرضعہ) اور اس کی جو ذریت متفرع ہوتی ہے ان کے اندر ہی مؤثر ہوتی ہے۔ بکر کے بھائی زید یا اس کی ذریات پر رضاعتِ بکر مؤثر نہیں لہٰذا زید کی شادی مرضعہ بکر کی بیٹی سے ہوسکتی ہے اگرچہ زید وبکر آپس میں حقیقی بھائی ہیں مگر اس مرضعہ پھوپھی سے زید کا کوئی رشتۂ رضاعت نہیں۔ اور پھوپھی کی بیٹیوں سے نکاح حلال ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ ۱۱/۷/۱۹۸۸ء

نوری دار الافتاء، ہالینڈ۔

یورپ کا پردہ

مسئلہ ۹۸۴ :۔ انور غازی۔ مغربی آمسٹرڈم ۹-۴-۱۹۹۲ء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ یورپ کے اندر مسلمان عورتوں کا پردہ ایک عوامی مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ اگر کسی مسلمان ملک سے مسلم عورتیں برقعہ یا سر پر اوڑھنی کے ساتھ ان یورپین ممالک میں داخل ہوتی ہیں تو کتے اسے دیکھ کر بھونکتے ہیں اور اوباشوں کی نگاہیں ان خواتین کا تعاقب کرتی رہتی ہیں، پھر خواہ برقعہ پوش خواتین دادی، نانی کی عمر کی کیوں نہ ہوں جوان لڑکے اس سے ٹکرانے کے شوق میں ان خواتین کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں اگر مسلم عورتیں ان ملک میں داخل ہونے کے بعد اپنا برقعہ یا اوڑھنی اپنے بیگ میں ڈال لیں تو کیا اس کا یہ عمل اسلامی شریعت کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہے۔ امید کہ تشفی بخش جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں گے۔

حاجی انور غازی آمسٹرڈم اوسٹ، ہالینڈ۔

۹۲/۶/۷ الجواب :۔ المجیب الوھاب

مسائلِ دینیہ شرعیہ جو منصوص ومبرہن ہوں ان پر زمان ومکان کے تغیرات

اور انسانیت سوز اخلاق رذیلہ کے ابھارات کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ان کی وجہ سے مسائل شرعیہ منصوصہ میں کوئی لچک پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ دیندار، فرمانبردار اور نیکوکار لوگوں پر عزیمت کی پابندیاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ ممالک مذکورہ میں وہی برقعے اور اوڑھنیاں کئی یورپین عورتوں کے لئے ہدایت کا سبب بن گئی ہیں۔ سچ فرمایا مولانا روم نے۔ ع مہ فشاند نور و سگ عوعو کند۔ نکلتے ہوئے چاند کا کام نور بیزی ہے وہ نور بیزی و نور پاشی کرتا ہوا آسمان کے افق پر بلند ہو جاتا ہے اور چاندنی کی تاب نہ لاکر کتے بھونکتے رہ جاتے ہیں۔ احادیث مشہورہ مرفوعہ کے علاوہ قرآن پاک کی سورۂ نور و احزاب کی متعدد آیاتِ ربانی سے پردہ کی تاکید و اہمیت ثابت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ زمانۂ خیر القرون سے اب تک اسلام میں پردۂ وحجاب کی خاص اہمیت رہی جسے فقہ کی زبان میں وجوب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھیں کہ اسی درمیان حضرت ابن مکتوم (جو نابینا تھے) رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا افعمیان انتما؟ الستما تبصرانہ (صحیحین) کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتیں؟ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ پردہ کے لئے صرف مردوں کو احتیاط کی ضرورت نہیں بلکہ عورتوں پر بھی احتیاط لازم ہے۔ کفار و مشرکین اور ملحد و مرتدین اگرچہ احکام خداوندی کے تحمل کی اہلیت نہیں رکھتے (باختلاف علما) شتر بے مہار کی طرح جس سر سبزی سے چاہتے ہیں چر چگ لینے کی مذموم کوشش کرتے ہیں لیکن مسلمہ مومنہ عورتوں پر تو احکام الٰہی عزوجل نافذ ہوتا ہے۔ تو ان ملکوں میں مسلم عورتوں ہی کو اس کا لحاظ و خیال رکھنا ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (النور ۳۱)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔ اور مسلمان عورتوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ۔

اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ اور اپنی گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالیں۔ اور اپنے سنگھار کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے والد کے یا اپنے سسر کے۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص کر اہلِ ایمان عورتوں کو شرمگاہوں سے پہلے آنکھوں کی حدود حفاظت کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ عصمت و عفت کے مجروح ہونے کا سب سے مؤثر و بدترین ذریعہ آنکھیں ہیں۔ آنکھوں کے بعد فتنہ میں مبتلا کرنے والی وہ زینت و محاسن ہیں جو ان کے گرد و پیش کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں جن میں ان کا چہرہ مع لوازمات فتن اور گریبان کے اندر کا محسوس مد و جزر سرِفہرست ہیں لہٰذا حکم ربانی ہوا کہ وہ اپنی زینتوں کو سوائے شوہر و آباء کے کسی اجنبی کے سامنے ظاہر نہ کریں اور اپنی گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔

قرآنِ کریم کے دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے۔ (الاحزاب ۵۹)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ

اے نبی مکرم اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے جسم پر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔

اس آیۂ کریمہ میں بجائے خمار (اوڑھنی دوپٹہ) کے جلباب (قمیص یا چادر) کا حکم ہے۔ لغتِ عرب میں جلباب اس کپڑے کو کہتے ہیں جو سر سے پاؤں تک سارے بدن کو ڈھانپ لے تو اس سے مراد وہ چادر بھی ہو سکتی ہے جو برصغیر ہند و پاک میں عموماً عورتیں اوڑھ کر گھر سے نکلتی ہیں کہ اس سے سر بھی ڈھکا ہوتا ہے، چہرہ کا اکثر حصہ بھی ڈھکا ہوتا ہے اور جسم کا نشیب و فراز بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

اور وہ قمیص بھی مراد ہو سکتی ہے جو مغرب، تونیشیا، مصر وغیرہ ممالک میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ عورت و مرد دونوں استعمال کرتے ہیں۔ اس قمیص کی گردن کے اوپر

تنے کپڑے کا بھی اضافہ ہوتاہے جو سر، کان اور چہرے کے کچھ حصہ کو اچھی طرح ڈھانک
لے۔ لمبائی میں گردن سے پاؤں کے ٹخنے تک اور چوڑائی میں ایسا کشادہ کہ جسم کا
زیروبم محسوس نہ ہو۔

پردہ سے متعلق تیسرا حکم قرآن پاک میں یہ ہے۔ (النور - ۶۰)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ اللَّاتِیْ	بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی خواہش نہ رہی ہو
لَایَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ	وہ اگر اپنے کپڑے (خمار و جلباب) اُتار رکھیں
جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ	تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار
مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ	ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔ پھر بھی اگر وہ احتیاط
یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ	کریں تو ان کے لئے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔	بہت سننے جاننے والا ہے۔

آیۂ مذکورہ میں ان عورتوں کو پردہ کی پابندیوں سے رخصت دی گئی ہے جو
سنِ ایاس (حیض کا زمانہ ختم ہوچکا ہو) یا انہیں نکاح کی کچھ بھی رغبت وخواہش نہ ہو
بعض علما مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں وہ بوڑھی، کریہ صورت عورتیں مراد ہیں
جنہیں مرد دیکھیں تو کراہت محسوس کریں۔ ایسی عورتوں کو رخصت دی گئی کہ اگر وہ
گھر سے باہر نکلیں تو ان کے لئے برقعہ، چادر، مخصوص قمیص یا اُس اوڑھنی کی ضرورت
نہیں ہے جو پردہ کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ تاہم اگر وہ احتیاط سے رہیں، یعنی
چادر یا اوڑھنی کے ساتھ نکلیں تو وہ ان کے لئے بہت بہتر ہے۔

مذکورہ آیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے پردہ سے متعلق تین باتیں سامنے آئیں
خمار یا جلباب کا استعمال یا ان دونوں سے رخصت، اور اس کی غرض وغایت
بہر حال عصمت وعفت کی حفاظت اور حدودِ الٰہیہ کی پابندی ہے۔ نسوانی زندگی
ان تین احوال سے خالی نہیں۔ بلوغیت سے پہلے کا زمانہ، بلوغیت کا زمانہ، اور بلوغیت
کے بعد ایاس کا زمانہ ـــــ بلوغیت کے زمانہ میں قدم رکھنے سے پہلے نوعِ نسواں کو
پردہ کا پابند یا اس کا عادی ہوجانا چاہئے۔ اور بلوغیت میں قدم رکھنے کے بعد سے سنِ ایاس

کا زمانہ آنے تک جلابیب کے ذریعہ اپنے حسن وجمال اس ثروت خداداد کی حفاظت کرنی چاہئے جو صنف نازک کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ پھر خاص عورتوں میں سن ایاس سے لیکر قبر میں جانے تک اگرچہ جامہائے حجاب کی پابندی ان پر ضروری نہیں مگر رخصت پر عزیمت کی برتری وفضیلت کی ترغیب دیتے ہوئے انھیں بھی احتیاط سے زندگی گزارنے کا سبق دیا گیا ہے۔ پس پردہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر مسلم خواتین کو اسے لازم پکڑنا چاہئے اور اپنی عزت واحترام کا آپ خیال کرنا چاہئے۔ یورپ وامریکہ میں اس وقت عورتوں کو مردوں نے کتوں اور بندروں سے زیادہ بے ستری کے ساتھ زندگی گزارنے کا خوگر بنا دیا ہے۔ خوذ کلبوں اور تفریح گاہوں میں فل پینٹ اور شرٹ وکوٹ کے ساتھ مرد بیٹھتے ہیں جبکہ انکے پہلو میں انکی ماں بیٹیاں عریاں اور تقریباً مادر زاد ہوتی ہیں، تماشہ دکھلانے والے مرد شرٹ اور فل پینٹ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جبکہ انہی کے ساتھ تھرکنے والی عورتیں مادر زاد ننگی ہوتی ہیں۔ اسی حیوانیت کا نام یہاں آزادیٔ نسواں رکھا گیا ہے۔ ایسے حالات میں مسلم عورتوں کو ان سے سبق لینا چاہئے کہ مبادا ان کی نام نہاد آزادیٔ نسواں کے پتھر سے ان کی عفت وعصمت کا شیشہ چور چور نہ ہو جائے اور وہ خدائے جبار وقہار کی گرفت میں نہ آجائیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ وایاھن۔ واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم امور شرعیہ در لڈا اسلامک مشن

نیدرلینڈ ۹/۴/۱۹۹۲ء

شہیدوں کی شہادت میں نکاح

مسئلہ ۹۸۵: (مولانا) عبد الغفار نورانی۔ دی ہیگ ۲-۲-۱۴۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ جو واقعہ مشہور ہے کہ دو مجاہد کو دشمنوں نے کھولتے ہوئے گرم تیل میں ڈال دیا پھر اس کے ساتھی کسی اجنبیہ کو لیکر دشمن کے ملک سے نکل گئے تو وہی شہداء نمودار ہوئے تو انہوں نے اس اجنبیہ کا

نکاح اپنے ساتھی کے ساتھ باندھ دیا اور غائب ہوگئے۔ کیا ایسے نکاح از روئے شرع منعقد ہوسکتے ہیں؟

سائل: عبدالغفار نورانی
سکریٹری جنرل مجلس علما ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب بعون العلیم الوھاب

نکاح کے صحیح ومنعقد ہونے کے لئے ایجاب وقبول اور حضور شاہدین شرط ہیں اور شاہد کے لئے مسلم عاقل بالغ آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ حضور مکانی اور مکلف ہونے کی بھی شرط ہے۔ درمختار اور البحر وغیرہما کتب فقہیہ معتمدہ میں ہے ینعقد بایجاب وقبول وشرطہ حضور شاھدین حُرّین او حرّ وحرتین مکلفین سامعین قولھما فقہاء کرام نے اللہ تبارک وتعالیٰ اور فرشتوں کی شہادت میں نکاح کو نہ صرف غیر صحیح وغیر منعقد فرمایا بلکہ شرع شریف کو پُر مذاق بنانے کی وجہ سے اسے کفر قرار دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت ہر شئے اور ہر جگہ کو محیط ہے وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ فرشتے جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر ہوسکتے ہیں۔ وہ ہمارے کلام کو سنتے، ہمارے عملوں کو دیکھتے ہیں یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ط مگر بھی ان کی شہادت میں نکاح صحیح نہیں کیونکہ تکالیف شرعیہ کے وہ حامل نہیں۔ اگر ان پر حضور شاہدین کا اطلاق صحیح ہے تو حضرات شہداء کرام کی حیات اگرچہ نصوص شرعیہ قطعیہ سے ثابت ہے جس کا انکار بشرط عقل وشعور کوئی مدعیٔ اسلام نہیں کرسکتا لیکن عند الشرع یہ بھی مسلّم ہے کہ ذائقہ موت چکھ لینے کے بعد وہ تکالیف شرعیہ سے آزاد ہوجاتے ہیں تو جو شاہد مکلف ہی نہ ہو اس کی شہادت میں نکاح کیونکر صحیح منعقد ہوسکتا ہے۔ جن کتابچوں میں یہ حکایت بیان کی گئی ہے وہ صرف حکایت حکایت ہے جو ہماری شریعت طاہرہ مطہرہ کی بنیاد وسند نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۲/صفر ۱۴۲۲ھ ۔ ۲۶-۴-۲۰۰۱ء
خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ۔

نکاح کی شرعی حیثیت

مسئلہ ۹۸۶: شکیل احمد لطیف۔ آمسٹرڈم
۱۴۰۸ھ ۱۹-۳-

حضرات علماء کرام سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ قرآن و حدیث میں اسلامی نکاح کے بارے میں کیا تفصیل ہے؟ اسلامی نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ذرا تفصیل سے بیان کیجئے۔ بغیر نکاح کے عورت و مرد کا ایک ساتھ رہنا اسلامی لحاظ سے کیوں ممنوع ہے؟　　شکیل احمد، مسجد الکرم، آمسٹرڈم

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ بعون الملک الوھاب

قدرت نے مرد و عورت میں افزائش نسل کے لئے جو شہوانی قوت ودیعت فرمائی ہے اس کو بجا طور پر استعمال کرنے کے لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو نکاح جیسی نعمت عطا فرمائی۔" فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (الآیۃ) کتاب و سنت میں نکاح کے تعلق سے کافی وافی تفصیل موجود ہے لیکن سائل کس طرح کی تفصیل چاہتا ہے وہ سوالنامہ میں واضح نہیں ہے یعنی فضائل نکاح سے متعلق یا نکاح کی اہمیت سے متعلق یا اس کے محللات و محرمات سے متعلق یا نکاح کی صحت و عدم صحت سے متعلق وغیرہ

ویسے اسلامی نکاح شاہدین کی موجودگی میں اس ایجاب و قبول کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہو اسی لئے یہ ایک عبادت کے علاوہ معاہدہ و معاملہ بھی کہ اسمیں حضور شاہدین اور ایجاب و قبول شرط و رکن ہیں " وشرطه عند حضور الشاهدين واما ركنه فالايجاب والقبول كذا فى الهندية الكافى"۔

نکاح بعض حالات میں فرض، بعض میں سنت، اور بعض میں حرام و مکروہ مثلاً شہوت کی زیادتی ہو اور زیادتی جوش کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تو نکاح کرنا فرض ہے۔ سکون و اطمینان کی حالت میں جبکہ حقوق زوجیت ادا کر

داخلی وخارجی صلاحیت موجود ہو تو نکاح کرنا سنت ہے۔ نامردوں اور ہجڑوں کو جو وظیفۂ زوجیت کے قابل نہ ہوں نکاح کرنا حرام ہے "لاضرر ولاضرار فی الاسلام" اور جو بیوی کے نان ونفقہ کا بوجھ اٹھا نہیں سکتا یا ظلم وزیادتی کا اندیشہ ہو اسے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ لان کسوتها ونفقها وسكنها عليه" ایسوں کو شرع مطہر نے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ غلط اقدام سے بچ سکے۔

نکاح ایسی عبادت ہے جس کی ابتداء انسانِ اول حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام ہی سے ہوئی اور قربِ قیامت تک رہے گی۔ نکاح ہی سے نسلِ انسانی کی بقا ہے، یہی صالحین، عابدین اور ذاکرین وغیرہم کی پیدائش کا ذریعہ ہے اسی لئے علمائے احناف کے نزدیک نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے۔

بے نکاح کے جو جوڑے برآمد ہوتے ہیں وہ شرافت نسب سے دور مہجور ہوتے ہیں انہیں آدمی گردانتا آدمیت کی توہین ہے۔ فلہذا ارشاد ہوا "الولد للفراش وللعاهر الحجر" شرافتِ نسب اور عظمت آدمیت کو برقرار رکھنے کے لئے نکاح صحیح لازمی ولابدی ہے۔ اور نکاح صحیح کے لئے ان ارکان وشرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے جو صحتِ نکاح کے لئے شرع شریف نے وضع فرمایا مثلاً عورت کسی اور کی منکوحہ نہ ہو، از قسم محرمات نسبی نہ ہو، از قسم محرماتِ رضاعی نہ ہو، از قسم محرمات مشرکہ وکافرہ ومرتدہ نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ مہر ونکاح کے ذریعہ عورت ومرد کو ساتھ رہنے کا حکم دیتا ہے تاکہ فتنہ فساد کا سدِباب ہو سکے۔ "اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ" پھر کس مسلمان کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ بے نکاح شرعی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہے۔ ایک ساتھ (SAMEN WONEN) زندگی گزارے ...... بالفرض اگر کوئی مسلمان کسی اجنبیہ عورت کے ساتھ یا کوئی مسلمہ عورت کسی اجنبی مرد کے ساتھ یا کوئی مسلمان کسی مسلم وغیر مسلم مرد کے ساتھ یا کوئی مسلمہ عورت کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ عورت کے

ساتھ زن وشوہر کی طرح زندگی گزارے (العیاذ باللہ تعالی) تو وہ عند الشرع حرام کار سخت وشدید گنہگار، لعنت دوجہاں میں گرفتار اور مستحقین عذاب نار ہے۔ قال تعالی "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔

نکاح کرنا انبیا کرام خصوصًا سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے جس سے بے وجہ شرعی اعراض کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں اور بے نکاح کے ایک ساتھ عورت ومرد کا رہنا اس سنت جلیلہ بلکہ شعار انسانیت کو مٹانا ہے جسکے لئے سخت وعیدیں ارشاد ہوئیں اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِىْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ۔ پھر نکاح چونکہ نسل انسانی کی محافظت کا واحد ذریعہ ہے جو صالحین، متقین اور انسانیت پسند سماج میں ابن آدم تا ایں دم جاری وساری ہے لہٰذا اس کے خلاف کسی اجنبی مرد کا کسی اجنبیہ عورت کے ساتھ بے نکاح کے رہنا حیوانیت کو پروان چڑھانا اور انسانیت کی نسل کشی ہے۔ اسلئے اسلامی شریعت نے ان طریقوں کو حرام وممنوع قرار دیا ہے اور اسے زنا وفواحش وغیرہ سے تعبیر کیا ہے لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا (القرآن) واللہ سبحانہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم وصلی اللہ تبارک وتعالی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۱۹ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

شادی کے موقع پر باجا گاجا

مسئلہ ۹۸۷: عباس علی واجدی

۲۲-۱۰-۱۹۹۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شادی بیاہ کا اعلان دف کے ذریعہ کرنے کی اجازت ہے "اعلنوا النکاح بالدف" تو کیا شادی بیاہ کی محفل (محفل رتجگاہ، محفل نکاح خوانی، محفل بارات) میں میوزک (محفل

قسم کے باجے گاجے) بجانا جائز و درست ہیں یا نا جائز و حرام؟ اور جس شادی میں میوزک بجایا جائے اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے میوزک کو حرام بتایا اور یہ بھی کہا کہ ایسی محفل شادی کی شرکت بھی ناجائز و حرام ہے جس میں میوزک بجایا جا رہا ہو۔ جبکہ بعض دیندار اور جانکار لوگ میوزک کی اجازت دیتے ہیں۔ صحیح مسئلہ سے آگاہ فرمایا جائے

المستفتی:۔ عباس علی واحدی، سکریٹری جنرل اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔

۹۸۷/۹۲ الجواب

ساز، راگ، گانا اور آلات لہو ولعب کا استعمال بطور لہو ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ مفتی صاحب مذکور فی السوال نے فرمایا ہے۔ اور جس مجلس میں یہ امور موجود ہوں وہاں جانا اگر دعوت ہو یا شادی ہو تو وہاں شرکت ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الخمر والمعازف (ابوداؤد) نیز حدیث شریف میں ہے صوتان ملعونان فی الدنیا والآخرۃ مزمار عند النعمۃ ورنۃ عند المصیبۃ۔ نیز حدیث شریف میں بارہ چیزوں کو باعث قومی عذاب قرار دیا جن میں "اتخذت القیان والمعازف" بھی ذکر فرمایا آخر میں فرمایا فلیرتقبوا عند ذلک ریحا حمراء، خسفا ومسخا (ترمذی شریف)

واللہ تعالیٰ اعلم مفتی عبدالقیوم ہزاروی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان

(مہر جامعہ) محمد ۔۔ جرورم غفرلہ ۲۲-۱۰-۹۹ء

نوٹ:۔ سوال و جواب میں مفتی صاحب سے مراد مفتی اعظم ہالینڈ ہیں (مرتب)

سلامی یا تلک کے نام پر لڑکی والوں سے نقدی وصول کرنا

مسئلہ ۹۸۸ ۱۱-۸-۲۰۰۱ء :۔ (مولانا) منصور عالم واحدی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے دو بیٹوں کی شادی سمدھیوں سے کچھ نقدی لیکر کر دیا اور زید چونکہ حاجی و نمازی بھی ہے اس لئے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زید کی امامت میں کوئی خرابی تو نہیں آئی ؟ اور زید لائق امامت رہا یا نہیں ؟ خلاصہ جواب سے نوازیں۔

المستفتی (مولانا) منصور عالم واجدی خطیب مسجد الرضا ہنیکرم ۔ سوئزرلینڈ

الجواب ۷۸۶/۹۲

زید ہوا وہوس کے صید نے اپنے بیٹوں کو جس رقم کے عوض بیچا وہ رقم خبیث وناجائز ہے ۔ اس رشوت کے سبب زید گنہ گار مستحق عذاب نار ہوا "الرّاشی والمرتشی کلیھما فی النّارِ" شادی کے موقع پر دولہا کے سرپرستوں کو سلامی کے نام پر۔ تیلک کے نام یا دیگر اخراجات کے نام پر کچھ نقدی دینا حرام ہے لینا دینا دونوں حرام ہے ۔ لقولہٖ تعالیٰ لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ۔ زید مذکور کی امامت اُسوقت تک ناجائز ہے جب تک وہ لی گئی رقم واپس نہ کرے اور توبہ نہ کرے ۔ توبہ سے پہلے جتنی نمازیں اسکے پیچھے پڑھی جائیں گی یا پڑھی گئیں وہ سب واجب الاعادہ ہیں ۔ اس کو امام بنانا گناہ ہے ۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ دارالافتاء اسلامک فونڈیشن ہیندرلینڈ

۲۱ / اگست ۱۹۸۶ء

سامن وونن اور معتدہ کا نکاح

مسئلہ ۹۸۹ :- کیا فرماتے ہیں علمائے حقانی ومفتیانِ ربانی اس مسئلہ میں ۱۹۸۶-۹-۷ء کہ ہالینڈ کے اندر مسلمانوں کے ماحول میں نکاح وطلاق کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اسی لئے نکاح وطلاق دونوں کی کثرت ہے ۔ معدودے چند ہی مسلمان مرد وعورت ایسے ہیں جو نکاح کو حدودِ الٰہی یا اسلامی عہد سمجھ کر پوری زندگی اس کی حفاظت کرتے ہیں ۔ منکوحہ عورتیں شوہر کے ہوتے ہوئے تنہا یا دوستوں کے ساتھ زندگی گزارنے کو عار نہیں سمجھتیں ۔ حکومت اور بعض تنظیمیں بھی ایسی عورتوں کی پشت پناہی کرتی ہیں ۔ بعض عورتیں اپنے نکاح اول کے ہوتے ہوئے کئی کئی نکاح

کر لیتی ہیں اور آزادانہ زندگی گزارتی ہیں. سوال یہ ہے کہ اگر کوئی میاں جی کسی غیر مطلقہ عورت کا نکاح پڑھا دے. یا عدت کے پورے ایام گزرنے سے پہلے نکاح پڑھا دے اور منع کرنے پر میاں جی کا یہ جواب ہو کہ بھائی وہ زنا میں مبتلا ہو چکی تھی تو کیوں نہ نکاح پڑھا دیا جائے تاکہ نکاح کے بعد زنا سے بچ جائے. کیا اس میاں جی کو امام بنانا اس سے میلاد پڑھوانا، نکاح کا قاضی بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

محمد شریف، دین بوس

۲۸۷ الجواب ——— ھوالھادی الی الصواب

عورت و مرد کا بغیر نکاح شرعی کے ایک ساتھ رہنا (سامن ؤون SAMEN WONON) جیسا کہ ہالینڈ میں اس کی قانونی اجازت ہے ـــ وہ شریعت اسلامی کے نزدیک حرام حرام اشد حرام نہایت بد انجام ہے. مسلمانوں کو اس سے بچنا فرض ہے. منکوحہ عورتیں مسلمانوں پر حرام ہیں "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ" مسلمہ عورتوں کو بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں کہ نسلِ انسانی کی محافظت نہیں ہو سکے گی. یعنی ایک بوتل مشروب کو کئی گلاسوں میں رکھنے کے بعد بھی وہ ایک مشروب رہے گا. لیکن چند طرح کے بوتلوں کے مشروب کو ایک گلاس میں رکھنے کے بعد امتیاز ناممکن ہو جائے گا اور اب وہ کسی ایک بوتل کی طرف منسوب نہ ہو سکے گا اس طرح نسل انسانی محرومیت نسب کا شکار ہو جائے گی جس کو اسلام پسند نہیں کرتا۔

...... میاں جی مذکور فی السوال کی اسلام فروشی اور منع کرنے پر مجنونہ پردہ پوشی نہایت افسوس ناک ہے. اس نے زنا کارہ مذکورہ کو زنا سے بچایا نہیں بلکہ معاذ اللہ زنا کرنے اور زنا کروانے والی کو پکی سند دیدی. جب تک وہ دونوں ساتھ رہیں گے میاں جی مذکور ان دونوں کے زنا میں شریک رہیں گے. بلکہ دونوں کے زنا کا مشترکہ گناہ میاں جی کے سر چڑھتا رہے گا اور وہ دونوں بھی اس گناہ سے بچ نہیں سکیں گے اگر میاں جی نے غیر مطلقہ یا معتدہ کا نکاح ایام عدت کے اندر حلال و جائز سمجھ کر کر دیا تو حرام قطعی (لَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ)

کوحلال جاننے کی وجہ سے وہ دینِ اسلام سے خارج ہوکر کفر کی حدوں میں داخل ہوگیا
کفر سے توبہ کرنا اور کلمۂ اسلام پڑھکر اسلام میں داخل ہونا فرض ہے، اگر وہ بیوی رکھتا ہو تو تجدیدِ نکاح
بھی ضروری ہے۔ جب تک توبہ تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح نہ ہوجائیں اسکی امامت،
میلاد خوانی وغیرہ سب حرام ہے اس سے مسلمانوں کو قطع تعلق لازم ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ، ستمبر ۱۹۸۷ء
نوری دارالافتاء

حضانت (بچّوں کی پرورش)

مسئلہ ۹۹۰ :- محمد ایوب جہانگیر، آمسٹرڈم
۱۴۲۲۵-۷-۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے
کہ چھ سات ماہ قبل میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا۔ مطلقہ کے بطن سے میرے
دو بیٹے ہیں، ایک کی عمر نو سال اور دوسرے کی عمر ایک سال چھ ماہ ہے۔ اب وہ
اپنے بچوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے یہاں رہتی ہے۔ لیکن میری مطلقہ اور اس کے
باپ ماں مجھے اپنے بیٹوں سے ملنے نہیں دیتے حالانکہ میں اپنے بچوں کو دیکھنے کے
لئے بے چین ہوں۔ کیا بچوں پر صرف اس کی ماں اور نانا نانی کا حق ہے میرا کوئی
حق نہیں ہے؟ اگر ہے تو مجھے ازروئے شریعت بچے دلوانے کی کوشش کی جائے اور
یہ بتایا جائے کہ مجھے میرے بچے کب تک ملیں گے؟
سائل: محمد ایوب ولد عبدالکریم جہانگیر۔ برون سٹراٹ، آمسٹرڈم

الجواب ـــــــــــ بعون المجیب الوھاب ۹۲/۸۶

ازروئے شرع شریف مفتیٰ بہ قول کے مطابق سات سال کی عمر تک بچے اپنی
ماں کے زیرِ پرورش رکھے جائیں گے۔ بشرطیکہ بچہ کی ماں بچہ کے کسی اجنبی سے اس درمیان
نکاح نہ کرے جیسا درِّ مختار و ردّ المختار میں ہے۔ والأم احق بالغلام حتی یستغنی
عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی "بچہ کی عمر سات سال ہوجانے کے بعد اس کے

باپ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے بچہ کو اپنی تحویل میں لیکر اسکے نفقہ و سکنیٰ اور تعلیم و تربیت کا اسلامی طور پر مناسب نظم کرے۔ ردّالمحتار ہی میں فتح القدیر سے ہے یجبر الأبُ علی اخذ الولد بعد استغنائه عن الأمّ، بچہ کی عمر سات سال ہوجانے کے بعد اگر اس کا باپ اسکی ذمہ داری قبول نہ کرے تو حکومت (قاضی شرع) یا برادری کی پنچائت اسے مجبور کرے گی کہ اس بچّہ کو اسلامی طریق پر اپنے پاس رکھے۔

سات سال عمر ہوجانے کے بعد اگر بچّہ کی ماں یا نانا نانی یا کوئی بھی رشتہ دار اسے اس کے باپ سے نہیں ملنے دے یا اُسے اس کے باپ کے حوالہ کرنے سے انکار کرے تو یہ سراسر ظلم وزیادتی، لعنت الٰہی کا سبب اور خلافِ شرع اقدام ہے جس سے مدعیٔ اسلام کو بچنا لازم ہے۔

بچّہ خواہ سات سال کی عمر کا ہو یا کم وبیش کا، اس کے دیکھنے سے اس کے باپ ماں کو روکنا لعنت کا سبب اور شرعاً ظلم وحرام بہت ہی بدانجام ہے۔ لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام" مَنْ اٰذیٰ مُسْلِمًا فَقَدْ اٰذَانِی وَمَنْ اٰذَانِی فَقَدْ اٰذَی اللّٰه" (رواه الطبرانی فی الاوسط) وَقَالَ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وآله وسلم لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ" ماں باپ سے اُس کی اولاد میں جدائی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

ان وعیدوں کے پیش نظر مطلقہ مذکورہ اور اس کے والدین وبہی خواہان کو چاہئے کہ شریعتِ اسلامی کے مطابق ایوب مذکور کے جس بچّہ کی عمر سات سال ہوچکی ہے اسے ایوب کے حوالہ کرکے اپنے آپ کو خدائے ذوالجلال اور رسول کریم علیه الصّلوٰۃ والتسلیم کی ناراضگی ولعنت سے بچائیں اور جس بچہ کی عمر ابھی سات سال سے کم ہے اس کو دیکھنے اور اس سے ملنے جلنے کے لئے وقت اور ایام مقرر کردیں۔ ساتھ ہی ساتھ محمد ایوب مذکور کو یہ دینی نصیحت کی جاتی ہے کہ جب اُسے بڑا لڑکا جسکی عمر سات سال سے زیادہ ہوچکی ہے، مل جائے تو اس کی ماں اور قریبی رشتہ داروں کو اس سے ملنے جلنے یا اس کے دیکھنے پر پابندی عائد نہ کرے۔ بلکہ ہفتہ میں دو ایک بار ملنے جلنے کی اجازت دیکر اپنے آپ کو لعنت الٰہیہ سے بچائے۔ عن ابی موسیٰ الاشعری قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعنۃ اللہ من فرق بین الوالدۃ و ولدھا (ابن ماجہ)۔　واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتا مجلس علما نیدرلینڈ

۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

ڈبل سوشل لینا

مسئلہ ۹۹۱: مولانا عبدالغفار، سکریٹری مجلس علما، نیدرلینڈ ۲-۲-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص سوشل دلینسٹ کے پاس جاکر کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ نہیں ہوں اسلئے مجھے سوشل علیحدہ ملنا چاہئے، چنانچہ اس کا سوشل (وظیفۂ بے روزگاری) علیحدہ اسے ملنے لگتا ہے اور یہی بات عورت جاکر کہتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں ان دونوں کے نکاح پر کوئی شرعی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے اس کا وہ پیسہ لینا کیسا ہے؟　مجلس علما، نیدرلینڈ

الجواب ۹۲/۸۶ ـــــــ بعون العلیم الوھاب ـــــــ

کسی کورٹ، کچہری یا دفتر میں جاکر یہ کہدینا کہ "میں اپنی بیوی کے ساتھ نہیں رہتا ہوں، ہم دونوں الگ الگ رہتے ہیں،" حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے یعنی وہ دونوں زن وشو ساتھ رہتے ہیں اور زن وشو کے تعلقات بھی بحال ہیں، صرف زر وظیفہ کو المضاعف کرنے کے لئے اس قسم کی خلاف شرع حرکتوں کا ارتکاب عمداً کرتے ہیں۔ کچہری میں یا کسی دفتر میں غلط بیانی کی وجہ سے ان دونوں کے نکاح میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ وہ جملے طلاق کے کسی باب سے متعلق نہیں ہیں۔ اگرچہ دفتر والوں یا دیگر سامعین نے اس سے یہی سمجھا ہو کہ یہ دونوں میاں بیوی آپس میں اجنبی ہوچکے ہیں۔ ہاں وہ جھوٹ اور دھوکہ دہی کا مرتکب ضرور ہوا جس کی وجہ سے اس پر توبہ لازم ہے۔ اور دھوکہ دیکر ڈو وظیفہ الگ الگ حاصل کرنا ناجائز وحرام ہوا۔ لہٰذا وہ

مال عند الشرع مالِ خبیث ہے جس کو نہ اپنی ذات پر خرچ کر سکتے ہیں نہ کسی کارِ خیر میں بلکہ اس کو لوٹا دینا واجب ہے۔ دھوکہ خواہ مسلم کو دیا جائے یا غیر مسلم کو حرام ہے۔
مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا (الحدیث) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲/۲/۱۴۲۲ھ

مہر کی ادائیگی میں امتدادِ زمانہ کا اثر

مسئلہ ۹۹۲: نثار علی لبنو۔ آمسٹرڈم، ہالینڈ ۱۸-۱۱-۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بطریق شرع اسلامی ۱۹۳۷ء میں ایک سو پچیس ۱۲۵ گلڈر کے ہوا جو اُس وقت کا رائج الوقت سکہ تھا۔ لیکن یہ مہر معجل نہیں تھا اس لئے اسی وقت ادا نہیں کیا گیا بلکہ مہر مؤجل تھا اور اب زید ۱۹۸۵ء میں اس مہر کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے۔ دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ آج ایک سو پچیس گلڈر دیدینے سے مہر کی ادائیگی ہو جائے گی یا ۱۹۳۷ء میں اُن نوٹوں کی جو قانونی قیمت تھی (مثلاً ایک گلڈر پانچ سینٹ پر گرام سونا تھا اور اب وہی سونا نو گلڈر پچیس سینٹ پر گرام ہے) اُس قیمت کا لحاظ کرتے ہوئے مہر کی ادائیگی کی جائے گی

نثار علی۔ اسلامک کالج بریڈفورڈ وارد حال آمسٹرڈم

الجواب ۹۲/۴۸۶ ـــــ بعون العلام الوھاب ـــــ

نوٹوں کی حیثیت ثمنِ حقیقی و خلقی کی نہیں بلکہ زرِ اصطلاحی و مثلی کی ہے جیسا کہ امام اہلسنّت مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی علیہ رحمۃ الغنی نے اپنے فتاوی "العطایا النبویہ" میں فرمایا۔

سلعۃ باصلہ لانّہ قرطاس وثمن بالاصطلاح

نوٹ اصل میں ایک متاع ہے اسلئے کہ وہ ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے اور ثمن اصطلاحی ہے۔

اور فقہائے اسلام کے نزدیک اشیاء مثلی میں اگر کوئی کمی و نقص پیدا ہو جائے تو

اس کی تلافی ضروری ہے ...... پچاس سال کے زمانۂ مدیدہ اور حوادث متنوعہ نے نوٹوں کی قیمت یقیناً کم کردی جو زر مثلی کا نقصان وعیب ہے۔ ھدایہ میں ہے

کل ما اوجب نقصان الثمن تاجروں کی نگاہ میں جو صورتیں نقصان ثمن

فی عادۃ التجار فھو عیب کا باعث ہوں وہ عیب ہیں۔

اور عیب کا ازالہ عند الشرع مطلوب (لاضرر ولاضرار فی الاسلام) لہٰذا حقوق نسواں کی محافظت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کے وقت کرنسی کی جو قیمت تھی مثلاً ایک گلڈر پانچ سینٹ پر گرام سونا تھا اسی قیمت کا لحاظ کرتے ہوئے آج تقریباً ایک سو انیس[119] گرام سونا یا اس کی موجودہ قیمت مہر مذکور میں ادا کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم

۱۸-۱۱-۸۵ء

مہر میں کاغذی کرنسی کو چاندی سونا کی مقدار میں متعین کرنا

مسئلہ ۹۹۳: محمد عمران آمسٹرڈم
۱۲-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے وقت جو مہر سکہ رائج الوقت کاغذی کرنسی میں مقرر ہوتا ہے۔ اگر وہ مہر مؤجل ہو تو اس مہر کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے اسے چاندی یا سونا میں متعین کرلینا درست ہوگا یا نہیں؟ تاکہ ادائیگی کے وقت فریقین میں سے کسی کو اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔

عمران چندو آمسٹرڈم (جنوب مشرق) ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ بعون العلام الوہاب ــــــــ

کرنسی نوٹوں میں مہر کا تقرر جائز و درست ہے کہ وہ مال متقوم ہے کما فی فتاوی الرضویۃ لیکن کرنسی نوٹوں کی قدر وقیمت ملکی معاشی واقتصادی حالات کے بدلنے سے عموماً تغیر پذیر ہوتی رہتی ہے۔ اگر مدت گزر جانے یا حالات بدل جانے کے بعد کرنسی نوٹوں کی قدر وقیمت میں کمی آگئی تو اسی کرنسی نوٹوں میں مہر کی ادائیگی

کرنے پر حقوقِ نسواں کا استحصال ممکن ہے.... لہٰذا عورتوں کے حقوق کا صحیح تحفظ اس طریقۂ کار میں زیادہ ممکن ہے کہ عقدِ نکاح کے وقت مہر کی کرنسی نوٹوں کی قیمت کے مقابل سونا یا چاندی کے مقدار کا تعین کر لیا جائے۔ شرعاً اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی بلکہ حالات کے اعتبار سے مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد ۱۲ر نومبر ۱۹۸۵ء

ٹیوب کے ذریعہ اولاد کا حصول اور اس کا نسب

مسئلہ ۹۹۴: مولانا حافظ محمد صدیق نعیمی ڈی ہیگ ۲۱-۱۲-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ ذی احتشام اس مسئلہ میں کہ آجکل ڈاکٹروں نے انسانی افزائش نسل کے لئے ایک ٹیوب ایجاد کیا ہے جو ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کی مشترکہ کامیاب کوشش ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مرد اور عورت کے مادۂ منویہ کو حاصل کر کے ایک ٹیوب میں کچھ دنوں کے لئے رکھتے ہیں اور جب اس مشترک جوہر تولید میں حیات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں تو اس مشترکہ جوہر منویہ کو عورت کے رحم میں منتقل کر دیتے ہیں جہاں اسکی حسب معمول تدریجاً پرورش ہوتی ہے اور وقتِ مقرر پر اس کی پیدائش بھی ہوتی ہے...... اس ترکیبی عمل کی فی الحال تین چار کار آمد اور کامیاب شکلیں ہیں جس سے بے اختلاف مذہب و ملت لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔

کار آمد شکلوں کا اجمالی حال یہ ہے

نمبر۱ دو اجنبی عورت و مرد کا مادۂ تولید حاصل کر کے چند دنوں کے لئے ٹیسٹ ٹیوب میں رکھتے ہیں اور جب اس میں حیات کی رمق پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس مادۂ تولید کو تیسری اجنبیہ عورت کے رحم میں داخل کر دیتے ہیں جہاں اسکی قدرتی طور پر تدریجی پرورش ہوتی ہے۔

نمبر۲ دو اجنبی مرد و عورت کا مادۂ تولید لیکر ٹیسٹ کرنے کے بعد کہ اس مادہ میں

حیات کی رمق لینے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ اگر صلاحیت ہے تو اسے کسی منکوحہ عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے جہاں سے مطلوبہ پرورش ہونے کے بعد اسکی قدرتی طور پر پیدائش ہوتی ہے۔

نمبر۳ کسی اجنبی مرد کا مادۂ منویہ ٹیسٹ کے بعد منکوحہ عورت کے بیضۃ المنی کے ساتھ ملاکر (دونوں کے مادۂ منویہ کو بغیر کسی ٹیوب میں رکھے اور بغیر رمقِ حیات کے انتظار کے) منکوحہ عورت کے رحم میں رکھ دیا جاتا ہے جہاں سے قدرتی پرورش کے بعد وقتِ مقرر پر نومولود کی ولادت ہوتی ہے۔

نمبر۴ منکوحہ عورت ومرد کا بیضۃ المنی اور مادۂ منویہ حاصل کرکے ٹیوب میں رکھا جاتا ہے۔ اور کارآمد ہونے کی صورت میں اُسی مخلوط مادّہ کو منکوحہ عورت کے رحم میں رکھدیا جاتا ہے۔ جہاں سے آٹھ نو مہینے پرورش پانے کے بعد بچّہ کی ولادت ہوتی ہے۔

نمبر۵ منکوحہ عورت ومرد کا مادّہ تولید ٹیوب میں چند دنوں کے لئے ٹیسٹ کی غرض سے رکھا جاتا ہے اور جب اس میں حیات کی نمو ظاہر ہوجاتی ہے تو کسی تیسری عورت کے رحم میں اسے رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر آٹھ نو مہینے تک اس عورت کو مذکورہ عورت ومرد کی طرف سے طے شدہ اجرت دی جاتی ہے پھر بچّہ جَنْ دینے کے بعد وہ تیسری عورت اس بچّہ سے لاتعلق ہوجاتی ہے اور اس بچّہ کی کفالت مذکورہ عورت ومرد کے اوپر آجاتی ہے۔ اس طرح وہ بچہ اسی منکوحہ عورت ومرد کا مشہور ہوجاتا ہے۔ (اسی طرح کچھ اور بھی شکلیں ہیں)

سوال یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ (ٹیسٹ ٹیوب) کے ذریعہ اولاد کا حصول شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ صُوَرِ مذکورہ میں نومولود کا نسب کس سے متعلق ہوگا؟ نیز حرمتِ نکاح کی کیا صورتیں ہوں گی؟؟؟ بینوا وتوجروا

المستفتی:۔ محمد صدیق نعیمی

خطیب ومدرس اشاعت الاسلام، دی ہیگ ہالینڈ

۷۸۶
۹۲

الجواب ـــــــ بعون العلام الوھاب ـــــــ

مذکور فی السوال ٹیوب کے ذریعہ تولیدی علاج ومعالجہ میں کئی طرح کی قباحتیں اور شرم وحیا کے خلاف جرأتیں ہیں۔ جو نظافتِ شرع کے خلاف ہیں۔ مگر بحالتِ حاجت وضرورت شرع مطہر نے علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں اُمت کو رعایتیں دی ہیں۔ مثلاً دفع ضعف وغیرہ کی صورت میں حُقنہ (ہر وہ دوا جو مریض کے مقعد (پاخانہ کا مقام) سے پیٹ صاف کرنے کی غرض سے چڑھائی جائے) کی اجازت کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ یا کسی مہلک بیماری کا اندیشۂ قویہ ہو تو اس کی جانچ کے لئے عضو مخصوص کی بے ستری کی اجازت ہے۔ لہٰذا عند الضرورۃ بلکہ اگر حاجتِ داعیہ بھی ہو تو ٹیسٹ ٹیوب مذکور کے ذریعہ علاج کرانے اور اولاد حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے جبکہ اپنے ہی مادۂ تولید سے بچہ حاصل کیا جائے۔

یہ سوال کہ نومولود کا نسب کس سے متعلق ہوگا؟ خاصا تفصیل طلب ہے۔ جس کو مختصراً یوں سمیٹا جاسکتا ہے کہ پہلی شکل میں نومولود کا نسب اجنبیہ عورت و مرد میں سے کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ شرع شریف میں غیر حلال طریقہ سے جس کھیتی کو سیراب کیا گیا ہو اس پانی کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں ہے (کما جاء فی الحدیث الشریف)، اسی لئے زنا کے پانی سے نسب ثابت نہیں ہوتا ہے۔ ہاں پہلی ہی شکل میں تیسری عورت جسکے رحم میں نومولود کی پرورش ہوئی اور اسی تیسری عورت نے نومولود کو جنم دیا وہ نومولود کی شرعی ماں ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ "اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ" لیکن محرّماتِ نکاح میں چونکہ محرماتِ صہریہ کو بھی شرع نے شمار فرمایا ہے۔ اسلئے مذکورہ فی السوال اجنبیہ عورت و مرد اور اس کے نسب سے بھی محرّماتِ نکاح کا ثبوت ہوگا۔

دوسری شکل میں بھی اجنبی مرد وعورت کے مادۂ تولید کی وجہ سے نومولود کا نسب ثابت نہیں ہوگا کہ زنا کے پانی کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہاں جس منکوحہ عورت نے جنم دیا وہ نومولود کی ماں ہے اور اس کا شوہر نومولود کا باپ ہے۔ لقولہٖ علیہ الصلوٰۃ و

السلام "اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَر" اسی طرح اُس نومولود کا نسب منکوحہ مذکورہ جنم دینے والی عورت کے شوہر سے متعلق ہوگا۔ اور حرمتِ نکاح میں اجنبی مرد وعورت کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

تیسری شکل میں بھی اجنبی مرد سے اس نومولود کا نسب ثابت نہیں ہوگا کَمَا مَرَّ فِي الْحَدِيْثِ الشَّرِيْفِ آنِفًا (وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَر) البتہ وہ منکوحہ عورت جسکے بیضۃ المنی سے نومولود کا وجود ونمود مکمل ہوا اس کی شرعی ماں اور اس منکوحہ عورت کا شوہر اُس نومولود کا باپ ہے...... یہاں بھی حرمتِ نکاح میں اجنبی مرد مذکور اور اس کے نسب کا اعتبار ہوگا۔

چوتھی شکل میں نومولود کا نسب اسی منکوحہ عورت ومرد سے ثابت ہے کیونکہ وہ دونوں میاں بیوی اور اہلِ فراش ہیں جن سے نومولود کا وجود عمل میں آیا۔ البتہ صورتِ مذکورہ میں ایک غیر فطری عمل کا صدور ہوا جو ضرورت یا حاجت یا زینت (اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) کی وجہ سے دائرہ جواز میں ہے۔

پانچویں شکل میں جس حلال پانی سے نومولود کا وجود ہوا اور اس میں حیات کی نمود پائی گئی اسی پانی والوں سے اس کا نسب ثابت ہوگا..... اور جس عورت نے اس کو جنم دیا وہ بھی اس کی شرعی ماں قرار پائے گی۔ اُس کے بے تعلق ہو جانے سے اُس کے شرعی حقوق زائل نہیں ہوں گے۔

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ جس جس کا مادۂ تولید، بیضۃ المنی، اور رحم کا عمل نومولود کے وجود ونمود میں شامل ہے ان سب سے حرمتِ نکاح کا اعتبار کیا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۲۱ ردسمبر ۱۹۹۶ء قادری مسجد الینڈ

ہالینڈ اور اسلامی نکاح وطلاق

مسئلہ ۹۹۵:۔ (مولانا) محمد شبیر دل محمد۔ ہارلیم ۵-۱۲-۱۴۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ

میں نکاح وطلاق کا معاملہ گورنمنٹ نے اپنے ہاتھوں میں رکھا ہے عام لوگوں میں سے کوئی بھی کسی کا نکاح کر دینے یا توڑ دینے کا حق نہیں رکھتا۔ پھر بھی مسلمانوں نے اس حکومت میں رہنے کے باوجود نکاح وطلاق کا شرعی معاملہ ہالینڈ میں مقیم علماء دین یا ائمہ مساجد کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ لیکن مسلمان گورنمنٹ کے قانون کا بھی احترام کرتے ہیں مثلاً پہلے مسلمانوں کے اجتماع میں اسلامی طور پر نکاح پڑھایا جاتا ہے یعنی قاضی نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں دُلہن سے زبانی وتحریری یا صرف زبانی ایجاب کراتا ہے پھر دیگر مسلمانوں کے علاوہ ان دونوں مخصوص گواہوں کی موجودگی میں اسی مجلس کے اندر خطبۂ نکاح پڑھتا ہے۔ دولہا سے کلماتِ اسلامی (عموماً تین کلمے) پڑھواتا ہے پھر زبانی وتحریری یا صرف زبانی نکاح قبول کرواتا ہے اخیر میں دعا کرتا ہے اور صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے پھر اسی دن یا دو ایک دن کے بعد گورنمنٹ کے قانون کی رعایت کرتے ہوئے ان دونوں دولہا دلہن کا قانونی نکاح رجسٹرڈ ہوتا ہے جس کو (ٹور وُ ہوتا کہتے ہیں) اسی طرح جب طلاق کا معاملہ آتا ہے تو پہلے گورنمنٹ کے شعبۂ نکاح وطلاق کے ذریعہ رجسٹرڈ نکاح ختم کرایا جاتا ہے۔ پھر علماء کے ذریعہ طلاق یا فسخ نکاح کا حکم حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد منکوحہ مطلقہ سمجھی جاتی ہے۔ اور بعدِ عدت اس کا دوسرا نکاح ہوتا ہے۔ احوالِ مذکورہ کے پیش نظر چند سوالات کے جوابات درکار ہیں۔ امید کہ وضاحت کے ساتھ جوابات کی زحمت گوارہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

فقط: شبیر احمد دل محمد، ملوکس اسٹراٹ
آمسٹرڈم۔ امام وخطیب جمعیۃ المسلمین ہارلیم

۸۶/۹۲

الجواب ـــــــ بعون العلام الوھاب ـــــــ

"اسلامک پرسنل لا" میں مداخلت کئے بغیر انسانی زندگی کے تمدنی مسائل کو جو بھی گورنمنٹ اپنے تصرف واختیار میں رکھتی ہے اس کے احترام کی شرعاً ممانعت نہیں بلکہ اس باب میں اس کا احترام کرنا ہی چاہئے۔

اسلام نے صحت نکاح اور وقوع طلاق کے لئے کچھ شرائط وقانون مسلمانوں کو

عطا فرمایا ہے۔ اگر نکاح وطلاق میں انہیں ملحوظ رکھا گیا تو شرعاً صحتِ نکاح اور وقوعِ طلاق کا حکم نافذ ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً صحتِ نکاح کے لئے ایجاب وقبول اور حضورِ شاہدین کی شرطیں ہیں۔ ایجاب کا مطلب ہے نکاح کی پیش کش کرنا اور قبول کا مطلب ہے اس پیش کش کو قبول کرلینا۔

ایجاب وقبول، تحریری، تصوّراتی یا خیالی، محض بیکار و بے اعتبار ہے۔ دونوں کے لئے تلفظ یا غیر مبہم اشاروں کے ساتھ ایسا ہونا کہ شاہدین کو سمجھنے میں کوئی التباس نہ ہے ضروری ہے۔

پس یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بولنے کی طاقت ہونے کے باوجود صرف نکاح نامہ پر دستخط کردینا صحتِ نکاح کے لئے کافی نہیں، برخلاف طلاق کے کیونکہ وقوعِ طلاق کے لئے شاہدین کا ہونا شرط نہیں بلکہ صرف شوہر کا اقرارِ طلاق کافی ہے۔ اسی طرح شاہدین کے لئے اسلام کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مجلس نکاح کو مجلسِ نکاح سمجھ رہا ہو۔ اور ان دونوں کے ایجاب وقبول کے مفہوم کو بھی سمجھ رہا ہو۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر ہزاروں غیر مسلم کی مجلس میں ایجاب وقبول ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ شرطِ صحت مفقود ہے۔

یہاں کے قانونی نکاح وطلاق سے متعلق یہ چند اصول کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے

۱؎ دولہا دولہن نے "ٹورَنْ آفس" میں جاکر نکاح کے رجسٹر پر دستخط کردیا کہ ہم دونوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کردیا جائے۔ پھر گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کردہ نکاح پڑھانے والے نے نکاح پڑھادیا تو اسلامی شرع کے مطابق نکاح صحیح نہیں ہوا۔

۲؎ مسلم دولہا دولہن "ٹورَنْ آفس" میں گئے اور نکاح کے خواہاں ہوئے تو نکاح پڑھانے والے نے سیکڑوں عیسائی و یہودی کی موجودگی میں یا ہزاروں مشرکین کی نام نہاد شہادت میں نکاح پڑھادیا تو اسلامی طور پر نکاح صحیح منعقد نہیں ہوا۔

۳؎ مسلم دولہا دولہن نے "ٹورَنْ آفس" میں ایجاب وقبول کے الفاظ بھی ادا کئے جس کو مذکورہ سیکڑوں موجودین نے سنا پھر بھی شرع اسلامی کے نزدیک نکاح

صحیح نہیں ہوگا۔ بلکہ فقہ کی زبان میں یہ نکاح فاسد کہلائے گا اگرچہ آفس والے ان دونوں کے نام میرج سرٹیفکیٹ اور نکاح بک جاری کر دیں کہ جب تک شرعی طور پر وہ نکاح صحیح نہیں کریں گے ان دونوں کے درمیان قربت حرام رہے گی اور اس نطفۂ حرام سے جو اولاد ہوگی وہ اس کی وراثت سے محروم ہوگی۔ ایسی صورت میں ان دونوں میں سے ہر ایک کے سرپرستوں کو یہ شرعی حق پہنچتا ہے کہ اگر یہاں کوئی شرعی قاضی ہے تو ان سے فسخ کا مطالبہ کریں اور قاضی پر واجب ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق وعلیحدگی کرادے۔ اور اگر قاضیٔ شرع نہیں ہے تو ائمہ علماء بلد کی طرف رجوع کریں۔ نکاح فاسد میں جو تفریق وعلیحدگی ہوگی عدت کا شمار اسی وقت سے ہوگا۔ نکاح فاسد میں بھی مہر مثل واجب ہے۔ درمختار مع ردالمحتار میں ہے یجب مهر المثل في النكاح الفاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة ويثبت لكل واحد منهما فسخه .... يجب على القاضي التفريق بينهما (خروجا من المعصية) ويجب العدة بعد الوطى من وقت التفريق الخ

شرعی طور پر نکاحِ صحیح ہوجانے کے بعد قانونی طور پر نکاح رجسٹرڈ کرانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ زوجین کے مفاد میں ہے لہٰذا یہاں شرعی نکاح کے بعد ہی ٹورزو کرانا چاہئے۔ یہاں اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ شرعی نکاح کو ٹورزو پر مقدم رکھے تاکہ شرعی طور پر میاں بیوی کو آفس آنے جانے کی رخصت مل جائے۔ "ٹورزو آفس" میں اگر صحتِ نکاح کے شرائط پائے جائیں (جس کا ذکر اوپر ہوا) تو نکاح صحیح ہوجائے گا اگرچہ درمیان میں نکاح پڑھانے کے لئے عیسائی یا یہودی ہو۔ کیونکہ صحتِ نکاح کے لئے ایجاب وقبول اور حضورِ شاہدین شرط ہیں۔ ملقِّن کا مسلمان ہونا شرط نہیں وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے البتہ اگر ملقن مسلمان، متقی ودیندار ہو تو بہتر ہے کہ اس میں نکاح با برکت ہوتا ہے اور اس کی دعائیں زوجین کے لئے نافع ہوتی ہیں۔

نکاح کی گرہ مردوں کے ہاتھ میں ہے "بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" جب تک

وہ نہیں کھوئے گا دوسروں کے کھوئے کھل نہیں سکتا ہے۔ پھر وقوعِ طلاق کے لئے
گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ شوہر کا اقرارِ طلاق ہی کافی ہے اگرچہ جھوٹا اقرار
ہو۔ لہٰذا طلاق نامہ پر صرف دستخط کر دینے یا نشانِ انگوٹھا لگا دینے سے طلاق واقع ہو
جائے گی بشرطیکہ وہ طلاق نامہ کو طلاق نامہ جانتا ہو۔ ہاں بغیر اس کی مرضی کے وکیل
یا کسی کورٹ کے غیر مسلم جج کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ البتہ ناگفتہ بہ حالات اور انسداد
ظلم و جبر اور رفع ضرر وغیرہا صورتوں میں قاضئ شرع یا حاکمِ اسلام کو اختیار فسخ اور
تفریق بین الزوجین حاصل ہو جاتا ہے۔ اسلئے کورٹ تو ڑوانے کے بعد اگر قاضئ شرع یا
اعلم علماء بلد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو بہت اچھا ہے۔ کہ عدالتِ شرعی سے صحیح فیصلہ
کے صدور و نفاذ کا یقین ہے۔

سائل نے نمبر وار سوالات کو ترتیب نہیں دیا اس لئے نمبر وار جوابات نہیں دیئے
گئے سائل اگر تشنگی محسوس کرے تو دوبارہ استفتاء کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۵ رذی الحجہ ۱۴۱۸ھ

نابالغ یا اس کے وکیل کی طلاق

مسئلہ ۹۹۶ (مولانا) مشتاق مکرانی (اوسلو ڈین مارک)
۱۴-۱۲-۱۴۱۵ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب نابالغ کا نکاح اس
کے وکیل کے ذریعہ از روئے شرع صحیح و منعقد ہو جاتا ہے تو اسی وکیل کے ذریعہ طلاق
واقع کیوں نہیں ہوتی؟ یا نابالغ طلاق دینے کا اختیار کیوں نہیں رکھتا؟؟؟

(مولانا) مشتاق مکرانی اوسلو رومپر اسٹراٹ 7516X(173

۹۶/۸۶ الجواب ــــــــــ اَللّٰهُمَّ اِهْدِنِيْ اِلَى الصَّوَابِ

ائمہ اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صغیر و صغیرہ کا نکاح بذریعہ ولی اقرب صحیح و
منعقد ہے جیسا کہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح منـ

میں ہونا تواتر سے ثابت ہے اور نابالغ یا اسکے وکیل کی طلاق کا واقع نہ ہونا مجمع علیہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے "بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" نکاح کی گرہ کھولنے کا اختیار صرف شوہر کو ہے۔ ابن ماجہ شریف میں ارشادِ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اسطرح روایت ہے "اِنَّمَا الطَّلَاقُ لمن اخذ بالساق" یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو مجامعت کا حقدار ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے "فلا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل" نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اگرچہ وہ سمجھدار ہو۔ ان نصوص شرعیہ سے بالکل واضح ہوا کہ طلاق دینے کا اختیار صرف شوہر کو حاصل ہے جبکہ نہ وہ سویا ہو نہ پاگل ہو اور نہ ہی نابالغ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی ولی طلاق دے سکتا ہے اور عقلی و فطری وجہ یا اس کی حکمت یہ ہے کہ "نکاح نفع ہے اور طلاق ضرر اور چونکہ یہ شریعت رحمۃ للعالمین کی شریعت ہے لہٰذا رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ولی نفع کا ولی تو ہو سکتا ہے مگر ضرر کا نہیں اور خود بچہ بھی اس کا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نفع و ضرر نہیں پہچان سکتا۔ اگر یہ حکمتیں اس میں نہ ہوتیں تو طلاق کا اختیار جس طرح شوہروں کو دیا گیا ہے اس کی بیویوں کو بھی دیا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۶رذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

بلوغیت کی عمر

مسئلہ ۹۹۷: (۲۲-۲-۱۴۱۹ھ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ یا یورپ کے دیگر ممالک میں لڑکے لڑکیاں بہت کم عمری میں بالغ و بالغہ ہوجاتی ہیں کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ساڑھے سات آٹھ سال کی لڑکیوں کو حیض آنے لگتا ہے اور نو دس سال کے لڑکے نہ صرف ہمبستری کرنے لگتے ہیں بلکہ اسے احتلام بھی ہونے لگتا ہے اور جاگتے میں انزال بھی۔ سوال یہ ہے کہ نو ساڑھے نو سال کے لڑکے جس کو احتلام ہوتا ہے اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو شرعاً طلاق ہوگی یا

نہیں ؟ نیز اس عمر میں اس کی بیوی کے بچے ہوں تو وہ بچے ثابت النسب ہونگے یا نہیں ؟ المستفتی:۔ عبدالجلیل مقیم حال بارسلونہ اسپین پاک مسلم مسجد

۸۶/۹۲ الجواب اللھم اھدنی الی الصواب

لڑکا یا لڑکی کے بالغ ہونے کے لئے کوئی حتمی عمر مقرر نہیں ہے سوالنامہ میں جن لڑکیوں کے متعلق حیض کے آنے یا لڑکوں کے متعلق محتلم ہونے کو لکھا ہے وہ اپنی کم عمری کے باوجود عندالشرع بالغ ہیں اور علامات بلوغیت پائے جانے کے بعد اب وہ مرفوع القلم نہیں رہے ہاں اگر کسی ملک یا علاقہ میں پندرہ سالہ عمر ہونے سے پہلے یہ سب علامتیں نہ پائی جاتی ہوں تو پندرہ سال عمر ہوجانے پر بلوغیت کا حکم ہوجائے گا۔ درمختار مع الردالمحتار میں ہے (بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال) والاصل هو الانزال (الی ان قال) فان لم یوجد فیهما شئ فحتی یتم لكل منهما خمسة عشرة سنة به یفتی لقصر اعمار اهل زماننا۔ اھ

صورت مسئولہ میں اس لڑکے کی طلاق واقع ہوجائے گی جس کو انزال ہوتا ہے اگرچہ اس کی عمر نو سال ہی کی کیوں نہ ہو۔ فتاوی عالمگیری میں ہے ص۳۸/۲ " یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا " الخ اور وہ بچے سب بھی ثابت النسب مستحق میراث ہوں گے۔ لقولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم " الولد للفراش وللعاهر الحجر " واللہ تعالی اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۲۲ صفر ۱۴۱۹ھ

جامعہ مدینۃ الاسلام دارالافتاء

حالتِ حمل یا ایک مجلس میں تین طلاق

مسئلہ ۹۹۸ :۔ عبدالرفیق سوکھائی تیل ہیورخ
۶-۳-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ۳ ماہہ حاملہ بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین صریح طلاقیں دے دیں تو اس صورت میں طلاق رجعی

واقع ہوگی یا مغلّظ؟ یا زید اس مطلقہ کو نکاح ثانی کے بعد اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بعض علماء مغاربہ اور علماء انڈونیشین نے یہ جواب دیا ہے کہ حالتِ حمل میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا زید بغیر نکاح کے اپنی بیوی کو گھر میں رکھ سکتا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا کہ تین طلاق ایک مجلس میں دراصل ایک ہی طلاق ہے لہٰذا زید رجوع کرسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ دونوں ملکوں کے علماء کا جواب صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبدالرفیق۔ سوکھائی آمسٹرڈم

۹۰/۸۶ الجواب ـــــــ اللّٰھم اجعلنی المصیب المثاب

اہلِ عرب مسلسل اپنی بیویوں کو طلاقیں دیتے رہتے اور رجوع کرتے رہتے تھے جس سے عورتوں کی زندگی اجیرن بن چکی تھی۔ اسلام نے اہلِ عرب کے طریقۂ طلاق پر قدغن بٹھایا اور اس کی اصلاح کی۔ فرمایا "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" رجوع کرنے کا اختیار صرف دو طلاق (صریح) تک ہے۔ یعنی اب وہ بے راہ روی اور مطلق العنانی ختم ہوگئی جو ایامِ جاہلیت سے چلی آرہی تھی کہ وہ مرد جتنی طلاقیں چاہتا تھا اپنی بیوی کو دیتا تھا اور پھر رجوع کرلیا کرتا تھا۔ اب رجوع کا اختیار صرف ایک طلاقِ صریح یا دو طلاقِ صریح تک ہے "فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ" اور اگر کسی نے دو طلاق (خواہ ایک مجلس میں دی ہو یا دو مجلسوں میں) کے بعد ایک اور طلاق دے دی خواہ اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں تو اب شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں رہے گا ہاں اگر وہ رکھنا ہی چاہتا ہے تو حلالہ کے بعد نکاح کے ساتھ رکھ سکتا ہے ارشاد ہوا "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" یعنی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے بعد اگر مطلقۂ ثانیہ کو تیسری طلاق دیدی تو مطلقۂ ثلاثہ اس شوہر بے گوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک حلالہ کی شرعی صورت ثابت نہ ہوجائے اور حلالہ کی شرعی صورت یہ ہے کہ مدتِ طلاق گزر جانے کے بعد طلاق دینے والے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے حلال مرد سے نکاحِ صحیح کرے پھر اس کے پانی کا مزہ چکھے (ہم بستر ہو) پھر وہ دوسرا شوہر اپنے ایک اسلامی بھائی کی مدد کرنے

کے لئے اپنی اس بیوی کو طلاق دیدے یا قضاءً مر جائے تو مطلقہ یا بیوہ عدتِ طلاق یا عدتِ موت گزار کر پہلے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے.... ایک وہ دَورِ جہالت تھا کہ ایک ایک طلاق بار بار دیگر مرد بے در در رجوع کرتا تھا اور ان کے یہاں طلاقوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی اس طرح عورتیں ماہئ بے آب کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور تھیں۔ مذہب رحمت۔ اسلامی شریعت نے طلاقِ رجعی کی حد مقرر فرمائی۔ اور طلاقِ ثلاثہ مغلظہ دینے کی ایسی سزا مقرر فرمائی جو مردوں کی غیرت وحمیت کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔

لیکن آج کے سائنسی اُجالوں کا دور زمانۂ جاہلیت کو بہت پیچھے چھوڑ گیا کہ اب ایک ایک مجلس میں تین تین نہیں بلکہ درجنوں طلاق دینے کے بعد رجوع کے خواہاں ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ افسوس ان حضرات پر ہے جو جمہور علماء و فقہاء بلکہ اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا راستہ چھوڑ کر عوامی مطالبات کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں اور ایک مجلس کی درجنوں طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں یعنی اگر مجرم پر ایک مجلس میں حدِ زنا (سو کوڑے) یا حدِ قذف (اسی کوڑے) جاری ہوں تو اس کو ایک ہی کوڑا شمار کیا جاتا ہے ؎

گر ہمیں است مکتب وملّا ؞ کار طفلاں تمام خواہد شد

جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاقیں خواہ ایک مجلس میں دی جائیں یا تین مجلسوں میں تینوں واقع ہیں کما بینہٗ وفصلہ و اوضحہ امام البراھین مقدام العلماء الرّاسخین مجدّدُ الملة والدّین فی فتاواہ المبارکة من شاء فلیرجع الیھا۔ علاوہ ازیں رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ صہ ۲؍۸ المیزان للعلامۃ الشعرانی صہ ۲؍۱۲۶ میں اجماعی اور اتفاقی مسائل کے باب میں ہے "وکذٰلک جمع الطّلاق الثلاث یقع مع النّھی عن ذٰلک فھی تحریم عند بعضھم ونھی کراھة عند بعضھم" (ایک مجلس میں تین طلاقوں کو بعض اماموں نے حرام

اور بعض نے مکروہِ تحریمی فرمایا پھر بھی یہ اتفاقی واجماعی مسئلہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں)

آج کل لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ تین سے کم طلاق دینے پر طلاق ہوتی ہی نہیں۔ یہ شیطانی خیال ہے کیونکہ قرآن پاک تو طلاق کی حد دو بتاتا ہے اور دو طلاقوں تک شوہر کو عدت کے اندر لوٹا لینے کا اختیار دیتا ہے۔ لیکن اس حد کو فلانگ جانے والا قرآنی اصلاحات کا مخالف اور شیطانی توہمات کا موافق ہے اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے تین طلاق بیک وقت دینے والے کو مرتکب حرام یا مرتکبِ کراہتِ تحریمی قرار دیکر گنہ گار ٹھہرایا ہے۔ یعنی وہ گنہ گار بھی ہوا اور اس کی دی ہوئی تینوں طلاقیں بھی واقع ہوگئیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص حرام شئے یا حرام امر کا ارتکاب کرے اور اس حرام شئے کا یا امر کا اثر اس پر نہ ہو۔ مثلاً کوئی مضطر شخص ضرورت سے زیادہ خنزیر کا گوشت کھائے یا شراب پئے تو صرف یہی نہیں کہ وہ حرام کا مرتکب ہوکر گنہگار ہوا (جسکی سزا اسے بھگتنی پڑے گی) بلکہ اس کا پیٹ بھی بھرے گا اور پیاس بھی جاتی رہے گی۔ اسی طرح تین یا اس سے زیادہ طلاقیں دینے سے خلافِ شرع اقدام کی وجہ سے وہ حرام کار گنہ گار بھی ہوا اور اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع بھی ہوگئیں، چونکہ طلاقوں کی آخری حد تین تھی لہٰذا تین تو واقع ہوگئیں اور بقیہ طلاقیں (اگر دی ہوں) وہ سب شوہر بے گوہر کے سر لد گئیں۔ باقی رہی بیوی کا حاملہ ہونا تو عند الشرع حالتِ حمل میں بھی طلاق واقع ہوتی ہے اور جائز بھی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری صہ۳۳ میں ہے وَطلاق الحَامِل يجوز فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے وَيجوز طلاق الحُبلى الخ اور اشارۃ النص سے بھی اسکے وقوع و جواز کا علم ہوتاہے۔ سورۃ الطلاق آیت ۴ میں ہے " وَاُولَاتُ الاَحمَالِ اَجَلُهُنَّ اَن يَّضَعنَ حَملَهُنَّ (اور حاملہ عورتوں کی عدت بچہ جننے (وضعِ حمل) تک ہے۔ مفسرین کرام نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوالِ کریمہ کی روشنی میں اس عدت کو عدتِ طلاق اور عدتِ موت دونوں پر محمول کیا ہے

عدّتِ موت میں اختلافِ صحابہ (ابعد الاجلین یا مطلقاً وضع حمل) موجود ہیں جبکہ عدّت طلاق میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع صحابہ کے مطابق اسکی عدّت وضع حمل ہے اب اگر فلاں صاحب یہ کہتے ہیں کہ حالتِ حمل میں طلاق واقع نہیں ہوتی تو قرآنِ پاک نے اسکے لئے عدّت کیوں مقرر فرمائی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا اس پر اجماع کیوں ہے؟

صورتِ مسئولہ میں تین طلاق مغلّظ زید کی بیوی پر واقع ہوگئی اب نہ وہ رجوع کرسکتا ہے نہ ہی اس سے بدونِ حلالہ نکاح کرسکتا ہے وہ زید پر حرام ہوچکی ہے۔ جن لوگوں نے اسکے خلاف فتویٰ دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ جس مذہب کا پیروکار ہو اسی مذہب مہذب کی پیروی کرتا ہے۔

واللہ تعالےٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلےٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم
کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

مطلقہ ثلاثہ جبتک دوسرے شوہر سے ہمبستر نہ ہو پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں

مسئلہ ۹۹۹: سلیمان اشرف آمسٹرڈم نورتھ
۸-۳-۱۴۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو اسکے شوہر زید نے کئی سال پہلے طلاق دیدی تھی۔ ہندہ نے اپنی عدّت گزار کر دوسرا نکاح دوسرے مرد سے کرلیا۔ اب اس کا دوسرا شوہر انتقال کرچکا ہے ایسی صورت میں ہندہ عدّتِ وفات گزار کر اپنے پہلے شوہر زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟
محمد سلیمان اشرف، شمالی آمسٹرڈم ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــــ ھو المعین الی الصواب

سائل کبھی عمداً کبھی سہواً بعض ضروری باتوں کو حذف کرجاتا ہے جسکی وجہ سے جواب میں طوالت ہوجاتی ہے۔ سائل نے یہ نہیں لکھا کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاقِ رجعی دی تھی یا بائن؟ اور بائن میں بھی طلاقِ مغلّظ ثلاثہ تھی یا غیر ثلاثہ؟ اصولِ

افتاء کے مطابق ممکنہ شقوں کو قائم کرنا پھر ہر ایک کا جواب دینا خلافِ مصلحتِ شرعیہ ہے لیکن سوالِ مذکور میں التباسِ تزویر معلوم نہیں ہوتا اسلئے مختصر وضاحت کے ساتھ جواب حاضر ہے ـــــ اگر زید نے ایک یا دو طلاقِ صریح دی تھی یا طلاقِ کنایہ بہ نیتِ طلاق دی تھی اور ہندہ نے عدتِ طلاق گزار کر دوسرا نکاح کرلیا تو دوسرے شوہر نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو۔ پھر وہ مرگیا یا طلاق دیدی تو عدتِ موت یا عدتِ طلاق گزار کر وہ اپنے پہلے شوہر (زید) کے نکاح میں آسکتی ہے۔

اور اگر زید نے ہندہ کو تینوں طلاقیں دیدی ہوں چاہے ایک ہی مجلس میں دی ہو یا نکاح کی طویل مدت میں دی ہو اور اس طرح ہندہ مطلّقہ مغلّظہ یا مطلّقہ ثلاثہ بائنہ ہوچکی ہو۔ پھر اس نے عدت گزار کر دوسرا نکاح صحیح کسی سے کرلیا ہو اور وہ دوسرا شوہر انتقال کرگیا یا اسے طلاق دے چکا تو جب تک اس نے صحبت نہ کی ہو اور ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھا ہو ہندہ اپنے شوہر اوّل (زید) کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح ہندہ اگر درجنوں صحیح نکاح کرے اور بغیر مجامعت کے وہ سب شوہر اسے طلاق دیتا جائے پھر بھی زید مذکور کے نکاح میں وہ نہیں آسکتی۔ یعنی حلالہ کی صحت کی شرط دخول (مجامعت) ہے۔

قرآن پاک میں تو صاف ارشاد ہے۔ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ "۔ اور بخاری شریف میں ہے۔

ان رجلا طلقه امرأته ثلثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ (ص۷۹۱)	کہ ایک صحابی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی پھر اس بی بی نے جس سے نکاح کیا اس نے طلاق دیدی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ بی بی اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگئی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا نہیں یہانتک کہ دوسرا شوہر بھی اس سے ہمبستر ہو جیسے پہلا شوہر ہمبستر ہوا

رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ص۸۶ میں تو اس مسئلہ کو متفق علیہا لکھا کہ صحتِ

حلالہ کے لئے وطی و مجامعت شرط ہے بغیر اس کے نکاح بے معنیٰ ہے حلالہ کیلئے۔ فرماتے ہیں۔

اتفقوا علیٰ ان من طلق زوجتہ ثلثا لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ ویطأھا فی نکاح صحیح وان المراد بالنکاح ھنا الوطی شرط فی جواز حلھا للاول۔ (میزان شعرانی ص ۱۲۹ ج ۲)	ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہو وہ جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہے۔ اور دوسرا نکاح صحیح کے بعد اسے وطی کرے اور یہاں نکاح سے مراد وطی ہے جو صحتِ حلالہ کی شرط ہے۔

واللہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ
۸ ربیع الاول شریف ۱۴۱۸ھ

طلاق۔ اقرار کے وقت ہی سے واقع ہو جاتی ہے

مسئلہ ۱۔ ۱۸-۴-۱۴۱۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ میاں بیوی کے درمیان کشیدگی بڑھی، ہندہ اپنے میکہ چلی آئی اور شوہر کے یہاں جانے پر راضی نہیں ہوتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ شوہر ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا ہے اور باہر کسی لڑکی سے ناجائز تعلقات ہیں جب زید سے پوچھا گیا تو زید نے کہا ہاں ہندہ کے ساتھ ہمارا گزارہ نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ غیر مردوں سے تعلقات رکھتی ہے اسی لئے ایک سال قبل ہی میں نے اُسے طلاق دیدی تھی مگر وہ میرے گلے پڑی ہوئی تھی اچھا ہوا اپنے میکہ چلی گئی وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں ایک سال پہلے سے طلاق مانی جائے گی یا جس وقت پوچھا گیا اس وقت سے اگر ایک سال قبل سے طلاق مانی جائے تو ہندہ کی عدت پوری ہو گئی یا نہیں؟ اور اب اسے دوسرے نکاح کا اختیار ہے یا نہیں؟

سائل: فیصل شیر محمد خسرو نیگن۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ هو الموفق الى الصواب ـــــ

اگر بطریق شرعی گواہوں سے یا زید کے اعتراف سے یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی زید نے ایک سال پہلے طلاق دیدی تھی تو ایک سال پہلے ہی سے وقوع طلاق کا حکم ہو جائے گا اور اس درمیان میں اگر تین بار حیض آکر ختم ہو چکے ہیں تو عدت طلاق بھی متحقق ہوگئی۔ دریں صورت ہندہ کو دوسرے نکاح کی اجازت ہے۔ اور اگر گواہان عادل کے ذریعہ زید کا ایک سال پہلے طلاق دینا ثابت نہ ہو یا زید اس کا اعتراف نہ کرے تو زید کا دعویٰ عندالشرع ناقابل مسموع ہے۔ شریعت کے نزدیک ہندہ پر طلاق اسی وقت سے واقع ہوگی جس وقت زید نے اقرار کیا ہے۔ اور ایک سال پہلے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ کما فی الدر المختار لو اقر بطلاقها منذ زمان ماض فان الفتوىٰ انها من وقت الاقرار الخ اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔ وقال الرجل للقاضى كنت طلقتها منذ سنة وانقضت عدتها وجحدت الطلاق لا يقبل قوله اھ والله تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء

دارالافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

خون وجہ حرمت نہیں ہے

مسئلہ ۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی جوان مرد نے سخت ضرورت کے وقت ہندہ کے علاج کے لئے کئی بار اپنے جسم کا خون دیا جس سے ہندہ تندرست ہوگئی۔ اب ہندہ چاہتی ہے کہ اسی محسن مرد سے اپنا نکاح کرے۔ کیا شریعت کے نزدیک ان دونوں کا نکاح جائز ہوگا؟ الطاف علی۔ نیوتھین۔ ہالینڈ

۸۷/۹۲ الجواب ـــــــ بعون الملك الوهاب ـــــــ

اگر ان دونوں کے درمیان کوئی اور وجہ حرمت نہیں ہے تو صرف خون دینے کی

وجہ سے وہ آپس میں محارم نہیں ہوسکتے۔ ان دونوں کے درمیان نکاح جائز و درست ہے۔ قَالَ تَعَالیٰ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ (محرمات کے علاوہ سب عورتوں سے نکاح درست وحلال ہے) واللہ تعالیٰ اعلم

دودھ ایام رضاعت میں وجہ حرمت ہے

مسئلہ ۱۰۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ممانی کلثوم کا دودھ اس کی بیٹی عائشہ کے ساتھ ایک سال نو مہینے کی عمر میں پیا۔ اب زید یا زید کے دوسرے بھائیوں کا نکاح عائشہ مذکورہ کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

عمران عبداللہ۔ نورتھ آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــــ

زید مذکور اپنی ممانی کلثوم کا رضائی بیٹا ہوگیا اب اس کا نکاح کلثوم مذکورہ کی کسی بیٹی پوتی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ رضاعت کے اعتبار سے کلثوم کی بیٹی، پوتی کا بھائی یا چچا ہوا اور عندالشرع بہن اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے (کمافی آیات المحرمات) اور حدیث صحیح میں ارشاد ہوا

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ (ترمذی، ابواب الرضاع) بیشک اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے ان رشتوں کو حرام فرمادیا ہے جو نسب میں حرام ہیں۔

ہاں زید کے دوسرے بھائی جنہوں نے کلثوم مذکورہ کا دودھ نہیں پیا ہے اُس کا نکاح عائشہ مذکورہ سے ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۷ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

فلموں میں جو نکاح ہوتے ہیں وہ منعقد ہیں یا نہیں؟

مسئلہ ۱۰۰۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر ڈراموں اور فلموں

میں جو نکاح ہوتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ اس میں ایجاب و قبول بھی ہوتا ہے۔ مجلس بھی متحد ہوتی ہے اور درجنوں گواہ بھی ہوتے ہیں۔ فلم کی منکوحہ لڑکی کا اگر نکاح کسی دوسرے لڑکے سے ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کو لیکر ہم چند دوستوں میں شدید مخالفت ہوگئی ہے اسلئے التماس ہے کہ جلد سے جلد جواب دیکر ہمارے نزاعات کا فیصلہ کریں۔

عثمان حیدر سخاوت۔ اشاعت الاسلام فرینکفورٹ۔ جرمنی

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــ هوالهادی الی الصواب ــــــ

نکاح کے منعقد ہونے یا طلاق کے واقع ہونے کے لئے عزم و قصد شرط نہیں ہے۔ خواہ قصد و ارادہ کے ساتھ نکاح کرے خواہ ہزل و مذاح کے ساتھ، نکاح منعقد ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اُس مجلس میں دو عاقل و بالغ آزاد مسلمان مرد یا ایک مرد، دو عورتیں موجود ہوں۔

بلکہ اگر قاضیٔ نکاح نے ایسے الفاظ کے ساتھ نکاح منعقد کیا جس کا معنیٰ دولہا دولہن نہیں جانتے تھے جب بھی باختلاف علماء نکاح منعقد ہو جائے گا۔

التجنیس والمزید میں ہے۔

لو عقدا عقد النکاح بلفظ لا یفهمان کونه نکاحًا هل ینعقد اختلف المشائخ فیه قال بعضهم ینعقد لان النکاح لا یشترط فیه القصد اھ	اگر عورت و مرد نے ایسے الفاظ سے نکاح منعقد کرلیا جس سے ان دونوں کو نکاح منعقد ہونے کا پتہ نہ چل سکا، تو کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا؟ اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ نکاح میں قصد شرط نہیں ہے۔

جب انعقادِ نکاح میں قصد شرط نہیں تو ہزل (ہنسی مذاق) میں بھی نکاح صحیح ہو جائے گا۔ پس صورتِ مسئولہ میں فلم و ڈرامے میں کئے ہوئے نکاح شرعًا منعقد ہو جاتے ہیں۔

اور جب نکاح صحیح ہوگیا تو جب تک ان دونوں میں تفریق یا تطلیق واقع نہ ہوجائے وہ منکوحہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ❊ اور حرام ہیں مسلمانوں کے لئے شوہر والی عورتیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ مجلس علماء نیدرلینڈ۔ واسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۱۱ر جمادی الاول ۱۴۲۲ھ

زانیہ کی بیٹی زانی کے نکاح میں؟

مسئلہ ۴۰۱: کیا فرماتے ہیں علمائے ربانی اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ایک بازاری عورت (طوائف) سے زنا کیا۔ پھر طوائف نے سچی توبہ کرلی، نماز روزہ کی پابند ہوگئی، حج بھی کرلیا، اور ایک صالح مسلمان سے نکاح بھی کرلیا جس سے ایک لڑکی زبیدہ پیدا ہوئی اب وہ لڑکی بالغہ ہوچکی ہے اور زید مذکور بھی اپنی بدکرداریوں سے توبہ کرچکا ہے اور ایک دیندار مسلمان ہوگیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ زبیدہ مذکورہ کو اپنے نکاح میں لاکر ایک مثالی مسلمہ خاتون بنادے۔ اس کے متعلق شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟ کیا زبیدہ زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟

سمیع احمد رحمانی۔ راندیری نزیل پیرس۔ فرانس

الجواب ۹۲/۴۸۶ ـــــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــــ

مزنیہ کی لڑکی خواہ کسی کے نطفہ سے ہو زانی پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری ص۲ میں ہے۔

فمن زنیٰ بامرأة حرمت علیه امها وان علت و ابنتها وان سفلت اھ

جس نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو زانی پر اس عورت کی ساری مائیں (ماں، دادی، پردادی) اور ساری بیٹیاں (بیٹی پوتی وغیرہ) حرام ہوگئیں۔

اور مبسوط ص۲۰۴ میں ہے۔

وتثبت حرمة المصاهرة

امام اعظم کے نزدیک زنا اور بوس وکنار بشہوت

بالزنا والمس ۱ه سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔
پس صورتِ مسئولہ میں زید مذکور کا نکاح زبیدہ مذکورہ کے ساتھ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ القرآن اسلامک فونڈیشن ہ نیدرلینڈ۔ ۱۲ ارجمل ۱۴۲۴ھ

انڈیا میں مردم شماری اور ضبط تولید کا مسئلہ

مسئلہ ۵۰۱:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہفتۂ رواں میں مذہبی اعتبار سے انڈیا کی مردم شماری کا نتیجہ گورنمنٹ نے نکالا جس کی وجہ سے وہاں کے متعصب سیاسی گروہوں میں وادیلا کا سیلاب آگیا ہے کیونکہ مسلمانوں کی آبادی تناسب کے اعتبار سے تمام دھارمک گروہوں سے بڑھ رہی ہے اور اگر آبادی کے بڑھنے کا یہی تناسب رہا تو مستقبل قریب میں مسلمانوں کی آبادی سب سے زیادہ ہوجائے گی۔ اسلئے گورنمنٹ سیاسی گروہوں کے دباؤ میں آکر مسلمانوں پر فیملی پلاننگ کا قانون تھوپنا چاہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کثرتِ آبادی کے خوف سے یا اور کسی عذر سے مسلمانوں کو نسبندی یا بچہ دانی کا اخراج جائز و درست ہے یا نہیں؟ واضح جواب دیکر شکریہ کا موقع دیجئے۔

سائل:- محمد رقیب رحمت۔ بیلمر۔ آمسٹرڈم

الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

ضبط تولید کی جو وجہ سوالنامہ میں ہے یعنی کثرتِ آبادی جس کی وجہ سے قلت خوراک و پوشاک کا مسئلہ یا بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش و پرداخت کی پریشانی وغیرہ۔ ان وجوہات سے ضبط تولید کی راہیں ہموار نہیں کی جاسکتیں ورنہ اس کے جواز و اباحت کا راستہ نکالا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب و سنت کی منشاء کے خلاف ہوگا۔ ارشادی خداوندی ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۱۵۲
لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل

إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ — مت کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور
إِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ — انہیں بھی۔ اور افعال قبیحہ کے قریب مت جاؤ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ — جو ان سے ظاہر ہوں اور چھپی ہوئی ہوں۔

ضبط تولید کے طریقوں میں سے کسی طریقہ پر قتل کا اطلاق صحیح ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن اس کے ہر طریقے کا مقصود آبادی میں کمی کرنا ہے۔ اور آبادی میں کمی کرنا منشاء قدرت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس رزق کا خوف اور آمدنی کی کمی کی وجہ سے یہ سب پلاننگ ہے اس کا ذمہ تو کرم خداوندی نے لے لیا ہے۔

پھر ضبط تولید کی وجہ سے بے حیائی و بے شرمی بلکہ زنا کاری جس قدر عام ہو چکی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن کریم نے آج سے چودہ سو برس پہلے انہی فواحش کی طرف اشارہ فرما دیا تھا جن کا ظہور خلوت و جلوت میں آج ہو رہا ہے۔

سورۂ اسراء آیت ۳۲-۳۱ میں قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ — اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے
إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ — ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بیشک
إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا ﴿٣١﴾ — اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور بدکاری
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ — کے قریب بھی مت جاؤ بلاشبہ یہ بے حیائی ہے
فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ — اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے انسانی آبادی کو کنٹرول کرنے کا ذریعہ قتل تھا اور آج اس کے نئے نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں مگر مقصود وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے تھا۔ اور اسی مقصود کو قرآن پاک نے "خِطْأً كَبِيرًا" کہا خِطْأً اس غلطی کو کہا جاتا ہے جو جان بوجھ کر کی جائے۔ اور اگر کوئی لغزش انجانے میں واقع ہو تو اسی لفظ کو باب افعال (إِخْطَاء) سے استعمال کیا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں قال الازهري يقال خَطِئَ يَخْطَأُ خِطْأً اذا تعمّد الخطاء واخطاء اذا لم يتعمّد قرآن پاک نے نسل کشی کے تمام گورکھ دھندوں کو "خطأ كبيرا" کہا کیوں کہ یہ سب

عمداً کئے جارہے ہیں۔ اور اس کا جو مآل ہے وہ زنا و بے حیائی کی کثرت ہے اور حضور اقدس سید کائنات علیہ اجل الصلوٰت واکمل التحیات ارشاد فرماتے ہیں تَزَوَّجُوا الوَدُوْدَ الْمَوْلُوْدَ فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ (رواہ ابوداؤد و نسائی) کہ محبت کرنے والی بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے کثرت امت پر فخر کروں گا۔

یعنی قیامت کے دن مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہوگی کہ میری امت تمام امتوں سے زیادہ ہو اور انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ جب کثرت آبادی کو روکنا منشاءِ قدرت و رحمت کے خلاف ہے تو مسلمانوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ضبط تولید کے طریقوں کو اپناکر انسانی نسل کشی میں شریک ہو۔

اور جہاں تک بحالتِ عذر نسبندی وغیرہ کا سوال ہے تو عذر اگر عندالشرع قابلِ قبول ہے تو اس کا لحاظ کیا جائے گا اور حسبِ ضرورت ضبطِ تولید کی اجازت دی جائے گی مثلاً اگر بار بار ولادت کی وجہ سے ماں بہت کمزور ہوگئی یا بچوں کو دودھ نہیں پلاپاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں بچہ دانی کے منہ کو بند کردینے کی اجازت ہے

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے۔

یباح لھا ان تسد فم الرّحم لئلا تحبل۔ بیوی کے لئے جائز ہے رحم کا منہ بند کرادے تاکہ حمل قرار نہ پائے۔

اور علامۃ الفہامہ سید امین ابن عابدین نے اپنے فتاویٰ شامی میں فرماتے ہیں

ومن الاعذار ان ینقطع لبنھا بعد ظھور الحمل ولیس لابی الصبی مایستاجر بہ الظئر ویخاف ھلاکہ، عذر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت کا دودھ منقطع ہوجاتا ہے حمل ظاہر ہونے کے بعد اور بچہ کے باپ کی صلاحیت نہیں ہے کہ دودھ پلانے والی کو اجرت دیکر رکھے اور وہ بچہ کی ہلاکت سے ڈرتا ہے۔

اسی قبیل سے اور بھی اعذار ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا اگر عذر قابلِ قبول ہے تو ضبطِ تولید کے طریقوں میں سے کسی غیر مہلک طریقہ کو اپنانے کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں انڈیا کی موجودہ صورتِ حال میں سوائے اعذار شرعیہ کے ضبط تولید کی

اباحت کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔ کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ مجلس علماء نیدرلینڈ
یکم شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۴ء

کن کن صورتوں میں فسخ نکاح ہوسکتا ہے؟

مسئلہ ۱۰۶۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کے اندر مسلم معاشرہ کو دیکھتے ہوئے اس کی حفاظت واصلاح کے لئے علماء کے تعاون سے ایک تنظیم عمل میں لائی گئی ہے جس کے کئی شعبوں میں سے ایک شعبہ مسلم میاں بیوی کے آپسی نزاعات کا تصفیہ بذریعہ حَکَم یا تفسیخ وتفریق بھی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ وہ کون کون سی صورتیں ہیں جن میں قاضیٔ شریعت کو فسخ نکاح یا تفریق بین الزوجین کا اختیار حاصل ہے؟ امید کہ جواباً صواب سے مطلع فرماکر مسلم باشندگان یورپ خصوصاً اہالیانِ ہالینڈ پر احسان فرمائیں گے۔ انٹرنیشل ہالینڈ
سائلان۔ راقم گمان قادری خازن وعباس واجدی سکریٹری اسلامک فنڈیشن "القرآن"

الجواب ۹۲۷ ــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــ

تیس بتیس سال قبل ہندوستان کے صوبہ بہار میں ملک بھر کے علمائے اہلسنت سے استصواب رائے کے بعد ایک ممتاز ادارہ بنام "ادارۂ شرعیہ بہار" کی داغ بیل ڈالی گئی جس کا ایک اہم ترین شعبہ "دارالقضاء" ہے اور دارالقضاء میں مسلمانوں کے آپسی نزاعات خصوصاً نزاع بین الزوجین کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس شعبہ کا اہم کارنامہ مسلم ازدواجی زندگی کو اسلامی خطوط کے مطابق سنوارنا اور نزاع بین الزوجین کا تصفیہ ہے چنانچہ دارالقضاء کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ وہ کیا کیا صورتیں ہیں کہ اسلامی حدود میں رہکر زندگی گزارنے کے لئے بیوی بیوی کے درمیان تفریق یا فسخ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے
محسن اہلسنت رئیس القلم حضرت علامہ الحاج مفتی ارشد القادری صاحب دام ظلہ نے

اپنے جامعہ فیض العلوم جمشید پور کے لائق وفائق استاذ فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا عبیدالرحمٰن صاحب پورنوی زیدمجدہ کو ان فقہی جزئیات کو جمع کرنے کا حکم دیا جو مذاہب اربعہ میں سے کسی بھی مذہب کے نزدیک تفریق بین الزوجین یا تفسیخ نکاح کی جانب رہنمائی کرتے ہوں۔

مجموعی طور پر ایسے اُنیس یا چوبیس وجوہات سامنے آئے جن وجہوں سے نکاح توڑنے یا میاں بیوی میں شرعی طور پر علیحدہ کر دینے کا اختیار قاضیٔ شرع کو حاصل ہوتا ہے پھر ان وجوہات کو جزئیاتِ فقہیہ کے ساتھ مزین و مرتب کیا گیا اور اس وقت کے اکابر اہلسنت وجماعت کی خدماتِ عالیہ میں پیش کیا گیا جس کو مختصر حذف واضافہ کے ساتھ منظوری دے دی گئی۔ جن بزرگوں نے اپنے اپنے دستخطوں سے اسے مزین فرمایا ان میں اہم ترین شخصیتیں یہ ہیں۔

(۱) شہزادۂ اعلیحضرت مرجع العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ مصطفیٰ رضا نوری رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم ہند)
(۲) خلیفۂ اعلیحضرت برہان الملۃ حضرت علامہ الحاج شاہ برہان احمد صاحب ر (مفتی اعظم سی۔پی)
(۳) سید العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ سید آلِ مصطفیٰ صاحب مارہروی ر (صدر سُنی جمیعۃ العلماء)
(۴) رئیس التارکین حضرت علامہ الحاج شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب فاروقی ر (رئیس اعظم اڑیسہ)
(۵) حافظ ملت منبع الفیوض حضرت علامہ الحاج الحافظ شاہ محمد عبدالعزیز مرادآبادی ر (بانی الجامعۃ الاشرفیہ)
(۶) امام النحو شیخ العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی ر (امام النحو)
(۷) سلطان المناظرین حضرت علامہ الحاج شاہ محمد رفاقت حسین صاحب (امینِ شریعت اولیٰ مفتی اعظم کانپور)
(۸) استاذ العلماء حضرت علامہ شاہ مفتی عبدالرشید صاحب ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم ناگپور)
(۹) خاتم الاکابر حضرت علامہ الحاج شاہ مفتی ابوسہیل انیس عالم صاحب ر (امینِ شریعت دوئم)
(۱۰) حکیم الملت استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا نظام الدین صاحب بلیاوی ثم الہ آبادی

اصل تحریر ادارۂ شرعیہ کے مرکزی دفتر واقع سلطان گنج پٹنہ میں محفوظ ہے۔ میں نے اس کی بار بار زیارت کی ہے اور اپنی یادداشت کے مطابق میں ان وجوہاتِ تفریق و تفسیخ کو یہاں نقل کئے دیتا ہوں تاکہ سیکڑوں کتب فقہیہ کی ورق گردانی نہ کرنا

پڑے اور مقصود حاصل ہو جائے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

① باپ دادا کی پیشگی رضا کے بغیر غیر کفوء میں نکاح ② حالتِ بالغیت میں غیر اب وجد کی وکالت میں نکاح کر دینا (خیار بلوغ) ③ مہر میں غیر معمولی کمی ہونا۔ ④ شوہر کا لاپرواہ ہونا یعنی بیوی کے واجبی حقوق کو ادا نہ کرنا ⑤ شوہر کا مقطوع الذکر یا قصر الذکر ہونا کہ وہ وطی پر قادر نہ ہو ⑥ شوہر کا کسی موذی مرض مثلاً برص وجذام کینسر وغیرہ میں مبتلا ہو جانا بشرطیکہ یہ امراض نکاح کے بعد لاحق ہوئے ہوں اور اگر پہلے سے ہو تو بیوی کو قبل نکاح اس سے بے خبر رکھا گیا ہو ⑦ شوہر کا مجنون ہونا جبکہ اسے علاج کی مہلت دی گئی ہو پھر بھی وہ اچھا نہیں ہوا، اور اس کے جنون سے بیوی کے جسم وجان کو خطرہ ہو ⑧ شوہر کا مفقود الخبر ہونا یعنی اس کی حیات وموت کی کوئی اطلاع نہ ہو ⑨ شوہر کا غائب ہونا یعنی زندگی کا علم ہے مگر پتہ کی تحقیق نہیں ہے ⑩ استطاعت کے باوجود بیوی کو نفقہ سے محروم رکھنا جبکہ بیوی کسی اور طریقہ سے نفقہ حاصل نہیں کر پاتی ہو نہ کوئی دوسرا شخص اس کے نفقہ کا کفیل ہو ⑪ شوہر کا بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز ہونا اور عجز نفقہ کی وجہ سے بیوی کا فتنہ میں مبتلا ہو جانا مظنون ہو۔ ⑫ شوہر کی طرف سے بیوی کی تحقیر واذیت یا سخت مار پیٹ۔ ⑬ آپس میں شدید نفرت وشقاق کا پایا جانا اس میں اولاً تحکیم بعدہٗ تفریق۔ ⑭ عورت کو دھوکہ دیکر اس سے نکاح کرنا مثلاً اپنے خاندان، عقیدہ اور مالی حالت وغیرہ کے بارے میں عورت کو اندھیرے میں رکھنا ⑮ تفریق بسبب حرمتِ مصاہرت ⑯ فسادِ نکاح کی وجہ سے تفریق ⑰ ایلاء کی وجہ سے فرقت زوجین ⑱ ارتدادِ زوج کی وجہ سے تفریق (آخر الذکر ۱۸،۱۷ نمبرات کے قضاء قاضی شرط نہیں ہے۔ ⑲ بغیر کسی عذر کے مسلسل ترک مجامعت ⑳ بیوی کو کالمعلقہ بنائے رکھنا وغیرہم (اور وجوہاتِ فسخ ابھی مستحضر نہیں ہیں)

ادارۂ شرعیہ بہار انڈیا کے دار القضاء نے جب وجوہاتِ مذکورہ بالا کی وجہ سے تفریق وتفسیخ کا فیصلہ دینا شروع کیا تو ہندوستان کے طول وعرض سے مرافعات کا

آنا شروع ہوا۔ بلکہ دستخط کنندگان اکابر مذکورہ نے اپنے اپنے دارالافتاؤں سے ایسے مرافعات کو دارالقضا، ادارۂ شرعیہ میں بھجوایا جس کا تعلق فسخ نکاح اور تفریق سے تھا۔

مسلم باشندگانِ یورپ خصوصاً مسلمانانِ ہالینڈ کے لئے یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ یہاں ایسی تنظیمیں رجسٹرڈ ہو رہی ہیں جن میں دارالقضا، دارالافتا، اور دارالتبلیغ وغیرہا کی ضروری شاخیں موجود ہیں۔ یورپ کے ہر ملک میں ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے اور ہر تنظیم کے زیرِ انتظام مختلف شہروں میں دارالقضاؤں کے قیام کی بھی ضرورت ہے۔

اگر وجوہاتِ تفریق و تفسیخ نکاح سے متعلق جزئیات فقہیہ اور دلائلِ شرعیہ کی آپ لوگ ضرورت محسوس کریں تو براہِ راست دارالقضا، ادارہ شرعیہ بہار سلطان گنج پٹنہ انڈیا سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتا، جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

یوم الخمیس، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ
۱۷ر جولائی ۲۰۰۰ء

بعض حاملہ کا نکاح حالت حمل میں نہیں ہوسکتا

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کا ایک فوجی لڑائی کی حالت میں پاکستانی فوجیوں کے ہاتھ آگیا جہاں وہ کسی گمنام جگہ پر قید کردیا گیا۔ ادھر ہندوستان نے اس فوجی (زید) کے مرنے کی اطلاع اس کے گھر والوں کو دیدی۔ اس کی بیوی (ہندہ) جوان تھی کوئی بچہ بھی نہیں ہوا تھا لہٰذا عدتِ موت گزارنے کے بعد اس نے دوسرا نکاح بکر سے کرلیا۔ دونوں میاں بیوی ازدواجی زندگی گزارنے لگے۔ ایک سال کے بعد جب ہند و پاک کے درمیان حالات نارمل ہوئے اور قیدیوں کا تبادلہ ہوا تو زید مذکور بھی آزاد ہوکر اپنے وطن لوٹا۔ اور بیوی کے نکاح ثانی کرلینے پر اظہارِ افسوس کیا۔ جب بکر کو اس بات کی اطلاع ملی تو بکر کو بھی افسوس ہوا مگر بکر نے اپنے اسلامی بھائی زید کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ہندہ کی مرضی سے ہندہ کو طلاق دیدی تاکہ وہ طلاق کی عدت گزار کر زید سے دوبارہ نکاح کرلے مگر ہندہ حاملہ

ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ہندہ اس سے قربت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ ہندہ کے بچہ کا نسب شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟۔ سائل:۔ اشفاق احمد اسماعیل محسن ایجھو۔ بنگلور۔ کرناٹک

الجواب ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

جب فوجی شوہر کے مرنے کی توثیق گورنمنٹ کے فوجی محکمہ سے ہوگئی اور اس کی تصدیق مسلم دارالقضاء نے بھی کردی تو عدّتِ موت گزار کر اس کی بیوی کا دوسرا نکاح کرلینا جائز و حلال ہوا۔ اور اس کے حمل والے بچہ کا نسب نکاح صحیح کی وجہ سے صحیح ثابت ہوگیا۔ بکر طلاق دینے کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہوا بلکہ مستحق ثواب ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کی مدد کی۔ حالتِ حمل میں ہندہ کا نکاح زید یا اور کسی سے نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ اس کی عدّت طلاق وضعِ حمل ہے۔ قال فی العالمگیریہ " وحبلیٰ ثابت النسب لایجوز نکاحها اجماعًا" اھ اور جب زید وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح نہیں کرسکتا ہے تو قربت (جماع) کا کیا سوال ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۲ر شعبان ۱۴۲۵ھ ۸ر اکتوبر ۲۰۰۴ء

مطلّقہ ثلاثہ مُرتدّہ کا نکاح

مسئلہ ۱۰۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے جو پہلے کرسچن تھی، مسلمان کرکے نکاح کیا ـــــ جس سے ایک لڑکا ہوا ـــــ زید نے کسی پریشانی کے باعث ہندہ کو تین طلاق دے کر فارغ کردیا۔ اور الگ دوسرا نکاح کرکے رہنے لگا۔ ہندہ اس پریشانی سے مغلوب ہوکر اسلام سے منحرف اور پھر سے کرسچن ہوگئی۔ ادھر زید اپنی دوسری بیوی سے اولاد کے بارے میں مایوس ہے۔ زید چاہتا ہے کہ ہندہ پھر سے اس کے نکاح میں آجائے اور اسلام کے دائرہ میں داخل ہوکر اس سے نکاح کے لئے راضی ہوجائے تاکہ زید کو اس کا بیٹا اور بیٹے کی ماں پھر سے

مل جائیں۔ واضح رہے کہ ہندہ نے زید سے علاحدگی اختیار کرنے کے بعد کسی سے شادی نہیں کی بلکہ صرف زید کے بیٹے کی پرورش کے خیال سے تنہا پڑی رہی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کو ہندہ سے نکاح کرنے کے لئے اسلامی قوانین کی روشنی میں کیا کرنا ہوگا۔ بینوا توجروا۔ السائل: محمد محی الدین حسنین

۹۲/۸۶ الجواب ـــــ ھو الہادی الی الصواب ـــــ

ہندہ غالباً پہلے ہی "مشرکہ کرسچن تھی کہ اسلام لانے کے بعد بھی ثباتِ قدمی کی دولت سے محروم رہی اور طلاق کے بعد ہی مرتدہ ہوگئی، حالتِ اسلام میں جس قدر اسے خیرات ومبرات کی توفیق ملی وہ سب اکارت وبرباد ہوگئی، پھر اپنے آپ کو اس نے اس قعرِ مذلت میں گرادیا جہاں سے توبۂ خالص کے سوا دنیا کی کوئی رسّی اسے نکال نہیں سکتی۔ کہ موجودہ صورت حال میں اس کا عقد نکاح کسی مسلم غیر مسلم، انسان غیر انسان سے ہو ہی نہیں سکتا ہے...... لیکن ابھی بھی اس کے لئے توبہ واستغفار اور اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ فتاویٰ خیریہ باب المرتدین میں ہے کافر تاب فتوبته مقبولة فی الدنیا والآخرة الا جماعة الکافر بسب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وسائر الانبیاء (ہر کافر کی توبہ دنیا اور آخرت میں مقبول ہے لیکن وہ جو انبیاء علیہم السلام کی توہین (گالی دینے) کی وجہ سے کافر ومرتد ہوا اسکی توبہ قبول نہیں) ہندۂ مذکورہ اگر اپنے ارتداد سے توبۂ خالص کرلے اور استقامت علے الدین کا عملی مظاہرہ کرے تو بیشک کسی بھی مسلمان سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے۔

ہندۂ مذکورہ چونکہ زید مذکور کی مطلقہ ثلاثہ ہے اس لئے اسلام لانے کے بعد بھی بغیر حلالۂ صحیحہ کے وہ دوبارہ زید کے نکاح میں آنے کے قابل نہیں ہے کہ وہ بدون حلالہ بنص قرآن زید پر حرام ہے " فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ " طلاقِ ثلاثہ کے بعد مطلقہ کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لئے حلالہ مطلقاً فرض ہے۔ والاطلاق یجری علے العموم۔ واللہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری۔ خادم الافتاء القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۸/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ - ۲۵/اگست ۲۰۰۴ء چہارشنبہ

تحریری طلاق اکراہ کی صورت میں

مسئلہ ۱۰۰۹:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحضرات مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میاں بیوی میں کسی بات پر شدید اختلاف ہوا۔ بیوی نے شوہر سے طلاق مانگا شوہر طلاق پر رضامند نہیں ہوا۔ پھر بیوی کے خاندان والوں میں سے کسی نے طلاق کا پورا کاغذ تیار کر کے شخص مذکور کو بلایا اور مجبور کیا کہ اس کاغذ پر دستخط کرو۔ پھر بھی وہ طلاق نامہ پر دستخط کرنے کے لئے راضی نہیں ہوا تو اُسے مارنے کے لئے ٹیبل اٹھایا۔ اس وقت شخص مذکور نے طلاق کے کاغذ پر تین جگہ دستخط کر دیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے طلاق ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ کاغذ کے اوپر تین طلاق دینے کا پورا مضمون درج تھا۔

بینوا وتوجروا السائل:- محمد زعیم القادری ۔ ۲۷ رجب ۱۴۲۵ھ

۹۲/۸۶ الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

طلاق کے کاغذ پر دستخط کے لئے شوہر کو مجبور کرنا، اور بیوی کو طلاق دینے کے طلاق کے تلفظ پر مجبور کرنا دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ اگر تلفظ پر مجبور کیا گیا ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کما فی تنویر الابصار۔

ویقع طلاق کل زوج بالغ — ہر عاقل بالغ شوہر کی طلاق (تلفظاً) واقع ہو جاتی ہے
ولو مکرھا او مخطیا الخ ص۲/۲۱ — اگرچہ وہ مجبور کیا گیا ہو یا غلطی سے بیوی کو لفظ طلاق کہہ دیا ہو۔

اور اگر شوہر کو طلاق کے کاغذ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا ہو اور بغیر تلفظ کے (زبان سے کہے بغیر) اس نے طلاق کے کاغذ پر تین بار یا تیس بار دستخط کر دیا ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور صورتِ مسئولہ میں چونکہ دوسری شق ظاہر ہے اسلئے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ جیسا کہ ردالمحتار (فتاویٰ شامی) میں بحر سے منقول ہے۔

ان المراد الاکراہ علی تلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق — کہ جبر سے مراد لفظ طلاق کہنے پر جبر کیا جاتا ہے اور اگر شوہر کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق لکھے۔ تو اس نے مجبور ہو کر لکھ دی ایسی

لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة ھنا۔ (ردالمحتار ص۴۲۱ ج۲)

صورت میں طلاق نہیں ہوگی۔کیونکہ کتابت کو تلفظ کے قائم مقام صرف حاجت کی بناپر کیاگیا ہے اور یہاں شوہر کو حاجت ہی نہیں ہے۔

واللہ تبارک تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ یکم شعبان ۱۴۲۵ھ ۱۶ستمبر ۲۰۰۴ء

صحتِ حلالہ کی شرط

مسئلہ ۱۰۱:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مطلقہ ثلاثہ کا نکاح ایسے مرد سے ہوا جس کی نسبندی ہوچکی ہے۔ مگر وہ وطی پر قادر ہے اگر وہ شخص نکاح و وطی کے بعد منکوحہ کو طلاق دیدے تو کیا وہ عورت بعد عدت شوہر اول کے لئے حلال ہوجائے گی؟ عبدالسبحان۔ دی ہیگ۔ ہالینڈ

الجواب ۹۲/۸۶ ھوالھادی الی الصواب

صحتِ حلالہ کے لئے نکاح صحیح اور دخول شرط ہے جب شخص مذکور سے مطلقہ ثلاثہ کا نکاح شرعاً صحیح و درست ہے اور وہ شخص بعد نکاح اس سے وطی کرچکا ہو (خواہ انزال ہوا یا نہ ہو) تو وہ عورت انقضائے عدت کے بعد اپنے شوہر اول کے لئے حلال ہوجائے گی۔ قال شیخ الاسلام برھان الدین ابوالحسن علی الفرغانی فی الھدایة کتاب الطلاق ص۴۰۰۔

والشرط الایلاج دون الانزال :۔ صحتِ حلالہ کی شرط دخول ہے انزال نہیں ہے

وقال تعالیٰ اورارشاد خداوندی ہے

حتی تنکح زوجا غیرہ (مطلقہ ثلاثہ شوہر اول کیلئے اس وقت حلال ہوگی، جبکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح (وطی) کرلے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۳ رشعبان المعظم ۱۴۲۵ھ ۱۸ ستمبر ۲۰۰۴ء

تین طلاقوں کے بعد بھی حلالہ کی ضرورت نہیں

مسئلہ ۱۰۱۱: شریعتِ اسلامیہ کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ عبدالعزیز نے سلمیٰ سے نکاح کیا جس کو چھ مہینے گزر چکے ہیں۔ مگر اب تک ناکح منکوحہ میں تنہائی کے اندر ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ کسی معاملہ کو لیکر عبدالعزیز اور سلمیٰ کے بھائی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ تو عبدالعزیز نے تین بار کہدیا کہ "تمہاری بہن سلمیٰ کو طلاق ہے۔ ہاں میں نے اس کو طلاق دے دیا۔ تم گواہ رہو کہ میں نے اُسے طلاق دیدی" دریں مسئلہ اگر عبدالعزیز مذکور سلمیٰ مذکورہ سے پھر نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے نکاح کی کیا صورت ہوگی یعنی حلالہ کے بعد یا حلالہ سے پہلے؟

سائل: عبدالمبین قاسم بدلو۔ آلمیرہ استاد۔ ہالینڈ

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــ **ھو الھادی الی الصّواب** ـــــــ

جب دونوں کے درمیان خلوتِ صحیحہ متحقق نہیں ہے تو سلمیٰ پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہوگئی کیونکہ غیر مدخولہ پر طلاق رجعی واقع نہیں ہوتی اگر اسے ایک طلاق رجعی بھی دی جائے تو اس پر طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اور جب سلمیٰ مذکورہ پر طلاق بائن ہوگئی تو اب وہ محلِ طلاق نہ رہی۔ اسلئے عبدالعزیز کی دی ہوئی دوسری تیسری طلاق عند الشرع لغو ہے۔

اور جب سلمیٰ پر طلاق ثلاثہ واقع ہی نہیں ہوئی تو حلالہ کی ضرورت ہی نہیں ہے عدت کے اندر یا انقضائے عدت کے بعد عبدالعزیز اس سے نکاح کرسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۳ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ۔ ۱۸ر ستمبر ۲۰۰۴ء

کتاب البیوع
(خرید و فروخت کا بیان)

رجسٹریشن کی خرید و فروخت

مسئلہ ۱۰۱۲ :- محمد شریف عبدل
۱۵-۲-۱۹۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک ایسی دوا بنائی جو نادر و بے مثال ہے پھر اس دوا کو رجسٹر کرالیا اور اب وہ دوا مقبولِ عام و خاص ہوگئی ہے لہٰذا دوا کی دوسری کمپنیاں گراں قدر رقم دیکر اس دوا کے رجسٹریشن کو خریدنا چاہتی ہیں۔ کیا شریعتِ اسلامیہ کی رو سے دوا کا وہ رجسٹریشن مال کا حکم رکھتا ہے اور کیا اسکے خرید و فروخت کی از روئے شرع اجازت ہے؟

حاجی محمد شریف عبدل۔ اینڈہوفن (فلیپس سیٹی)، ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

رجسٹریشن ہو جانے کے بعد اس دوا کا منافع اس کے موجد کے لئے محفوظ ہو گیا۔ اور منافع کی خرید و فروخت شرعاً جائز و مباح ہے (تفصیل کے لئے شیئر بازار کے مسائل کا مطالعہ کیجئے) اگرچہ منافع عینِ مال تو نہیں لیکن مال سے ضرور متعلق ہے کیونکہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے تو حکماً مال ہے۔ جس طرح مال کی بیع و شرا جائز ہے منافع کی بھی خرید و فروخت جائز ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

سواء کان المال عینا او منفعۃ عند العلماء کافۃ

کوئی شئی خواہ عین مال ہو یا اس کا منافع ہو تمام علما کے نزدیک دونوں کا حکم برابر ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب کسی چیز کا رجسٹریشن کرانا مباح اور قابلِ انتفاع ہو تو وہ

شرعاً مال کے حکم میں ہے۔ اسے بیچ کر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور خریدنے والے اسے خرید بھی سکتے ہیں۔ کمافی مجمع الانہر ''والشئی انما یصیر مالاً لکونہ منتفعاً بہ''

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۱۵-۲-۱۹۹۹ء

حق تصنیف کی بیع وشراء

مسئلہ ۱۰۱۳: مولانا عمران، اینڈہوفن ۲-۱-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ اسلامیہ ومفتیانِ دینیہ اس مسئلہ میں کہ جس طرح دوا وغیرہ کے رجسٹریشن کو بیچنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے کیا اسی طرح دینی یا غیردینی کتابوں، مضمونوں اور نظم ونثر مقالات کے حق تصنیف (وتخلیق) کو بیچنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا بھی جائز ہے؟

عمران نورانی۔ اینڈہوفن (فلیپس سیٹی)، ہالینڈ

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــ

جی ہاں حقِ تصنیف واشاعت کو اپنے لئے محفوظ کرلینا بھی مباح اور قابلِ انتفاع ہے۔ جو حکماً مال ہے۔ اور جب حکماً مال ٹھہرا'' والشئی انما یصیر مالاً لکونہ منتفعاً بہ (مجمع الانہر) تو اسے بیچنا خریدنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے خواہ وہ کتب، مضامین اور اشعار وغیرہا دینیات پر مشتمل ہوں یا دنیاوی مصالح وفوائد پر۔ ہاں ایسے مضامین واشعار جو فواحش ولغویات سے بھرپور ہوں۔ اور انسانی کردار سازی سے دور ہوں نہ ان کا حق تصنیف و اشاعت محفوظ کرانا مباح اور نہ ہی اسے بیچنا خریدنا جائز ہے کہ وہ قابل انتفاع نہیں ہیں بلکہ مخرب اخلاق والسانیت ہیں جس کی تصنیف وتالیف اور اشاعت درخود گناہ بلکہ گناہانِ کثیرہ ہے۔

نوٹ: کسی تصنیف وتالیف یا ایجاد کو تخلیق سے تعبیر کرنا مناسب نہیں ہے۔

واللہ سبحانہٗ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم دارالافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۲۰ جنوری ۱۹۸۶ء

رجسٹرڈ فارم کو بیچنا

مسئلہ ۱۰۱۴ محمد شریف عبدل۔ فلیپس سیٹی ۱۵-۱۱-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دوکان یا فارم کا نام سن آف نیدرلینڈ (SUN OF NETHER LAND) "آفتاب ہالینڈ" رکھا اور دوکان یا فارم کی تمام اشیاء برآمدات پر اسی نام کا لیبل چسپاں کیا۔ یہاں تک کہ پورے ملک میں اسی نام سے دوکان یا فارم مشہور ہوگیا۔

واضح ہو کہ دوکان یا فارم کے مالک (پروپرائٹر) نے اسی نام کو گورنمنٹ کے یہاں رجسٹریشن بھی کرالیا ہے ۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص یہی نام اپنی دوکان یا فارم کا رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر صرف اسی نام سے دستبرداری کے عوض اگر کوئی دوسرا شخص اسے لاکھوں گلڈر دے۔ تو لاکھوں گلڈر لیکر اس نام سے دست بردار ہوجانا درست ہوگا یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

شریف عبدل۔ اینڈہوفن

الجواب ۔۔۔۔۔۔ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ ۔۔۔۔۔۔

اپنی دوکان، یا فارم، یا تنظیم کا کوئی نہ کوئی نام رکھ لینے کا حق ہر آدمی کو حاصل ہے لیکن اگر کوئی نام کسی نے رکھ لیا اور اسی نام کے ساتھ اس کا مفاد وابستہ ہوگیا۔ تو اب دوسرے شخص کو یہ حق نہ رہا کہ اسی نام کا استعمال کرے۔ خصوصًا ایسی صورت میں جبکہ وہ نام رجسٹریشن بھی ہوچکا ہو۔ کیونکہ اس میں عوام کو دھوکہ دینے اور ایک بھائی کے تجارتی مفاد کو غصب کرنے کے علاوہ آئینی جرم کا ارتکاب بھی ہے۔

ہاں اسے اپنے معاشی مفاد (گڈویل) کو بیچنے یا کسی خاص قیمت کے عوض

جو کچھ بھی وہ معاوضہ حاصل کرے گا وہ اس کے لئے جائز و مباح ہے کہ وہ اپنے تجارتی مفاد کو فروخت کر رہا ہے۔

اسی طرح اگر کسی کمپنی کے مالک یا دوکاندار نے اپنے کاروباری مفاد کے پیش نظر کوئی مخصوص نشان (ٹریڈ مارک) مقرر کر رکھا ہو اور بعد میں اس نشان کو بیچنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ جتنی رقم میں چاہے بیچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ نشان اس کے تجارتی مفاد سے متعلق ہے۔ اور اب وہ صرف نشان نہیں بلکہ تجارتی مفاد و منافع کو بیچ رہا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم بالصواب کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ
نوری مسجد آمسٹرڈم۔ ۱۵-۱۱-۱۹۸۷

کسی کے سامان کی نقل اتار کر بیچنا

مسئلہ ۱۰۱۵: محمد نصیر گمان۔ نوفا رائیس بیرو
۱۳-۳-۱۹۹۲ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع مبیں اس مسئلہ میں کہ آدمی کو اپنی ملکیت میں تصرف کا اختیار ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک شخص ایک سامان خریدتا ہے پھر اس سامان کی نقلیں تیار کر کے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو از روئے شرع اُسے فائدہ اٹھانے کا اختیار ہے یا نہیں؟

نصیر گمان بلاسیس سٹراٹ، آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ **الجواب** ـــــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ ـــــــ

خدا کرے آپ کا یہ سوال مبنی بر حقیقت اور خلوص کی بنیاد پر ہو چیستاں نہ ہو۔ بیشک اپنی ملکیت میں ہر آدمی کو جائز حد تک تصرف کا اختیار ہے۔ اور اپنے مال و سامان سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ لیکن کسی دوسرے کو اُسے نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے نقصان و ضرر برداشت کرنے اور کسی کو نقصان و ضرر پہنچانے دونوں سے منع فرمایا ہے "لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام" پس کوئی سامان خرید کر اس کی نقلیں اتارنا پھر اسے بازار میں فروخت کرنا اس کی کمپنی یا اصل مو

یا بائع کو نقصان وضرر پہنچانا ہے۔ اور جہاں یہ صورت پائی جائے اسلام اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا ہے۔ مثلاً ہوائی جہاز یا ریلوے کا ٹکٹ خرید کر کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعہ اسکی نقلیں کرلینا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کہ اس سے اصل کمپنی یا موجد یا دوکاندار کا ضرر ہے اور عوام کو دھوکہ دینا ہے۔

اسی طرح روزمرہ برتنے کا سامان خرید کر اس کی نقل سے مالی منفعت حاصل کرنا درست نہیں کہ اس میں بھی اصل بائع یا فیکٹری کا نقصان ہے۔

آجکل ملکی کرنسی چھاپنے یا پاسپورٹ وغیرہ گورنمنٹی قیمتی کاغذات کی نقل تیار کرنے کی جو چور بازاری چل پڑی ہے یہ غالباً اسی ذہنیت کی اُپج ہے کہ وہ اپنی ملکیت سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن درحقیقت یہ اپنی ملکیت سے استفادہ نہیں بلکہ حکومت وعوام کو دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا ہے جو سراسر دجل وفریب اور حرام و بدانجام ہے۔　　واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم شعبہ مذہبی امور
ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ ۱۳ ۲ ۱۹۹۲ء

دوسروں کی مطبوعات بے اجازت چھاپنا بیچنا

مسئلہ ۱۰۱۶ ۱۵-۱۱-۱۹۸۵: حاجی محمد فاروق۔ صدر رویت ہلال کمیٹی نیدرلینڈ۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ بالامقام اس مسئلہ میں کہ میں نے اسلامی فقہ سے متعلق ایک کتاب خریدی۔ جو نہایت مفید اور حالاتِ حاضرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی یہاں اشاعت کرادوں۔ یا کاپی مشین کے ذریعہ دو چار سو کاپیاں اس کی نکلوا لوں۔ تاکہ اس کتاب کی عام تشہیر ہو جائے اور مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن اس کتاب کے اندرونی پہلے ورق پر (جملہ حقوقِ طباعت بحق مصنف محفوظ ہے) لکھا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں اس کتاب کی طباعت یا کاپی کرانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟　　محمد فاروق صبور علی، اینڈہوفن۔

۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

کسی کتاب یا کسی مضمون کے حقِ طباعت وتصنیف کو آئینی طور پر محفوظ کرا لینے سے جسکے حق میں محفوظ کرایا گیا اسی کے حق میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ جب کتاب مذکور کی طباعت مصنّف کے حق میں قانونًا بھی محفوظ ہو چکی ہے تو مصنف کی اجازتِ صریحہ کے بغیر کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کتاب کی طباعت و اشاعت کرے۔ یا کاپی بنا کر عام کرے۔ حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من سبق الی مالم یسبقہ مسلم فھو (ابوداؤد) جو مسلمان کسی کام میں دوسرے مسلمانوں پر سبقت لیجائے اس کا مفاد اسی کے لئے ہے۔

ہاں اس کتاب کے وہ مضامین ومسائل جو کسی دوسری کتاب سے ماخوذ و مستفاد ہوں، انھیں بغیر اس مصنّف وجامع کی اجازت کے بھی اصل کتاب کے حوالجات کے ساتھ شائع کر سکتے ہیں کیونکہ یہ اسکی ملکیت نہیں ہے۔ اس پر تمام اہلِ اسلام کا حق ہے اور جو تمام اہل اسلام کا حق ہو اسے شخص منفرد کے ساتھ خاص نہیں کیا جا سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری امسٹرڈم

۱۵ نومبر ۱۹۸۵ء

دوسروں کی مصنوعات پر اپنا لیبل لگانا

مسئلہ ۱۰۱۷: حاجی فاروق صبور علی۔ ایندھوفن ۱۲-۱۱-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ڈاکٹر نے ایک د[وا] ایجاد کی پھر گورنمنٹ سے اس کا رجسٹریشن بھی اپنے نام سے کرا لیا۔ کچھ دنوں کے بع[د] جب وہ دوا پبلک میں مشہور ومعروف ہو گئی تو دوسری کمپنی یا دوسرے شخص نے اسی دوا کو اپنے لیبل کے ساتھ نام میں قدرے تغیر کے ساتھ بازار میں فروخت کرنا شروع کیا۔ کیا اسلامی شرع میں ایسا کرنا جائز و درست ہے؟ بینوا و توجروا۔ محمد فاروق صبو[ر]

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ اللّٰہم ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

اسلام میں دھوکہ دہی اور حق تلفی دونوں حرام ہیں۔ صورت مسئولہ میں جس کمپنی نے دوسرے کی ایجاد کردہ دوا کو بغیر اس کی اجازت کے بنایا یا اسی دوا پر اپنا لیبل لگا کر خریداروں کو یا بازار میں سپلائی کیا۔ وہ حرام کا مرتکب ہوئی۔ کیونکہ یہ حاجتمندوں کو دھوکہ دینا اور اصل دوا کے موجد کی حق تلفی ہے۔ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ "مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا"

اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اس کرتوت سے باز آئے اور دوا کے اصل موجد سے معافی طلب کرے بلکہ اس کے خسارہ کو پورا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم

۱۳ر نومبر ۱۹۸۵ء

مکان کی مختلف منزلیں مختلف خریداروں کے ہاتھ بیچنا

مسئلہ ۱۰۱۸: ۔ حاجی عبدالجبار گمان، بلاسیس سٹرٹ، آمسٹرڈم ۷-۲-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آجکل شہروں میں کئی کئی منزلوں کے مکانات بنتے ہیں۔ اور ہر منزل بلکہ ایک منزل پر اگر چار فلیٹس ہیں تو ہر ایک فلیٹ الگ الگ اسامیوں کے نام بیچنے کا عام رواج ہو گیا ہے۔ کیا اس طرح مکانات کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے؟ بینوا وتوجروا

محمد عبدالجبار گمان۔ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الحق والصواب ـــــ

مکان کی منزلوں یا اس کی فلیٹ کو الگ الگ خریدنا بیچنا درست و جائز ہے کیونکہ وہ شرعاً مال ہے اور مال کی بیع وشرا مشروع و مروج ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

مکان کی فضا کی فروختگی

مسئلہ ۱۰۱۹ :- محمد عبد الجبار گمان، آمسٹرڈم ۱۷-۲-۱۹۸۹

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ گنجان آبادیوں میں بنے ہوئے مکانات کی فضا بیچنے اور خریدنے کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے۔ کیا فضا کی خرید وفروخت جائز ہے؟ اور ایسی صورت میں اصل زمین کا مالک کون قرار پائے گا؟

سائل :- حاجی محمد عبد الجبار۔ بلاسیس سٹراٹ ۸۳ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

فضا کی خرید وفروخت ائمہ احناف کے نزدیک درست نہیں۔ لیکن یہ مسئلہ چونکہ منصوص نہیں ہے اسی لئے ائمہ مالکیہ نے اس کی مخالفت کی۔ بلکہ صاحب فتاویٰ علماء احناف کے نزدیک بھی عدم جواز کے علل واسباب میں خاصا اختلاف موجود ہے لہٰذا موجودہ عرف وعادت اور مصلحت کو دیکھتے ہوئے فقہ مالکی کے مطابق انہی کی شرطوں کے ساتھ اگر خرید وفروخت کی اجازت دیدی جائے تو غالباً غیر مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ اسی میں امت کے لئے وسعت وآسانی اور غالباً یہی حالات حاضرہ کا تقاضا ہے۔

دوسری صورت اس کے جواز کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فضا سے قطع نظر مکان کی چھت کی بیع کی ہو۔ اور بالائی تعمیر کی ایسی حد بندی ہو جائے کہ تحتانی عمارت کو نقصان نہ پہنچے۔ جو تحتانی منزل کا مالک ہوگا وہی زمین اور زمین کے نیچے کا بھی مالک ہوگا۔ اور جو فوقانی منزل کا مالک ہوگا وہی اپنے مکان کی چھت سے اوپر کی فضا کا بھی مالک ہوگا۔ اور ان دونوں میں سے کسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مکان سے نیچے کی زمین کھود کر یا بالائی منزل سے اوپر کوئی اور عمارت تیار کر کے ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے۔

اسی لئے فضا کی بیع وشراء سے پہلے اس کے شرائط کا طے ہو جانا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم مذہبی امور، ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ ۱۷ فروری ۱۹۸۹ء

لائیسنس کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۲۰ :- فیروز سکریٹری نوری مسجد آمسٹرڈم
۲۸-۱۲-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ کی طرف سے پبلک کے نام جو لائیسنس جاری ہوتا ہے اسکی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس لائیسنس کے ذریعہ غیر ملکی مصنوعات منگوانے اور بیچنے کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔ اور بہت سارے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، امید کہ واضح اور خلاصہ جواب دیں گے۔
محمد فیروز، آمسٹرڈم

الجواب ــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ

گورنمنٹ کی طرف سے پبلک کے نام جو لائیسنس جاری کیا جاتا ہے وہ عمومی و خصوصی دو طرح کا ہوتا ہے تو جو لائیسنس عمومی مصلحتوں کے پیش نظر عمومی نوعیت کا ہو اور کسی خاص آدمی کے نام سے حکومت نے جاری کیا ہو۔ وہ حصولِ منفعت کے لحاظ سے حکماً مال ہے۔ لہٰذا اس کی خرید وفروخت جائز ومباح ہے۔ جیسے غیر ملکی مصنوعات کی درآمد یا ملکی مصنوعات کی برآمد کا لائیسنس (حکومتی اجازت نامہ)
اور جو لائیسنس خصوصی مصلحت ونوعیت کا ہو اور حکومت نے کسی خاص آدمی کے نام سے جاری کیا ہو اور اُسے دوسرے کے نام منتقل کرنا قانوناً ناجائز اور دھوکہ دہی ہو۔ اس لائیسنس کی خرید وفروخت غدر کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے، مثلاً پاسپورٹ ویزا، بندوق اور کار وغیرہ کا لائیسنس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم - ۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء

پل وغیرہ نیلامی میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا

مسئلہ ۱۰۲۱ :- محمد نعیم، سنی لاند، نیدرلینڈ
۲۷-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ندی، نالوں، پر پبلک

کی سہولت کے لئے گورنمنٹ خود یا کسی کمپنی کے ذریعہ پُل بنواتی ہے پھر اس پُل
میں جتنی لاگت لگی ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے پُل کو نیلام کر دیتی ہے۔ جس کو
ٹھیکہ لینا دینا کہتے ہیں۔ کیا اس ٹھیکہ کا لینا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا از روئے شرع
جائز ہے؟ پھر بعض ٹھیکہ لینے والے کچھ نفع لیکر ٹھیکہ کے کاغذات کو دوسروں کے ہاتھ
فروخت بھی کر دیتے ہیں۔ کیا ٹھیکہ کے کاغذات کی خرید و فروخت جائز ہے؟

محمد نعیم، ہُں لاند، نیدرلینڈ

۷۸۶
۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰهم هداية الحق والصواب ـــــــ

جن حقوق یا جن چیزوں سے مالی منفعت وابستہ و متعلق ہو۔ اور اس کی خرید و
فروخت نے عمومِ بلویٰ کی شکل اختیار کر لی ہو شرعاً اس کی خرید و فروخت درست
ہے۔ کما فی ردّ المحتار وکتب الاسفار، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں
پُل وغیرہ کا ٹھیکہ لینا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز و مباح ہے۔ اور ٹھیکہ کے
کاغذات کی خرید و فروخت بھی درست ہے کہ اس سے مالی منفعت متعلق ہے
پھر وہ مقاصد شرع سے متصادم بھی نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ۔ نوری مسجد، آمسٹرڈم

دو چار برسوں کے لئے باغات کے پھلوں کو بیچنا

مسئلہ ۱۰۲۲ :۔ (مولانا) سلطان رضا قادری، رضوی مسجد آمسٹرڈم
۱۲-۹-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ
انگور و ناشپاتی وغیرہ کے بعض باغات کے پھل دو چار سال کے لئے خریدار خرید
لیتے ہیں اور انہیں پھلوں کو بازاروں میں لاکر بیچتے ہیں۔ کیا بازار سے ان پھلوں
کو خریدنا اور استعمال کرنا جائز و درست ہے۔ امید کہ جواب باصواب سے نواز کر
مشرف فرمائیں گے۔

محمد سلطان رضا۔ خطیب رضوی مسجد آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب ـــــــ

جمہور علماء اسلام کے نزدیک معدوم اشیاء کی خرید و فروخت مطلقاً جائز نہیں۔ باغات کے پھلوں کو سال دو سال پہلے ہی بیچ ڈالنا یا خرید لینا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جو پھل بیع و شرا فاسد کے ساتھ حاصل کئے گئے اس سے منفعت حاصل کرنا حرام ہے۔ نیز ان پھلوں کا بازار سے خریدنا اور استعمال کرنا بھی شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم امور شرعیہ ورلڈ اسلامک مشن

ہالینڈ۔ ۱۲-۹-۱۹۸۸ء

اگر باغات کے معدوم پھلوں کو بیچنے پر تعامل ہو جائے

مسئلہ ۱۰۲۳ :۔ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری ۲-۱۱-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ باغات کے پھلوں کو سال دو سال کے لئے خرید و فروخت کرنے کا عام چلن ہو گیا ہے اور اکثر مالکان و مشتری کا اس پر تعامل ہے۔ کیا ایسی صورت میں تعامل الناس کا شرع شریف میں کوئی اعتبار نہیں؟ جبکہ عامۃ الناس حرام خوری کا مرتکب ہو رہی ہو

(مولانا) محمد سلطان رضا قادری خطیب رضوی مسجد فرید الاسلام امسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب ـــــــ

جی ہاں تعامل و رواج کا شرع شریف میں قرار واقعی حیثیت موجود ہے اور اس کا اعتبار بھی کیا جاتا ہے لیکن نصوصِ شرعیہ اور صحیح روایات کے بالمقابل اسے نہیں لایا جا سکتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں صراحتاً ایسے پھلوں اور کاشت کے بیع کی ممانعت موجود ہے جن کا درختوں یا پودوں پر وجود ہی نہیں ہوا ہو۔ امام ترمذی نے ایسی حدیثوں کا ایک باب ہی باندھا ہے جس کا نام " باب ماجاء فی المخابرۃ والمعاومۃ" رکھا ہے۔ اور فقہاء کرام نے اسے بیع معاومہ اور بیع سنین کا نام دیا ہے، یہ بھی یاد رکھنا

چاہئے کہ جو تعامل نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہوں، علماء کرام انھیں تعامل کے پیش نظر شریعت کی حد میں رہ کر ممکن حد تک آسانی کی راہیں ہموار کرتے ہیں، ہر تعامل کے اندر شریعت کی اساس بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ لہٰذا باغات کے معدوم پھلوں کی بیع و شرا کو تعامل و رواج کا نام دیکر جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بیع و شرا کے اس طریق کار کو چھوڑنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم

اشیاء معدومہ کا قیاس بیع سلم پر صحیح نہیں

مسئلہ ۱۰۲۴ :۔ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری ۲-۱۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شریعت کے نزدیک بیع سلم جائز و درست ہے اور بیع سلم میں بھی اشیاء معدومہ کی خرید و فروخت ہوتی ہے تو باغات کے وہ پھل جو ابھی درختوں میں نہیں لگے اس کی بیع و شرا کیونکر ناجائز ہے ؟ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری رضوی مسجد فرید الاسلام

۸۶/۹۲ الجواب بعون الملک الجواد الوھاب

بیع سلم عند الشرع چند شرائط کے ساتھ جائز و درست ہے۔ اگر وہ شرائط ذہن میں ہوں تو بیع سلم کو معدوم اشیاء کی خرید و فروخت پر آپ قیاس نہیں کرسکتے۔ بیع سلم کی صحت کے لئے فقہاء کرام نے جن شرطوں کو بیان فرمایا ہے ان میں مشہور اور متفق علیہ شرط مبیع (فروخت شدہ شئے) کی مقدار، قسم، اور وقت وغیرہ کا متعین ہونا ہے۔ اور پھلوں میں ان قسموں کا تعین ممکن نہیں لہٰذا بیع سلم کو معدوم پھلوں کی بیع پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اور اگر بالفرض پیدا ہونے والے پھلوں کی مقدار اور قسم وغیرہ کا تعین بھی آپس میں ہوجائے تو یہ خرید و فروخت تجاوز عن الشرع ہے جو بیع کو فاسد کردیتا ہے۔ اسلئے پھلدار درختوں پر جب تک پھول نمودار ہوجائیں اسکی بیع و شرا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری درلڈ اسلامک مشن ہالینڈ۔ ۲/۱۱/۱۹۸۸ء

باغات کے پھولوں کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۲۵ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری
۱۸-۷-۱۹۸۷ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جن باغات میں مختلف قسم کے درخت ہوں، بعض درختوں پر صرف پھول لگے ہوئے ہیں اور بعضوں پر پھل نمودار ہوگئے ہیں، اُن باغات کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

(مولانا) محمد سلطان رضا قادری خطیب رضوی مسجد، فرید الاسلام آمسٹرڈم

۸۷/۹۲ **الجواب ـــ بعون الملک الجواد الوہاب ـــ**

اگر وہ پھول اور پھل انسانوں کے لئے قابلِ انتفاع ہیں تو ان کی بیع وشراء جائز ہے ورنہ نہیں مثلاً گلاب وجوہی وغیرہ کے پھول نکل آئے ہوں تو ان کی بیع وشراء پورے موسم کے لئے درست ہے کیونکہ اس کا پھول ہی انسانوں کے لئے قابلِ انتفاع ہے۔ اور اگر ایسے درختوں پر پھول آگئے ہوں جنکے پھول عموماً قابلِ انتفاع نہیں مثلاً آم، لیچی، سیب، ناشپاتی وغیرہ اگرچہ اس کے چھوٹے چھوٹے پھل بھی نمودار ہوگئے ہوں اس کی بیع وشراء جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ
۱۸-۷-۱۹۸۷ء

باغ میں اگر بعض درختوں کے پھول قابلِ انتفاع ہو جائیں تو اسکی بیع

مسئلہ ۱۰۲۶: محمد عباس رضوی مسجد آمسٹرڈم
۱۷-۸-۱۹۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آم، سیب، ناشپاتی وغیرہ کے وہ باغات جن میں پھل تو آگئے ہوں مگر عام طریقے سے وہ کھانے کے لائق نہ ہوں البتہ اچار، چٹنی وغیرہ اس سے بنائے جاتے ہوں تو ان باغات کی خرید وفروخت ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ محمد عباس، رضوی مسجد، فرید الاسلام، آمسٹرڈم

۲۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ

باغات میں عموماً یکبارگی پھل نمودار نہیں ہوتے اور نہ یکبارگی سب کے سب قابلِ استعمال ہوجاتے ہیں۔ اگر باغ کے تمام درخت ایک ہی قسم کے پھل کے ہوں پھر ان میں بعض درختوں کے پھل اس قابل ہوگئے ہوں کہ اس سے اچار، چٹنی وغیرہ بنائی جاسکے۔ اور بعض پھل ابھی اس قابل بھی نہ ہوں تو تبعاً پورے باغ کے پھلوں کی خرید و فروخت جائز ہے، پھر اگر اس کا مالک پھلوں کے پکنے یا قابلِ استعمال ہونے تک پھلوں کو درختوں پر رکھنے کی صریح اجازت دیدے یا اس علاقہ میں یہی تعامل ہو کہ خریدار خام پھلوں کو درختوں پر خرید لیتے ہوں اور پختہ ہونے کے بعد توڑتے ہوں تو اس تعامل کے ذیل میں خریدار مالکِ باغ کی اجازت کے بغیر بھی اپنے پھلوں کو درختوں پر رکھ سکتا ہے لیکن درختوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے پر اسے تاوان دینا ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اگر باغ میں مختلف پھلوں کے درخت ہوں

مسئلہ ۱۰۲۷: محمد عباس، رضوی مسجد آمسٹرڈم ۱۲-۸-۱۹۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک باغ میں اگر مختلف قسم کے درخت ہوں۔ مثلاً کچھ درخت آم کے ہوں کچھ لیچی کے کچھ امرود اور بیر کے۔ ظاہر ہے کہ ان سب درختوں پر پھول اور پھل ایک مرتبہ نہیں آتے بلکہ مہینوں کا فرق ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر آم کے درخت پر پھل آچکے ہوں، لیچی کے درخت پر پھول لگ رہے ہوں اور امرود کے پھول آنے والے ہوں تو اس باغ کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ محمد عباس، رضوی مسجد، فرید الاسلام، آمسٹرڈم

۲۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ

اگر باغ مختلف قسم کے درختوں کا مجموعہ ہو اور سب کے پھول نمودار نہیں ہوئے ہوں تو اس کی بیع و شرا اجماعاً درست نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس باغ کی خرید و فروخت

جائز نہیں۔ کما فی الشرح الصغیر۔　　واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ
۱۷-۸-۱۹۹۰ء

پودوں کے ساتھ اس کے پھلوں کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۲۸:- محمد قاسم رحمٰن آمسٹرڈم ۱۲-۳-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سبزی فروش لوگ کھیرا، ککڑی، کدو، بیگن وغیرہ کی کاشت کرتے ہیں۔ جب پودے بڑے ہوجاتے ہیں اور ان میں پھول یا چھوٹے چھوٹے پھل لگنے شروع ہوجاتے ہیں تو انھیں سبزیوں کے بیوپاریوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ اور بیوپاری لوگ پورے موسم میں ان پودوں سے پھل حاصل کرتے اور بازار میں فروخت کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس طرح پودوں کی خرید وفروخت اور پھر ان سے حاصل شدہ پھلوں کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟　　محمد قاسم رحمٰن ہوخ وورد آمسٹردام پورٹ، نیدرلینڈ

الجواب ۸۶/۹۷ ـــــ بعون الملک الوھاب ـــــ

جن سبزیوں کا ذکر سوالنامہ میں ہے صرف ان کے پھول یا ناقابل استعمال کیری (چھوٹے چھوٹے پھل) کے نکل آنے پر ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے "ولو اشتراھا مطلقا فاثمرت ثمرا اٰخر قبل القبض فسد البیع لتعذر التمییز" (البحر الرائق) ہاں جب ان پودوں میں ایسے پھل نمودار ہوگئے ہوں جو انسانوں کے لئے قابل انتفاع ہوں اور باقی پھل پورے موسم میں یکے بعد دیگرے نکلیں تو ایسی صورت میں تعامل کے پیش نظر فقہاء متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور اسی میں امت کے لئے وسعت وآسانی ہے۔ اور جواز کا حیلہ یہ بتایا ہے کہ بجائے پھول یا ننھے ننھے پھلوں کے ان پودوں ہی کو خرید لیا جائے اور پورے موسم کے لئے زمین کو کرایہ پر لے لیا جائے۔ اور مالک زمین وقت مقررہ تک

اس پیداوار کو مشتری کے لئے مباح کرے یشتری اصول الباذنجان والبطیخ والرطبة لیکون ما یحدث عن ملکه ...... وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدة معلومة یعلم غایة الادراك۔ (فتح القدیر والبحر الرائق)

مثلاً کھیرہ، ککڑی، کدو بیگن وغیرہا کی ایک قطعۂ زمینِ زراعت کو پانچ سو گلڈر میں خریدار خریدنا چاہتا ہے تو دو سو میں پودوں کو موجودہ پھول وپھل کے ساتھ خریدلے اور تین سو میں اسوقت تک کے لئے زمین کو کرایہ پر لے لے۔ جب تک اس موسم کے پھل ان پودوں میں آکر قابلِ استعمال ہوجائیں اور مدت گزرنے کے بعد مشتری اس زمین سے دستبردار ہوجائے۔ اور اگر پھلدار پودوں کو اُس کے پکنے تک زمین میں رکھنے کا لوگوں میں تعامل ہے تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے ایسی صورت میں زمین کو کرایہ پر لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم
۱۲ر مارچ ۱۹۸۶ء

ڈالی کے ساتھ باغوں کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۲۹: (مولانا) ہمایوں کبیر، دین بوس ہالینڈ ۲۵-۵-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ہمارے وطن میں آم اور ناریل کے باغات کے پھلوں کی عام خرید وفروخت ہوتی ہے یعنی جب درختوں پر پھول اور کچھ پھل آجاتے ہیں تو مالکِ باغات اُن کے پھلوں کو اس شرط پر بیچ ڈالتے ہیں کہ فلاں فلاں درخت کے پھل کے علاوہ پورے باغ کو اس قیمت میں میں نے بیچا اور خریدار ان درختوں کے استثنا کے ساتھ اس باغ کو خرید لیتا ہے۔ باغات کے فروخت کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع درختوں کا استثنا تو نہیں کرتے بلکہ اپنے لئے کچھ پھل متعین کرلیتے ہیں جس کو حق یا ڈالی کہا جاتا ہے یعنی اس باغ سے اتنا

پھل مجھے ملنا چاہئے اور مشتری مقررہ مقدار کے استثناء کے ساتھ باغ کو خرید لیتا ہے شرعاً یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ فقہِ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں

(مولانا) ہمایوں کبیر خطیب مسجد انوار مدینہ اینڈ ہوفن

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ

درختوں کے استثناء کے ساتھ باغات کی بیع و شرا عام فقہائے احناف کے نزدیک جائز و درست ہے۔ البتہ پھلوں کی مقدار (تعداد) کے استثناء کے ساتھ باغات کی بیع فقہائے متقدمین کے نزدیک ناجائز ہے "کمافی الھدایہ" ولا یجوز ان یبیع ثمرۃ و یستثنی منھا ارطالا معلومۃ خلافاً لمالک رحمہ اللہ

لیکن یہ عدم جواز بھی فقہاء احناف کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے بلکہ امام ابن ہمام نے مقدار کے استثناء کو ظاہر روایت کے پیش نظر جواز کے خانے میں رکھا ہے۔ کمافی فتح القدیر اور اب جبکہ تعامل بھی ہے تو امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی رائے جواز کو تقویت ملتی ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنے میں شرعاً مواخذہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن پھلوں کے استثناء میں پھلوں کی مقدار اور قسم وغیرہ کا تعین بائع و مشتری کے درمیان ہو جانا چاہئے تاکہ کسی نزاع کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ، خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام

۲۵/ ۵/ ۱۹۸۹ء

بارآوری کیلئے نرجانور کو پالنا اور اسکی قیمت وصول کرنا

مسئلہ ۱۰۳۰ ۲۵-۵-۸۹ :۔ (مولانا) ہمایوں کبیر، اینڈ ہوفن

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ میں بعض لوگ بکرا، سانڈھ اور بھینسا وغیرہ کو اسلئے پالتے ہیں یا دوسرے ملکوں سے منگوا کر رکھتے ہیں کہ ان سے دوسروں کی بکری، گائے اور بھینس کو جفتی کرا کر بارآوری کرائیں اور اس سلسلہ میں وہ بکری، گائے وغیرہ کے مالکوں سے مقررہ رقم وصول کرتے

ہیں کیا یہ کاروبار شرعاً درست ہے؟ (مولانا) ہمایوں کبیر خطیب و امام مسجد الزار مدینہ ایندہوفن ۹۲/۸/۲

الجواب ـــــــــ بعون الملک الوہاب ـــــــــ

جانوروں کی جفتی کی رقم وصول کرنا شرعاً جائز نہیں اور نہ ہی اس وصول شدہ آمدنی کو استعمال کرنا درست ہے۔ بیہقی شریف اور دارقطنی وغیرہما کی روایات میں اس فعل سے ممانعت موجود ہے۔ لہٰذا اگر یہ صورت کسی علاقہ میں مروّج بھی ہو جائے اور لوگ عام طور پر جانوروں کی جفتی کی اجرت لینے دینے لگیں جب بھی شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کی نہی نص شرع میں موجود ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال نہیٰ عن عسب الفحل (الیٰ آخر الحدیث)

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام

دی ہیگ۔ ۲۵۔ ۹۔ ۱۹۸۹ء

۱۔ کاشت کی زمین بٹائی پر دینا
۲۔ باغات کو اجرت معدوم پر نگرانی میں دینا
۳۔ تجارت میں سرمایہ اور محنت کی شرکت

مسئلہ ۱۰۳۱/۱۰۳۲/۱۰۳۳: (مولانا) فیصل، مقیم دی ہیگ ۲۵-۵-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کاشتکاری کی زمین کو بٹائی پر دینا یعنی مالکِ زمین اپنی کاشتکاری کی زمین مزارع کو اس شرط پر دیدے کہ تم اس زمین میں کاشت کرو۔ پیداوار میں ہم دونوں آدھے آدھے رہیں گے اور کاشتکار اسی شرط پر زمین کو آباد کرے۔ کیا یہ صورت جائز ہے؟

۲ ناشپاتی، آم اور دیگر پھلوں کے درختوں کو اجرتِ معدوم پر نگرانی کے لئے کسی کے حوالہ کر دینا کہ تم اس باغ کی حفاظت و نگرانی کرو۔ پھلوں کے پختہ ہو جانے اور ٹوٹنے کے بعد تمہیں تمام پھلوں کا مثلاً سولہواں ۱/۱۶ حصہ ملے گا۔ اور نگراں اس کے لئے تیار ہو جائے تو نگراں کے لئے اس سے حاصل شدہ اجرت جائز ہے یا نہیں؟

۲ ایک شخص تجارت میں ماہر جفاکش اور دیانتدار ہے۔ لیکن تجارت کرنے کے لئے اس کے پاس روپئے نہیں ہیں۔ اور جو شخص اسے تجارت کے لئے روپئے دینے کو تیار ہے اس کی شرط یہ ہے کہ منافع میں ہم دونوں نصفا نصف رہیں گے۔ لیکن نقصان کے ذمہ دار صرف تم ہوگے۔ میری پونجی اپنی جگہ برقرار رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ تجارت میں اس طرح کی شرکت جائز ہے یا نہیں؟

فیصل مقیم، استاذ الجامعۃ الغوثیہ دی ہیگ، نیدرلینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ـــــــ اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

صورتِ مسئولہ میں اوّل الذکر دونوں سوالات کا تعلق مسائلِ قیاسی سے ہے اور فقہاء کرام کے یہاں یہ اصول عام ہے کہ عرف رواج کے بالمقابل مسائلِ قیاسیہ متروک ہو جاتے ہیں۔ ہر چند کہ مزارعت کی صورت مسئولہ ۱ جائز نہیں۔ مگر فقہاءِ احناف نے بھی عرف ورواج کی وجہ سے صورتِ مذکورہ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اب جبکہ اس کا تعامل اس قدر عام ہو گیا ہے کہ لوگوں کا اس سے روکنا ممکن نہیں ہے تو اصولِ شرع کا تقاضا یہی ہے کہ عام لوگوں کو اکلِ حرام سے بچایا جائے۔ اور حتی الوسع اباحت کی صورت پیدا کی جائے۔ اور جب فقہا متاخرین اور مفتیانِ کرام نے بلوئ عام کی وجہ سے صورتِ مذکورہ کو جائز قرار دیدیا۔ تو یہ عامۂ مسلمین کے لئے رحمت ووسعت ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا۔ وَہُوَ تعالیٰ اعلم

۲ اجرتِ معدوم کو اگر مقدار، قسم اور حصہ وغیرہ سے مختص کر دیا جائے تو اسے اجرت مجہول نہیں کہا جا سکتا اور نہ اسکے عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا اور نہ ہی اس سلسلہ میں قفیز طحان والی روایت پیش کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ قفیز طحان میں اس اجرت کی ممانعت ہے جو غیر موجود، غیر متعین اور غیر متمیز ہے ـــــــ صورتِ مذکورہ فی السؤال میں اگرچہ پھل غیر موجود ہے لیکن اس کی مقدار اور نوعیت وغیرہ تو معلوم ہیں۔ اور عام طور سے یہی طریقہ معروف ومروّج ہے۔ لہٰذا حاصل شدہ اجرت نگراں کے لئے جائز ومباح ہے۔ اور باغات کو اس طرح کسی کی نگرانی میں دینا بھی مباح ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

(۲) اگر نفع ونقصان دونوں صورتوں میں سرمایہ دار شریک ہو تو شرکت جائز ہے ورنہ نہیں۔ شرکت کے معاملات میں شریعت مطہرہ سرمایہ دار اور عامل محنت شعار دونوں کی حق رسی کو ملحوظ رکھتی ہے ___ صورت مسئولہ میں سرمایہ دار عامل کا استحصال کرنا چاہتا ہے اور اپنے سرمایہ کے مقابلہ میں اس کی محنت کو کوئی حیثیت نہیں دیتا ہے اسلئے اس کا سرمایہ اس لائق نہیں کہ اس سے استفادہ کیا جائے ... شرکت کی تجارت جائز ہے مگر اس کے اصول وضوابط طرفین کے لئے نفع بخش اور غیر مضر ہونے چاہئیں تفصیلات کیلئے بہار شریعت کا مطالعہ کیجئے۔ واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم

۲۹ رمئی ۱۹۸۶ء

پھل توڑنے یا زراعت کاٹنے کی مزدوری

مسئلہ ۱۰۳۴ عبد اللطیف بیسم سترات آمسٹرڈم ۵-۱۲-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ بعض علاقوں میں درختوں سے پھل توڑنے کیلئے جو مزدور رکھے جاتے ہیں ان کی کوئی مقررہ اجرت نہیں۔ بلکہ آپس میں یہ طے پاتا ہے کہ ہر سو پھل توڑنے پر مثلاً دو پھل اوسط سائز کے تمہیں ملیں گے۔ اور مزدور اس شرط پر راضی ہو کر کام کرتا ہے۔ کیا اس طرح کی اجرت دینا لینا جائز ہے؟

عبد اللطیف منگل۔

۸۶/۹۲ الجواب ___ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ___

یہ بھی عرف وعادت پر منحصر ہے جہاں اس کا رواج نہیں اجرت معدوم ہونے کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوگا لیکن جب اجرت کی وضاحت کر دی گئی اور مزدور از خود اس کے لئے راضی ہو گیا تو اب اجرت معدوم نہ رہی لہٰذا ایسی مزدوری جائز ہے۔ اور اگر اجرت کی وضاحت نہ ہو تو جہاں مزدوری کرنے کرانے کا یہی چلن ہو وہاں عرف وعادت اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ ہمارے ہندوستان میں بھی عام طریقہ سے دھان اور ربیع

وغیرہ کی کٹائی اسی طرح ہوتی ہے کہ مزدور کو کھیت اور کھلیان کی دوری یا پیداوار کی نوعیت کے حساب سے آٹھواں، بارہواں یا سولہواں حصہ ملتا ہے۔ اور اس پر عام تعامل ہے لہٰذا جائز و درست ہے۔　　واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ نوری مسجد، آمسٹرڈم

۵ر دسمبر ۱۹۸۶ء

یورپ کے ممالک اور بیع فاسد

یورپ میں لاٹری کا ٹکٹ خریدنا

مسئلہ ۱۰۳۵/۱۰۳۶: عابد علی۔ بوساطت مجلس علماء ۱۹-۲-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ یا جرمنی میں کسی مسلمان نے لاٹری کا ٹکٹ خریدا اور وہ جیت بھی گیا۔ اب اس رقم کو کس مصرف میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ جواب سے شاد کام فرمائیں۔

عابد علی۔ بوساطت مجلس علماء۔ نیدرلینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

لاٹری کا ٹکٹ خریدنا حرام ہے کیونکہ وہ قمار (جوا) کا مقدمہ ہے "ومقدمۃ الحرام حرام"، قمار شیطانی کارستانی ہے۔ لقولہ عزوجل رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ"، مسلمانوں کو بہر ممکن صورت اس سے بچنا لازم ہے۔

لیکن یہاں کے ممالک میں حربی (غیر مستامن کافر) کا مال عقد فاسد کے ذریعہ حاصل ہو جائے تو شرعاً ممنوع نہیں۔ چنانچہ بہارِ شریعت حصہ یازدہم ۱۱ میں ہے "جو عقد مابین دو مسلمانوں کے ممنوع ہے، اگر کافر حربی کے ساتھ کیا جائے تو منع نہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ عقد مسلم کے لئے مفید ہو اھ

لاٹری چونکہ عقد فاسد ہے اسلئے یہ ثابت ہوا کہ لاٹری کے ذریعہ بھی اگر حربی کا مال حاصل ہو جائے تو وہ مباح ہے یعنی حلال و طیب ہے۔ لیکن لاٹری کا ٹکٹ خریدنے

میں زر اشتراک کے ضائع ہونے کا بھی کا اندیشہ ہے لہٰذا حرام ہے۔ جس نے خریدا اس پر توبہ لازم ہے۔ مگر انعام کے نام پر جو رقم ملی وہ چونکہ بیع فاسد کے ذریعہ ملی جو غیر مستامن غیر ذمّی کافر سے ملی لہٰذا وہ مباح ہے۔ اسے جس مصرف میں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔ فتاویٰ شامی میں اس کا صریح جزئیہ موجود ہے۔ او اخذ مالاً منهم بطريق القمار فذلك كله طيب له (ردالمحتار جلد ۴)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم امور شرعیہ اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ :- ۲۹-۲-۲۰۰۱ء

یورپ میں بینک کا منافع

مسئلہ ۱۰۳۷ :- سائل ۰۶۲۸۶۷۵۵۹۱-۰۰۲۰۰
۹-۴-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ میں گھر خریدنے کے لئے یہاں کے بینکوں اور فائنینس کمپنیوں سے سود پر رقم لینا کیسا ہے؟ اور گھر خریدنے کے لئے جو رقم لی جاتی ہے، اس کے لئے زندگی کا بیمہ کروانا ضروری ہوتا ہے۔ اور جو سود کی رقم ادا کی جاتی ہے اس میں سے آدھا یا کچھ کم ۳۰٪ یا ۴۰٪ رقم حکومت کے ایک ادارہ سے واپس مل جاتی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل ..... کراؤف عدنان نوری مسجد

۹۲۷ الجواب ــــــ اللّٰهم هداية الحق والصواب ــــــ

مال ماتحت دم کے ہوتا ہے لہٰذا مسلمانوں کا مال مالِ معصوم ہے کیونکہ اس کا دم معصوم ہے اور یہاں کے بینکوں، فائنینس کمپنیوں اور غیر مسلموں کا مال مالِ مباح ہے کیونکہ ان سب کا دم دمِ معصوم نہیں۔ اور اصول یہ ہے کہ مالِ مباح و معصوم کے لین دین میں جو کمی و بیشی ہو وہ عند الشرع ربٰی (سود معروف) نہیں بلکہ مباح ہے۔ لقولہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ربٰو بين المسلم والحربي في دار الحرب "۔ اگر مالِ مباح کے بدلے مالِ معصوم زیادہ دینا پڑے تو عند التحقیق والاحتیاط اس سے بچنا چاہئے۔

بعض علماء کے نزدیک زندگی کا بیمہ چونکہ غیر شرعی شرائط کے ساتھ مشروط ہے لہٰذا ناجائز ہے۔ لیکن امام اہلسنت علیہ الرحمہ کی تحقیق کے مطابق اگر اس کے لئے کسی ناجائز شرط کو پورا کرنا لازم نہ ہو اور نہ مال کا ضائع ہونا لازم آئے تو زندگی کا بیمہ کرانا جائز و درست ہے۔

بنام سود دی گئی زائد رقم کو اگر یہاں کی گورنمنٹ کا کوئی ادارہ واپس کرتا ہے اگرچہ اس رقم کا بعض حصہ ہی سہی۔ تو اس کا لینا جائز و مباح ہے کہ اس میں کوئی غدر نہیں۔ بلکہ وہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں۔ کما فی الهدایه "المال الذی حصل عن الحربی فهو مباح عند ابی حنیفه رحمه الله تعالیٰ علیه۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ خادم الافتا مجلس علماء ہالینڈ

۹ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

انسانی خون کی خرید و فروخت

مسئلہ ۱۰۳۸:۔ (مولانا) ممتاز احمد، درونتن۔ ہالینڈ

۲۷-۵-۱۴۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ انسانی خون کی خرید و فروخت کا کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس کو کئی طرح سے خریدا اور بیچا جاتا ہے۔ مثلاً جگہ جگہ شہروں میں بلڈ بینک قائم ہیں۔ رزق کی تنگی کا شکار یا پھر منشیات کی عادت سے لاچار لوگ خود ایسے بینکوں میں جاتے ہیں اور حسب ضرورت کئی کئی سیر پیچ خون وہاں کے ڈاکٹروں یا کمپاؤنڈروں کے ذریعہ نکلواتے ہیں پھر اسی بلڈ بینک کے کارندوں کے ہاتھوں بیچ ڈالتے ہیں ——— اور کبھی دلال قسم کے لوگ کاہل نوجوانوں کو دھوکہ اور لالچ دیکر ایسے مرکزوں میں لے جاتے ہیں اور ان کا خون پانی کے داموں میں انکے جسم سے نکلوا لیتے ہیں۔

پھر ضرورت پڑنے پر وہی بلڈ بینک جاں بلب مریضوں اور حاجت مندوں سے

حسب دل خواہ گراں قدر رقم لیکر وہی خون دیتے ہیں۔ بیماری میں مبتلا حضرات کو مجبوراً وہ خون خریدنا پڑتا ہے۔ جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

ممتاز احمد، درون تن۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــ

یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کا استعمال بحالت اضطرار و ضرورت جائز و مباح ہو اسکی بیع و شرا بھی عندالشرع جائز ہو جائے۔

ہر چند کہ علماء متاخرین نے عندالضرورۃ خون کے ذریعہ علاج کی اجازت دی۔ لیکن اسکی فروختگی کی اجازت و اباحت کتب فقہیہ میں کہیں بھی فقیر غفرلہ القدیر کی نظر سے نہیں گزری (اور یہ ضروری نہیں کہ جو جزئیہ نظر فقیر سے نہیں گزری وہ کتب فقہ میں ہے ہی نہیں بہت ممکن ہے تلاش و جستجو سے اسکی کوئی نظیر یا بعینہ وہی جزئیہ مل جائے) بلکہ اسکی ممانعت اور عدم جواز کے اشارات و جزئیات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو اسکی ممانعت و حرمت کتاب الٰہی عزّ و جل میں بھی موجود ہے ــــــ خون، انسانی زندگی کا جوہر ہے کہ جسم انسانی میں نہ اس کا حد سے زیادہ ہونا بہتر اور نہ بجانب کمی حد سے گزرنا مناسب۔ بلکہ تجربۂ اطبا کے مطابق اگر خون ضرورت سے زیادہ کم ہو جائے تو آدمی تپ دق اور کینسر وغیرہ مہلک بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور جو اپنا خون بیچتا ہے گویا وہ موذی بیماریوں کو آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور قرآن پاک نے اس سے منع فرمایا "لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" پھر عندالضرورۃ کسی کو اپنا خون دینا یا کسی سے لینا اسی حد تک جائز و درست ہے جو ضرر کا باعث نہ بنے۔ ورنہ دوسرے کو ضرر پہنچا کر خود فائدہ اٹھانے یا خود کو ضرر پہنچا کر دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی اجازت ہی اسلام میں نہیں ہے۔ "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْاِسْلَامِ" گوبر گائے، بیل، بھینس وغیرہ کے پاخانے کے ذریعہ بعض حالات میں فائدہ اٹھانا یعنی اسے کاشت کی زمین میں ڈالنا اس سے کھاد بنانا

عندالشرع جائز ہے لیکن اسکی خرید وفروخت ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں (کما فی الشامی ص۱۱۱؍۳)۔ اسی طرح موچیوں کو جوتا گانٹھنے کے لئے سور کے بال کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی بیع جائز نہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔

انما رخص للخرازین الانتفاع بشعرہ (الخنزیر) ضرورۃ، ولا یجوز بیعہ فی الروایات کلھا۔	موچیوں کے لئے سور کے بال سے ضرورتًا فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے لیکن باتفاق روایات اسکے بال کی فروختگی جائز نہیں ہے۔

اور ہدایہ آخرین میں ہے ص۵۵؍۳۔

لا یجوز بیع شعر الخنزیر لانہ نجس العین۔ فلا یجوز بیعہ اھانۃ لہ ویجوز الانتفاع للخرز اھ	سور کے بال کی فروختگی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ اس کا کاروبار اسکی اہانت کے پیش نظر جائز نہیں ہے۔ ہاں موچی کیلئے ضرورتًا اسکے بال سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔

یہیں سے ثابت ہوا کہ خونِ انسانی کا کراہۃً بیچنا جائز نہیں ہے۔ اور جہاں تک عندالضرورۃ خریدنے کا معاملہ ہے تو شرع شریف نے بقدر حاجت خریدنے کی اجازت دی ہے (تجارت کے لئے نہیں بلکہ رفع حاجت کے لئے)

فتح القدیر میں ہے۔ فلو لم یوجد الا بالشراء جاز شراءہ۔	اگر قیمت کے بغیر نہ ملے تو عندالحاجۃ اس کا خریدنا بھی جائز ہے۔

بادی النظر میں عبارت بالا سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب خریدنا جائز ہے تو شاید بیچنا بھی جائز ہوگا۔ کیونکہ شراء بغیر بیع کے متحقق نہیں ہوتا۔ تو اس کا نہایت مفید جواب ہمارے فقہاء کرام دے چکے۔ درمختار میں ہے۔

لو لم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورۃ وکرہ البیع فلا یطیب ثمنہ اھ	اگر بغیر قیمت کے خون نہ مل سکے تو ضرورتًا اس کا خریدنا جائز ہے۔ لیکن اسکی بیع مکروہ تحریمی ہے تو اس سے حاصل شدہ قیمت مباح وطیب نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

انسانی بالوں کا استعمال اور اسکی خرید و فروخت

مسئلہ ۱۰۲۹: محمد فیصل۔ دی ہیگ ۲۰۰۱-۳-۱۱ء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام ان سوالات کے بارے میں کہ

۱۔ انسانی بالوں کو کھانے پینے کی چیزوں میں ملا دینے کے بعد وہ چیزیں قابلِ استعمال رہتی ہیں یا نہیں؟ اور ایسی چیزوں کا خریدنا بیچنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ انسانی یا غیر انسانی نقلی بالوں کا گچھا (پراک) جو کبھی دوسرے انسانوں کا، کبھی جانوروں کا، اور کبھی نیلون وغیرہ کا ہوتا ہے۔ جس کو عورت و مرد دونوں استعمال کرتے ہیں کبھی فیشن کے لئے اور کبھی گنجاپن چھپانے کیلئے۔

اس کا استعمال از روئے شرعِ اسلام جائز ہے یا نہیں؟

محمد فیصل عبدل

ROEZEN BURGST 13 — 2512 SM-DEN HAAG

۷۸۶/۹۲

الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

۱۔ زندہ یا مردہ انسانوں کے بالوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا ممنوع و ناجائز ہے اور اس کا کھانا پینا احتراماً و اکراماً حرام ہے۔

اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور اس کا کاروبار ناجائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے شعر الانسان والانتفاع بہ۔ ای لم یجز بیعہ والانتفاع بہ لان الآدمی مکرم ...... اھ

انسانی بال سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا (خواہ وہ کھانے پینے سے متعلق ہو یا خرید فروخت سے) جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے تمام اعضاء انسانی کے ساتھ لائق تعظیم ہے۔

۲۔ انسانوں کے بال کی خرید و فروخت اور زیب و زینت کے لئے اس کا استعمال عورت و مرد کے لئے حرام ہے۔ کذا فی الاختیار شرح المختار

وصل الشعر لشعر الآدمی حرام سواء کان شعرھا او

شعر غیرها الخ

(بال کو آدمی کے بال سے جوڑنا حرام ہے خواہ وہ بال اس کے اپنے ہی تراشیدہ ہوں یا کسی دوسرے آدمی کے ہوں)۔

بعض جانوروں اور نائیلون وغیرہ کے بنے ہوئے بالوں کے استعمال میں عورتوں کے لئے کوئی حرج نہیں (جائز ہے) لیکن مردوں کو اس سے بچنا چاہئے کہ زینت عورتوں کے روا ہے نہ کہ مردوں کے لئے''

فتاویٰ ہندیہ باب الکراہۃ جلد چہارم میں ہے۔

ولاباس للمرأة ان تجعل فی قرونها وذوائبها من الوبر اھ	عورتوں کے لئے اس کے گیسوؤں اور چوٹیوں میں نقلی بالوں کا گچھا رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وبر اونٹ یا بلی کے بالوں کو کہتے ہیں جب جانوروں کا بال عورتیں زینت کے لئے استعمال کرسکتی ہیں تو نیلون وغیرہ کے بنے ہوئے بالوں کو استعمال کرنے میں کوئی قباحت وممانعت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور جس کا استعمال زینت کے لئے جائز ہے اس کا کاروبار بھی جائز و درست ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۱ر اپریل ۲۰۰۱ء

کتابُ الذّبائح

ذبح کا اسلامی طریقہ

ذبح سے پہلے جانور کو اذیت دینی

۱۰۴۰
مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ ۲۴-۵-۱۴۱۹ھ
۱- حلال جانوروں کے ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ ائمہ اربعہ کے اختلافات کے ساتھ سمجھائیے۔ ۲- حلال جانوروں کو نیم بیہوش کرکے مشینی ذبیحہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ سائل: مؤسسہ الحلال الطیب نیدرلینڈ

۸۶/۹۲ **الجواب** ــــــ بعون الملک العلیم الوهاب ــــــ

اسلامی طریق پر ذبح شرعی کی ۲ دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری، ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری ان حلال جانوروں کے ساتھ خاص ہے جو پالتو یا اہلی کہلاتے ہیں۔ یعنی جنہیں انسان عموماً پوستے پلتے اور وہ انسانوں سے مانوس رہتے ہیں مثلاً گائے، بکری اور مرغ وغیرہ۔ اور ذبح اضطراری ان حلال پرندوں اور چوپایوں کے ساتھ خاص ہے جو انسانوں کو دیکھ کر بے تحاشہ بھاگتے اور وحشی کہلاتے ہیں انسان انہیں عموماً پوستے پالتے نہیں اور وہ انسانوں سے غیر مانوس رہتے ہیں مثلاً نیل گائے، ہرن، خرگوش، کبوتر اور فاختہ وغیرہ۔

نوٹ... یورپ کے بعض ملکوں میں وحشی جانوروں کو بھی پالا پوسا جاتا ہے اور اسے بہت حد تک انسانوں سے مانوس کر دیا جاتا ہے لیکن وہ شاذو نادر کے حکم میں ہے لہٰذا انہیں اہلی یا پالتو نہیں کہا جاسکتا

ذبح اختیاری کے لئے ذابح کا بوقت ذبح بہ نیت ذبح بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا اور دھار دار چیز سے حلال جانور کی گردن (لبّہ سے ڈاڑھی تک کا درمیانی حصہ) کو آگے سے اس طرح کاٹنا کہ چار مشہور رگوں (حلقوم، مری، و دجان) میں سے کم از کم تین کٹ جائیں شرط ذبح ہے۔ اگر ذبح کی شرطیں پوری نہ ہوں گی تو وہ شرعی ذبح نہیں کہلائے گا۔ درمختار میں ہے، "وتشترط التسمیۃ من الذابح حال الذبح۔ وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذکاۃ ما بین اللبّۃ و اللحیین"، وفی الرد المحتار ص۲۰۶ ج۵ "وذکاۃ الاختیار بین الحلق و اللبّۃ" وفی الرد المحتار ایضاً "کان الذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق" حضرت علامہ شامی نے تین رگوں کے ساتھ فوق العقدہ کی قید اسلئے لگائی کہ لبّہ سینے کے اس اوپری حصہ کو کہا جاتا ہے جس پر جانوروں کے ہار پڑے رہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ذبح سینے پر نہیں بلکہ گردن کے اگلے حصہ پر ہوتا ہے اسلئے فوق العقدہ کی وضاحت ضروری تھی۔

ذابح کا مسلمان یا اہل کتاب (غیر مشرک) ہونا بھی صحتِ ذبح کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکمِ الٰہی ہوا۔ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ، مگر جسے تم خود ذبح کرلو (مائدہ ۳) پھر ارشاد ہوا۔ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، اس پر اللہ کا نام لیا کرو (مائدہ ۴) اور اہل کتاب کے ذبیحہ سے متعلق ارشاد ہوا، "طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ" اور ان لوگوں کا کھانا جنہیں کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ (مائدہ ۵)

اس آیۂ کریمہ میں عند الجمہور طعام سے مراد وہ جانور ہے جسے ذبح کیا جاتا ہے ــــ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح مسلمان اور اہلِ کتاب کے علاوہ جملہ کفار و مشرکین کا ذبیحہ مردار ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بدتر حکم مرتدین و ملحدین کا کہ ان کا ذبیحہ بھی مردار و حرام ہے خواہ وہ مرتد عن الاسلام ہوں مثلاً مرزائی، دیوبندی، تبرائی وغیرہ یا مرتد عن اہل الکتاب ہوں مثلاً آج کل کے عام عیسائی و یہودی جو اصل میں

بد دین وملحدین ہیں سوائے بعض بعض کے۔ درمختار میں ہے " لا ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد اھ اہل کتاب میں سے جن کا مرتد وملحد ہونا متحقق نہ ہو فی زماننا ان کے ذبیحہ سے بھی پرہیز ہی چاہئے۔ امام المحققین اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں الاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیّناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولیٰ (فتاویٰ رضویہ ص۳۲۹ ج۹)

ذبح اضطراری یا ذبح ضروری ان جانوروں کے ساتھ خاص ہے جو وحشی کہلاتے اور انسانوں کے ساتھ مانوس نہیں ہیں۔ ردالمحتار کتاب الذبائح ص۲۰۶ ج۵ میں ہے " وذکاۃ الضرورۃ ای فی صید غیر مستانس ونحوہ الخ اس ذبیحہ میں جانوروں کی گردن کے رگوں کا کاٹنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ بذریعہ تیر ودیگر آلہ جارحہ یا سدھائے ہوئے کتے، باز، شکرہ وغیرہ کے اختیار میں نہ آنے والے جانوروں کے جسم سے خون کو بہا دینا اور شکاری جانوروں نیز تیر وغیرہ چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا ہے۔ کما فی الرّد المحتار کتاب الصید جلد خامس، وذکاۃ الضرورۃ جرح فی ایّ موضع من البدن اھ ص۲۹۳ ج۵ وفیہ ایضاً وتشترط التسمیّۃ من الذابح حال الذبح اوالرّمی لصید اوالارسال " اھ۔

ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری کے اندر ایک خاص فرق بھی ہے کہ ذبح اختیاری میں ذابح کو چھری پر نہیں بلکہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہے اس جانور پر بسم اللہ پڑھنا لازم ہے۔ جبکہ ذبح اضطراری میں شکار پر نہیں بلکہ شکار کو پکڑنے والے جانور پر یا تیر چھوڑتے وقت تیر پر بسم اللہ کہنا ہے۔ مثلاً زید نے ہاتھ میں چھری لی اور بکری کو ذبح کرنے کے لئے پچھاڑا اور بسم اللہ کہا پھر کسی وجہ سے اس بکری کو بدل دیا اور دوسری بکری پہلی بکری کی جگہ آگئی اور ذابح نے نئے سرے سے بسم اللہ نہیں کہا بلکہ پہلے کہے ہوئے بسم اللہ پر اس دوسری بکری کو

ذبح کردیا تو عندالشرع یہ مذبوحہ بکری حلال نہیں ہوئی۔
بخلاف اس تیر یا شکاری جانور کے جس کو بسم اللہ کہکر ایک مخصوص حلال وحشی جانور پر چھوڑا مگر اس مخصوص جانور کی بجائے تیر کسی دوسرے حلال جانور کو لگ گیا جس سے وہ زخمی ہوکر مرگیا ـــــ یا شکاری کتّے وغیرہ نے بجائے اس مخصوص جانور کے کسی دوسرے حلال جانور کو دبوچ لیا اور زخمی کردیا جس سے وہ مرگیا تو یہ دونوں دوسرے جانور عندالشرع حلال وجائز ہیں۔ امام الفقہاء صاحب الترجیح حضرت قاضی خاں فرماتے ہیں " الشرط هو التسمية على الذبيحة دون السكين وذٰلك لا يختلف باختلاف السكين وانّما يختلف باختلاف المذبوح ولهذا لو ترك تلك الشاة واخذ اخرىٰ وذبحها بتلك الشّاة لا تحل اھ (فتاویٰ قاضی خاں علی الھامشۃ الہندیہ ط ۳۶۹)
اور امام المعتمدین حضرت علّامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں " قال فى الهداية ثمّ التسمية فى ذكاة الاختيار تشترط عند الذبح وهى على المذبوح۔ وفى الصيد تشترط عند الارسال والرّمى وهى على الاٰلة الخ (ردّالمحتار ص ۲۱۲/۵)
پھر اسی فتاویٰ شامی میں ہے " اذا اضجع شاة وسمّى وذبح غيرها بتلك التسمية لا يجوز اھ (شامی علی الدرالمختار)
ذبح اضطراری میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب سدھایا ہوا پرندہ یا چوپایہ جانور کسی شکار پر چھوڑے تو وہ شکار ان شرطوں کے ساتھ حلال ہوگا ۱۔ شکار کرنے والا جانور کسی مسلمان کا ہو اور شکار کا طریقہ اسے سکھا دیا گیا ہو۔ ۲۔ اس نے شکار کو زخم لگاکر مارا ہو۔ ۳۔ شکار کرنے والا جانور بسم اللہ کہکر چھوڑا گیا ہو۔ ۴۔ اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو (اگرچہ زخم کھایا ہوا ہو) تو اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہکر کسی صالح ذبیحہ نے ذبح کیا ہو۔ ۵۔ تیر سے شکار کرنے میں بھی مذکورہ بالا شرطوں کا لحاظ ضروری ہوگا۔ (ضیاء القرآن حاشیہ سورہ المائدہ ۵) ذبح اضطراری کے یہ تمام

مسائل غیر مُحرم اور غیر حرم کے لئے ہیں۔ حرم شریف میں اگر ذبحِ اضطراری کی تمام شرطیں بھی پائی جائیں تو مذبوحہ حرام رہے گا اور مُحرم پر دم لازم آئے گا

علمائے احناف اور ناقلین فتاویٰ بلکہ مفتیوں پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے مذہب مہذب پر فتاویٰ دیں اور نقل غیر کی خجالت سے بچیں۔ سائل اگر اختلافاتِ ائمہ کی تفصیل چاہتا ہے تو ائمہ اربعہ کی معتمد کتابوں کا مطالعہ کرے۔ یا کم از کم رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ کتاب الصید والذبائح ص۱۲۳۔ فتاویٰ ائمہ المذاہب الاربعہ" اور الفقہ علی المذاہب الاربعۃ مباحث الصید والذبائح للعلامۃ الجزیری ہی کو دیکھ لے۔

وھو تعالیٰ اعلم

الجواب ۲۔ ذبح شرعی سے پہلے جانوروں کو بذریعہ الیکٹرک شاک یا بذریعہ پستول دھماکہ، یا کوئی وزنی چیز سر پر مار کر نیم بیہوش کر دینا، انہیں عبث اذیت دینے اور تکلیف میں مبتلا کر دینا ہے جو شرعاً جائز نہیں لاضرر ولاضرار فی الاسلام" یورپ امریکہ کے جن ملکوں میں اس بات کی پابندی ہے کہ بغیر بیہوش کئے ہوئے جانوروں کو ذبح نہیں کر سکتے وہاں مسلمانوں کے لئے مجبوری ہے کیونکہ اس اذیت والے قانون کو دفع کرنے پر وہ قادر نہیں ہیں۔

جانور اگر بیہوش یا نیم بیہوش ہو اور ذبح کے وقت اس کی زندگی کے آثار ظاہر ہوں تو بعدِ ذبح وہ مسلمانوں کے لئے جائز و حلال ہے۔ کیونکہ امام الائمہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے نزدیک صحتِ ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے اگرچہ خفیف سے خفیف تر ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے " لوانہ ذکاہ حلّ اکلہ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیہ حیاۃ خفیفۃ او بینۃ و علیہ الفتویٰ لقولہ تعالیٰ "اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ" مطلقاً من غیر فصل الخ

مشین کے اندر ذابح ہونے کی شرعی صلاحیت نہیں کہ نہ وہ مکلف ہے نہ تسمیہ جانے اور نہ ذبح کا شرعی طریقہ۔ لہٰذا مشینی ذبیحہ مسلمانوں کے لئے مثل مُردار ہے۔

ذبح اختیاری میں یہ بات واضح کردی گئی کہ ذابح کا مسلمان یا حامل دین سماوی ہونا پھر اُس کا بسم اللہ پڑھنا اور حلال جانوروں کے مخصوص مقام پر مخصوص رگوں کو کاٹنا مذبوحہ کے حلال ہونے کی شرط ہے اور مشین ان شرائط میں سے کسی شرط کے پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

فقہاء کرام نے ذابح کے لئے یعقل التسمیۃ کی بھی قید لگائی ہے چنانچہ شرابی مسلمان یا مجنون و پاگل مسلمان کا ذبیحہ بھی اسی شرط پر حلال و جائز قرار دیا ہے جبکہ وہ تسمیہ کے متعلق یہ جانتا ہو کہ یہ ذبح کے لئے مامور ہے اور بذات خود ذبح کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے "وذبح المجنون والصبی والسکران یجوز اذا کان یعقل التسمیۃ والذبح یعنی یعلم ان التسمیۃ مامور بہا ویطیق الذبح اھ (کتاب الذبائح علی الھامشۃ العالمگیریہ ص۳۰۵) اور مشین کا حال یہ ہے کہ نہ وہ عاقلُ التسمیّۃ ہے نہ ہی الیکٹرک کی طاقت کے بغیر ذبح کرنے کی صلاحیت و قوت رکھتی ہے۔

جس شخص کو مشین کے قریب بِسْمِ اللہِ پڑھنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ بفرض محال اگر اسے ذابح قرار دیا جائے اور مشین کو معینِ ذابح یا اس کا عکس تو بھی مشینی ذبیحہ محض مردار ہوگا کیونکہ بِسْمِ اللہ کا پڑھنا یا کم از کم لفظ اللہ پکارنا ذابح اور معین ذابح دونوں پر لازم ہے (بخلاف ذبح اضطراری کے) درمختار میں فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے ہے "وضع یدہ مع ید القصّاب فی الذبح واعانہ علی الذبح سمّی کلہ وجوبًا فلو ترکہا احدہما اوظنّ تسمیّۃ احدہما تکفی حرمت،، (ذبح کرتے وقت ذابح کے ہاتھ پر کسی دوسرے نے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور ذبح کرنے میں اس کی مدد کی تو ذابح و معینِ ذابح سب پر بِسْمِ اللہِ پڑھنا واجب ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا اور یہ گمان کیا کہ ایک کا بِسْمِ اللہ پڑھنا کافی ہے تو باوجود ذبح ہونے کے وہ جانور حرام ہو گیا۔"

پھر اگر مشین اور ذابح دونوں ہی کو ذابح قرار دیا جائے تو دونوں ہی پر نصًّا واجماعًا تسمیہ واجب ولازم ہوگا۔ اور یہ روشن من الشمس ہے کہ مشین یا چھری یا بجلی کی رَو بسم اللہ پڑھنے اور دین سماوی کا اہل ہونے کی کُلّیۃً صلاحیت ہی نہیں رکھتی ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں بھی مشینی ذبیحہ حرام ومردار اور محض بیکار رہے گا۔

ردّالمحتار میں ہے۔

ولاتحل ذبیحۃ من تعمّد ترك التسمیۃ مسلمًا اوكتابیًّا لنص القرآن والاجماع ص۲۱	جس مسلمان یا کتابی نے جان بوجھ کر وقتِ ذبح بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو حکمِ قرآن اور اجماع کے مطابق اس ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں ہے۔
وفیہ ایضًا اذا كان الذابح اثنین فلو سمّی احدهما و ترك الثانی عمدًا حرم اكلہ اھ	پھر اسی ردّالمحتار میں ہے کہ اگر دو شخصوں نے ملکر ذبح کیا۔ ایک نے بسم اللہ پڑھا اور دوسرے نے عمدًا چھوڑ دیا تو اس کا کھانا حرام ہوگیا۔

اور اگر مشینی چھری کو تیر یا سدھائے ہوئے شکاری جانور پر قیاس کریں جیسا کہ یورپ میں مقیم بعض مفتیان نے قیاس کیا تو یہ قیاس مع الفارق ہے کہ مسئلہ متدائرہ اہلی جانوروں سے متعلق ہے نہ کہ وحشی اور غیر مانوس جانوروں سے اگر وحشی حلال جانوروں کو اگر انسانوں نے پالا پوسا تو اس کے لائقِ اکل ہونے کے لئے بھی ذبح اختیاری ضروری ہے ذبح ضروری سے وہ چوپایہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ سوال مذکور گائے، بھیڑ، بکری اور خصوصًا مرغ وغیرہ کے ذبیحہ سے متعلق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام جانور اہلی اور پالتو ہیں۔ جس کو حلال اور لائق اکل ہونے کے لئے شرعًا ذبحِ اختیاری ضروری ہے اور ذبحِ اختیاری کا شرعی حکم اور طریقہ جواب ۲ میں گزر چکا۔ واللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ - ۱۶ر دسمبر ۱۹۹۸ء

عیسائی ہوجانے والوں کا ذبیحہ

مسئلہ ۱۴۱ :- ایم، ڈی محسن کرالن بیک ۲۹ آمسٹرڈم
۲۰۰۱-۱۱-۲۰

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید جو پہلے مسلمان تھا کسی لالچ میں آکر اب عیسائی ہوگیا ہے۔ اس کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ جب اس سے ذبح کی کیفیت دریافت کی گئی تو اس نے بتایا کہ پہلے میں صرف بسم اللہِ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتا تھا۔ لیکن اب بسمِ اللہ وَ لِابْنہِ المسیح و رُوحِ القدس کہہ کر ذبح کرتا ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مذکور کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

آپ کا خادم: ایم ڈی محسن

الجواب ــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــ

زید مذکور جو نہ مسلمان ہے نہ کتابی، بلکہ شرعاً مرتد محض ہے اس کا ذبیحہ حرام و مردار ہے اگر وہ صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کسی حلال جانور کو ذبح کرتا جب بھی اس کا ذبیحہ حرام و مردار ہی ہوتا، اور جن کلماتِ شرکیہ کے ساتھ اس نے ذبح کیا۔ اگر کوئی اہل کتاب بلکہ مسلمان بھی ان ناموں کے ساتھ ذبح کرتا جب بھی مذبوحہ حرام و مردار ہی ہوتا جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

انہ سمّی المسیح علیہ السلام وحدہٗ او اسم اللہ سبحانہ و سمی المسیح لاتوکل ذبیحتہ اھ	اگر کسی اہل کتاب نے ذبح کے وقت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا یا اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کا نام لیا جب بھی اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

ہر اس اہل کتاب کا ذبیحہ حرام و مردار ہوجاتا ہے جو اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ مسیح یا حضرت جبرئیل روح القدس کا نام لیکر ذبح کرتا ہے۔ یعنی ذبح کے وقت صرف اللہ ہی کا نام پکارا جائے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "منہا تجرید اسم اللہ تعالیٰ من غیرہٖ وان کان اسم علیہ الصلاۃ والسلام۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
یکم جمادی الآخرۃ ۱۴۲۲ھ

ہالینڈ میں مرغیوں کے ذبح کرنے کا طریقہ

مسئلہ ۱۰۴۲: حاجی اصغر علی عبدل آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مذبح میں ہم لوگ یہ دیکھنے گئے کہ یہاں مرغیوں کو کس طرح ذبح کیا جاتا ہے تو دیکھا کہ ایک لائن سے آہنی سیڑھیوں کے ذریعہ مرغیاں جارہی ہیں بیچ میں گرم پانی کا فوارہ اس پر چھوڑا جاتا ہے جس کی وجہ سے مرغیاں نیم بیہوش ہو جاتی ہیں۔ اور جہاں پر وہ ذبح کی جاتی ہیں وہاں تین چار مسلمان (مراکش، الجیریا، اور ترکی کے رہنے والے) چھری لیکر کھڑے رہتے ہیں۔ پہلا آدمی ایک مرغی کو ذبح کرتا ہے دوسری اور تیسری کو چھوڑتا ہے، دوسرا مسلمان دوسری کو ذبح کرتا ہے تیسری کو چھوڑتا ہے۔ تیسرا مسلمان تیسری مرغی کو ذبح کرتا ہے اور چوتھا مسلمان صرف اس لئے کھڑا رہتا ہے کہ اگر اتفاقاً کوئی زندہ مرغی بچ گئی تو وہ اسے ذبح کرے۔ پھر ذبح کے درمیان یہ چاروں آپس میں بات چیت بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس طرح روزانہ پندرہ ہزار سے بیس بائیس ہزار تک مرغیاں ذبح ہوتی ہیں پھر بکسوں میں پیک کرکے اس پر حلال کا لیبل لگاتے ہیں پھر ملک اور غیر ملک میں وہی مرغیاں سپلائی ہوتی ہیں۔

جب ذبح کے اس صورتِ حال کو ہم لوگوں نے دیکھا تو ہمارے ایک عالم دین نے ان ذابحین سے انہیں کی زبان میں پوچھا کہ آپ لوگ ذبح کے وقت کیا پڑھتے ہیں؟ کیا ہر مرغی کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اکبر کہتے ہیں؟ تو اس سوال کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ہم لوگ باوضو ہوتے ہیں پہلے ذبح کی نیت کرتے ہیں پھر دس بیس مرغیوں کو بسمِ اللّٰہ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کہہ کر ذبح کرتے ہیں اس کے بعد بغیر بسم اللہ پڑھے ذبح کرتے رہتے ہیں...... ہمارے عالم دین نے اُن سے فرمایا کہ ہر جانور کے ذبح پر اللہ کا نام پکارنا ضروری ہے۔ اگر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو وہ جانور حرام ہوگیا

اب ہزار مرغیوں میں سے آپ نے دو چار سو مرغیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا اور بقیہ پر نہیں لیا حالانکہ وہ ساری مرغیاں آپس میں مل گئیں تو مذبوحہ اور غیر مذبوحہ کی تمیز ناممکن ہوگئی اس طرح کل کی کل مرغی حرام ونجس ہوگئی۔

مولانا صاحب کی بات سنکر ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہر مسلمان کے دل میں اللہ ہے۔ جب آپ چار رکعت نماز پڑھتے ہیں تو ہر رکعت کے لئے نہ تو نیت کرتے ہیں نہ ہر رکعت پر تکبیر تحریمہ پکارتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جب آپ مسلمان ہیں تو آپ نے دس بیس مرغیوں پر تکبیر کیوں پکاری؟ آپ کا عمل ہی بتا رہا ہے کہ ذبح کے وقت تکبیر پکارنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا صاف وصریح ارشاد ہے۔

" فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ٥

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مانتے ہو تو انہیں مذبوحہ جانوروں میں سے کھاؤ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو" اور آپ لوگ جب بغیر اللہ کا نام لئے ذبح کرتے ہیں تو اس کا کھانا کیسے حلال ہوگیا؟ آپ نے جو نماز کی مثال دی وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب چار یا تین یا دو رکعتوں کی ایک نماز ہے تو ایک ہی نیت اور ایک ہی تکبیر تحریمہ کافی ہے اسی لئے میں آپ سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ دو پاؤں والے جانور پر ایک بار تکبیر پکاریئے اور چار پاؤں والے پر دو بار۔ یا مرغی کے حلقوم پر الگ پاؤں پر الگ اور پروں پر الگ تکبیر پکارا کیجئے، میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ ہر ایک جان پر ایک تکبیر کافی ہے۔ ہاں اگر ایک جانور کے ذبح کرنے میں چند معاونین شریک ہیں تو ہر ایک کو تکبیر پکارنی ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ جس طریقہ سے یہاں مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے کیا ازروئے شرع ان مرغیوں کو کھانا جائز وحلال ہے؟

حاجی اصغر علی عبدل عرف انبالہ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

مولانا مذکور نے عوامی انداز میں صحیح طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی خدا کرے کہ ان ذبح کرنے والوں کی سمجھ میں یہ دینی بات آجائے۔ ہر جاندار حلال جانور کے حلقوم

پر چھری چلاتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے خواہ وہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے یا اَللہُ اکبر کہے یا کم از کم اَللہ کہے۔ ذبح کے وقت بغیر اللہ کا نام لئے کوئی حلال جانور لائق اکل نہیں ہوتا۔

اگر ہزار مرغیوں میں سے نوسو ننانوے ۹۹۹ مرغیوں پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا اور ایک مرغی پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا پھر اس ایک مرغی کو نوسو ننانوے میں ملادیا کہ اس کی پہچان باقی نہ رہی تو ہزار مرغیوں میں سے کوئی مرغی کھانے کے قابل نہ رہی۔

مذبح مذکور کی مرغیوں کے بکس پر ایک نہیں ہزار حلال کا لیبل لگا دیا جائے اس کا کھانا مسلمانوں کو حلال نہ ہوگا۔ المسئلۃ کلھا مصرحۃ فی کتب الفقۃ

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ ۲۷ مارچ ۲۰۰۱ء

ہالینڈ میں ذبیحہ کا ایک اور طریقہ

مسئلہ ۱۰۴۳: اسحاق بوئی۔ نارتھ آمسٹرڈم ۱۱-۹-۲۰۰۰ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک بڑے جانور کا (سلاٹر ہاؤس) ذبح خانہ ہے جہاں روزانہ بارہ سو سے دو ہزار تک گائے یا بچھڑے ذبح ہوتے ہیں۔ سلاٹر ہاؤس اگرچہ عیسائیوں کا ہے مگر مسلمانوں کی رعایت کرتے ہوئے کمپنی والوں نے تین چار مسلمان کو ذبح کرنے کیلئے ملازم رکھا ہوا ہے ایک دن تین چار آدمیوں کے ساتھ ہم لوگ اس سلاٹر ہاؤس کے انتظام اور طریقہ کار کو دیکھنے کے لئے گئے۔ کمپنی کے کارندوں نے ہمارا استقبال کیا اور مخصوص لباس پہنا کر ہم لوگوں کو سلاٹر ہاؤس کے اندر لے گئے۔ صفائی وستھرائی اور طریقہ کار کو دیکھ کر ہم لوگ خوش ہوئے لیکن بچھڑوں کے ذبح کا عجیب وغریب انداز دیکھنے میں آیا وہ یہ کہ بچھڑے ایک لائن سے آگے بڑھ رہے تھے۔ آگے والا بچھڑا جب لائن کی

انتہا پر پہنچ گیا تو ایک شخص وہاں کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک بڑا سا ہتھوڑا نما ایک چیز تھی جس کا تعلق الیکٹرک لائن سے تھا اس ہتھوڑے کو بچھڑے کے سر پر رکھا اور ہتھوڑا میں لگا ہوا ایک سوئچ دبا دیا۔ سوئچ کو آن کرتے ہی ہتھوڑے میں سے لوہے کا ایک گول سلاخ نکلا جو سر کی ہڈی کو توڑتا ہوا بچھڑے کے حلق تک جا پہنچا کیونکہ اس سلاخ کی لمبائی دس بارہ انچ اور گولائی دو ڈھائی انچ تھی...... پھر وہ بچھڑا وہیں پر گر گیا اور ایسا بے حس وحرکت ہو گیا کہ جب اسکے پاؤں کو اٹھا کر کسی نے اس میں زنجیر پہنائی تو وہ ذرا بھی حرکت نہیں کر سکا۔ ادھر اس کے منہ سے زبان بھی باہر آگئی۔ پھر ایک شخص نے ایک سوئچ دبایا جس کی وجہ سے زنجیر نے بچھڑے کو اوپر کھینچ لیا اور وہ زنجیر سے لٹک گیا پھر ایک مسلمان چھری لیکر آگے بڑھا اور اس کے حلقوم میں پھیر دیا۔ ذبح کے بعد اس کے حلقوم سے کافی مقدار میں خون بھی خارج ہوا۔

سوال یہ ہے کہ یہ ذبیحہ از روئے شرع صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز اس بچھڑے کا کھانا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا ناجائز وحرام؟ بینوا وتوجروا۔

صاحب دین واسحاق بوئی۔ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ______ بعون العلام الوهاب ______

آہنی سلاخ کے کاری ضرب لگنے سے بچھڑے کا بے حس وحرکت ہو جانا پھر زبان کا باہر آجانا، پھر اسے اٹھانے لٹکانے پر بھی حرکت میں نہ آنا اس کی موت کی علامتیں ہیں۔ لیکن وقتِ ذبح کافی مقدار میں خون نکلنا اس کی حیات کی علامت ہے ایسے جانور جیسے بے دھار کے سلاخ سے مار کر بیہوش کر دیا گیا ہو۔ قرآن پاک میں الموقوذہ فرمایا گیا ہے۔ جب وقتِ ذبح حیات کی علامت یقینی طور پر پائی گئی تو وہ حلال و طیب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ص۳ میں ہے واذا علمت حیوتها یقینا وقت الذبح اکلت بکل حال اھ ذبح کے وقت یقینی طور پر جانور کی زندگی معلوم ہو جائے تو ہر حال میں وہ حلال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

یہ تو آپکے سوال کا شرعی جواب تھا لیکن میرا مشورہ ہے کہ کسی مشاق وتجربہ کار ڈاکٹر سے اُس بیہوش جانور کا معائنہ کرایا جائے اگر وہ بالیقین کہدے کہ اس کے اندر حیات موجود ہے صرف دہشت کی وجہ سے اس کی یہ صورتِ حال ہوگئی ہے۔ تب تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ہاں یہ تکلیف جو قبل ذبح اسے پہنچائی گئی ناجائز و حرام ہے "لاضرر ولاضرار فی الاسلام"

اور اگر ڈاکٹر اس کی موت ڈیکلیر کردے تو نام نہاد ذبح سے وہ حلال نہیں ہوجائے گا۔ فقط کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۱ ستمبر ۲۰۰۰ء

مرغ کو ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں ڈالنا

مسئلہ:۔ ۱۰۴۴ احسان الرحمٰن فیضانی ۱۹-۴-۲۰۰۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرغی کو ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں ڈالدیتے ہیں تاکہ اس کے پر (پنکھ) آسانی سے نکل جائیں۔ اور بعض لوگ مذبوحہ مرغی کو آگ میں جھلسادیتے ہیں تاکہ اس کے روئیں جل جائیں چونکہ ان مرغیوں کے پیٹ میں نجاستِ غلیظہ کا تھیلا موجود ہوتا ہے لہٰذا بہت ممکن ہے کہ نجاست کا اثر اس کے گوشت میں پہنچ چکا ہو اس لئے یہ بتانے کی زحمت گوارہ کی جائے کہ مذکورہ مرغی کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ای آر فیضانی بہروا ییرو نوٹیکس کالج۔ کومبٹور، تامل ناڈو

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب

صرف گرم پانی میں ڈال کر مرغی کو نکال لینے سے اس کی نجاست تھیلہ سے نکل کر گوشت میں سرایت نہیں کرسکتی ہے میں نے خود مرغیوں کو گرم ہوتے ہوئے دیکھا اور گرم کرنے والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ پانی چالیس ڈگری پر گرم ہوتا ہے جس کا اثر مرغ کی چمڑیوں تک ہوتا ہے اور پر آسانی سے نکل جاتے

ہیں۔ جب یہ پانی اسی ڈگری پر گرم کیا جائے گا تو مرغی کے پیٹ کی نجاست اس سے متاثر ہوگی۔

بہرحال جب تک ظنِ غالب ہے اس کی نجاست کا اس کے گوشت میں سرایت کرنا مفہوم نہ ہو گوشت کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ پھر یہ کہ مرغی کھانے والے ہر مرغی کو بار بار دھونے کے بعد ہی پکاتے ہیں۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ذبح کے بعد اس کے حلقوم کو دھولیا جائے اور اس کے پیٹ کی نجاست نکال دی جائے پھر اسے گرم پانی میں رکھیں یا جھلسائیں۔

طحطاوی میں ہے فالاولیٰ قبل وضعها فی الماء المسخن ان یخرج مافی جوفها و یغسل محل الذبح مما علیه من دم مسفوح تجمد اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۹/اپریل سنہ ۲۰۰۱ء

❀❀

کتابُ الحلالِ والحرام

(حلال وحرام کا بیان)

یورپین کاس (پنیر)

مسئلہ ۱۰۴۵ :- فیصل عبدل۔ دی ہیگ
۹۶-۴-۱۴۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ چیز (کاس یا پنیر) جو دودھ سے بنتا ہے اور اس میں دودھ کے علاوہ چند دوسری چیزوں کی بھی ملاوٹ ہوتی ہے جو حلال وجائز اشیا میں سے ہے لیکن ایک چیز ایسی بھی شامل کی جاتی ہے جس کے بارے میں ہم لوگوں کو شبہ ہے اور وہ ہے گائے کے زندہ بچہ کے ماخ (معدہ یا ہاضمہ) کا رَس۔ اُس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے یا حرام؟

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایۃَ الحقِ والصواب ـــــ

جس چیز (کاس۔ پنیر) میں گائے کے زندہ بچہ کے پیٹ سے دسومت (رَس) نکال کر ڈالا جاتا ہو اس کا کھانا حرام ہے اُس سے مسلمانوں کو احتراز لازم ہے۔ اسلئے کہ حلال چوپایہ جانوروں کے جسم سے دودھ کے علاوہ جو عضو، یا حصہ بغیر ذبح شرعی کے علیحدہ کیا جائے اس کا کھانا شرعاً حرام ہے کما حققہ امام اھل السنّۃ مجدّد الملۃ فی فتاویٰ کتاب الذبائح۔ ہاں اگر گائے کے زندہ بچہ کو شرعی طور پر ذبح کرلیا جائے اور اس کا وہ حصہ بدن جو لائق اکل ہو کاس میں ڈالا جائے تو اس کا استعمال جائز ودرست ہے۔ آج کل کے سائنسدانوں اور اطباء

نے اس کے اُس خاص جزبدن کا بدل دریافت کرلیا ہے۔ جسے سمندری بودا (ZEE WIER) کہاجاتا ہے۔ بہتر ہے کہ جیز (کاس) میں اسی کو استعمال کیاجائے جو کراہت وعدمِ جواز کے شبہات سے پاک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا، مدینۃ الاسلام

دی ہیگ۔ ۱۵-۴-۱۹۹۶ء

جانور کے چمڑوں اور پروں کا استعمال

مسئلہ ۱۰۴۶ :- مولانا حافظ عبدالرشید، حلقہ اشرفیہ روٹردم ۱۱-۴-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علماء ملّتِ اسلامیہ ومفتیانِ دینیہ ان مسائل میں کہ

۱- غیر ذبیحہ مرغیوں اور حلال جانوروں کے پَر اور چمڑے کا استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۲- ذبح شرعی کے بعد حلال جانوروں کے پَر اور چمڑوں کا استعمال خورد ونوش میں یا کسی اور طریقہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۳- حرام جانوروں کے پَروں اور چمڑوں کا استعمال خورد ونوش میں یا اور کسی طریقہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا وتوجروا

عبدالرشید۔ صدر مجلس علما، نیدرلینڈ، بانی حلقہ اشرفیہ روٹردم

الجواب ــــــ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ــــــ ۹۲/۴۸۶

۱- حلال جانور اگر بغیر ذبح شرعی کے مرجائے یا ذبح شرعی کے علاوہ کسی اور طریقے سے ذبح کیاجائے تو وہ مردار وحرام ہے۔ لیکن مردار جانوروں کا چمڑا دباغت (لوئینگ) کے بعد پاک ہوجاتا ہے۔ اس کی ہڈی اور پَر بھی پاک ہے۔ بشرطیکہ اس پر کوئی ناپاک دسولت (چکناہٹ) لگی ہوئی نہ ہو۔ اس کی خرید فروخت اور خارجی استعمال جائز ودرست ہے۔

درمختار میں ہے شعر المیتۃ غیر الخنزیر وعظمہا طاہر اھ | سور کے علاوہ تمام مردار جانوروں کا بال اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں۔

لیکن کسی مردار جانور کا چمڑا یا پَر یا کوئی دوسرا اجزاء بدن اگرچہ پاک ہو، مسلمان خورد ونوش میں اسے استعمال نہیں کرسکتا کیونکہ وہ بنص قطعی حرام ہے حُرِّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (الآیۃ)۔ وھو اعلم

۲۔ ذبح شرعی کے بعد حلال جانور کا چمڑا خورد ونوش کے سامان میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور مسلمان اسے کھا بھی سکتے ہیں۔ البتہ پَر اور بالوں کا استعمال کھانے پینے کی چیزوں میں کراہت سے خالی نہیں۔ وھو اعلم

۳۔ پَروں، بالوں اور ہڈیوں پر اگر اس جانور کی دسومت (چکناہٹ) یا کوئی خارجی ناپاکی لگی ہوئی نہیں ہے تو وہ پاک ہے اور اس کا استعمال خارجی طور پر جائز ہے۔ اور اس کے چمڑے دباغت (دھوپ، نمک یا ٹینری کے ذریعہ پکانا) کے بعد پاک ہے، وہ بھی استعمال میں لائے جاسکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ سور اور اس کا کوئی جزء بدن کسی دباغت سے قابل استعمال نہیں ہوسکتا کہ وہ نجس العین ہے۔ اور ہاتھی کے اجزاء بدن کے استعمال سے بھی بچنا چاہئے کہ وہ بھی سیدنا امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک نجس العین ہے کما فی رد المحتار وفی فتح القدیر۔ اور علماء اصولین کے نزدیک رِعَايَةُ الْخِلَافِ مُسْتَحَبَّةٌ بالاجماع، مسلّم ہے۔ حرام جانوروں کا کوئی جزء بدن اشیاء خورد ونوش میں ملاکر استعمال کرنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، خادم الافتاء مجلس علماء ہندر لینڈ

۱۱ر اپریل ۲۰۰۰ء

مشینی ذبیحہ

اپنا خون ھدیہ کرنا

اپنا عضو کسی کو دینا

بیع فاسد
بینک کا منافع
سیرت پاک بطور ڈرامہ

مسئلہ ۱۰۴۷/۱۰۴۸/۱۰۴۹/۱۰۵۰/۱۰۵۱/۱۰۵۲: مجلس علما، بوساطت مولانا عبدالغفار نورانی

کیا فرماتے ہیں علماء دین وحاملانِ شرع متین ان مسائل میں کہ

۱۔ مشینی ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ صلیب احمر اور دوسرے ہاسپیٹل والے خون کو جمع کرکے رکھتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ لوگ اپنی اپنی مرضی سے اپنا خون دیں۔ تو اس اعلان پر مسلمان اپنا خون ان غیر مسلم اداروں اور ہوسپیٹلوں کو دے سکتے ہیں؟

۳۔ یہاں ہالینڈ میں گھر گھر پمفلٹ آتا رہتا ہے کہ جو چاہیں اجازت دیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء بدن میں سے کچھ عضو، کاٹ لیں یا نکال لیں۔ تو کیا ایک مسلمان اپنے مرنے کے بعد اپنے عضو کے کاٹنے یا نکالنے کی اجازت دے سکتا ہے؟

۴۔ کچھ کمپنیاں ہیں جو مقررہ میعاد پر متعینہ رقم ہر ماہ مقررہ میعاد تک جمع کرتی ہیں۔ اور میعاد پوری ہوجانے پر رقم جمع کرنے والوں کو اَلمضاعف (ڈبل) رقم دیتی ہیں۔ کیا ایسا کرنا یا کمپنی سے ڈبل رقم لینی جائز وروا ہے؟

۵۔ مسلمان کے روپئے جو غیر مسلم بینک میں یہاں جمع ہیں ہر بینک والے سود کے نام پر ہر سال کچھ زائد رقم دیتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کے لئے اس زائد رقم کا لینا جائز ہے۔

۶۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگیوں کے واقعات جو درس وعبرت اور نصیحتوں سے

پُر ہوں۔ ڈرامائی یا سینمائی انداز میں رول کرنا جائز و صحیح ہے؟

بینوا و توجروا۔ سکریٹری جنرل مجلس علماء نیدرلینڈ۔

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ اَللّٰھُمَّ ھِدایۃ الحق والصواب ـــــ

۱۔ ذبح شرعی کی اکثر بنیادی شرطیں مشینی ذبیحہ میں معدوم ہیں اسلئے مشینی ذبیحہ مردار و حرام ہے۔ کما بیّناہ فی بعض فتاوٰنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ علماء متاخرین نے تداوی بالدّم کو ضرورتاً جائز قرار دیا ہے۔ کما فی العالمگیریۃ وغیرھا۔

" یجوز للعلیل شرب الدّم و البول واکل المیتۃ للتداوی اھ" بیماروں کے لئے ضرورتاً خون اور پیشاب کا پینا مردار کھانا بغرضِ دوا کے جائز ہے...

اور جائز امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی جائز ہے۔ لہٰذا اپنے جسم کا اتنا خون دینا جس سے جسمانی ضرر نہ پہنچے جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ مرنے والوں کی وصیّت کی وجہ سے اس کے اعضاء بدن میں سے کسی عضو کو نکالنا یا کاٹنا درست نہیں۔ کیونکہ ایسی وصیت غیر شرعی یا وصیّت عرفی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، نہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور میں اعضاء انسانی کی بینکینگ (ذخیرہ) ایک طبّی ضرورت ہے۔ بعض ناگہانی حالات و حادثات میں جس کی سخت ضرورت پڑتی ہے اور بوقتِ ضرورت اتنی تعداد میں اعضاء مطلوبہ کا فراہم کرلینا نہایت مشکل ہے۔ بنا بریں قبل از وقت اس کا ذخیرہ کرلینا علاج و سرجری کے لئے عین مصلحت ہے۔ اور اس تیکنیکی دور میں اعضاء انسانی کی پیوندکاری یا اس کے قطع و برید میں توہین انسانیت بھی نہیں بلکہ اس کے ذریعہ ہزاروں جاں بلب اور معذور مریضوں کو موت کے چنگل سے بچا لیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی صحت مند انسان اپنا کوئی عضو کسی بھائی کو دیدے۔ جبکہ اس کے کاٹنے یا نکالنے سے ہلاکت یا ضررِ شدید کا اندیشہ

قوی نہ ہو جائز ہونا چاہئے۔

لیکن یہ مسئلہ ان مسائلِ محدثہ میں سے ہے جو علماء اہلسنّت زَادَاللّٰہُ تعالیٰ اَمْثَالَہَا کے زیرِ غور ہے لہٰذا جب تک محققین علماء اہلسنّت کا اس کے تئیں فیصلہ نہ ہو جائے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ امانتِ الٰہی میں کسی طرح خیانت نہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ جی ہاں یورپ کی ان کمپنیوں کے ساتھ عقدِ فاسد کے ذریعہ یا دَینِ ضعیف کے ذریعہ منافع حاصل کرنا جائز و مباح ہے۔ کمافی الھدایۃ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ غیر مسلم و غیر ذمّی کے بینک کسی نام پر منافع دیتے ہوں اس منافع پر "رِبٰی" کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور جب وہ "ربٰو" نہیں تو مالِ مباح و طیب ہے۔

لقوله عليه الصّلوٰة والسّلام "لا ربٰو بين المسلم والحربي في دار الحرب"

اس حدیث پاک میں دار الحرب کی قید اتفاقی ہے، مگر اتفاق سے جس ملک سے متعلق یہ مسئلہ دریافت کیا جا رہا ہے اس پر دار الحرب کی تعریف صادق آتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ اللہ تعالیٰ ایسی شیطانی کارستانیوں سے ہر مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین یارَبَّ العالمین ۔ حضور پُرنور سید کائنات علیہ افضل الصلوات۔ اور آپ کی زوجۂ محبوبہ طیبہ طاہرہ عالمہ فاضلہ سیدہ صدیقہ امّ المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک و مقدس حیات طیبات کو ڈرامائی یا سینمائی انداز میں پیش کرنا نہایت حرام اشد حرام سخت و شنیع بدانجام ہے جو عذابِ الیم اور غضب جبّار و قہّار کا باعث ہے (اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالیٰ وَاِیَّاکُمْ) اس کا رول ادا کرنے والوں پر خوفِ کفر ہے۔ اس کا دیکھنا یا اس میں کسی طرح مدد دینا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ
۲۴؍ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

ٹیسٹ ٹیوب اور زنا

مسئلہ ۱۰۵۳:- مولانا حافظ محمد صدیق صاحب نعیمی ۲۶-۱۲-۱۹۸۶

حضرت اقدس حضور مفتی صاحب قبلہ! دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ٹیسٹ ٹیوب سے متعلق جوابات سے مشرف ہوا۔ خدائے پاک آپ کے سایہ کرم کو دراز فرمائے۔ آمین۔ تاکہ مسلمانانِ یورپ خصوصیت کے ساتھ آپ سے استفادہ کرسکیں اور مشکل ترین مسائل میں علماء آپ سے رہنمائی پائیں۔

ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ حاصل شدہ بچوں کی نسبی وضاحت سے معلوم ومفہوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد وعورت کے پانی کا نسب میں کوئی اعتبار نہیں۔ اور یہی حکم زنا کے پانی کا بھی ہے...... تو کیا ٹیسٹ ٹیوب میں جس اجنبی مرد اور اجنبیہ عورت کے پانی کو ملایا گیا۔ اُس پر شرعاً زنا کا حکم صادر ہوگا؟ اور کیا ان دونوں پر شرعی حد بھی عند القضاء جاری ہوسکتی ہے؟ بینوا وتوجروا محمد صدیق نعیمی امام وخطیب الغوثیہ اسلامک سینٹر دی ہیگ

۸۶/۹۲ **الجواب:** اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

محب محترم ذو المجد والکرم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

جی ہاں جو حکم زنا کے پانی کا ہے وہی حکم اجنبی مرد وعورت کے اُس پانی کا بھی ہے جو ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ مخلوط کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ عمل اپنے نتائج واصل کے اعتبار سے زنا سے کم مضر نہیں۔ کہ اس میں بھی جوڑوں کا وجود غیر فطری اور غیر شرعی طور پر عمل میں آتا ہے۔

البتہ زنا کی شرعی سزا کا نفاذ اس پر نہیں ہوگا۔ کیونکہ زنا میں جسم سے جو تلذذ ہے اس کا یہاں تصور بھی نہیں۔ ہاں بے ضرورت وحاجت اس کے عاملین وناصرین پر قاضی شرع تعزیری کاروائی کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم

۲۶/دسمبر ۱۹۸۶ء

جانوروں کو بٹائی پر دینا

کمیشن ایجنٹ اور حکم شرع!

مسئلہ ۱۰۵۴/۱۰۵۵: عبداللطیف یوسف گمان آمسٹرڈم
۲۵-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

۱۔ ہمارے بعض بعض گاؤں میں کوئی مالدار شخص کئی کئی جانور خرید کر کسی غریب آدمی کو بٹائی پر دیتا ہے اور معاملہ اسی طرح طے پاتا ہے کہ تم اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرو۔ جب یہ جانور بچہ دے گا تو اس کے دودھ اور بچہ میں ہم دونوں آدھے آدھ رہیں گے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ معاملہ کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟۔

۲۔ مدارسِ اسلامیہ جن کے اخراجات کا انحصار عوامی چندہ پر ہو۔ لیکن چندہ وصول کرنے والے (محصّلین) کی تنخواہیں اور اخراجاتِ سفر جب مدارس کے ذمہ ہوتے ہیں تو ان محصّلین کی تمام وصولیابی اکثر ان کی تنخواہ اور اخراجاتِ سفر کی نذر ہوجاتی ہے اور جب انہیں محصّلین کو کمیشن پر بحال کیا جاتا ہے تو ان کی محنت و کاوش دوبالا ہوجاتی ہے۔ اور چندہ کی فراہمی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُنہیں بھی تنخواہوں سے زیادہ پیسے ملتے ہیں اور مدارس کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر سفراء حضرات کو مدارس کے ارباب حل و عقد کمیشن پر بحال کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کے صدقاتِ واجبہ نیز زکوٰۃ اُن سفراء کے ذریعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ **بینوا و توجروا!**

ایل یوسف نوری مسجد آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ **الجواب ــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ**

اس مسئلہ میں فقہائے کرام مختلف ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ بھی قیاسی ہے کیونکہ

جن حضرات نے قفیز طحان والی روایت کے پیش نظر معدوم اجرتوں پر معاملات کا انحصار ناجائز قرار دیا ہے ان میں سے بعض فقہاء متاخرین نے عرف و عادت کی بنا پر اسے جائز بھی کہا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قفیز طحان والی روایت کی صحت و رفع ان کے نزدیک بھی مشکوک ہے ورنہ نص کے مقابلہ میں عرف و عادت کو وہ کبھی ترجیح نہیں دیتے اور جب مسئلۂ مذکورہ کا تعلق نص شرع سے نہیں بلکہ قیاس سے ہے اور قیاس بھی دلیل شرع ہے تو جس علاقہ میں جانوروں کو بٹائی پر دینے لینے کا چلن عام ہو چکا ہو وہاں جانوروں کو بٹائی پر لینا دینا درست ہے اور جب اجرت کی وضاحت و مقدار بھی آپس میں طے ہے تو اس کے جواز میں شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ اس مسئلہ کا تعلق بھی روایت مذکورہ بالا سے ہے۔ جن فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قفیز طحان کی نہی مسلّم ہے ان کے نزدیک معاملات مذکورہ (کمیشن پر کام کرنا کرانا) ممنوع ہے۔ اور جن فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قفیز طحان والی روایت ضعیف اور محل نظر ہے ان کے نزدیک عرف و عادت کو دیکھتے ہوئے معاملۂ مذکورہ جائز و مباح ہے۔

فی زماننا یہ معاملہ صرف مدارس کے ساتھ مختص نہیں بلکہ مختلف نوع کی بیشمار کمپنیاں اپنے مفاد کے لئے کمیشن ایجنٹ مقرر کرتی ہیں اور ان کی قوتِ عمل کے مطابق انہیں کمیشن دیتی ہیں۔ پھر کمیشن کی مقدار عمل سے پہلے طرفین کے درمیان طے پا جاتی ہے جس کی وجہ سے اجرتِ معدوم و مجہول کا شبہ زائل ہو جاتا ہے۔ اور ایسی ممکنہ نزاعات کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اب یہ معاملہ کسی خاص قوم یا علاقہ کے ساتھ محدود نہیں رہا بلکہ تعامل النّاس کی صورت اختیار کر گیا ہے لہٰذا استحساناً اسے جائز ہونا چاہئے۔

ادائے زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ کے لئے تملیک شرط ہے۔ جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں وہاں مذہبی امور کا اقتدار علمائے ربّانین کے سپرد ہے۔ یا مسلمانوں نے

اپنے صوابدید کے مطابق جس عالم دین کو اپنے مذہبی امور کا مقتدا اور فیصل مان لیا اُن کے سپرد ہے۔ اگر مدارس کے ارباب حل وعقد (اراکین) میں علمائے دین کی بھی شمولیت ہے تو ان کا مقرر کردہ محصّل عامل کے حکم میں ہے اور جو زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے کے لئے شرعی طور پر مقرر کیا جاتا ہے وہ منجملہ مستحقین زکوٰۃ میں ہوتا ہے "وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا" لہٰذا زکوٰۃ وصدقات واجبہ ان کے ذریعہ بھی ادا ہو جائے گی ــــ ہاں اگر غیر عاملین کے ہاتھوں مدارس ومستحقین تک زکوٰۃ وغیرہ بھیجی جائے تو جب تک تملیک فقیر نہیں پائی جائیگی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ مسجد نوری آمسٹرڈم ہالینڈ
۲۵-۱۱-۱۹۸۵ء

دو ملکوں کی کرنسی کا تبادلہ عام بازار میں

مسئلہ ۱۰۵۶:- مولانا سلطان رضا قادری۔ رضوی مسجد، آمسٹرڈم
۱۲-۱۱-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مختلف ملکوں کی کرنسیوں کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ جسکی قیمت ملکوں نے اپنے اپنے طور پر مقرر کر رکھی ہے۔ اور کرنسیوں کے تبادلہ کی صورت میں بھی ملکی سطح پر اس کی ایک قیمت مقرر ہے۔ تو ایسی صورت میں دو ملکوں کے درمیان کرنسی کے اندر جو کمی بیشی ہوگی وہ شرعاً جائز ہے یا ربٰو میں داخل ہو کر حرام؟ تبادلہ کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عوام اپنے طور پر یا گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کر کے کرنسی کا تبادلہ کرتی ہے جو قیمت کے لحاظ سے حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے مختلف ہوتی ہے۔ کیا اس طرح سے آپس میں مختلف ملک کے نوٹوں کا تبادلہ ازروئے شرع جائز وحلال ہے یا ناجائز وحرام؟

الجواب ــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــ

جب دو ملکوں کی کرنسیاں قیمت کے اعتبار سے ایک نہیں تو یہیں سے ظاہر

ہوا کہ وہ دونوں ایک جنس نہیں۔ بلکہ ثمن کے اعتبار سے دو مختلف اجناس ہیں اور ایسی صورت میں تبادلہ کے اندر جو کمی بیشی واقع ہو گی وہ شرعاً و عرفاً ربوٰ نہیں کہلائے گا۔ لہٰذا کمی، بیشی کے ساتھ اس کا تبادلہ جائز و مباح، حلال وطیب ہے۔

حکومت کی طرف سے اپنی اپنی کرنسیوں کا مقرر کردہ نرخ کسی شرعی ضابطے کے ماتحت نہیں بلکہ اپنی اپنی معاشی تناظر میں ہے جس کی پابندی شرعاً واجب نہیں لہٰذا عوام جو اپنی اپنی رضا و خوشی سے مختلف کرنسیوں کا تبادلہ مختلف قیمتوں میں کرتی ہے وہ جائز ہے۔

ہاں ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی عزت و ناموس کا بھی پاس رکھنا ضروری ہوگا کہ رائج الوقت قانون کی خلاف ورزی کے پاداش میں کہیں اس کی آبرو ریزی نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ مسجد نوری۔ آمسٹرڈم
۱۲ر نومبر ۱۹۹۵ء

ایک قیمت کے دو نوٹوں کا تبادلہ کمی بیشی کیساتھ

مسئلہ ۱۰۵۷:۔ محمد عباس شیورتن۔ رضوی مسجد آمسٹرڈم
۱۵-۱۱-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ملک کا نوٹ اسی ملک کے نوٹ سے کمی بیشی کے ساتھ خریدنا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ دونوں نوٹوں کی قانونی قیمت ایک ہی ہے۔　　　حسین علی رضوی مسجد کیر اُف محمد عباس

۷۸۶ / ۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

ہر ملک کا نوٹ (کاغذی کرنسی) اس ملک کے لئے زر قانونی و اصطلاحی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)۔ جس کو قانوناً ثمن کی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا ملک کے اندر ایک نوٹ کو اسی قیمت کے دوسرے نوٹ سے کمی یا بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا ناجائز و حرام ہے۔　　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۹۵ء

کوّا کا کھانا حلال یا حرام؟

مسئلہ ۱۰۵۸: قاری زکریا۔ فرینکفورٹ جرمنی ۶-۷-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مشہور پرندہ جسے کوّا کہتے ہیں اس کا رنگ نہایت سیاہ، بولی اس کی کائیں کائیں اور کھانا اس کا حلال وحرام، پاک وناپاک سب ہی۔ اُس پرندہ کا گوشت مسلمانوں کو حلال ہے یا حرام؟ میں نے کسی مولوی صاحب سے سنا ہے کہ علماء دیوبند کے نزدیک اس پرندہ کا کھانا نہ صرف جائز وحلال بلکہ ثواب بھی ہے۔ کیا مولوی صاحب مذکور کا بیان صحیح ہے؟ محمد زکریا جہلمی۔ وارد حال فرینکفورٹ۔

الجواب (۹۲/۸۶) ـــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

پرندۂ مذکورہ (کوّا، غراب، الغراب الابقع، زاغ، زاغ معروف) اپنی خباثت وفسق وفجور اور ایذا رسانی میں مشہور ہے۔ اور وہ اپنی فطری خباثت وفسق کی وجہ سے حرام ومردار ہے۔ قال تعالیٰ عزوجل

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الآیۃ) (نبی محترم) مسلمانوں پر خبیث چیزوں کو حرام فرماتے ہیں اور نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ رواہ مسلم عن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔

خمسٌ فواسق یقتلن فی الحل والحرم الحیّۃ والغراب الابقع الخ — پانچ جانور فاسق ہیں جو حل اور حرم میں مارے جاتے ہیں ان میں سے ایک سانپ دوسرا کوّا ہے۔

کوّا کو فاسق کیوں فرمایا اس کی وجہ ائمہ حدیث سے سنیئے۔

ومعنی الفسق فیہ (الحدیث) خبثھن وکثرۃ الضرر (مجمع البحار والبحر الرائق) — فسق سے مراد یہ ہے کہ وہ خبیث اور زیادہ ضرر پہنچانے والا پرندہ ہے۔

فاسق غراب ازاں ست کہ کاوش می کند پشت مجروح دواب را (تیسیر القاری شرح بخاری) — کووں کا فسق یہ ہے کہ وہ چوپاؤں کے زخمی پیٹھوں کو کریدتا رہتا ہے۔ (تیسیر القاری)

بیہقی شریف میں حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

من یاکل الغراب وقد سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقًا واللہ ماھو من الطیبٰت (بیہقی وابن ماجہ)	کوا کون کھا سکتا ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا ہے۔ خدا کی قسم وہ طیبٰت سے نہیں ہیں۔ (یعنی خبائث سے ہے جو حرام ہے)

جی ہاں دیوبندی فرقہ کے سرغنہ مولوی رشید احمد نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں اسے کھانا ثواب لکھا ہے۔ ایسا انہوں نے کیوں کیا؟ اس کا جواب قرآن پاک میں ہے اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم
۵ رمئی ۱۹۸۷ء

تمباکو نوشی، تمباخوردنی

مسئلہ ۱۰۵۹ (۱۹۹۷-۴-۱۶) :- محمد شریف و محمد فیصل عبدل، دی ہیگ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سگریٹ نوشی یا تمباکو خوردنی کا شرعی طور پر کیا حکم ہے؟ جبکہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ جس تمباکو کا استعمال سگریٹ میں ہوتا ہے اس تمباکو میں ضرور بالضرور شراب ہوتی ہے۔ کیونکہ سگریٹ بنانے سے پہلے چند دنوں کے لئے تمباکو کے پتہ کو شراب میں ڈبویا جاتا ہے اور جب شراب کا پورا اثر اس میں سرایت کر جاتا ہے تو اسی پتہ سے سگریٹ بنایا جاتا ہے؟　　محمد شریف عبدل

الجواب (۹۷/۸۶)　　اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الحق والصواب

تمباکو نوشی یا تمباکو خوردنی خواہ کسی شکل میں ہو (سگریٹ، بیڑی، حقہ، کھینی، تمباکو، خمیرہ، قوام اور نسوار وغیرہ) سب مکروہ طبعی ہے کہ نفاست پسند

طبیعتیں اس سے یکگونہ نفرت کرتی ہیں اور اگر اس کے ذریعہ کسی تجربہ کار ماہر ڈاکٹر (طبیب حاذق) کے کہنے کے مطابق کوئی فائدہ مظنون ہو مثلاً دردِ شکم کا زائل ہونا، کاسرِ ریاح ہونے کے سبب گیسٹک کا خاتمہ، پیریا کا خاتمہ تو اس کی کراہتِ طبعی بھی زائل ہوجائے گی ۔۔۔۔ اگر تمباکو نوشی اور تمباکو خوردنی وغیرہ سے جسمانی ضرر کا ظنِ غالب ہو تو اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے۔ قال تعالیٰ "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ" اور اگر یہ تحقیق ہو کر تمباکو کے پتوں کو شراب میں ڈبونے کے بعد ہی سگریٹ یا کھانے کی پتی یا قوام وغیرہ بنایا جاتا ہے اور شراب کا اثر اس میں باقی رہتا ہے تو اس کا کھانا، پینا، نسوار لینا سب حرام اشد حرام نہایت بدانجام ہے کیونکہ شراب کی ایک بوند بھی بر نصِ قطعی حرام و نجس ہے۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ ۱۶ را پریل ۱۹۹۶ء

جانوروں کے ساتھ بدفعلی

مسئلہ ۱۰۶۰: اہالیان عشورہ کیراُوف نورالحسن ۲۸-۱۰-۱۹۹۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید جو کہ ایک باہوش بالغ مسلمان ہے۔ کئی دیہاتیوں کے جانوروں کی دیکھ بھال اور اس کی چرواہی کرتا ہے۔ ایک دن ایک متقی و پرہیزگار نمازی آدمی جنگل کی طرف جا رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ زید ایک دودھ دینے والی بکری کو پکڑے ہوا ہے اور اس کے ساتھ بدفعلی کر رہا ہے۔ اس نے گاؤں میں واپس آکر اس واقعہ کو بیان کیا جس کو سن کر سارے لوگ زید سے متنفر ہوگئے اور اب اسے سزا دینا چاہتے ہیں۔ از روئے شرع شریف اس کی کیا سزا ہے صاف صاف تحریر فرمائیں اور شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی:۔ اہالیانِ عشورہ، سیتاپور

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ اللّٰھُمَّ ہدایۃ الحق والصواب ــــــــ

اسلامی شرع میں مجرمین اور گنہ گاروں کے لئے تین طرح کی سزائیں ہیں۔ (۱) حد۔ اس کی حد شرع میں مقرر ہے۔ مثلاً رجم کرنا یہاں تک کہ مجرم مرجائے۔ سو کوڑے مارنا خواہ مجرم زندہ رہے یا مرجائے۔ (۲) تعزیر: زجر و توبیخ اور شرم و عار دلانے سے لیکر موت تک کی سزا مجرم کو دی جاسکتی ہے۔ تعزیر کا تعین حاکمِ شرع کی صوابدید پر منحصر ہے۔ وہ مجرم اور جرم کی نوعیت کا لحاظ کرتے ہوئے جس قسم کی سزا چاہے مقرر کرے۔ کمافی تنویر الابصار والدرالمختار وفی شرحہ "التعزیر (لیس فیہ تقدیر بل ہو مفوض الی رائی القاضی) وعلیہ مشائخنا" اور شامی ط۲۵۱/۳ میں ہے الحاصل وجوبہ بالاجماع الامۃ لکل مرتکب معصیۃ لیس فیہا حدّ مقرر الخ

(۳) توبہ۔ جہاں اسلامی امارت نہیں یا قاضیٔ شرع غلبہ کفار و مشرکین کی وجہ سے حدود و تعزیرات کو بروجہ شرعی جاری نہ کرسکے تو بالآخر وہاں مجرمین پر توبہ و استغفار ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آخرت کی سزا سے بریٔ الذمہ ہوگیا بلکہ توبہ کرنے کے سبب وہ مسلمانوں کی سوسائیٹی میں رہنے کے قابل ہوگیا۔ گویا وہ گناہ اس سے سرزد ہی نہیں ہوا۔ جو ہوا کیونکہ اس نے توبہ کے ذریعہ تازیست اس گناہ کے قریب نہ جانے کا عہد کرلیا ہے..... زید بے قید حرص و ہوس کے صید پر اگرچہ بطریق شرعی جرم ثابت نہیں ہوسکے گا کہ نصاب شہادت (ونِصَابُہَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَّ امْرَأَتَانِ) مکمل نہیں ہے ہاں اگر بغیر جبر و اکراہ کے زید اپنے جرم کا اقرار کرلے تو اس پر تعزیر شرعی عائد ہوگی یعنی قاضیٔ شرع اسے موت تک کی سزا دے سکتا ہے۔ لیکن ہالینڈ وغیرہ ممالک یورپ، اماراتِ اسلامیہ کی اہلیت نہیں رکھتے اور ہندوستان میں فی الحال غلبۂ کفار و مشرکین کی وجہ سے حدود و تعزیرات کا نفاذ متعذر ہے تو بالآخر تیسری صورت وجوب توبہ اس پر

عائد ہوگی. لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَہٗ"
نیز جس سوسائیٹی اور ماحول میں زید مذکور رہتا ہے اس سوسائیٹی کے مسلمانوں
کو چاہئے کہ زید کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے اور ایسی سماجی سزا دے جو دوسرے لوگوں
کے لئے عبرت آموز ہو. مالی تعزیر تو منسوخ ہوچکا ہے البتہ مذکورہ صورتِ حال میں
بکری کی مناسب قیمت لگا کر وہ قیمت زید سے وصول کی جائے پھر چاہئے کہ
اس بکری سے کوئی فائدہ اٹھائے بغیر اُسے ذبح کرکے چیل کوّوں کو کھلادے یا جلادے.
درمختار میں ہے "یعزر ویذبح ثمّ تحرق ویکرہ الانتفاع بھا
میّتۃ او میتۃ" اور ردّالمحتار میں نھر الفائق اور زیلعی سے ہے "فان
کانت الدّابۃ لغیر الواطئ یطالب صاحبھا ان یدفعھا الیہ
بالقیمۃ ثم تذبح" واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ. خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲۸ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

تصویر اور اس کا حکم

مسئلہ ۱۰۶۱ :- فیض الرحمٰن سبحانی. کالی کٹ
۲۰۰۲-۷-۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس کی
کیا دلیل ہے کہ تصویر کشی حرام ہے. زید کہتا ہے کہ اگر تصویر کشی حرام ہوتی تو وہ تابوت
جس کے بارے میں قرآن میں ذکرِ جمیل آیا ہے اور اس تابوت کے بارے میں مفسّرین
حضرات فرماتے ہیں کہ اس تابوت کے اندر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے حواریین
اور ان کے گھروں کی تصویریں موجود تھیں حتیٰ کہ نبی دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی
تصویر بحالت قیام یا رکوع اس کے اندر بنی ہوئی ہے. تو اس سے ثابت ہوا کہ تصویر
کشی حرام نہیں. بلکہ اللہ تعالیٰ کے کئے کے عین مطابق ہے. اور حدیث میں جو ذکر آیا
ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں تو اس سے مراد وہ تصویر ہے جس کے

جہاتِ ستہ ہوں۔ لیکن آجکل جو تصویر کشی ہوتی ہے۔ اسمیں صرف ایک ہی جہت ہوتی ہے، اور وہ آگے کی طرف ہوتی ہے جیساکہ بعض کتابوں میں بھی موجود ہے لہٰذا اس سوال کا صحیح جواب کیا ہے؟ مدلل مطلع فرمائیں۔

المستفتی: فیضان الرحمٰن سبحانی۔ شریعت کالج کرتور، کالیکٹ، کیرلا

۸۶/۹۲

الجواب ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

تصویر کشی کی حرمت پر احادیث کریمہ حدِّ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ جو کتب صحاح ستہ کے علاوہ دیگر معتمد کتب احادیث میں درجنوں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت ہیں۔ اسی لئے ائمہ اعلام علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جاندار تصویر کشی کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ یکجہتی ہو یا شش جہتی، سایہ دار ہو یا بے سایہ دستی ہو یا عکسی۔

یہ کہنا کہ جن تصاویر کی ممانعت ہے اس سے مراد شش جہتی تصویریں ہیں یہ زید بر کید کی اپنی نفسانی مراد ہے۔ کتاب وسنت، مذہب و شریعت کی مراد نہیں۔ اگر ہے تو زید اسے پیش کرے "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ"....... حضور انور شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مجسمہ اور عکسی (شش جہتی و یکجہتی) دونوں قسم کی تصویریں بنانا شروع ہوچکی تھیں اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً تصویر کشی کی ممانعت فرمادی تھی۔ جس میں بے تخصیص و تقیید تصاویر کی ہر ایک قسم داخل ہے

اعلیحضرت عظیم البرکت امام اہل السنۃ اپنے فتاویٰ مبارکہ رضویہ میں فرماتے ہیں" در زمانِ برکت نشان سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہر دوگانہ تصویری ساختند ہم مجسم وہم مسطح و در احادیث از مطلقاً صورتگری نہی اکید در صنعت او وعید شدید بے تخصیص و تقیید ورود یافت پس جمیع اقسام او زیر منع در آمد تصویر بے سایہ را روا داشتن مذہبِ بعضِ روافض ست۔ (العطایا النبویہ فی فتاویٰ رضویہ)

زید بے قید نے جس یکجہتی تصویر کی اباحت کا قول کیا۔ احادیث کریمہ میں خاص کر اسی تصویر کی حرمت آئی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔

صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجاء فراء تصاویر فرجع..... فقلت یارسول اللہ صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما رجعك بابی و امی. قال ان فی البیت سترا فیہ تصاویر وان الملئکۃ لا تدخل بیتا فیہ تصاویر.....

کہ میں نے کھانے کا اہتمام کیا اور سید عالم صلی اللہ کو دعوت دی تو آپ تشریف لائے مگر پردہ پر کچھ تصویروں کو دیکھ کر واپس لوٹ گئے، تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کس سبب سے واپس ہوئے؟ ارشاد فرمایا گھر میں ایک پردہ پر تصویریں تھیں اور رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جسمیں تصویریں ہوں۔

پردوں پر جو تصویریں بنتی ہیں وہ شش جہتی نہیں ہوتیں پھر اس پر ناراضگی کا اظہار فرمانا دعوت کے باوجود وہاں سے لوٹ جانا۔ حضرت سیدنا علی جیسے عزیز و مقرب صحابی، چہیتے داماد اور ابن العم کی محنت و دعوت کو یکلخت نظر انداز فرما دینا اور امام الاولیاء حیدر کرار، شیر خدا کے کاشانۂ رحمت کو قولاً وعملاً مانع رحمت قرار دینا تصاویر کی حرمت و نحوست پر صاف و صریح دال نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

بیشک پردوں پر چھپی ہوئی یا بنائی ہوئی تصاویر کے خلاف آپ کی ناراضگی و غضب اس کی حرمت پر روشن دلیل ہے اور جب یکجہتی تصویر کی نحوست کا یہ حال ہے تو چند جہتی یا شش جہتی تصویروں کا کیا مآل ہوگا، ہاں کسی فرض کی ادائیگی کے لئے ضرورتاً بادل نخواستہ جس تصویر کی اجازت دی گئی ہے وہ یکجہتی تصویر ہے اباحتِ تصویر کے لئے تابوتِ آسمانی کو پیش کرنا عجیب تر بلکہ مضحکہ خیز ہے کیونکہ احکام شریعت بندگانِ خدا کے لئے ہے نہ کہ خدا کے لئے؟ پھر اگر تابوت میں بروایتے وبحکایتے تصویریں ہوں تو وہ قدرتی تھیں نہ کہ بناوٹی جسمیں بندوں کے ارادہ

وفعل کو دخل ہوتا ہے حکم شرع اسی پر نافذ ہوتا ہے۔ اگر بادلوں کی تشکیل سے کسی جانور کی صورت نمایاں ہوجائے، ہواؤں کے تھپڑ سے ریت پرکسی جاندار کی تصویر چند جھتی ظاہر ہوجائے یا پانی کی لہروں سے پانی کی سطح پر کوئی رینگتا ہوا جانور محسوس ہونے لگے تو کوئی مفتی حرمت کا کوڑا لیکر ان سب کے پیچھے نہیں دوڑے گا کہ خامۂ قدرت نقش ونگار اور صور مختلفہ کے سنوارنے میں آزاد ہے "ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ"۔

ہر قدرتی عمل ہمارے عمل کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہو تو سارا نظام شریعت ہی بکھر جائے۔

تابوت سکینہ میں تصاویر وتماثیل کی روایت ارباب الاخبار کی ہے۔ محبوب کردگار، شفیع روز شمار علیہ صلوات اللہ الغفار کی یا صحابۂ کبار ائمہ وفقہاء ذی وقار علیہم الستار کے اقوال وارشاد نہیں، تو احادیث صحیحہ متواترہ کے بالمقابل روایات و حکایات کو پیش کرنا مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ رزقنا اللہ تعالیٰ وایاکم الرحمۃ السعادۃ واحفظنا من السخطۃ والشقاوۃ وصلی اللہ تعالیٰ علی نبی الرحمۃ وخیر البریۃ۔ وہو اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن۔ ہیڈ رلینڈ

۲۱؍جولائی ۲۰۰۲ء

لواطت اور اس کے حامی کا شرعی حکم

مسئلہ ۱۰۶۲:۔ (مولانا) عبد الغفار نورانی ۲۸-۸-۲۰۰۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس بارے میں کہ ملک نیدرلینڈ ایک ملک ہے جہاں مختلف رنگ ونسل اور قوم ومذہب کے لوگ رہتے سہتے ہیں اور ہر ایک جماعت وافراد کو بغیر دوسروں سے متصادم ہوئے اپنے اپنے طور طریقہ سے زندگی گزارنے کی آزادی ہے چنانچہ عیسائی، مسلم، یہودی، دہریہ، ہندو، بدھسیٹ وغیرہ جہاں اپنے اپنے طریقہ سے زندگی گزار رہے ہیں وہیں ملکی اور قومی اعتبار سے انڈونیشین، ملائشین، ترکیز، مروکانز، سورینامرز، چائینز، جاپانیز اور ہندوستانی پاکستانی وغیرہ بھی اپنے اپنے رسم ورواج کے مطابق خوشی وغمی کے مراسم بجالاتے ہیں یورپ کے ملکوں میں اس وضاحت کی بھی ضرورت نہیں کہ یہاں شراب، زنا اور قمار وغیرہ کی اسنادِ جواز حکومت کے انتظامیہ کی طرف سے جاری کی جاتی ہیں، شراب بیچنے والے، زنا کرنے والے اور زنا کرانے والیاں، جوا کھیلنے والے اور جوا کھلانے والے سب ہی آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں یہاں تک کہ جنسیت کی سندِ جواز بھی حکومت کی طرف سے مہیا کی جاتی ہے۔ یعنی عورتیں عورتوں کے ساتھ اور مرد مرد کے ساتھ باضابطہ قانونی نکاح کر سکتے ہیں اور باہم زوجین کی طرح رہ سکتے ہیں.....

ان حالات کے تناظر میں ایک مسلمان نے ان لوطیوں کی ایک حمایتی تنظیم "یوسف" میں اپنا یہ بیان دیا ہے کہ جس طرح ہر قوم وملت اور افراد وجماعت کو یہاں جینے اور شہری حقوق ورعایت حاصل کرنے کا حق ہے اسی طرح لوطیوں کو بھی ہے لہٰذا یہاں کے ائمہ مساجد اور علماء سے گذارش ہے کہ وہ اس مسئلہ پر نہایت رحم دلی کے ساتھ بات چیت کریں اور ایسا کوئی درمیانی راستہ نکالیں کہ قرآن پاک کی ممانعت لواطت والی آیتیں اور اس کی حرمت والی حدیثیں بھی اپنی جگہ برقرار رہیں اور لوطی گروہ کو بھی دوسروں کی طرح یہاں کے شہری حقوق ومراعات

مل جائیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لواطت یا لوطیوں کا دینِ اسلام میں کیا حکم ہے؟ اور مسلمان مذکور کے بیانِ مذکور کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ اور اس پر کیا اسلامی حکم نافذ ہوتا ہے؟ منجانب:۔ مجلس علماء نیدرلینڈ۔

نوٹ:۔ اگر ہو سکے تو اس سوال کے جواب کے علاوہ ایک مختصر مگر نافع مضمون "اسلام اور لواطت" کے عنوان سے لکھ دیا جائے تاکہ یہاں کے مقامی زبان اور یورپ کی دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کیا جا سکے۔ (عبدالغفار نورانی)

۹۶/۲ الجواب ــــــــ بعون العلیم الوہاب ــــــــ

شخص مذکور فی السّوال احکام دینیہ سے ناواقف مگر نہایت ہی شاطر معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اپنی شاطرانہ چالوں کے باوجود آئین اسلام کی شدید گرفت میں ہے۔ کیونکہ اس کے تمام تر بیانات سے یہی مترشح بلکہ واضح ہوتا ہے کہ وہ لوطی گروہ کا ہمدرد، بہی خواہ یا اس گروہ کا ممبر ہے یا اس کے لئے اس کے دل میں نرم گوشہ موجود ہے۔ اور وہ لوطیوں کی حمایت میں اسلام کے شرعی احکام کے اندر تبدیلی تک کا خواہاں ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ چونکہ وہ لواطت کی ممانعت وحرمت کا بھی قائل ہے اس لئے اس پر حکم کفر تو نہیں لگے گا۔ البتہ "المرءُ مع مَن احبّ" کے بموجب اس پر واجب ہے کہ وہ لوطی گروہ سے اپنی بیزاری کا اعلان کرکے اسی طرح توبہ کرے جس طرح اس نے حمایت میں بیان دیا ہے اور اس کا حمایتی بیان پریس کے ذریعہ مشتہر ہوا ہے توبہ نامہ بھی اسی طرح مشتہر ہو۔

جو مسائلِ دینیہ دلائلِ شرعیہ سے مزیّن و مدلّل ہیں ان میں کسی مسلمان عالم و غیر عالم کو مجالِ دم زدن نہیں خصوصاً حرام وحلال کے مسائل کہ جس کی حرمت و حلّت یقینی ہو یعنی نصّ قطعی سے ثابت ہو۔ اس کے خلاف سوچنا بھی ایمان کی کمزوری اور ذوقِ ایمانیات سے مہجوری ہے۔

مسئلہ مذکورہ جس کی حرمت بہ نصّ قطعی یقینی ہے کوئی مسلمان

اس کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس انکار سے آیاتِ محکمہ، احادیثِ کثیرہ صحیحہ نیز فقہائے صحابہ وفقہا، ائمت کے اقوالِ رجیحہ کی تغلیط ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے لواطت کو بے حیائی، نفس پروری اور حیوانیت قرار دیا ہے۔(اعراف ۸۱-۸۰) اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوطیوں پر بار بار لعنت فرمائی ہے۔ حضرت صدیق اکبر حضرت مولیٰ علی اور اعاظم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس فعل بد کے فاعل و مفعول دونوں کو دہکتی ہوئی آگ میں جلا دینے کا حکم ہے اور ائمہ اسلام کے نزدیک انہیں سنگسار کر دینے کا حکم ہے اور دراصل ان دونوں حکموں کا مآل ایک ہی ہے کہ ایسے لعنتیوں کے وجود سے خدائے پاک کی زمین پاک کردی جائے۔

اسلئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ لوطیوں کی نہ کسی طرح حمایت کریں نہ انکے افعالِ قبیحہ و شنیعہ سے چشم پوشی کریں بلکہ اس کے مآل و نتائج سے اپنی قوم و ملت کے نونہالوں اور نوخیز نوجوانوں کو برابر خبردار کرتے رہیں تاکہ بلائے لوطی کی نحوستوں سے وہ دور رہیں اور خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غضب ولعنت سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء ہیئذرلینڈ
۲۸ اگست ۲۰۰۰ء

نوٹ:۔ آپکی فرمائش کے مطابق لواطت اور اسلام کے عنوان سے ایک مختصر مضمون حاضر خدمت ہے۔ اگر مختلف زبانوں میں یورپ کے اندر کثیر اشاعت ہو جائے تو اس سے قوم مسلم کو ضرور فائدہ پہنچے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

لواطت اور اسلام

لواطت کی ابتدا حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدکردار قوم نے کی اور اس

نے یہ بدعملی شیطانِ لعین سے سیکھی (خزائن العرفان)۔ اغلام بازی یعنی غیر فطری عمل کا ظہور انسانی آبادی میں حضرت سیدنا لوط علیہ السلام کی ناہنجار قوم سے ہوئی اسی لئے اس بدعملی کو لواطت بھی کہا جاتا ہے۔ قوم لوط کی اس بدکرداری۔ اس کی برائی و نحوست اور اس کے سبب دردناک عذاب کا ذکر قرآنِ مقدس میں بار بار کیا گیا ہے مثلاً سورۃ نمبر ۷ کی آیات نمبر ۸۴ تا ۸۰۔ سورۃ نمبر ۱۱ کی آیت نمبر ۸۲۔ سورۃ نمبر ۵۱ کی آیات نمبر ۶۶ تا ۶۱، پھر اسی سورۃ کی آیات نمبر ۷۷ تا ۶۷، ان مکمل آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ بھی جزوی طور پر حضرت لوطؑ علیہ السلام کی قوم پر عبرتناک عذاب کا ذکر قرآن مقدس میں موجود ہے...... سورۃ نمبر ۷ کی پانچوں آیتوں کا ترجمہ سنئے اور اندازہ لگایئے کہ لواطت کس قدر سنگین اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

(ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے ساری دنیا میں کسی نے نہیں کیا (۸۰) بیشک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کی پیاس بجھانے کیلئے جاتے ہو تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو (۸۱) ان کی قوم کے پاس اِسکے سوا کچھ جواب نہ تھا کہ ان لوگوں کو بستی سے باہر نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں (۸۲) پھر ہم نے نجات دیدی لوط اور ان کے گھر والوں کو، سوائے ان کی بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گئی (۸۳) اور ان پر ہم نے پتھروں کی بارش کی تو دیکھو کیسا عبرتناک انجام ہوا مجرموں کا۔ (۸۴)

مذکورہ آیت نمبر ۸۰ میں بتایا گیا کہ یہ ایسی بے حیائی کا کام ہے کہ ساری دنیائے انسانیت میں سوائے اس بے غیرت قوم کے کہیں دوسری جگہ یا دوسری قوم میں نہیں تھا اس شیطانی عمل کی ایجاد کا سہرا انسانی دنیا میں قوم لوط کے سر رہا۔

آیت نمبر ۸۱ میں فرمایا گیا کہ وہ بدکردار قوم اپنی شہوت رانی کے لئے عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس جاتی اور اسے استعمال کرتی تھی۔ اور اس طرح وہ اپنی ہی

قوم کے آدھے حصہ (صنف نازک) کو اس کے جائز حقوق سے محروم کر کے اسے اپنی فطری جذبات کی تکمیل کے لئے اپنی ہی ہم نوع کے ساتھ مستی نکالنے پر مجبور کر چکی تھی اور اس طرح یہ دونوں نوعیں خدا کی دی ہوئی امانت جوہر حیات کو انسانی تشکیل و تکثیر کی بجائے بنجر زمین یا ناقابل زراعت وادی میں ضائع کرنے لگیں اور بدکردار مردوں کی وجہ سے خود اس کی نوع (مردوں) کا بھی تقریباً آدھا حصہ نسوانی خصائص کا شکار ہو کر ملک و قوم کی کمزوری کا سبب بن گیا۔

گویا لواطت کی مریض قوم نہ بذات خود دم بریدہ اور منقطوع النسل ہونے کے لئے کمربستہ ہو گئی بلکہ غیر شعوری طور پر ملک و قوم کے ساتھ غداری بھی کرنے لگی ہے۔ غالباً اسی لئے قرآن مقدس نے لوطی مریضوں کو "مُسْرِفُون" فرمایا۔ مُسرف کا لغوی معنیٰ ہوتا ہے زیادتی کرنے والا، خطا کرنے والا، جاہل ہونے والا، مستحق کو چھوڑ کر غیر مستحق کو دینے والا، اور حد سے تجاوز کرنے والا یعنی سرحد کو بغیر ویزا کے کراس کر جانے والا ـــــ قرآن مقدس کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے ایک لفظ نے لوطیوں کے سارے جغرافیائی نقشوں کو صبح قیامت تک آنے والوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔

آیت ۸۲ میں بتایا گیا کہ وہ قوم نصیحت کرنے والوں کے بارے میں بدگمان و بدزبان تھی کہ وہ نبی اور نبی کے ساتھیوں پر طعنے کستی تھی کہ "وہ بڑے پاکباز لوگ ہیں" حالانکہ یہ بات حقیقت تھی مگر وہ بطور طعنہ کہا کرتی تھی۔ نیز وہ اپنے ناصحین کو شہر بدر کرنے کا بھی پلان بناتی رہی تاکہ کوئی انہیں شیطانی عمل سے روکنے والا نہ رہے۔ اور بالکل یہی حال دنیا کے ان تمام ممالک کا ہے جہاں لوطی قوم کے پیروکار موجود ہیں کہ وہ اپنے سچے ہمدرد ناصحین کو اپنے ملک سے کسی طرح بھی نکالنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی انہیں روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اور وہ کھلے عام اپنی حیوانیت کا مظاہرہ کر سکیں۔

آیت ۸۳ میں اس دردناک و عبرتناک عذاب کا ذکر ہے جو لواطت کرنے والوں اور اس کے حامیوں پر آیا۔ حالانکہ اس عذاب کو ٹالنے کے لئے حضرت سیدنا

ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر، اولوالعزم خلیل و مقرب نبی نے بارگاہِ خداوندی میں بار بار عرض و معروض کیا پھر بھی لوطیوں پر سے وہ عذاب نہیں ٹالا گیا تاکہ انسانوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ لواطت ایسا مجرمانہ اور مسرفانہ فعل ہے جس کی سزا عبرتناک عذاب ہی ہے۔ پھر اس عذاب کا قرآن پاک میں بار بار ذکر فرما کر آنے والی قوموں کو لواطت کی نحوست اور برے انجام سے باخبر فرما دیا گیا ہے تاکہ ذرا بھی سوچ سمجھ رکھنے والی قومیں اس سے عبرت حاصل کریں۔

یہ مختصر وضاحت تو قرآن مقدس کی صرف چند آیتوں کی ہے اگر ان تمام آیتوں کی تفسیر و توضیح بیان کی جائے جو لواطت کی نحوست اور اس کی سزا سے متعلق ہیں تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے ۔ اب دو چار احادیث کریمہ کا ترجمہ و مفہوم بھی سماعت فرمائیں۔ تاکہ لواطت کی مزید نحوست و برائی اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

(۱) نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے (ترجمہ) اپنی بیوی سے بھی لواطت کرنے والا ملعون ہے (ابوداؤد) (۲) اللہ تعالیٰ اُس مرد کی طرف ہرگز رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جو اس بدفعلی (لواطت) کا ارتکاب کرے۔ (ابن ماجہ مسند احمد) (۳) جس کو قوم لوط کا فعل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل و مفعول (لواطت کرنے والا اور لواطت کرانے والا) دونوں کو قتل کر دو (ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی)۔

ان ارشاداتِ گرامی پر تھوڑی سی توجہ دینے کے بعد یہ باتیں بآسانی سمجھ میں آجاتی ہیں کہ لواطت لعنتِ خداوندی کا سبب اور اس کی رحمت سے دوری کی وجہ ہے اس کے فاعل و مفعول دونوں کے لئے سخت ترین اور عبرتناک سزائیں ہیں۔ اسلامی معاشرہ اس (لواطت) سے گھن کرے گا کیونکہ وہ قومیت کے لئے گھن ہے اور روحانیت کے لئے زہر قاتل۔

اخیر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اسلامی عدالت میں اس بدفعلی کی سزا کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ مبارک میں لواطت کا کوئی مقدمہ بارگاہِ رسالت

میں پیش نہیں ہوا اسی لئے اس بدفعلی کی کوئی خاص سزا عدالتِ اسلامیہ میں متعین نہیں ہوسکی۔ البتہ خلیفۂ اوّل ارشد الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت سیدنا خالد بن ولید نے دوسرے ملک سے ایسے مجرم کی سزا سے متعلق بارگاہِ خلافت میں خط لکھ کر استفسار فرمایا۔ چنانچہ خلیفۂ اوّل نے اس معاملہ میں صلاح و مشورہ کے لئے اہل الرائے (فقہاء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی مجلس مشاورت طلب فرمائی۔ کتاب و سنّت کی روشنی میں مختلف صحابہ کرام نے مختلف سزائیں تجویز فرمائیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اس کے فاعل و مفعول دونوں کو کسی پرانی عمارت کے نیچے کھڑا کر دیا جائے اور وہ عمارت ان پر ڈھادی جائے۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ فتویٰ دیا کہ آبادی کی سب سے اونچی عمارت پر سے اُن دونوں کو سر کے بل زمین پر پھینک دیا جائے اور اوپر سے پتھر برسائے جائیں۔ اور حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی یہ رائے ہوئی کہ ایسے شخص کو قتل کر کے اس کی نعش کو لوگوں کے روبرو جلادیا جائے اکثر صحابۂ کرام نے حضرت سیدنا علی کے فتوے سے اتفاق فرمایا۔

اختلاف صحابہ کو سامنے رکھتے ہوئے فقہائے اسلام، ائمہ کرام کے درمیان بھی لواطت کی سزا میں اختلافات رونما ہوئے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ لواطت کے مجرمین واجب القتل ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ یعنی ان کے نزدیک لواطت کا عمل ثابت ہو جانے کے بعد اگر قاضئ اسلام اس کے قتل کا حکم نہ دے تو قاضئ شرع بھی ترکِ واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان کی سزا رجم (سنگسار کرنا) ہے۔ حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان کی وہی سزا ہے جو زانی اور زانیہ کی ہے۔ حضرت امام ثوری اور حضرت امام اوزاعی کا بھی یہی حکم ہے۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لواطت کے مجرموں کے لئے شرع شریف میں کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ فعل تعزیر کا مستحق ہے یعنی حالات واصلاحات کے پیش نظر ان کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے سبق آموز ہو اور سزا کے تجویز کرنے کا حق قاضئ شرع کو ہے۔

شواہد وبراہین بالا کے پیش نظر لواطت کا عمل اسلامی شریعت میں حرام وبدانجام ہے اور اس کا حرام ہونا کتاب وسنت اور اجماع صحابہ واجماع ائمہ ومجتہدین سے ظاہر وباہر ہے۔

تمام امت مسلمہ کی عموماً اور حضرات علماء کرام نیز ائمہ مساجد کی خصوصاً یہ دینی ذمہ داری ہے کہ وہ بندگانِ خدا کو بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے حتی المقدور روکیں۔ بھلائیوں کے اجر وثواب اور برائیوں کی سزا وعذاب (ترغیب وترہیب) سے لوگوں کو ڈرائیں۔

نیدرلینڈ اور یورپ کے بعض دوسرے ممالک جہاں لواطت وہم جنسیت کو قانونِ ملکی کی سرپرستی حاصل ہے وہاں بھی مسلمانوں پر از روئے شرع اسلامی یہ اہم ترین فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس کار ملعونی سے بچیں اور اپنی قوم کے افراد خصوصاً نوخیز نسل کو اس کے بھیانک انجام سے ڈرائیں۔ واللہ الھادی الیٰ سواء السبیل۔

دعاگو ودعاجو

عبدالواجد قادری غفرلہٗ

خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔

انسانی خون کے ذریعہ علاج

زندہ انسان اپنا عضو کسی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

جانور کا عضو انسان کو لگانا

مردہ کا عضو زندہ کو لگانا

مسئلہ ۱۰۶۲/۱۰۶۳/۱۰۶۴/۱۰۶۵ :- انجمن الحلال الطیب، ہالینڈ ۲۴-۵-۱۴۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ

(الف) ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں بحالتِ اضطرار چڑھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (ب) ایک انسان اپنے اعضاء جسم میں سے کوئی عضو کسی دوسرے انسان کو اپنی زندگی میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ (ج) کسی جانور کے اعضاء کو انسانی اعضاء کی جگہ لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (د) کسی مردہ آدمی کا عضو کسی زندہ آدمی کے جسم میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم؟ ان تمام جوابات کو بدلائل ائمہ اربعہ مدلل فرماکر مشکور و ممنون فرمائیے۔

سائل:- مؤسسہ الحلال الطیب رجسٹرڈ نیدرلینڈ

بوساطت مولانا فیروز حوصلدار، امام نورالاسلام مسجد دی ہیگ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون المجیب الوھاب ـــــــ

جہاں آپ نے اپنا سوالنامہ بھیجا ہے وہ مذہب حنفی کا دارالافتاء ہے لہذا یہاں سے جو بھی جواب دیا جائے گا وہ مذہب حنفی کے اصولِ افتاء کے مطابق ہوگا۔ اگر آپ لوگ مذاہب اربعہ کے دلائل کے طالب ہیں تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں یا اُن

مذاہب (مالکی، حنبلی، شافعی) کے دارالافتا، کی طرف رجوع کریں جہاں کے جواب سے آپ کو زیادہ تشفی ہوسکتی ہے۔

الجواب الف:۔ انسانی جسم کے کسی حصے سے انتفاع مذکور اور اسے بطور علاج استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں کہ یہ احترام انسانیت کے منافی ہے "اَلْاِنْتِفَاعُ بِاَجْزَاءِ الْاٰدَمِیِّ لَمْ یَجُزْ۔ قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی۔ (فتاوی عالمگیری ۳۵۴/۵)

خون جبتک انسانی جسم میں رواں دواں ہے پاک و مکرم ہے اور جب جسم سے خارج ہوا تو سیلان وانجماد دونوں صورتوں میں نجس مگر لائق احترام ہے اور فقہائے احناف کے نزدیک نجس و ناپاک شئے سے علاج جائز نہیں اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا انتفاع کما مرّ۔ انسانی دودھ ہرچند کہ انسانی جزء ہے لیکن اسے ایام رضاعت میں بچوں کو پلانا اور بحالت مرض عند الضرورة بطور علاج اس کا استعمال کرنا کرانا فقہائے حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، ہاں بے ضرورت شدیدہ (بحالت غیر اضطرار) اس کا استعمال مختلف فیہ ہے چنانچہ فتاوی ہندیہ نے قنیہ سے نقل کیا" ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدواء، وفی شرب لبن المرأة للبالغ من غیر ضرورة اختلف المتاخرین کذا فی القنیة (عالمگیریہ ۳۵۵/۵)۔ لیکن خون کو دودھ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ دودھ کو خون پر۔ ہاں دودھ کو انسانی پسینہ کی نظیر و مثال بنایا جاسکتا ہے اور اسے ایک دوسرے پر قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ پسینہ انسانی جسم سے خارج ہونے کے بعد بھی دودھ کی طرح پاک رہتا ہے۔

فقہائے متاخرین کے نزدیک بعض ناپاک اور حرام اشیا سے بھی عند الضرورة علاج جائز ہے۔ مثلاً خون، پیشاب اور مردار گوشت (سوائے خنزیر کے) بشرطیکہ تجربہ کار، دیانتدار ڈاکٹر (مسلم طبیب) کے نزدیک اس کے قائم مقام کوئی اور

اشیاء یا طریقۂ علاج نہ ہو۔ کما فی الہندیہ ۳۵۵/۵ یجوز للعلیل شرب الدّم والبول واکل المیتۃ للتّداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفائہ فیہ ولم یجد من المباح مایقوم مقامہ، اھ

اور جب فقہائے متقدمین ومتاخرین کے درمیان کسی مسئلہ کے اندر اختلاف رائے ہو تو امت کی آسانی اور "الدّین یسر، (نیز) بشرو اولا تنفروا" کے پیش نظر اس رائے پر عمل کرنا جائز ودرست ہے جو ضرورتمند کے لئے زیادہ مفید اور آسان ہو " اِذَا ابْتَلٰی الْبَلِیَّتَیْنِ فَاخْتَرْ اَھْوَنَھُمَا " یاد رہے کہ رخصت اپنے دائرہ سے تجاوز نہیں کرتی اور نہ ہی جزئیہ مذکورہ کو خنزیر (للنجاسۃ مطلقًا) اور انسان (لکرامۃ مُطلقًا) کی ہڈی اور اعضاء پر منطبق کرسکتے ہیں کہ یہ منصوصات شرعیہ کے خلاف ہوگا۔ اعضاء انسانی سے عدم انتفاع کا حکم فتاوی عالمگریہ کے حوالے سے گزر چکا اور اس حکم کی اصل کبریٰ کی یہ عبارت ہے " واذا کان برجل جراحۃ یکرہ المعالجۃ بعظم الخنزیر والانسان لانہ یحرم الانتفاع بہ کذا فی الکبریٰ (الفتاویٰ الہندیہ ۳۵۴/۵) وہوتعالیٰ اعلم

الجواب :۔ اعضائے انسانی بہرحال قابل احترام واکرام ہیں اور وہ ایک دوسرے کے لئے لینے دینے کی چیز نہیں کہ اس میں ان کی تذلیل وتوہین ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کسی انسان یا اس کے اعضاء کی توہین وتذلیل کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر کسی بھی عضو کو بے عذر شرعی جسم انسانی سے جدا کرنے میں تغییر خلق بھی لازم ہے جو شیطانی فعل اور حرام ہے۔ شرع مطہر نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں بنایا کہ ہم کسی انسان کو اپنا عضو، دیں اور کسی انسان سے اس کا عضو، لیں، نہ شرع مطہر میں اس کی کوئی مثال ہے۔ وہوتعالیٰ اعلم۔

ضرورت کے پیش نظر ابھی بھی یہ مسئلہ علماء کرام کے زیر غور ہے۔

الجواب ج :۔ ہاں حلال جانور کا گوشت ذبیحہ کے بعد ہم لوگ کھاتے ہیں ان کی

چمڑیوں اور ہڈیوں کو استعمال میں لاتے ہیں اگر وہ ہمارے علاج کے کام آسکیں تو یقیناً اس کے ذریعہ علاج کرنا کرانا جائز ودرست ہے۔ بلکہ حرام و مردار جانوروں (سوائے سور کے) کی ہڈیوں وغیرہ کو بھی ضرورتاً علاج میں استعمال کرسکتے ہیں۔ کمافی الھندیہ باب التداوی والمعالجات "وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ولابأس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاۃ او بقرۃ او بعیر او فرس اوغیرہ من الدّواب الاعظم.......الخنزیر والآدمی فانہ یکرہ التداوی بھما فقد جوّز التداوی بعظم ماسوی الخنزیر والآدمیّ من الحیوانات مطلقاً من غیر فصل بینھما اذا کان الحیوان ذکیًا او میتًا وبینھما اذا کان العظم رطبًا او یابسًا اھ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب (د):۔ اس مسئلہ میں مسلم وغیر مسلم ذمی وحربی سب برابر ہیں۔ انسان جب اپنی زندگی میں اپنے اعضاء پر خود اختیار نہیں رکھتا بلکہ کسی کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خودکشی پر یا بے وجہ شرعی اپنا کوئی عضو کاٹ لینے پر اس پر سزا کا حکم نافذ ہوتا ہے اور وہ حرام کا مرتکب کہلاتا ہے تو مرنے کے بعد اس کی وصیت اعضاء کے قطع و برید سے متعلق کیونکر نافذ ہوگا؟ یا اس کا وارث اس کے مردہ اعضاء پر کیونکر حکمرانی کرسکے گا۔ کہ اب اس کا مردہ جسم صرف حق اللہ کے زیر سایہ ہے، حقوق العباد سے فارغ ہوچکا ہے۔ قال العلامۃ الشامی فی فتاواہ " والآدمیّ مکرم شرعًا وان کان کافرًا الخ... لم یجز کسر عظام میت کافرًا الخ ص۲ ۱۱"

جب کافر مطلق کی ہڈیوں کو اسکے مرنے کے بعد توڑنا جائز نہیں تو مسلمان (جسکے مال و جان کی عصمت مشروع ومنصوص ہے) کی ہڈی یا کوئی عضو اس سے جدا کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء نیدرلینڈ، یورپ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ ۱۶؍ ستمبر ۱۹۹۸ء

پارفیوم اور اس کا استعمال

تمباکو اور اس کا حکم

مسئلہ ۱۰۶۶/۱۰۶۷: عباس علی واجدی سکریٹری اسلامک فونڈیشن

کیا فرماتے ہیں علمائے محققین ومفتیانِ شرع متین سوالات مندرجہ ذیل میں کہ ① پارفیوم (الکحل ملی ہوئی خوشبو) کا استعمال ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے یا حلال وجائز؟ اسے جسم یا کپڑے پر لگا کر نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ ایک دینی رہنما جن کو یہاں کے اکثر مسلمان اپنا دینی قائد بھی سمجھتے ہیں انہوں نے کہا کہ اگرچہ الکحل کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے لیکن علماء پاکستان کا فیصلہ ہوچکا ہے کہ الکحل شراب نہیں ہے اور اس کا استعمال جسم یا کپڑے پر یا دواؤں میں جائز وحلال ہے ـــ یہاں مقیم ایک مفتی صاحب سے یہی مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ الکحل اسپرٹ ہے جو خالص شراب ہے اب تک علماء اہلسنّت کی یہی تحقیق ہے لہٰذا اس کا استعمال ناجائز وحرام ہے جس کپڑے یا جسم پر اُسے لگایا جائے گا کپڑے یا جسم کا اتنا حصّہ ناپاک ہوجائے گا۔ اگر وہ ایک درہم کی مقدار میں ہو تو نماز نہیں ہوگی اگر پڑھ لیا تو اس نماز کو پھر سے پڑھنا فرض ہوگا۔ اور جہاں تک دواؤں کا تعلق ہے تو الکحل آمیز دواؤں کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ ہاں جہاں ان دواؤں کا بدل ممکن نہ ہو اور جان جانے یا اعضائے بدن میں سے کسی عضو کے بیکار ہوجانے کا یقینی خطرہ ہو تو "الضرورات تبیح المحظورات" کے خانہ میں داخل ہوکر محدود حدوں میں اس کے استعمال کی رخصت ہوگی ـــــ ان دونوں حکموں کے پیش نظر آمسٹرڈم کی مسلم عوام پریشان ہے لہٰذا حکم شرع سے آگاہ کیا جائے۔

② تمباکو نوشی (خواہ سگریٹ وسگار کی شکل میں ہو یا حقہ وپان وغیرہ کی شکل میں) حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا پھر حلال ومباح؟ کیا سگریٹ پینے والے جبکہ مسائلِ طہارۃ

و نماز سے پوری طرح آگاہ ہوں امامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟۔ اس مسئلہ کو بھی مفتی صاحب مذکور سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ تمباکو نوشی خواہ کسی شکل میں ہو اگر نشہ کی حد کو پہنچ جائے تو حرام ہے اور اگر نشہ کی حد کو نہ پہنچے تو نہ حرام ہے نہ مکروہ تنزیہی ہاں ایسی مجلس جس میں اس کی بو بعض نفیس طبائع پر گراں ہو وہاں پر اس کا استعمال مکروہ طبعی ہے...... اگر تمباکو نوشی یا تمباکو خوردنی کے ذریعہ بعض موذی بیماریوں کے لاحق ہونے کا یقین ہو تو اس سے بچنا لازم و ضروری ہے اور اس کا استعمال شرعًا ممنوع و مکروہ تحریمی ہوگا۔ لیکن بعض تجربہ کار اور حاذق حکیموں کے نزدیک وہ کاسر ریاح اور معدہ کی بعض بیماریوں کیلئے مفید بھی ہے اگر واقعی ان ضرورتوں کے پیش نظر اس کا استعمال کیا جائے تو مباح ___ مسئلہ ہذا میں بتایا جائے کہ حقیقت کیا ہے کیا مفتی مذکور اب منصب افتاء پر فائز رہنے کے لائق ہیں یا نہیں؟ واضح جوابات سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔ سائل:۔ عباس علی، سکریٹری تنظیم القرآن انٹرنیشنل الینڈ

الجواب:۔

دونوں مسائل میں وہاں مقیم مفتی صاحب دام ظلہ و زید مجدہٗ کا موقف اور بیان درست اور حق ہے ان کے قول کے خلاف کرنے اور کہنے والے جاہل یا گمراہ ہیں اور اپنی رائے سے حلال و حرام کا فیصلہ گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے لَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ "نہ کہو جو تمہاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو" الکحل اسپرٹ کا جوہر ہے اور اسپرٹ عرق خمر ہے یہ خبیث ترین خمر و شراب ہے لہٰذا نجس و حرام ہے۔ امام اہلسنت الشاہ احمد رضا البریلوی نے اپنی کتاب "الاحلی من السکر" (فتاویٰ رضویہ جلد ۲ رضا فاؤنڈیشن) میں فرمایا "ان اسپارتو وھی روح النبیذ، خمر قطعًا بل من اخبث الخمور فھی حرام ورجس نجاسة غلیظة کالبول یعنی اسپرٹ تو یہ شراب کا جوہر ہے اور خمر و شراب ہے بلکہ وہ خبیث ترین شراب

لہٰذا یہ قطعاً حرام اور نجس ہے اور نجاست بھی غلیظہ جیسے پیشاب نجس ہے۔ لہٰذا جس چیز میں اس کی ملاوٹ ہوگی وہ ناپاک و نجس ہوگی، جیسا کہ وہاں مقیم مفتی صاحب نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

الجواب ـــــــــــ ۲ حقہ، سگریٹ وغیرہ کے متعلق مفتی صاحب مذکور کا ارشاد حق ہے اگر عقل و حواس میں فتور پیدا کرے تو حرام ہے۔ ورنہ اگر بدبو ہو تو پیاز اور لہسن کی طرح مکروہ تنزیہہ یعنی غیر پسندیدہ ہے گناہ نہیں۔ اگر بدبو بھی نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ نشہ اور فتور کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے

نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن مسکر ومفتر

(ابوداؤد) غرض کہ سوالات مذکورہ کے متعلق مفتی صاحب مذکور کا قول حق اور واجب الاتباع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی، جامعہ نظامیہ لاہور پاکستان۔ محمد سعید غفرلہ ۲۲-۱۰-۹۹ء

۸۶/۹۲ ہر دو مسئلہ میں مفتی صاحب کا کہنا درست ہے اسی کے مطابق عمل کریں۔ واللہ الھادی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ قاضی عبد الرحیم بستوی غفرلہ
مرکزی دار الافتاء، ۸۲ سوداگران بریلی شریف

مسلمان کا خون کافر کو، کافر کا خون مسلمان کو چڑھانا

مسئلہ ۱۰۶۸ (۱۴۲۲-۶-۱):- سبحانی شریعت کالج کیرلا۔ انڈیا

کیا فرماتے ہیں علماء دین وحاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کافر و مشرک یا اہلِ کتاب کا خون حالتِ اضطرار میں تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق کسی پرہیزگار، دیندار مسلمان کے جسم میں چڑھانے کے لئے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

فیضان الرحمٰن سبحانی، متعلم عربک کالج مرکز الثقافۃ السنیہ کیرلا

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــــــ

کسی ڈاکٹر کا یہ کہہ دینا کہ یہ مریض انسانی خون چڑھائے بغیر صحت یاب نہیں

ہوسکتا یا اس کے مرض کے لئے دواؤں میں خون کا کوئی بدل نہیں ہے عند الشرع ناقابلِ مسموع اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایسوں کی طرف علاج میں رجوع ہی نہیں کرنا چاہئے کہ نیم حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مسلمان دیندار طبیب حاذق اپنے تجربہ کی بنیاد پر کسی مریض کے لئے خون انسانی ہی کو مفید و نافع بتائے اور مریض کی صحت کی ضمانت دے (اگرچہ مریض صحت یاب نہ ہو) تو اس کے کہنے کے مطابق خونِ انسانی سے اس کا علاج کیا جاسکتا ہے کہ فقہاء متاخرین نے عند الضرورۃ علاج بالدم کی اجازت درخصت دی ہے۔

لیکن اس وقت کسی مسلمان دیندار کا طبیب حاذق ہونا تقریباً عنقا ہوچکا ہے۔ شاید دنیا کے چند شہروں میں معدودے چند ایسے اطباء میسر آجائیں تو اس کا عقلاً انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

کثرت اور بہتات بلکہ عموم بلوی انگریزی ڈاکٹروں اور انگریزی دواؤں (خواہ ایلوپیتھ ہو یا ہومیوپیتھ) کا ہے اس لئے برسبیلِ تنزل موجودہ حالات میں یہ کہنا غالباً زیادہ مناسب ہوگا کہ کم از کم تین ماہر و تجربہ کار (اسپیسلیسٹ) ڈاکٹرز اگر متفقہ طور پر یہ کہدیں کہ اس مریض کا علاج انسانی خون کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی بدل ہے تو انسانی خون سے علاج کرنے کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

باقی رہا مسلم وغیر مسلم کا خون تو اس میں ماہیت واثر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ عند الضرورۃ مسلم کا خون غیر مسلم کو، غیر مسلم کا خون مسلم کو، دیندار کا خون فاسق وفاجر کو اور فاسق وفاجر کا خون متقی وپرہیزگار کو چڑھایا جاسکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ خون عموماً اپنا اثر دکھلاتا ہے جس کا انحصار ہمارے آپکے تجربہ پر ہے لہٰذا اسے استحسان کے خانے میں رکھا جاسکتا ہے کسی کافر و مشرک کا خون کسی متقی و پرہیزگار مسلمان کو نہ چڑھانا مستحسن ہے۔ حلت وجواز کی حد تک اس میں کوئی قباحت نہیں۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ یکم جمادی الآخرۃ ۱۴۲۳ھ
اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

انسانی اجزاء بدن کا استعمال کھانے پینے میں

مسئلہ ۱۰۶۹:- (مولانا) عبد الغفار نورانی
۲۶-۴-۲۰۰۱

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ و مفتیانِ شرعیہ اس مسئلہ میں کہ آدمی کے بالوں اور ناخنوں کو کسی طرح کھانے پینے کے استعمال میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا عورتوں کی بچہ دانی کو اس طرح تحلیل کر دیا جائے کہ اس کی ہیئت وغیرہ بالکل ہی ناپید ہو جائے، اسی طرح بالوں اور ناخنوں کی ہیئت بھی بالکل ہی بدل دی جائے تو ان سب کا استعمال شیمپو، صابن، چاکلیٹ وغیرہ کی شکل میں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ انگلینڈ کے بعض مفتیانِ کرام نے ان سب کی اباحت و حلت و طہارت کا فتویٰ دیا ہے۔ شرعی حکم سے آگاہ کیا جائے کہ ان سب انسانی اجزاءِ بدن کا استعمال کھانے پینے میں کیسا ہے؟ نورانی، جنرل سکریٹری مجلس علماء نیدرلینڈ

الجواب ۹۲۶ ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

انسان اپنے تمام اجزاء بدن کے ساتھ مکرم و محترم ہے لقولہٖ عزوجل "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ" اور اس کے جزءِ بدن میں سے کسی جزء کی خرید و فروخت اور اس سے انتفاع اس کی کرامت و حرمت کے خلاف ہے۔

اجزاء بدن میں سے کسی جزء کی ہیئت و فطری بناوٹ کو بے اجازتِ شرع بدلنا تغیر خلق اللہ اور شیطانی عمل ہے جو شرعاً حرام ہے۔ "وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ" (اور شیطان نے کہا) میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے خلقتِ الٰہیہ کو۔

پھر اگر کسی بے باک نے انسانی جزء بدن کی ہیئت کو کلیۃً بدل دیا جس کو فقہ کی زبان میں استحالہ کہتے ہیں اس کے بعد اسے کسی طرح کھانے پینے کے استعمال میں لانا اس کی کھلی ہوئی توہین و تذلیل ہے جو عند الشرع حرام ہے۔

دراصل اس مسئلہ کے اندر یورپ کے بعض مفتیوں کو دھوکہ ہوا ہے کہ اصولِ

فقہ میں جب کسی شئے کی حقیقت بدل جاتی ہے تو اس کے متعلق شرعی حکم بھی بدل جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے دائرۂ حرمت کے عین وغیر کی طرف توجہ نہیں فرمائی ورنہ یہ لغزش واقع نہ ہوتی۔

حرام لغیرہٖ کی جب ماہیت بدل جائے یا کسی حلال وجائز شئے سے بدل دی جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ جس کے نظائر کتب فقہیہ میں موجود ہیں۔

اور حرام لعینہٖ (مثلاً خنزیر اپنے تمام اجزاء بدن کے ساتھ نجاست کی وجہ سے اور انسان اپنے تمام اجزاء بدن کے ساتھ کرامت وبزرگی کی وجہ سے) کی ماہیت اجزاء کو ایک بار نہیں ہزار بار بدلا جائے یا خود بدل جائے پھر بھی اس کا حکم نہیں بدلے گا کیونکہ حرمت اس کا عین ہے۔

بالفرض اگر کوئی مغرب زدہ مفتی آج انسانی بال وناخن اور بچہ دانیوں کو اس کی ہیئت بدل کر قابلِ اکل وشرب بناتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کل اس کے دیگر اجزاء بدن (کھال، گوشت، ہڈی، خون اور شرائن وغیرہا) کو بھی کھانے پینے کے مصرف میں لے آئے گا۔ تو گویا اس سائنسی دور اور ترقی یافتہ زمانہ کا انسان، انسان نہیں بلکہ درندہ جانوروں سے بھی دو چار ہاتھ آگے نکل گیا ہے کہ بعض درندے تو اپنے ہم جنس کا شکار بوجہ صفت درندگی کے کرتے ہیں، مگر انسان صرف اپنی ہوا وہوس اور نفسانی خواہشات کی آگ بجھانے کے لئے اپنے ہی ایجاد کردہ سائنسی آلات کے ذریعہ اپنے ہم جنس وہم نوع کے شکار کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظُ۔ صَدَقَ رَبُّنَا الْعَظِیْمُ۔ اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ ۲۰ / صفر ۱۴۲۲ھ ۲۶ / اپریل ۲۰۰۱ء

خادم الافتاء، مجلس علماء نیدرلینڈ۔

غیر مذبوحہ مردار جانوروں کے چمڑے کا جوتا

مسئلہ ۱۰۷: — عیسیٰ مغربی مسجد العابدین آمسٹرڈم

۲۵-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اٹالیہ میں چمڑوں کے پکانے، رنگنے کی ٹینریاں ہیں جن کے اکثر کارندے اور آفیسران یا تو یہود و نصاریٰ ہیں یا ملحد و بے دین۔ ان ٹینریوں میں یہود و نصاریٰ کے ذبیحے کے چمڑے بھی پکائے جاتے ہیں اور غیر مذبوحہ جانوروں کے چمڑے بھی۔ ان چمڑوں سے جوتے، جرسی اور صوفہ سیٹ وغیرہ درجنوں قسم کی چیزیں بنتی ہیں۔ کیا ان چمڑوں سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال مسلمانوں کو جائز ہیں؟

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ــــــ

مذبوحہ جانوروں کا چمڑا مطلقاً پاک ہے خواہ ذابح مسلم یا کتابی ہو یا غیر مسلم ومشرک۔ اور خواہ اس جانور کا گوشت حلال ہو یا حرام۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

انّ ذبیحۃ المجوسی وتارك التسمیۃ عمدًا توجب الطھارۃ علی الاصح. وان لم یکن ماکولًا وکذا نقل صاحب المعراج فی ھذہ المسئلۃ الطھارۃ عن القنیہ ایضًا	مجوسی اور قصدًا بسم اللہ نہ پڑھنے والوں کا بھی ذبیحہ صحیح تر قول پر چمڑے کو ضرور پاک کر دیتا ہے اگرچہ اس کا گوشت کھانا حرام ہو۔ اور صاحب معراج الدرایہ نے بھی اس مسئلہ کو طہارت کے باب میں قنیہ سے نقل فرمایا۔

اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے ایما اھاب دبغ فقد طھر۔ (یعنی ہر چمڑا سوا سور کے رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے) مسند امام احمد بن حنبل میں موجود ہے۔ پس مذکورہ ٹینریوں کے پکے ہوئے چمڑوں سے خواہ جائے نماز بنے یا جوتا مسلمانوں کو استعمال کرنا جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ ۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ

کسی مسلمان کا جوٹھا

مسئلہ ۱۰۷۱ :۔ محمد فیروز سکریٹری نیدرلینڈ اسلامک سوسائٹی۔ 9-11-1985

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی عالم یا پیر یا کسی مسلمان کا جھوٹا عامۃ المسلمین عورت و مرد کے لئے کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟ واضح جواب سے نوازیں۔ المستفتی: محمد فیروز سکریٹری نیدرلینڈ. اسلامک سوسائیٹی۔

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ هوالهادی الی الصواب ــــــــ

کسی شخص کا جوٹھا خواہ وہ کسی پیر فقیر کا ہو یا عالم امام کا یا عام مسلمان عورت و مرد کا اسے نفسانی لذت حاصل کرنے کیلئے کھانا پینا (خواہ عورت کھائے یا مرد) ناجائز و حرام ہے۔ درمختار ص۱۴۰ فصل فی البئر میں ہے۔ یکرہ سورها للرجال کعکسه لاستلذاذ" (حصول لذت کے واسطے عورت کا جوٹھا مرد کے لئے اور مرد کا جوٹھا عورت کے لئے مکروہ تحریمی ہے)۔ ہاں اگر شہوانی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو تو ہر ایک مسلمان کا جوٹھا ہر ایک مسلمان (عورت و مرد) کے لئے جائز و درست ہے عبارت مذکورہ کا خلاصہ ردالمحتار ص۱۶۳/۱ میں ہے یفهم منه انه لا استلذاذ لاکراهة. یعنی اگر لذت کے لئے نہ ہو تو کراہت نہیں۔

اور اگر پیر فقیر، عالم و امام اور کسی بھی دینی بزرگ کا پس خوردہ (کھانے پینے کا پسماندہ) ہو تو اس کو حصول برکت کے لئے کھانا پینا بہت مبارک ہے اور جسمانی و روحانی شفا بھی۔ جیسا کہ بزرگوں کا ارشاد ہے "سورالمومن شفاء" واللہ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ نوری دارالافتاء آمسٹرڈم ہالینڈ ۹/۱۱/۱۹۸۵ء

حلال چوپایہ اگر بے وقت دودھ دے

مسئلہ ۱۰۷۲:۔ مولانا زین العابدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی بھی دودھ دینے والا حلال چوپایہ مثلاً گائے، بکری، بھیڑ اگر وقت مقررہ سے پہلے ہی اپنا بچہ گرادے اور اس دودھ اتر آئے تو اس کے دودھ کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا بالدلیل وتوجروا عند الجلیل۔ المستفتی: (مولانا) زین العابدین
امام وخطیب مسجد العابدین۔ آمسٹرڈم

۹۲ الجواب ــــــــ حلال چوپایوں کا دودھ خواہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے اترے یا بعد میں۔ یا بغیر حمل کے ہی اتر آئے عندالشرع اس کی ممانعت نہیں اس کا پینا جائز ہے۔ خالقِ کائنات جل جلالہ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ۔ (النحل آیت ۶۶)

اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں عبرت ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں ان کے شکموں میں گوبر اور خون کے درمیان سے بہت خوش ذائقہ دودھ پینے والوں کے لئے۔

پھر دوسرے مقام پر ارشاد ہوا

نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا — انکے شکموں کے دودھ سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں

آیۂ کریمہ کے اطلاق وعموم سے حلال مویشیوں کے دودھ کے تمام اقسام جائز و حلال ہوگئے۔ لہٰذا اب یہ سوال ہی عبث ہے۔ کہ مثلاً گائے کا پہلا دودھ (فیونس کِھرسا)، یا آخری دودھ (بکیین) یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے کا دودھ یا بغیر حمل و بچہ کے اگر یونہی دودھ اتر آئے تو جائز ہے یا ناجائز؟

پہلی آیۂ کریمہ میں بُطُونِہٖ کا مرجع الانعام ہے یہاں بھی دوسری آیۂ کریمہ کی طرح بُطُونِهَا ہونا چاہئے تھا کیونکہ اَلْاَنْعَام جمع ہے اَلنَّعَم کا اور اس کا جمع الجمع اَنَاعِیم آتا ہے لیکن علماء نحو کے نزدیک اَنْعَام جمع ہونے کے ساتھ مفرد بھی ہے۔ چنانچہ امام النحو سیبویہ نے اسے مفردات میں شمار کیا۔ اسلئے لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے واحد کی ضمیر اس کے لئے استعمال ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہوا۔ اور کبھی معنیٰ کا لحاظ کرتے ہوئے جمع یا واحد مؤنث کی ضمیر کا استعمال ہوتا ہے جیسے دوسری آیۂ کریمہ میں اور بعض ائمۂ نحو (مثلاً زجاج) نے فرمایا کہ اَنْعَام اسم جنس ہے لہٰذا مؤنث و مذکر دونوں ضمیریں اسکی طرف راجع ہو سکتی ہیں (تفسیر قرطبی) واللہ اعلم۔ عبدالواجد قادری غفرلہ

جسم کے مختلف حصّوں کو چھیدوانا

مسئلہ ۱۰۷۳: رستم رحمت علی۔
۱۵-۱۱-۱۴۱۹

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ آج کل بطور فیشن و نمائش لڑکے اور لڑکیاں کان اور ناک کے ساتھ ساتھ لبہائے زیرین و بالا چھاتیوں کی گھنڈیوں، ناف اور شرمگاہوں کی جھڑیوں کو بالیوں سے چھیدوانے لگی ہیں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اگر وہ ناپاکی کا غسل کریں تو ان سوراخوں میں بھی پانی پہنچانا فرض ہوگا یا نہیں جو بالیوں (رینگوں) کیلئے بنائے گئے ہیں۔

رستم رحمت علی یونگرو گروپ (جماعۃ الشبان) دی ہیگ

الجواب ھو الموفق الی الصواب ۷۸۶/۹۲

لڑکوں کو لڑکیوں کا فیشن (وضع قطع نمائش کے طور پر) اختیار کرنا حرام ہے کہ یہ عورتوں سے مشابہت ہے جس کی حرمت کثیر حدیثوں میں بیان فرمائی گئی البتہ لڑکیوں (عورتوں) کو بطور حسن و آرائش کان اور ناک چھیدوانے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ اور جن اعضاء جسم کا ذکر سوالنامہ میں ہے ان کو فیشن کے طور پر چھیدوانا اوباشوں کا طریقہ ہے مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کے لئے نہایت بے شرمی اور فساق کی وضع قطع اختیار کرنے کی بات ہے جس سے بچنا نہایت لازم و ضروری ہے۔

چونکہ ان بالیوں (رینگوں) کو ہونٹ، ٹھڈی، چھاتی کی گھنڈی، ناک، کان وغیرہ اعضاء جسم سے چھڑایا جاسکتا ہے لہٰذا فرض غسل میں فرض ہے کہ ان کو ستوں کو جسم سے دور کرے اور ان سوراخوں تک پانی پہنچائے۔ اگر ان بالیوں کے سوراخوں کی کوئی جگہ ایک بال برابر بھی پانی بہنے سے رہ گئی تو غسل فرض ادا نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ان رینگوں کی سوراخیں اتنی کشادہ ہیں کہ پانی کا بہاؤ ان سوراخوں سے بآسانی ہوجاتا ہے تو غسلِ فرض اُتر جائے گا۔ ورنہ نہ تو اس غسل سے کوئی نماز ہوگی نہ رحمت کے فرشتے اس شخص کے پاس آئیں گے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۱۵؍ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ
خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

خیرات کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعیّن

مسئلہ ۱۰۱۴: طارق رضا، مانچسٹر برطانیہ
۱۴۱۰-۱۰-۱۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صدقہ وخیرات کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعیّن کرنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ۲۲ رجب کو میمن مسجد کے باہر جس قدر فقراء وسائلین ہوں گے سبھی کو جوڑا پہناؤں گا۔۔ یا لاہور جاکر داتا صاحب کے جتنے زائرین ہوں گے سب کو دیگ کھلاؤں گا

مستفتی: طارق رضا

الجواب ـــــــ اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

صدقات وخیرات کے لئے وقت جگہ اور تاریخ وغیرہ کے تعیّن میں کوئی مضائقہ یا ممانعتِ شرعیہ نہیں بلکہ ہمارے جتنے دینی اور شرعی کام ہیں سب کے لئے وقت جگہ اور تاریخ مقرر ہے۔ مثلاً ارکانِ حج، صوم رمضان، ادائے زکوٰۃ، نماز پنجگانہ، قربانی۔ سب ہی میں وقت وجگہ اور تاریخ کی تعیین موجود ہے۔

بس یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جب بھی کسی خیرات ومبرات یا فعل حسن کے لئے کوئی جگہ اور تاریخ کا تعیّن کریں تو جگہ یا تاریخ کی نسبت اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں سے ہو اللہ تعالیٰ کے یا اس کے رسولوں کے یا اس کے دین کے دشمنوں سے نہ ہو۔ مثلاً یہ نہ کہے کہ رام نومی کے دن میں خیرات کروں گا۔ (معاذ اللہ) یا یہ نہ کہے کہ برہم ستھان کے پاس جاکر یہ خیرات کرونگا (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مشکوٰۃ شریف باب النذور میں یہ حدیث پاک موجود ہے کہ ایک صحابی نے بوانہ میں اونٹ قربان کرنے کی منّت مانی پھر مسئلہ دریافت کرنے کے لئے وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو سید عالم نے پوچھا۔

ھل کان وثن من اوثان الجاھلیۃ یُعبد قالوا لا۔ قال فھل کان فیھا عید	کیا بوانہ میں کوئی ایامِ جاہلیت کا بت تھا جسکی پوجا کی جاتی تھی؟ عرض کیا نہیں۔ پھر فرمایا کیا وہاں

من اعیاد ھم قالوا لا فقال رسول کفار کا کوئی میلہ لگتا ہے؟ عرض کیا نہیں، تو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف بنذرک آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر۔

اور اگر جگہ، تاریخ وغیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ہے تو وہاں خیرات وصدقات کرنے کیلئے بلکہ عبادت کے لئے جانا نہ صرف جائز بلکہ سنّتِ انبیاء علیہم السلام کی پیروی ہے۔ جیسے محراب مریم میں حضرت زکریا کا جانا، شہداء اُحد کے مزارات پر سید الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کا ہر سال کے سرے پر جانا۔ قال تعالیٰ ھُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ۔ وفی الشامی باب زیارۃ القبور۔ انّ النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم کان یأتی قبور الشھداء باُحد علیٰ رأس کل حول اھ

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ دار الافتاء
مدینۃ الاسلام دی ہیگ

باپ کے کاروبار میں بیٹوں کا حصّہ

مسئلہ ۱۰۷۵ ۸-۳-۱۹۸۶ء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے تمام بیٹوں نے باپ کے کاروبار کو آگے بڑھایا اور اس میں کافی منافع بھی ہوا حالانکہ سب بیٹے جسمانی قوت اور عقل ورائے میں برابر نہیں ہیں۔ بعض نہایت ہونہار صاحب عقل وفہم ہیں اور بعض سست وکاہل، غبی وکند ذہن۔ ایسی صورت میں منافع مذکور شرعی طور پر کس طرح تقسیم ہوگا؟

عبد المجید گمان، عنو پارا ماری بو، سرینام

الجواب ۸۶/۹۲ بعون الکریم الوھاب

جب تمام بھائیوں نے مل کر باپ کے کاروبار کو آگے بڑھایا تو سبھی اس منافع میں برابر کے شریک وسہیم ہوں گے۔ عقل وجسامت کے اعتبار سے کم وبیش حصہ تقسیم نہیں ہوگا بلکہ ہر بیٹے کو برابر سرابر ملے گا۔

درمختار ص ۴۷۳ میں ہے۔

لو اجتمع اخوہ یعملون فی ترکۃ ابیھم ونمال المال فھو بینھم سویۃ ولو اختلفوا فی العمل والرای	اگر چند بھائی مل کر باپ کے ترکہ میں عمل کریں جس کے سبب مال بڑھ گیا تو وہ تمام بھائیوں کے درمیان برابر بٹے گا خواہ قوتِ عمل اور عقل و رائے میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ
۱۸ / ۳ / ۱۹۸۷ء

پاکستانی غیر مسلم بینکوں کے منافع کا حکم

مسئلہ ۱۰۲۶:- کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام بیچ اس مسئلہ کے کہ زید عرصہ دراز سے ہالینڈ میں مقیم ہے اور اب وہ اپنے وطن پاکستان میں مستقل طور پر سکونت کا ارادہ رکھتا ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اسے اپنے وطن میں جلد ہی ذرائع آمدنی میسّر آجائیں۔ اس کے لئے زید کے دوست بکر نے اسے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی جمع شدہ رقم پاکستان میں موجود کسی غیر اسلامی بینک (یہودی عیسائی، ہندو کے بینک) میں جمع کروادیں تو جب تک بینک میں تمہاری رقم رہے گی ایک مقررہ رقم بطور منافع تمہیں ملتی رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ زید کا غیر اسلامی بینک میں جمع کرواکر اس سے معینہ رقم ہر ماہ وصول کرنا ازروئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟

آپ کا خادم:- محمد سجاد برکاتی، اکبر اسٹراٹ ۲۶ آمسٹرڈم

۷۸٦/۹۲ الجواب ——— بعون المجیب الوھاب ———

معروف سود (ربا) بہرحال حرام قطعی ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ٭ وقال اللہ عزوجل یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ٭

حربی کفار اور مسلمان کے درمیان کیلی و وزنی اشیاء کے لین دین میں کمی وبیشی شرعاً سود (ربا) نہیں۔ کمافی الھدایہ۔ لَا رِبَا بَیْنَ الْمُسْلِمِ

وَالْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ،

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہاں دارالحرب کی قید اتفاقی ہے ..... پاکستان وہ خطہ سرزمین ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ اگرچہ عملی طور پر اب تک وہاں اسلامی آئین کا باضابطہ نفاذ نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن بنیادی اور وہاں کے قانونی طور پر وہ اسلامی مملکت ہے۔ اگر وہاں دوسری قوموں کا قیام بصورتِ امان ہے جسے شرعی زبان میں مُستامَن کہا جاتا ہے۔ تو اُس سے کیلی و وزنی اشیاء کے لین دین میں کمی بیشی مسلمانوں ہی کی طرح ناجائز و حرام ہو گا کیونکہ اب اس کا مال مالِ حربی کی طرح مباح نہیں رہا بلکہ یکگونہ معصوم ہو گیا کہ مال ماتحت دم کے ہوتا ہے۔ حضرت علامۃ الفہامہ، خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔

لانہ دخل دارنا بامان فباع منہ مسلم درھمًا بدرھمین لا یجوز اتفاقًا اھ	اگر کوئی حربی ہمارے ملک (اسلامی) میں امان لیکر داخل ہوا پھر کسی مسلمان نے اس کے ہاتھ ایک درہم دو درہموں میں بیچا تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

اور فتح القدیر میں ہے۔

اَلْمُسْتَامَنُ مِنْهُمْ عندنا لان مالہ صار محظورًا بالامان فاذا اخذہ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرًا۔	حربیوں میں سے جو مستامن ہو گیا اس کا مال ہمارے نزدیک امان کی وجہ سے ممنوع و محفوظ ہو گیا۔ لہٰذا اگر اس کا مال غیر شرعی طریق پر لے لیا تو وہ غدر (حرام) ہو گا۔

ان دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں ثابت ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں جس آمدنی کا ذکر کیا گیا ہے وہ مباح آمدنی نہیں بلکہ ناجائز و حرام ہے جس سے بچنا زید پر لازم ہے۔

اور اگر وہاں دوسری قومیں بصورت امان نہیں بلکہ نسلاً بعد نسلٍ وہیں کی رہنے والی ہیں اور اسلامی مملکت قرار پانے کے بعد امان سے متعلق ان سے

کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے تو وہ انڈیا کی طرح حکماً حربی ہیں۔ اور مذکورہ فی السوال بینک اگر انہی کفار کے ہیں تو ان سے لین دین میں جو کمی بیشی ہوگی وہ شرعاً سود (ربا) نہیں کہلائے گا۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ ۳۱ر مارچ ۲۰۰۲ء

کتاب الحظر والاباحۃ

(مسائل متفرقہ)

مکتوب انگوٹھی یا تعویذ کے ساتھ بیت الخلا میں جانا

مسئلہ ۱۰۲۲ :۔ محمد فرہاد گمان، رضوی سوسائیٹی آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر انگوٹھی پر کوئی انگریزی حرف مثلاً (H) یا (M) وغیرہ لکھا ہوا ہو تو اس انگوٹھی کو پہنے ہوئے لیٹرین (بیت الخلاء) میں جاسکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ جو تعویذ انگوٹھی کے اندر اس کے نگینہ کے نیچے چھپی ہوئی ہو، یا گلے میں لٹکی ہوئی تعویذ جو کپڑے میں سلی ہوئی ہو اس کے ساتھ لیٹرین میں جاسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا بالدلیل وتوجروا عند الجلیل

محمد فرہاد گمان سکریٹری رضوی سوسائیٹی نیدرلینڈ

۷۸۶
۹۲

الجواب ـــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــــ

ایسی انگوٹھیاں یا لوکٹ جس پر اسمِ جلالت (اللہ) یا نام پاک سرور کائنات (محمد) علیہ افضل الصلوٰت وازکی التسلیمات لکھا ہوا ہو۔ پہن کر بیت الخلاء بلکہ غسل خانہ میں جانا نہایت برا اور عند الشرع اساءت کے حکم میں داخل ہے۔ ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

جن انگوٹھیوں یا لوکٹ پر کوئی حرف ہجا مثلاً ا۔ ب۔ ج۔ د۔ وغیرہ یا A.B.C وغیرہ لکھا ہوا ہو یا کسی زبان کا حرف ہجا یا لفظ ہو اسے پہنکر بیت الخلاء میں جانا مکروہ اور عند الشرع ناپسندیدہ ہے کیونکہ مطلقاً حروف کا ادب ہماری شریعت کو محبوب ومطلوب ہے۔

بحر الرائق میں ہے یکرہ ان یدخل الخلاء ومعہ خاتم مکتوب علیہ اسم اللہ تعالیٰ اوشیئ من القرآن (ایسی انگوٹھی کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام یا قرآن کی کوئی چیز لکھی ہو مکروہ تحریمی ہے۔

اور ردّ المحتار میں ہے۔

عندنا ان للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ وذکر بعض القراء ان حروف الھجاء قرآن نزل ھود علیہ السلام الخ

ہم فقہا کے نزدیک مطلقاً حروف قابلِ احترام ہیں اگرچہ وہ حروف الگ الگ ہوں۔ اور بعض قراء سے منقول ہے کہ حروف ہجا (الگ الگ حروف) قرآن (منزل من اللہ تعالیٰ) ہے جو حضرت ہود علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض لوگ اخبارات ورسائل کو دسترخوان یا جوتا وغیرہ پوچھنے میں استعمال کرتے ہیں یا بعض حضرات ایسا تکیہ یا رومال استعمال کرتے ہیں جن پر اشعار یا جملہ یا لفظ کشیدہ ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ ان حروف والفاظ کا احترام باقی نہیں رہتا ہے۔ لہٰذا یہ سب کام بھی مکروہ وناپسندیدہ ہے ہاں جو تعویذات انگوٹھی یا غلاف میں پوشیدہ ہوں ان کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا مکروہ نہیں۔ اور اگر اسے اتار کر بیت الخلاء میں جائے تو بہتر ہے ۔ درمختار میں ہے۔ رقیۃ فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول الخلاء بہ والاحتراز افضل (جو تعویذ خشک غلاف کے اندر ہو اس کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا مکروہ نہیں مگر اس سے بچنا افضل ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ نوری مسجد

۲۹/۱۱/۱۹۸۵ء

قرآن پاک کی قسم کھانا

مسئلہ ۱۰۷۸:۔ محمد افضل۔ کیر آف قاری حنیف صاحب نقشبندی ۱۵/۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اگر کسی دو مسلمان کے اندر لین دین میں اختلاف ہوجائے تو قرآن پاک کی قسم (حلف) پر فیصلہ

کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ برائے مہربانی اس مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح کریں کہ اسلام میں اس کی اجازت ہے یا نہیں ؟

العارض :۔ محمد افضل ملہیر سٹرات ۲۷۲ فرینکفورٹ (جرمنی)

۲۸ / ۶ / ۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰہم ہدایۃ الحق والصواب ـــــــ

ذات وصفات الٰہیہ (عزوجل) پر حلف درست ہے ، اور قرآن عظیم حضرت حق جل مجدہ کی صفت قدیمہ ہے کہ وہ کلام الٰہی عزوجل ہے لہٰذا اس کی قسم صحیح ونافذ ہے اور اس کی قسم پر فیصلہ درست ہے ۔

صورت مسئولہ میں جو مدعی حق ہے اس پر بیّنہ (دلائل وثبوت کا پیش کرنا ہے) اور جو منکر ہے اس پر حلف ہے ۔ یعنی اولاً مدعی سے ثبوت طلب کیا جائے کہ وہ اپنے حق کو ثابت کرے اور جب وہ ثبوت پیش کرنے سے عاجز ہو تو منکر (مدعا علیہ) سے حلف لیا جائے اور حلف کے مطابق فیصلہ کیا جائے ۔ اور اگر منکر حلف سے انکار کر جائے یا لیت ولعل سے کام لے تو شرعاً اسکے خلاف فیصلہ صادر ہوگا ۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام " البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ۔

واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

صدقۂ نافلہ

مسئلہ ۱۰۲۹ :۔ حاجی محمد عبد الجبار گمان ۳-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صدقۂ نافلہ کی اصل مقدار کیا ہے ؟ یعنی کتنا صدقہ کیا جائے کہ آمدنی کا حق ادا ہو جائے ۔ اور یہ صدقہ کیوں کیا جاتا ہے ؟

محمد عبد الجبار گمان ۔ بلاسیس سٹراٹ ۸۲ ایمسٹرڈم

۲۸ / ۶ / ۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰہم ہدایۃ الحق والصواب ـــــــ

صدقۂ نافلہ کی کوئی مقدار شرع شریف میں مقرر نہیں ہے بلکہ صدقہ دینے والوں کی مرضی پر ہے جس قدر زیادہ دے بہتر ہے ۔ شخصیات کے مراتب ومدارج کے

اعتبار سے صدقہ و خیرات کی مقدار میں کمی و بیشی شرع کو مطلوب ہے۔ عام لوگوں کے لئے میانہ روی کا حکم ہے جب کہ خاص لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی عام لوگوں کو چاہئے کہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے یا اپنے بال بچوں کے لئے یا جو لوگ انکے زیر پرورش ہیں ان کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آج سب کچھ صدقہ و خیرات کر دیں اور کل دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے لگیں۔ احادیث کریمہ میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

ایک شخص انڈا کے برابر سونا لیکر بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میرے پاس اس سونا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے میں صدقہ کرنے کے لئے لایا ہوں۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ اس شخص نے اصرار کیا لیکن آپ انکار فرماتے رہے۔ جب اس کا اصرار زیادہ ہوا تو نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس کے ہاتھ سے سونا کا ڈھیلا لے لیا اور حالتِ غضب میں اسقدر زور سے پھینکا کہ اگر وہ کسی کو لگ جاتا تو زخمی کر دیتا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے ایک شخص اپنا پورا مال لاتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر بیٹھا لوگوں سے بھیک مانگے گا خَیْرُ الصَّدَقَۃِ مَاکَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًی" بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی محتاج نہ ہو" رواہ ابو داؤد عن سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور قرآن پاک نے تو نہایت واضح طور پر ارشاد فرمایا وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ (اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا مت رکھ اور نہ پورے کا پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا) گردن سے ہاتھ کا بندھا ہوا ہونا یعنی بخیل و کنجوس ہونا۔ اور پورا کا پورا ہاتھوں کو کھول دینا یعنی فضول خرچ ہونا اور اپنی بساط سے زیادہ خرچ کر دینا۔

بہرحال صدقہ وخیرات میں اعتدال ومیانہ روی کا ہمیشہ خیال رہے۔ اور اپنی جگہوں میں خرچ کیا جائے جہاں اس کی ضرورت ہو یا اس سے کوئی دینی مفاد وابستہ ہو۔ نام آوری کے لئے یا دکھاوے کیلئے خرچ کرنا بخیلی وکنجوسی سے زیادہ برا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ من شرکٍ خفی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۴ر جنوری ۱۹۸۶ء
نوری مسجد آمسٹرڈم

عورتوں سے مصافحہ کرنا

مسئلہ ۱۰۸: راشد کیفی۔ روٹرڈم۔ نیدرلینڈ۔ ۲۸-۳-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کی دوکانوں صنعت کاروں ہوسپیٹل اور دفاتر وغیرہ میں مرد وزن مشترکہ طور پر کام کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی مرد یا عورت اپنی ڈیوٹی پر آتی ہے تو آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتی ہیں اس میں عورت ومرد کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ مجھ جیسا آدمی جسے اپنے دین ومذہب کا کچھ نہ کچھ پاس ہے اسے عورتوں سے مصافحہ کرنے میں عار محسوس ہوتی ہے لیکن اگر مصافحہ نہ کریں تو متعصب اور رجعت پسند کہے جاتے ہیں، ہوسپیٹلوں اور آفسوں میں کام کرنے والے لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ...... یہ بتایا جائے کہ کتابیہ یا مشرکہ عورتوں سے مصافحہ کرنے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟ راشد کیفی

الجواب ــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ

اپنے محرمات (ماں، دادی، نانی، ساس، بیٹی، پوتی وغیرہا) سے مصافحہ کرنے کی رخصت ہے۔ لیکن اگر غیر محرمات ہیں جیسے اسپتالوں اور دفتروں وغیرہ میں عام طریقہ سے ملازمت کرتی ہیں تو ان سے مصافحہ کرنا ناجائز و بدانجام ہے کہ یہ دونوں کے لئے فتنہ کا سبب ہے۔ ایک صحابیہ عفت مآب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حصول برکت کے لئے مصافحہ کرنا چاہا۔ اپنا ہاتھ بڑھایا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا (اِنّی لَا اُصَافِحُ النِّسَاءَ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا)۔

اور یہ حدیث پاک بھی صحیحین میں موجود ہے۔

واللہ مامست ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امراۃ قط ماکان یبایعھن الا بالکلام

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست گرامی نے کبھی بھی کسی غیر محرم عورت کا ہاتھ نہیں چھوا آپ ان سے صرف کلام کے ذریعہ بیعت لیتے تھے۔

کتابیہ یا مشرکہ عورتیں آپ کے لئے غیر محرمات میں سے ہیں ان سے مصافحہ کرنا ناجائز و حرام ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ حکم شرع کے بالمقابل کسی ملک یا قوم کے رسم و رواج کو ترجیح نہیں دی جائے گی اور نہ کسی کے تمسخر کی پرواہ کی جائے گی۔

لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء

اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

عورتوں کا مجالس علمیہ دینیہ میں شریک ہونا

مسئلہ ۱۰۸۱ :- محمد خلیل نور محمد آلمیرہ
۱۹۹۹-۲-۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں سنیچر اور اتوار کو جماعت کے اندر علمی و فقہی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے جسمیں ایک قاری صاحب قرآن پاک اور اردو زبان کی تعلیم دیتے ہیں پھر ایک عالم دین فقہی بنیادی مسائل بیان فرماتے ہیں۔ عورتوں میں کوئی عالمہ نہیں جو عورتوں کو دینی مسائل بتائے۔ ایسی صورتِ حال میں قرآن پاک سیکھنے اور فقہی مسائل معلوم کرنے بلکہ حاصل کرنے کیلئے عورتیں مجلس میں شریک ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

۹۲/۲۸۶ الجواب ــــــ اللھم ھدایة الحق والصواب ــــــ

دینی بنیادی مسائل کا سیکھنا ہر عورت و مرد پر فرض ہے، قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ۔ جب آپکی جماعت علوم دینیہ فقہیہ کی تعلیم واشاعت کا اہتمام کرتی ہے تو وہ لائق مبارکباد وقابل تقلید ہے۔ دوسری تنظیموں اور جماعتوں کو بھی ایسا ہی اہتمام کرنا چاہئے۔ خاص کر عورتیں اپنے ضروری فقہی مسائل سے بے خبر ہیں حالانکہ بقدر استطاعت اپنے دین میں تفقہ حاصل کرنا ہر عورت پر واجب ہے۔

جس مجلس علمی کا ذکر سوال میں ہے اس میں عورتوں کو شریک ہونے کے لئے آنا جائز اور کار ثواب ہے مگر انہیں دو باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے۔ ۱۔ مزین ومعطر ہوکر یا زرق برق لباس کے ساتھ نہ آئیں۔ ۲۔ مجلس میں عورت ومرد کا اختلاط نہ ہو، دونوں کے لئے الگ الگ بیٹھنے کا نظم ہو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو درمیان میں گاڑھا پردہ موجود ہو اور اس کے باوجود کچھ دور ہی بیٹھنے کی کوشش کریں۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام "خیر صفوف النساء آخرھا وشرھا اولھا"، عورتوں کی سب سے بہتر صف اس کی آخری صف ہے اور سب سے بری صف اسکی پہلی صف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ ۷؍اکتوبر ۱۹۹۹ء

اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

چہرہ اور ابرو کا بال اکھاڑنا سونے کا دانت لگوانا

مسئلہ ۱۰۸۲ ۲۰۰۰-۹-۹ ؛ عبدالمجید سلیمان، نورتھ آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لب زیریں کے درمیان جو داڑی بچہ ہے اسے مونڈوانا اور اس کے ارد گرد بالوں کو صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مرد وعورت اپنے چہرہ پر اگے ہوئے بالوں کو صاف کرتے ہیں یعنی اُسے اکھیڑتے ہیں۔ بہت سی عورتیں اپنے ابرؤں کو مونڈ کر ان پر کالی کالی ٹیڑھی لکیریں بناتی ہیں۔ اور کچھ لوگ اپنے دانتوں پر سونے کا پتر چڑھاتے

ہیں، یہ سب زیب و زینت مرد و عورت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

آپ کا: عبدالمجید سلیمان

۷۸۶/۹۲ الجواب ـــــ اَللّٰھُمَّ ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

ڈاڑھی بچہ جس کو عربی میں عنفقہ کہا جاتا ہے وہ ڈاڑھی ہی کا ایک اہم حصہ ہے اس کا حلق و قصر ویسا ہی حرام ہے جیسا ڈاڑھی کا۔ اور اس کے اردگرد لبِ زیریں کے کھردرے بالوں کو اکھیڑنا یا مونڈنا بھی بدعتِ مکروہہ (حرام) ہے۔

شامی ص۳۵۸/۵ اور فتاویٰ عالمگیری جلد چہارم میں ہے۔

نتف الفنیکین بدعۃ وھما جانبا العنفقۃ وھی شعر الشفۃ السفلیٰ کذا فی الغرائب۔

دونوں ڈاڑھوں کے درمیان کا بال اکھیڑنا بدعت ہے اور ڈاڑھوں سے مراد ڈاڑھی بچہ کا اردگرد ہے۔ اور ڈاڑھی بچہ لب زیریں کے بالوں کو کہتے ہیں۔

رخسار یا حلقوم کے بالائی حصہ کے بالوں کو صاف کرنے میں حرج نہیں جبکہ اس کے نام پر ڈاڑھی کے بال صاف نہ کئے جائیں۔ ہاں چہرہ کے بال کو اکھیڑنا ضرور ممنوع و مضر ہے۔ سیدی علامہ محی الدین ابن العربی فتوحات ص۴۹۱/۴ میں فرماتے ہیں۔

واجتنبت الوشمان تعملہ او تأمر بہ وکذالک بالتنمیص وھو ازالۃ الشعر من الوجہ بالنماص

گودنا گودنے یا گودوانے سے پرہیز کر (کہ حرام ہے) ایسے ہی نماص (بال اکھیڑنے کا آلہ) کے ذریعہ چہرہ کا بال اکھیڑنے سے بھی۔ (فتوحات مکیۃ)

ابرؤں کے بال کو مونڈنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ مبادا تغییر خلق کے جرم کا ارتکاب نہ ہو جائے اور ایسا کرنے والا عند الشرع حرامکار نہ کہلائے۔

سونا کا دانت لگوانا ضیاع مال اور نمائش ہے جو (وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا) (اور فضول خرچی مت کرو) کے دائرہ میں داخل ہو کر ممنوع و حرام ہے۔

اور اگر صرف زینت کے لئے ہے تو زینت مردوں کو ناجائز ہے عورتوں کو

جائز ہے مگر وہ زینت صرف اپنے شوہروں کے لئے کرسکتی ہیں غیر محرموں پر اپنی زینت کا اظہار ان کے لئے بھی جائز نہیں۔ لقولہ تعالیٰ (ولا یبدین زینتھن۔ اور اپنی زیب وزینت کو عورتیں ظاہر نہ کریں) واللہ تعالیٰ اعلم

عورت، اسکی آواز اور ٹیلی فون

مسئلہ ۱۰۸۳ :- حاجی ابراہیم مُلّا شمالی آمسٹرڈم ۱۴-۳-۱۹۹۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورتیں بذریعہ ٹیلی فون غیر محرم، غیر مسلم مردوں سے ضرورت کی ہزاروں باتیں کرتی ہیں۔ اسی طرح مرد بھی کسی کو ٹیلی فون کرتا ہے تو عورتیں ٹیلی فون اٹھاتی ہیں جس سے بات چیت کرنی پڑتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کی آواز پردہ ہے؟ یا مردوں کی آواز عورتوں کے لئے پردہ ہے؟ اگر پردہ ہے تو یورپ کے ملکوں میں اس سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ یہاں کی دوکانوں اور دفتروں میں بھی عورتیں کام کرتی ہیں جس سے بات چیت ناگزیر ہے تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ امید کہ صاف صاف جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

ابراہیم مُلّا

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ـــــــ

زمانۂ خیر القرون میں عورتیں نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتی تھیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے سوالات کو سماعت فرماتے اور دینی مسائل سے مشرف فرماتے تھے۔ ہزاروں ہزار احادیثِ کریمہ میں عورتوں کے سوالات پھر سید کائنات علیہ انمی التسلیمات کے جوابات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ سیکڑوں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعض صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن یہاں تک کہ امہات المومنین سیدہ عائشہ، سیدہ صفیہ، سیدہ ام سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی مبارک زبانوں سے احادیث نبویہ اور مسائل دینیہ سماعت فرمائی۔

ان شواہد دینیہ سے ثابت ہوا کہ عورتوں کی آواز مطلقاً پردہ نہیں ہے اگر مجرد آواز ہی پردہ ہوتی تو اس کی نہی بھی شرع میں موجود ہوتی۔

ہاں اگر عورتیں اپنی گفتگو میں لطافت و نزاکت اختیار کرے گی تو فتنہ کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اسی طرح اگر عورتوں سے گفتگو کرنے میں مرد نرم۔ نازک اور دلکش لہجہ اختیار کرے تو اس سے قوتِ شہوانیہ میں ابھار پیدا ہو سکتا ہے۔ ان صورتوں میں اب وہ آوازیں ایک دوسرے کے لئے پردہ ہو جائیں گی جس کا استعمال ایک دوسرے کے مقابلہ میں کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں اچھی طرح آگئی ہو تو خواہ یورپ ہو یا امریکہ، یا آسٹریلیا کا کوئی ملک ہر جگہ آپ شریعت کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں وضاحتِ مذکورہ کو اگر آپ ذہن میں رکھیں تو عورت و مرد کی ٹیلی فونی گفتگو کا جواز قرآن پاک کے اشارۃ النص میں موجود ہے

قال تعالیٰ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْاَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ　　جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کرو یہی تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے کامل پاکیزگی ہے۔

اس آیتِ کریمہ نے عورتوں سے گفتگو کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ پردہ سے بات کرنے کی اجازت دی۔ البتہ سامنا ہونے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں مفاسد زیادہ ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عورتوں کو حکم دیا کہ جب غیر محرم مردوں سے بات چیت کرو تو نرم و نازک لہجہ میں مت کرو کہ دل کا روگ نرم و نازک باتوں اور لوچ دار آواز کو سنکر پنپنے لگتا ہے جس کے برے نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے حرام ہی کی طرح مقدمۃ الحرام کو بھی حرام فرمایا۔

قال تعالیٰ، اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ　　ارشاد خداوندی ہے: اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجہ سے بات مت کرو کہ جس کے دل میں روگ

مَرَضٌ (الاحزاب) ہو وہ کوئی بُرا خیال کر بیٹھے۔

معلوم ہوا کہ مجرد آواز پردہ نہیں بلکہ عورت کی جس آواز میں ترنم و دلکشی نرمی و نزاکت اور شہوت کو برانگیختہ کرنے والا انداز ہو وہ آواز پردہ ہے، جس کے سننے اور سنانے کی ممانعت شرع شریف میں موجود ہے۔ دفاتر و دوکان داروں سے ضرورت کے مطابق گفتگو ہوتی ہے لہٰذا ضرورت و حاجت کی حد تک شریعت کی طرف سے اس کی رخصت ہے۔ خواہ وہ گفتگو ٹیلی فون کے ذریعہ ہو خواہ آمنے سامنے پردہ کے ساتھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ۔ دارالافتاء مدینۃ الاسلام، دی ہیگ

۱۹ مارچ ۱۹۹۸ء

کسی عالم دین کو مولویہ کہنا کفر ہے۔

مسئلہ ۱۰۸۴ / ۱۰ ۔ ۱۹۹۲: ہدایت اللہ۔ دین بوس دوست

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک متقی و پرہیزگار مسلمان کے سامنے کسی عالم دین کا ذکر ہوا تو اس حاجی نے کہا اس مولویہ کا نام مت لو۔ ایک دن میں ایک حمد پڑھ رہا تھا تو اس مولویہ نے مجھے بیچ ہی میں ٹوک دیا اور مجھ سے توبہ کروایا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک محفل میلاد شریف میں عالِم دین مذکور موجود تھے۔ اُن کی موجودگی میں حاجی صاحب مذکور نے ایک حمدیہ کلام پڑھا جس کا مصرعہ تھا ع خدا صانع ہے عالم کا وہی مسجود ہے سب کا۔

جو ڈچ رسم الخط میں اسطرح لکھا تھا... GODA SANE HAI ALAM KA

مگر حاجی صاحب نے پڑھا "خدا ثانی ہے عالم کا" کیونکہ ڈچ رسم الخط میں ثانی اور صانع میں بہت مختصر فرق ہے (ثانی ← SANIE - صانع ← SANE)

مولانا نے فرمایا حاجی صاحب! ثانی نہیں صانع پڑھئے۔ حاجی صاحب نے

جواب دیا اس میں تو ثانی لکھا ہوا ہے جو لکھا ہے وہی پڑھ رہا ہوں۔ مولانا نے فرمایا۔ اگر ثانی لکھا ہے تو غلط ہے۔ لکھنے والے، شعر کہنے والے، پڑھنے والے اور سننے والے سب پر توبہ لازم ہے۔ کیونکہ ثانی کا معنیٰ نظیر، جوڑا، مقابل مانند وغیرہ کے ہے اور اللہ سبحانہٗ نہ کسی کا نظیر نہ جوڑا ہے اور نہ کسی کے مانند ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" اور صَانِع کا معنیٰ بنانے والا پیدا کرنے والا وغیرہ اور خداوند کریم بیشک صانعِ عالم ہے خالقِ کائنات ہے۔ اسلئے صانع ہی پڑھنا چاہئے۔ ثانی پڑھنا نہ صرف غلط ہے بلکہ کفر ہے۔ اسلئے ہم سب کو کلمۂ اسلام پڑھنا چاہئے اور توبہ بھی) لازم ہے۔

مولانا کی تحریک پر تمام حاضرین نے توبہ کی اور کلمہ طیبہ پڑھا..... حاجی صاحب کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف تھا سوال یہ ہے کہ مولانا صاحب کی اصلاح صحیح تھی یا نہیں؟ اور مولانا صاحب کا ذکر سنکر نفرت کا اظہار کرنا، ان کو مولویا کہنا کیا حکم شرع رکھتا ہے؟ ہدایت اللہ، سماترا اسٹراٹ ۲۱؍۲ دین بوس

۹۶؍۹۲ الجواب ـــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

مولانا صاحب مذکور کی گرفت، اور اس پر حکم شرع کا اعلان بالکل جائز و درست اور بروقت تھی۔ ارشادِ خداوندی ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۝ اس کا کوئی ہمسر و ثانی نہیں ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ اس کے مثل کوئی شئے نہیں ہے وہ ثانی بننے سے پاک و منزہ ہے، نہ کوئی اس کا ثانی ہے نہ وہ کسی کا ثانی ہے۔ اس کو عالم کا ثانی کہنا کفر و جہالت ہے۔ کہنے والے پر تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح لازم ہے۔

کسی عالم دین کو مولویا کہنا اس کی توہین ہے اور عالم دین کی توہین کرنے والا خواہ وہ متقی و پرہیزگار کہلائے، شریعت کے نزدیک وہ دین سے خارج ہے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص۶۹۵ میں ہے

من قال لعالم عویلم علی ﷺ جس نے بے ادبی کرتے ہوئے کسی عالم دین کو

وجہ الاستخفاف فقد کفر عُوَیْلِم (مولویہ) کہا اس نے کفر کیا۔
اگر شخص مذکور (متقی، پرہیزگار حاجی) اپنی پہلی غلطی پر توبہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کر چکا تھا تو اب دوبارہ ایک عالم کی توہین کرنے کے سبب پھر وہ کفر کے دلدل میں جا پھنسا (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر سے اس پر توبہ تجدید ایمان لازم ہے۔ اور بیوی رکھنا ہو تو تجدید نکاح نئے مہر کے ساتھ بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، خادم دار الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام
دی ہیگ ۱۰ جولائی ۱۹۹۳ء

کرسمس ڈے اور مسلمان

مسئلہ ۱۰۸۵:- امان اللہ خاں۔ بیلر اسٹرائٹ پیرس فرانس
۱۹-۴-۲۰۰۱
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے ملکوں میں پچیس دسمبر بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ کرشچن لوگوں کا طریقہ ہے کہ اپنے گھروں کو مخصوص پیڑ پودوں اور قمقموں سے سجاتے ہیں۔ شراب اور دیگر مشروبات و ماکولات کا بہتات طریقہ پر انتظام کرتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو تحفہ تحائف دیتے اور مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اس تاریخ کا نام "کرسمس ڈے" رکھتے ہیں۔
سوال یہ ہے کہ کرسمس ڈے کے موقعہ پر اپنے گھر کو اسی مخصوص پودے سے سجا کر اُس پر قمقمے روشن کرنا پھر عیسائیوں کو ہدیہ دینا اس سے ہدیہ لینا۔ انہیں مبارکباد پیش کرنا، اُن سے مبارکبادی لینا مسلمانوں کے لئے از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی مسلمان کرسمس ڈے کے موقع پر کرشچن کی طرح آتشبازیاں چھوڑے یا کرشچن کے ہاتھوں آتشبازیاں بیچے تو اس کا اسلامی شریعت میں کیا حکم ہے؟

آپ کا خادم: امان اللہ خاں

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــ
عیسائیوں کے یہاں "کرسمس ڈے" کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے یہ

چودھویں صدی عیسوی کا ایک حادث تیوہار ہے. لیکن دنیا بھر کے عیسائیوں نے اس اختراعی تیوہار کو اتنی مضبوطی سے تھاما کہ یہ صدیوں سے عیسائیت کی پہچان وشعار بن گیا ہے۔ ہر چرچ اور عیسائی تنظیم گاہیں اس تاریخ میں مزین کی جاتی ہیں اور دنیا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ گویا یہ مسیحیوں کا عظیم الشان تیوہار ہے جسمیں اربوں ڈالر کی شراب نہ صرف پی جاتی ہے بلکہ لنڈھائی جاتی ہے. پھر اربوں ڈالر کی آتشبازیوں اور آتشی مادّوں سے یورپ وامریکہ کے درو دیوار اور آسمانی فضا تھرا اٹھتی ہے۔ ہفتہ عشرہ تک گندھک کی بدبو سے ملک کا ملک مہکتا رہتا ہے۔

بہرحال کرسمس ڈے ان کا مذہبی تیوہار ہو یا نہ ہو مگر آج قومی تہوار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جس سے مسلمانوں کا دور رہنا لازم وضروری ہے۔ لقوله عليه السّلام " من تشبه بقوم فهو منهم جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔ (مسند امام احمد)

اور سنن ابی داؤد کتاب الجہاد میں ہے ص۲۹/۲

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله۔ جس نے کسی مشرک کے ساتھ اشتراک عمل اور راہ ورسم کیا وہ اسی کے مثل ہے۔

مسلمانوں کے لئے حرام ہے کہ ان کے تیوہار میں اپنے گھروں کو انہیں چیزوں سے مزین کریں جن سے وہ لوگ کرتے ہیں. پھر اس تاریخ میں انہیں ہدیہ دینا اوران سے تحفہ لینا بھی حرام وممنوع ہے۔ اوراگر کرسمس ڈے کی تعظیم مقصود ہو تو (معاذ اللہ تعالیٰ) یہ کفر ہے۔ درمختار ص۳۵/۲ اور ردالمحتار ص۴۸۱/۵ میں ہے۔

الاعطاء باسم النيروز والمهر جان (بان يقال هدية هذ اليوم ش) لايجوز اى الهدايا باسم هذين اليومين حرام

نیروز اور مہرجان (مجوسیوں کے عیدوں کے نام) کے نام پر عطیہ کا تبادلہ" یہ کہکر کہ یہ آج کا ہدیہ ہے" جائز نہیں۔ یعنی ان دونوں دنوں کے ناموں پر تحفے دینا لینا حرام ہے۔ اور اگر

وان قصد تعظیمه کما یعظمه المشرکون یکفر

مشرکین مجوسی کی طرح ان کی تعظیم بھی کرے گا تو کفر ہوگا۔

اور ہدایا کی طرح مبارکبادیوں کا تبادلہ بھی حرام و ناجائز ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے۔ آتش بازی تو یوں بھی حرام و بدانجام اور شیطانی کام ہے جس میں ضیاعِ مال کے ساتھ ساتھ تلف جان کا بھی اندیشہ قوی ہے۔ چنانچہ ہر کرسمس ڈے کے موقع پر یورپ وامریکہ میں درجنوں جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال وجان کو ہلاک ہونے سے بچائیں۔ اور آتش بازی شیطانی کارسازی سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

اور یہ بھی ارشادِ الٰہی ہے

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔

اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والقضاء، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ مجلس علماء نیدرلینڈ۔ ۱۹/اپریل ۲۰۰۱ء

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ شادی کا اعلان

مسئلہ ۱۰۸۶: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ شادی کے اعلان کا حکم احادیث کریمہ میں موجود ہے تو کیا لاؤڈ اسپیکر پر گانے باجے کے ساتھ شادی کا اعلان ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ بعض جگہوں میں رواج ہوتا جارہا ہے کہ دوچار روز پہلے سے عورتیں لاؤڈ اسپیکر پر گانے گاتی اور ڈھول تاشے وغیرہ بجاتی ہیں، اس سے شادی کا اعلان بھی عام ہوتا ہے اور شادی والے گھر میں خوشی بھی دوبالا ہوجاتی ہے۔

سائل:۔ فیصل مدارن۔ ہوخوردہ ۱۳۸۔ آمسٹرڈم

۹۲ الجواب ـــــ ھُوالھادی الی الصّواب ـــــ

شادی کے تعلق سے شریعت مطہرہ کا منشا، یہ ہے کہ وہ چھپ چھپا کر نہ ہو کر زنا کاری کے معاملات کو پنپنے کا موقع ملے بلکہ شادی کا شہرہ ہو جائے تاکہ دولہا دولہن پر کوئی تہمت نہ لگا سکے اور اس کی نسل پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔ اور یہ مقصد شرع ابتدائی دیکھا دیکھی، منگنی، آپس میں تحفہ تحائف کا بدلین، شادی کی تاریخ کا تقرر، دوست احباب کے ساتھ شادی کی تقریب میں شرکت، محفل نکاح خوانی اور ولیمہ وغیرہ سے بخوبی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی جائز و مستحسن آواز کو بذریعہ لاؤڈ اسپیکر دور دور تک پھیلا دی جائے۔ مثلاً ایجاب وقبول کی آواز، خطبہ کی آواز، مسائل نکاح اور نصائح کی آواز تو یہ جائز و مباح بلکہ نیت خیر کی وجہ سے مستحسن ہے لیکن جو ناجائز و حرام آوازیں ہیں مثلاً باجے گاجے کے ساتھ فلمی گانے، عریاں اور فحش مضامین پر مشتمل نظمیں آج کل کے اکثر فلمی گانے کے مضامین خدا و رسول کی توہین اور کفریات پر مشتمل ہیں جس کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنائے جاتے ہیں اور ان سب پر مستزاد محرمات کی آواز شیطان نواز کا شور (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ سب ناجائز و حرام اور معاشرہ اسلامی کے لئے نہایت بدانجام ہیں۔

حدیث شریف جس میں نکاح کے اعلان کا حکم استحبابی ہے اس کو حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ قزوینی نے اپنی سنن (ابن ماجہ) میں نقل کیا ہے۔

اعلنو ھٰذا النکاح واضربُوا علیہ بالغربال — تم نکاح کا اعلان کرو اگرچہ اعلان دف بجا کر ہی ہو۔

حدیث پاک میں کہیں غرباں اور کہیں دف ارشاد ہوا لیکن اس کے بجانے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ مقصود محض اعلان ہے جو مذکورہ بالا ذرائع سے حاصل ہے.... موجودہ وقت میں دف دوسرے معازف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جو عند الشرع حرام ہے لہٰذا اجزائے حرام ہو جانے کی وجہ سے اس کا استحباب باقی نہ رہا اور وہ ممانعت کے دائرہ میں آگیا۔

بھی ناجائز و حرام کام سے خوشی میسر نہیں ہو سکتی بلکہ روحانیت مجروح ہوتی ہے اور دینی کسل پیدا ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن ہنڈر لینڈ

۸ر مارچ ۱۹۷۲ء

اپنا حق حاصل کرنے کیلئے رشوت دینا

مسئلہ ۱۰۸۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل کسی مدرسہ میں بھی کوئی نوکری خواہ مدرس کی ہو یا کلرک کی بغیر سلامی (رشوت) دیئے ہوئے حاصل نہیں ہوتی، جب تک بورڈ کے اہلکاروں کو رشوت نہ دی جائے اور مدرسہ کے ارکان کی خوشامد نہ کی جائے۔ پھر انٹرویو لینے والوں کو چائے ناشتہ نہ کرایا جائے منتخب ہونا اور تقرری کی نوٹس ملنا ناممکن یا بہت زیادہ مشکل ہے ایسی صورت میں نقدی رشوت دینا، خوشامد کرنا یا چائے ناشتہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: لیسین انور۔ ملکانہ۔ مظفر پور۔ بہار

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

اگر آپ اس بات کی سند نہ لیتے اور "مصلحت ہیں دکار آساں کن" پر عمل کرتے تو بہتر تھا۔ نہایت افسوسناک بات ہے کہ مدارس (جو اسلامیات کا علمبردار کہلاتا ہے) کے اعلیٰ سطحی دفاتر اور اس کے ارباب حل و عقد میں رشوت ستانی اور رشوت دہی کا بازار گرم ہے ؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ناجائز فائدہ حاصل کرنے اور دوسرے کا حق مارنے کے لئے رشوت دینا، لینا دونوں حرام و بدانجام ہیں۔

الراشی والمرتشی فی النار۔ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

لیکن اگر ظلم سے بچنے کے لئے یا اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مجبوراً یا رواجاً

دینا پڑے تو دینے والا گنہگار نہیں ہوگا البتہ لینے والا بہر حال گنہ گار ہے۔
اگر کوئی شخص واقعی اس نوکری کی جگہ کا اہل ہے جس کے لئے وہ کوشش کر رہا ہے اور بغیر رشوت کے اس جگہ کی ملازمت نہیں مل سکتی ہے تو رشوت دینے والا گنہگار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ، مجلس علما، نیدر لینڈ
۱۲، محرم ۱۴۲۴ھ

سوشل سے وکانسی کا مشاہرہ لینا

مسئلہ ۱۰۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کی گورنمنٹ کا یہ قانون ہے کہ جس نے لیگل طور پر رہ کر تین سال سے زائد سرکاری یا نیم سرکاری وغیرہ دفاتر، کارخانے اور دیگر تنظیموں میں کام کر چکا ہے اُسے کام نہ رہنے کی صورت میں مختلف گورنمنٹی تنظیموں سے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے اور سالانہ ایک ماہ کی چھٹی بھی مشاہرہ (وظیفہ) کے ساتھ دی جاتی ہے۔ ساٹھ سال سے زائد عمر والوں کو دیگر مراعات کے ساتھ تین ماہ کی چھٹی (وکانسی) مشاہرہ کے ساتھ دی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ بغیر کام کئے ہوئے مذکورہ وظیفہ حاصل کرنا یا وکانسی کا مشاہرہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی:۔ انور علی، الکمار ہالینڈ۔ بزم رضا رجسٹرڈ۔

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ ھو الهادی الی الصواب ــــــــ

جو لوگ ملک میں رہتے ہیں اسے ملکی آئین وقانون کی رعایت کرنی ہوگی۔ عدم رعایت کی صورت میں عزت وآبرو کا خطرہ مظنون ہے۔ اور پھر ملازمت کا قانونِ مذکور ہماری شریعت کے خلاف بھی نہیں ہے لہٰذا اس کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے گا۔ چھٹی کے سلسلہ میں غالباً یہ بین الاقوامی قانون ہے کہ سال میں چند ہفتوں یا مہینوں کی چھٹی بالمشاہرہ دی جاتی ہے جو شرعاً جائز ہے

فتاویٰ شامی میں ہے۔ قال فی المحیط

انہ یاخذ لان یستریح للیوم الثانی محیط میں فرمایا کہ چھٹی کے دن کا مشاہرہ لیگا تاکہ

فحیث کانت لبطالۃ معروفۃ فی یوم الثلثاء والجمعۃ و فی رمضان والعیدین یحل الاخذ اھ

دوسرے دن آرام کرے۔ تو اسی طرح کی دیگر چھٹیاں جو مشہور و معروف ہیں منگل، جمعہ، رمضان اور عیدین میں تو ان دونوں کا مشاہرہ لینا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ مجلس علماء نیدرلینڈ۔

۲۳؍شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

رفاہی اداروں میں زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۱۰۸۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے اکثر ملکوں میں ایسے امدادی ادارے قائم ہیں جس کے ذریعہ حوادثات (زلزلہ، سیلاب نسلی فساد، مذہبی تنازعات) اور انفرادی طور پر، کینسر، نابینائی اور جذام وغیرہ کے مریضوں کی مدد کی جاتی ہے۔ ان اداروں کے بیشتر انتظام کار غیر مسلم ہیں۔ ایسے اداروں میں زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اوران میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

محمد عبد اللطیف منگل۔ آمسٹرڈم پورٹ۔ آمسٹرڈم۔

الجواب ـــــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــــ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ مسلمان (غیر ہاشمی سید) اور مستحقین زکوٰۃ کو دی جائے اور انہیں اس کا مالک بھی بنا دیا جائے۔ اگر تملیک نہیں پائی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مذکورہ ادارے انسانی ہمدردی اور فلاح و بہبود کے لئے قائم کئے گئے ہیں جو بہت ہی مستحسن اقدام ہیں۔ وقتاً فوقتاً حسب وسعت اس کی مدد کرتے رہنا چاہئے۔ مگر زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقمیں ان میں ہرگز نہ دی جائے کہ وہاں تملیک مسلم نہیں پائی جاتی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔　واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، مجلس علماء نیدرلینڈ

۱۷؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

تہمت لگانے کی سزا

مسئلہ ۱۰۹۰:۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مثلاً زینب اور زید کو ایک کمرہ میں دیکھا کوئی دوسرا آدمی وہاں نہیں تھا۔ زید کو دیکھا کہ وہ اپنے پاجامہ کا ازار باندھ رہا ہے اور زینب اپنے بالوں کو درست کر رہی ہے شخص مذکور (بکر) نے زید سے پوچھا تم دونوں تو اجنبی ہو تنہائی کے اندر اس کمرہ میں کیا کر رہے ہو؟ زید نے کہا کہ تم خواہ مخواہ مجھ پر شک کرتے ہو۔ ہم لوگ اکثر و بیشتر اِدھر گھومنے پھرنے کے لئے آجاتے ہیں کبھی کبھی اس کمرہ میں آرام بھی کر لیتے ہیں۔

بکر نے وہاں سے آنے کے بعد آبادی میں شور مچایا کہ زید زنا کر رہا تھا میں نے خود دیکھا ہے۔ جب پنچائت بیٹھی تو بکر کے علاوہ تین اور آدمیوں نے کہا کہ ہاں ہم لوگوں نے بھی زید اور زینب کو اُس کمرہ میں آتے جاتے بارہا دیکھا ہے۔

تمام گواہوں کے بیان کے بعد پنچائت نے دو ہزار روپیہ زید پر جرمانہ کیا اور پچاس مرتبہ کان پکڑوا کر اٹھایا بیٹھایا۔ ایسی صورت میں اہلِ پنچائت کا فیصلہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ اور زید کا گناہ معاف ہوا کہ نہیں؟ سائل:۔ وملین امام، دیار باقر، ترکی۔

۹۶۷ الجواب ـــــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــــ

اجنبی عورت مرد کا ایک ساتھ گھومنا پھرنا یا ایک ساتھ تنہائی میں رہنا حرام و بدانجام اور جہنمیوں کا کام ہے۔ زید و زینب پر لازم ہے کہ اس طریقۂ تفریح کو چھوڑے اور صدق دل کے ساتھ توبہ کرے کہ انہوں نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے لیکن صورتِ مذکورہ میں زید یا زینب پر زنا کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو بکر مذکور پر حدقذف (اسّی کوڑے مارنا) جاری کیا جاتا۔ مگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے تہمت زنا لگانے والے یا زنا کرنے والے خوش نہ ہوں کہ یہاں کی سزا سے آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ جو لوگ پارسا عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں

لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ پھر اس پر چار عینی گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ قبول کرو۔ کہ وہ نافرمان ہیں ....

صورتِ مسئولہ میں زید پر واجب ہے کہ زینب سے علیحدہ کا اقرار کرے اور پھر دونوں توبہ و استغفار کریں۔ اہلِ پنچائت نے اچھا نہیں کیا کہ زید پر مالی جرمانہ عائد کیا مالی جرمانہ شریعت کے نزدیک ناجائز و گناہ ہے اہلِ پنچائت پر ضروری ہے کہ زید سے لی گئی رقم واپس کرے۔ بقیہ تین آدمیوں نے زید و زینب کو غیر شرعی طور پر ایک ساتھ دیکھا اور اپنے دیکھنے کے مطابق بیان دیا وہ شرعی گرفت سے بری ہے کیونکہ اس نے تہمت نہیں لگائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

کتاب المیراث

زندگی میں جائداد کی تقسیم

مسئلہ ۱۰۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی زندگی ہی میں اپنی جائداد اپنے وارثوں پر تقسیم کر دینا چاہتا ہے۔ اگر وہ وراثت میں بیٹوں کے مقابلہ میں ان بچیوں کو کچھ زیادہ دیدے جس کی شادی ابھی نہیں ہوئی ہے تو وہ عندالشرع گنہ گار یا قابل گرفت تو نہیں ہوگا؟ ایک دوسری بچی اس کے یہاں کام کرتی ہے اس کی شادی کے لئے وہ اپنی جائداد سے کچھ دینا چاہتا ہے اس میں دیگر وارثوں کی حق تلفی تو نہیں ہوگی؟ اس کی دو بیویاں ہیں۔ دوسری کے مقابلہ میں ایک کثیر الاولاد ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اگر دوسری کے مقابلہ میں اسے کچھ زیادہ حصہ دیدے تو وہ شخص عندالشرع قابل مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ امید کہ تینوں سوالوں کا جواب الگ الگ عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ عبدالشہید، دروتتن، ہالینڈ

الجواب ۹۲/۴۹۶ ـــــــ ھوالہادی الی الصواب ـــــــ

شریعتِ مطہرہ کا اصول یہ ہے کہ ترکہ مورث کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے اور شریعت میں تقسیم ترکہ کا باضابطہ اصول (حصص وسہام) مقرر ہے نہ اس سے کم کسی کو مل سکتا ہے نہ زیادہ۔ لیکن مرنے سے پہلے ہر شخص اپنی جائداد کا مالک ومختار ہے جس کو جس قدر چاہے دے۔ اور یہ اختیار مرض الموت سے پہلے پہلے تک رہتا ہے۔ مرض الموت سے پہلے اگر کوئی باپ اپنے بیٹے بیٹیوں میں اپنی جائداد تقسیم کرنا چاہتا ہے تو اسے سہام ترکہ کے مطابق نہیں بلکہ بیٹا، بیٹی دونوں کو برابر دینا چاہئے علامہ طحاوی نے معانی الآثار میں اس حدیث کو نقل فرمایا۔

یعطی الابنۃ مثل ما یعطی الابن: بیٹی کو بیٹے کی مثل دیا جائے گا۔

فقہاء کرام نے اسی ارشاد کو مفتی بہ بتایا ہے۔ ہاں جو اولاد دینداری اور فرمانبرداری میں زیادہ ہو تو اس کو دوسرے بیٹوں بیٹیوں سے کچھ زیادہ دیدینے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح جو بچی خدمتِ خانہ پر مامور ہے اگر اس کی شادی بیاہ کے لئے کچھ جائداد کا حصہ مخصوص کر دیا جائے تو مالکِ جائداد کے لئے کچھ مضائقہ نہیں بلکہ وہ عنداللہ تعالیٰ ثواب کا مستحق ہوگا۔

جو بیوی کثیر الاولاد ہے اسے بھی نسبتاً کچھ زیادہ دیدینے میں حرج نہیں۔ البتہ کسی اولاد کو بالکل محروم کر دینا یا کسی کو بہت زیادہ دیدینا ظلم کے مترادف ہے جس سے بچنا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدُ الواجد قادری غفرلہٗ۔ جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲۱ ربیع الاول شریف ۱۴۱۸ھ

بیٹوں کے لئے ترکہ میں وصیّت

مسئلہ ۱۰۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ زید نے بیماری کی حالت میں ان وارثوں کو بٹھا کر گواہوں کے سامنے یہ وصیّت کی کہ میرے پاس پچہتر ہزار نقدی ہے جس میں سے میں نے عمرہ کے لئے پچیس ہزار رکھا ہے۔ بقیہ رقم میں سے بیس بیس ہزار بیٹوں کے لئے اور دس ہزار بیٹی کے لئے ہے تم لوگ اپنا اپنا حصہ ابھی چاہو تو ابھی لے لو، یا جب چاہو گے لے لوگے۔ وصیّت کے پندرہ دنوں کے بعد زید نے اپنی بیماری سے شفا پائی اور کئی مہینے صحت یاب رہا اس درمیان دونوں بیٹوں نے اپنا اپنا حصہ لیکر کاروبار میں لگا دیا اور اس میں منافع بھی کمایا ادھر تین مہینے کے بعد زید کا انتقال ہوگیا اور وہ عمرہ نہیں کر سکا۔ دونوں بھائیوں میں سے ایک بھائی نے بہن سے کہا کہ جو پچیس ہزار روپیہ والد صاحب نے عمرہ کے لئے رکھا تھا اس روپئے سے تم والد صاحب کے لئے عمرہ کر دو۔ چنانچہ بہن عمرہ میں چلی گئی۔ جب دوسرے بھائی کو پتہ چلا تو وہ ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ جو دس ہزار روپیہ بہن کے لئے رکھا

گیا تھا اس کو ہم لے لیں گے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے متروکہ کی وصیت اولاد کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہن کا عمرہ کے لئے جانا درست ہوا یا نہیں؟ دوسرے بھائی کا بہن کے حصہ پر قبضہ مناسب ہے یا غیر مناسب۔ جواب سے شاد کام فرمائیں

ہارون نورانی۔ اِنسخدی۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ ھوالھادی الی الصّواب ــــــــ

قرآن پاک نے ورثاء میت کے لئے متروکہ میت میں سہام (حصّے) مقرر فرمایا ہے تقرر سہام سے پہلے وصیت کا حکم تھا پھر وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ مستحسن امور کے لئے ترکہ کے ایک تہائی حصہ میں وصیت کو باقی رکھا گیا ہے۔ صورت مسئولہ میں زید نے اپنی تمام رقم میں وصیت جاری کی ہے جو عندالشرع باطل ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا فَلَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ ـــ وارث کے حق میں کوئی وصیت قابلِ قبول نہیں۔

اور جو وصیت باطل و ناجائز ہو اس پر عمل کرنا بھی ناجائز ہے۔ لہٰذا جن بیٹوں نے باپ کی زندگی میں اس کی جائداد پر قبضہ جمالیا وہ ناجائز و حرام ہوا اور اس مال کے ذریعہ جو فائدہ ہوا وہ بھی ناجائز ہے۔

جس بھائی نے بہن کو باپ کے چھوڑے ہوئے روپیہ سے عمرہ کرنے کی اجازت دی وہ اس روپیہ کا تاوان بھرے۔ اور اب باپ (زید) کا متروکہ (پچھتر ہزار روپیہ) اس طرح آپس میں تقسیم کرے

زید مسئلہ ۵ مف ۵

ابن	ابن	بنت
۲	۲	۱
۳۰۰۰۰ روپیہ	۳۰۰۰۰ روپیہ	۱۵۰۰۰ روپیہ

یعنی بھائی کو تیس تیس ہزار اور بہن کو پندرہ ہزار۔ جس بھائی یا بہن نے اپنے حصہ سے زیادہ لیا ہو وہ اس کو پورا کرے۔ قال تبارک وتعالیٰ " وَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۵ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام

دی ہیگ۔ ۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

ماں باپ کا حصّہ بیٹے کے ترکہ میں

مسئلہ ۱۰۹۳:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نورالدین کا انتقال ہوا اس نے اپنے والد شہاب الدین، والدہ فرزانہ، بیوی سلمیٰ اور بیٹا فریدالدین کو چھوڑا۔ نورالدین مرحوم کے نام سے بینک سے تقریباً چوبیس ہزار ایرو جمع ہے لیکن بینک کسی ایک وارث کو تمام رقم دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بینک کے منیجر کا کہنا ہے کہ تم اپنے کسی عالم دین سے یہ لکھوا کر لے آؤ کہ نورالدین کی بیوی کے علاوہ ماں باپ وغیرہ کا بھی جمع شدہ رقم میں حصّہ ہے اور کتنا حصہ ہے۔ تاکہ بینک نورالدین کی رقم اس کے وارثوں کے حوالہ کر دے۔ اس لئے دریافت طلب یہ بات ہے کہ نورالدین مرحوم کے کس وارث کو کتنا حصّہ اس کے متروکہ ایرو میں سے ملے گا؟

المستفتی:۔ جہانگیر۔ ہوف دورپ۔ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

نورالدین میت المسئلہ ۲۴

اب	ام	زوجہ	ابن	
۴	۴	۳	۱۳	= ۲۴

بر تقدیر صحت سوال وانحصار ورثا مذکور فی السوال بعد ما تقدم علی الارث متروکہ نورالدین چوبیس سہام شرعی پر تقسیم ہوکر چار سہام (حصّہ) اس کے باپ شہاب الدین، چار سہام اس کی ماں فرزانہ۔ تین سہام اس کی بیوی سلمیٰ اور تیرہ سہام اس کے بیٹا فریدالدین کو ملیں گے۔ یعنی سہام کو ہزار تصور کرکے ہر ایک وارث کو سہام کے عدد کے مطابق اتنے ہزار یورو ملیں گے۔ لقولہ تعالیٰ

وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک سینٹر نوری مسجد آمسٹرڈم

۱۸ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

میّت کے ورثاء کی قسمیں

مسئلہ ۱۰۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وراثت کے سلسلہ میں ذوی الفروض، ذوی الارحام اور عصبہ کس کو کہتے ہیں۔ حضراتِ مفتیانِ کرام ان الفاظ کا استعمال مسئلۂ وراثت میں کرتے ہیں لیکن ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتے لہٰذا التماس ہے کہ ان کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں نوازش ہوگی۔

سائل: نوازش کریم۔ پاک محمدی مسجد، نیس، فرانس

۹۲/۸۶ الجواب ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

جب کوئی مسلمان اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو وہ اپنے پیچھے تین قسم کے وارثان کو چھوڑتا ہے (۱) ذوالفروض۔ (۲) عصبہ۔ (۳) ذوی الارحام، ذوالفروض اُن وارثوں کو کہا جاتا ہے جن کے حصّے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں مثلاً نصف، ربع، ثمن یا سدس، ثلث اور ثلثان۔

(۲) عصبہ وہ ہے جس کا حصّہ مقرر نہیں ہے بلکہ ذوالفروض کو میّت کے متروکہ سے حصہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے بس اسی کو لینے کے وہ حقدار ہوتے ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً میّت کے فروع پھر اس کے اصول، پھر باپ دادا کے فروع وغیرہم (جب کہ یہ لوگ مذکر ہوں) میّت کی بیٹی پوتی وغیرہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں۔

(۳) ذوی الارحام وہ لوگ ہیں جو نہ ذوالفروض سے ہوں نہ عصبات سے بلکہ انکے علاوہ ہوں۔ عصبات کی طرح ان کی بھی علی الترتیب چار قسمیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قرض کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے قبل ہے

مسئلہ ۱۰۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مختلف لوگوں سے دس ہزار نقد روپیہ قرض لیا مگر اس کو ادا نہیں کرسکا موت

کا بلاوا آگیا اور وہ ملکِ عدم کو روانہ ہوگیا۔ البتہ جو زمین اور گھر کا اثاثہ اس نے چھوڑا ہے وہ پچاس ہزار سے کم کا نہیں ہے۔ اس کے کفن کا انتظام بھی کسی سے اُدھار لیکر ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے متروکہ جائداد میں سے پہلے کفن دفن کا قرض ادا کیا جائے یا اس سے پہلے وارثین کو حصہ دیدیا جائے۔

جواب کا منتظر:۔ عبدالوہاب بجبی۔ آلمیرہ سنترم۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

تقسیم ترکہ سے پہلے زید کے متروکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے اور قرض کی ادائیگی میں کفن دفن کے اخراجات کو مقدم رکھا جائے یعنی کفن دفن میں جو خرچ ہوا ہے اس قرض کو پہلے ادا کیا جائے۔ پھر زید پر جو بھی قرض ہے اس قرض کو ادا کرنے کے بعد جو بچے وہ وارثین میں تقسیم کر دیا جائے۔ کما فی السراجی

الاول یبدأ بتکفینہ و تجہیزہ ثم یقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ۔ اھ

میت کے ترکہ سے پہلے کفن دفن کا انتظام ہو اس کے بعد جو بھی مال باقی بچے اس سے مردہ کا قرض ادا کیا جائے (اسکے بعد جو بچے وہ وارثین پر تقسیم ہو)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء القرآن اسلامک فونڈیشن

۱۸ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

بینک کا قرضہ تقسیم ترکہ سے پہلے

مسئلہ ۱۰۹۶:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گورنمنٹ بینک سے قرض لینے کے بعد انتقال کر گیا اور بینک کلیۃً غیر مسلموں کا ہے تو کیا اس شخص کا ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے بینک کا قرضہ ادا کرنا بھی ضروری ہے؟ بینوا و توجروا

محمد الیاس نصر اللہ۔ کلین سٹراٹ۔ یوترخت۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

جی ہاں ہر قرض مقدمۃ التوریث میں داخل ہے خواہ وہ مسلمان کا قرض ہو

یا غیر مسلم کا۔ شرعی تعلیمات کی روشنی میں قرض کی ادائیگی تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ دارالافتاء اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ۔ ۱۹ رجب ۱۴۱۸ھ

بیٹی کے متروکہ میں ماں کا حصّہ

مسئلہ ۱۰۹۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ترکہ کے تقسیم ہونے کا کوئی ضابطہ قانونی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ جب شوہر کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا کُل ترکہ بیوی کو اور بیوی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا کل ترکہ اس کے شوہر کو ملتا ہے، ماں، باپ، بیٹا بیٹی یا دوسرے رشتہ داروں کا متروکہ میں کچھ بھی حصہ نہیں ہوتا لیکن ہم لوگ شرعی طور پر اس مسئلہ کو جاننا چاہتے ہیں کہ کلثوم مرحومہ کا ہارٹ اٹیک (اختلاج قلب) میں یک بیک انتقال ہوگیا وہ کچھ وصیت نہیں کرسکی لیکن اس کے نام سے بارہ ہزار ایرو بینک میں جمع ہے اور کچھ سونے کے زیورات بھی ہیں۔ مرحومہ نے اپنے پیچھے اپنا شوہر رفیق، اپنی ماں سکینہ، ایک بیٹا لئیق، ایک بیٹی روشن، ایک بہن زینب اور ایک چچا عبد السبحان کو چھوڑا ہے۔ مرحومہ کا متروکہ شرعاً کیسے تقسیم ہوگا؟

سائل: عبد السبحان کتاب علی۔ رس لاندر۔ ہالینڈ

۸۶/۹۷ **الجواب ـــــ بعون الملک الوھاب ـــــ**

مسئلہ ۱۲ × ۳ = ۳۶

ام سکینہ	زوج رفیق	ابن لئیق	بنت روشن	عم عبد السبحان	اخت زینب
۱/۶	۱/۴	ع			
۶	۹	۱۴	۷	م	م

بر تقدیر صحت سوالِ سائل وانحصار ورثا، فی سوال المذکور وبعد ما تقدم علی الارث متروکہ کلثوم مرحومہ چھتیس حصوں پر تقسیم ہوکر چھ حصے اس کی ماں سکینہ کو۔ نو حصے اس کے شوہر رفیق کو۔ چودہ حصے اس کے بیٹے لئیق کو اور سات حصے اس کی بیٹی روشن کو ملیں گے۔ اصحاب فروض اور بیٹا بیٹی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن اور چچا محروم

عن الارث ہوں گے ...... ماں کے حصہ سے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ (ملے گا) اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو...

اور شوہر کے تعلق سے ارشاد قرآنی یہ ہے

فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۝ اور اگر بیوی کو اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں یہ اُس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد۔

بیٹی، بیٹا اقرب العصبات میں سے ہے اسکے ہوتے ہوئے چچا وغیرہ محروم ہونگے۔

سراجی ص۱۳ میں ہے۔ اولیٰ بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم الخ بیٹے، پوتے میت کے اقرب عصبات میں سے ہیں لہٰذا ترکہ کا زیادہ حقدار وہی ہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم اسلامک فونڈیشن ہیند رلینڈ۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

نوٹ ملکی قانون جو بھی ہو اسکے جوابدہ اہلِ سیاست وحکومت ہیں۔ شریعتِ مطہرہ میں تقسیم ترکہ کا جو اصول ہے اس کے میں نے واضح کیا۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ وارزقنا اتباع شریعتہ البیضاء۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا وَحَبِيْبِنَا وَطَبِيْبِ قُلُوْبِنَا وَشِفَاءِ صُدُوْرِنَا وَمَلْجَانَا وَمَاوٰنَا وَنَبِيِّنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَابْنِهِ غَوْثِنَا الْاَنَامِ وَعَلَى الْاِمَامِ الْاَئِمَّةِ كَاشِفِ الْغُمَّةِ سِرَاجِ الْاُمَّةِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَبَدًا سَرْمَدًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اعتذار

① پروف ریڈنگ انتہائی
عرق ریزی کے ساتھ کی گئی ہے پھر بھی
بشری تقاضے کے مطابق بھول چوک ممکن ہے۔
لہٰذا مطالعہ کنندگان سے التماس ہے کہ جہاں کہیں
فروگذاشت نظر آئے براۓ کرم مطلع فرمانے کی زحمت گوارہ کریں۔

② ضمنی فہرست مکمل طور پر تیار نہیں ہوسکی لہٰذا فتاویٰ کے
بعض اجزاء کی فہرست شامل نہیں کی جاسکی جس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔

③ اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے فتاویٰ واحدی کے جدید مسائل
کا مزید انتخاب نہیں کرسکا اور نہ ہی فتاویٰ شرعیہ میں مندرجہ مسائل جدیدہ
کو اس فتاویٰ یورپ میں شامل کرسکا۔ اس لئے اہلِ ذوق
حضرات سے معافی کی امید رکھتا ہوں۔ انشاء المولیٰ
تعالیٰ دوسری جلد میں تلافیٔ مافات ہوجائے گی۔

معذرت خواہ
مرتب

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ الحدیث

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ہزاروں فتاویٰ پر مشتمل مسائل شرعیہ کا بیش بہا خزانہ

اجمل الفتاویٰ

المعروف بہ

فتاویٰ اجملیہ

جلد سوم

محدث المحققین سلطان المناظرین اجمل العلماء بدر الفضلاء

حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اجمل صاحب قادری رضوی اشرفی سنبھلی علیہ الرحمۃ والرضوان

شبیر برادرز

۴۰۔ اردو بازار، زبیدہ سنٹر ۵ لاہور

فتاوی جامعہ نعیمیہ مراد آباد سیریز ۱

معروف بہ

حبیب الفتاوی

افاضات

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی بھاگلپوری رحمۃ الباری علیہ

صدر المدرسین وشیخ الحدیث ومہتمم جامعہ نعیمیہ مراد آباد یوپی

ترتیب وتبویب

مولانا عبد المنان کلیمی بہاری

ترجمہ وتصحیح

سیف خالد اشرفی بھاگلپوری

شبیر برادرز

۴۰۔ اردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ۰ لاہور

دارالافتاء فیض الرسول براؤں شریف سے جاری شدہ ۱۹۲ فتاویٰ کا مستند ذخیرہ

فتاویٰ فیض الرسول

تصنیف

فقیہ ملّت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی

سابق صدر شعبہ افتاء دارالعلوم اہلسنّت فیض الرسول

بسعی و اہتمام

مفکر ملت حضرت علامہ صاحبزادہ غلام عبدالقادر علوی

خلف رشید حضرت شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ

مہتمم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

شبیر برادرز - ۴۰ بی اردو بازار - لاہور